

مكتبة تحفة حنفية

تحفة حنفية

بجواب

تحفة اہل حدیث



تالیف

ابو عبد اللہ محمد کراچی اور اس کے شاگرد

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

*** توجہ فرمائیں ***

کتاب و سنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب۔۔۔

* عام قاری کے مطالعے کے لیے ہیں۔

* مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق و اجازت کے بعد آپ لوڈ [UPLOAD] کی جاتی ہیں۔

* متعلقہ ناشرین کی تحریری اجازت کے ساتھ پیش کی گئی ہیں۔

* دعوتی مقاصد کی خاطر ڈاؤن لوڈ، پرنٹ، فوٹوکاپی اور الیکٹرانک ذرائع سے محض مندرجات کی نشر و اشاعت کی مکمل اجازت ہے۔

**** تنبیہ ****

**** کتاب و سنت ڈاٹ کام پر دستیاب کسی بھی الیکٹرانک کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔**

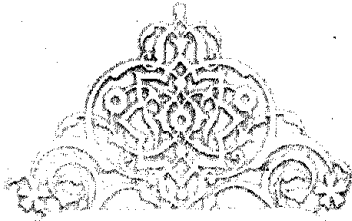
**** ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی و شرعی جرم ہے۔**

نشر و اشاعت اور کتب کے استعمال سے متعلق کسی بھی قسم کی معلومات کے لیے رابطہ فرمائیں :

ٹیم کتاب و سنت ڈاٹ کام

webmaster@kitabosunnat.com

www.kitabosunnat.com



جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں۔

نام کتاب

تحفہ تحقیقیہ بحجاب تحفہ اہل حدیث

تالیف

ابو محمد یحییٰ بن محمد کراچی

تاریخ اشاعت

اپریل ۲۰۰۶ء

مطبوعہ

علی آصف پرنٹرز لاہور

لئے کا پتہ

نعمانی کتب خانہ

e-mail: nomania2000@hotmail.com



ملنے کے پتے

- اسلامی اکیڈمی افضل مارکیٹ اردو بازار لاہور
- فاران اکیڈمی افضل مارکیٹ اردو بازار لاہور
- مکتبہ نعمانیہ اردو بازار گوجرانوالہ
- مکتبہ اسلامیہ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور
- نعمانی کتب خانہ جن سٹریٹ اردو بازار لاہور
- عبدالوہابی کتب گھر اردو بازار گوجرانوالہ
- مکتبہ الامجدیٹ این پرنسپل آباد
- فاروقی کتب خانہ بوہڑ گٹ ملتان

فہرست

صفحہ نمبر	مضامین	نمبر شمار
	تقریظ از مہتر احمد ربانی صاحب افتتاحیہ از شیخ الحدیث والفقیر محمد یحییٰ گوندلوی صاحب عرض مؤلف	
34	حصہ اول	
34	فصل اول	
34	وضع احادیث کے اسباب	(۱)
34	امام قرطبی کا قول	(۲)
34	مولوی عبدالحی لکھنوی کا قول	(۳)
35	مولوی محمود حسن دیوبندی کی قرآن میں تحریف	(۴)
36	مدیر تجلی کا اس پر تبصرہ	(۵)
36	مولوی محمد امین صفدر اوکاڑوی کی قرآن میں تحریف	(۶)
37	دیوبندیوں کی کتب احادیث میں تحریف	(۷)
37	ابوداؤد میں پہلی تحریف	(۸)
39	ابوداؤد میں دوسری تحریف	(۹)
40	ابوداؤد میں تیسری تحریف	(۱۰)
41	مصنّف ابن ابی شیبہ میں تحریف	(۱۱)
42	مسند حمیدی میں تحریف	(۱۲)
44	ابن ماجہ میں تحریف	(۱۳)
46	مسند ابو عوانہ میں تحریف	(۱۴)
48	صحیح مسلم میں تحریف	(۱۵)
50	متدرک حاکم میں تحریف	(۱۶)
51	مسند احمد میں تحریف	(۱۷)
	فصل دوم	
53	الفاظ نبوی میں حک و اضافہ کی مثالیں	(۱)
53	صاحب ہدایہ کا باطل طوفان دس عدد مثالیں	(۲)

صفحہ نمبر	مضامین	نمبر شمار
58	پانچ مثالیں	(۳) اکابر احناف صاحب ہدایہ کے نقش قدم پر
فصل سوم		
64	پندرہ مثالیں	(۱) حنفیت کی تائید میں وضع احادیث
66		(۲) مؤلف تحفہ الحمدیث کی دو وضع کردہ روایات
فصل چہارم		
76		(۱) دیوبندیوں کا مکروہ چہرہ
		(۲) ان احادیث کی نشان دہی جن کے آدھے حصے کو مانتے ہیں لیکن آدھے کے منکر ہیں
76		
77		(۳) کتے کا جھوٹا برتن
77		(۴) حرام اشیاء سے علاج
80		(۵) کھٹے ڈکار کا مسئلہ
81		(۶) قے سے روزہ ٹوٹنے کا مسئلہ
82		(۷) استنجاء میں ڈھیلے کا مسنون عدد
84		(۸) جوتے سمیت نماز پڑھنے کا مسئلہ
85		(۹) مساجد میں قضاء کا مسئلہ
86		(۱۰) اعتراف بھی انکار بھی
87		(۱۱) مکروہ اوقات میں مردہ دفن کرنا
88		(۱۲) دوہری تکبیر
89		(۱۳) مسئلہ رفق الیدین
89		(۱۴) نشاء کا بلند پڑھنا
90		(۱۵) نماز میں پیدل چلنا
91		(۱۶) نماز کی آخری دور کعتوں میں قرأت
93		(۱۷) امام کی تسمیح و تحمید کہنے کی مثال
94		(۱۸) تعدیل ارکان کی مثال
96		(۱۹) عداوت اہل حدیث میں حدیث رسول کا انکار
97		(۲۰) نماز وتر کی تعدد اور کعات

صفحہ نمبر	مضامین	نمبر شمار
98	نماز وتر میں مسنون قراۃ	(۲۱)
99	عجر کی سنتیں پڑھ کر کلام کرنا	(۲۲)
100	قضاء نماز پڑھنے کا مسئلہ	(۲۳)
102	سنتوں کی قضاء	(۲۴)
103	حیلہ نماز کار اور کفارہ نماز کی تردید	(۲۵)
104	سفر کی حالت میں سنتیں پڑھنا	(۲۶)
105	نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ	(۲۷)

فصل پنجم

106	دیوبندی اہل سنت سے خارج ہیں	(۱)
106	جوئی کی عبادت کرنا اور فرقہ دیوبند	(۲)
106	غیر اللہ سے استعانت اور فرقہ دیوبند	(۳)
106	مسئلہ علم غیب اور فرقہ دیوبند	(۴)
108	دیوبندی تحریف قرآن کے قائل ہیں	(۵)
108	دیوبندی ختم نبوت کے منکر ہیں	(۶)
108	دیوبندی اور وضع احادیث	(۷)
108	دیوبندی احادیث کے منکر ہیں	(۸)
108	دیوبندی سنت کا مذاق اڑانے ہیں	(۹)
109	دیوبندی اور مسئلہ ایمان	(۱۰)

حصہ دوم

فصل اول

116	ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنا	(۱)
116	جھنگوی نے ابتدا ہی جھوٹ سے کی	(۲)
117	جھنگوی کا اعتراف حقیقت کے ساتھ باطل کا بھی اعتراف	(۳)
118	ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنے کی مروجہ احادیث	(۴)
119	جھنگوی صاحب کا پہلا اعتراف	(۵)

صفحہ نمبر	مضامین	نمبر شمار
120	صحیح بخاری پر اعتراضات اور ان کے جوابات	(۶)
122	سینہ پر ہاتھ باندھنا	(۷)
123	پاؤں کو کشادہ کرنا	(۸)
123	نماز میں قیام کی کیفیت	(۹)
123	اذان کے کلمات	(۱۰)
124	رکعات نماز	(۱۱)
125	نماز کے فرائض و واجبات اور مکروہات	(۱۲)
126	نماز عید کا طریقہ	(۱۳)
127	بیٹھ کر پیشاب کرنا	(۱۴)
128	جہادی تنظیم کی جھنڈے پر علامات	(۱۵)
129	دو ہاتھ سے مصافحہ کرنے کی دلیل	(۱۶)

فصل دوم

137	ننگے سر نماز ادا کرنے کا بیان	(۱)
137	سنت کی تعریف	(۲)
140	اس پر جھٹکوی کا اعتراض اور اس کا جواب	(۳)
145	ننگے سر نماز ادا کرنے کا ثبوت	(۴)
147	جھٹکوی کا رسول اللہ ﷺ پر افترا	(۵)
148	کیا ننگے سر نماز نہیں ہوتی؟	(۶)
149	علمائے اہل حدیث کی تحقیق	(۷)
150	اہل تقلید سے ایک سوال	(۸)
150	آخر خاموشی کیوں ہے؟	(۹)
151	مؤلف تحفہ اہل حدیث کی قرآن میں معنوی تحریف	(۱۰)
152	کیا ننگے سر عبادت کرنا عیسائیت کا شعار ہے	(۱۱)

فصل سوم

154	پاؤں کشادہ رکھنے کا مسئلہ	(۱)
-----	---------------------------	-----

صفحہ نمبر	مضامین	نمبر شمار
162	حنفیہ کا مؤقف	(۲)
162	حنفیہ کی تاویل یا تحریف	(۳)
163	علمائے اہل حدیث کا فتویٰ	(۴)
165	کیا اہل حدیث کی مساجد میں اس پر عمل نہیں ہوتا	(۵)

حصہ سوم

فصل اول

166	مسئلہ تقلید	(۱)
166	تقلید کی لغوی تعریف	(۲)
166	اصطلاحی تعریف	(۳)
167	کیا تقلید شرک نہیں؟	(۴)
168	تقلید اور اتباع میں فرق	(۵)
169	رد تقلید	(۶)
171	تقلید کی رسم اہل کتاب میں تھی	(۷)
174	مقلدین کا طرز عمل	(۸)
177	مقلد کے اصول	(۹)
179	منکرین حدیث کے نقش قدم پر کون	(۱۰)
186	دین میں فقہ کا مقام	(۱۱)
188	تشریح کسے کہتے ہیں؟	(۱۲)
190	اہل حدیث کا اقوال رجال فقہ سے ناراضگی کا سبب	(۱۳)
196	کیا فقہ حنفی کا اختلاف قرأت قرآن کی طرح ہے؟	(۱۴)
198	فقہ حنفی میں کچی کچی باتیں	(۱۵)
201	شریعت میں تسخیر کی طرح ہوتا ہے	(۱۶)
203	تقلید امام میں اتباع رسول ﷺ	(۱۷)
206	کیا تقلید پیش امام کی اقتدا کی طرح ہے	(۱۸)
210	تقلید اور راہنمائی کا فرق	(۱۹)

صفحہ نمبر	مضامین	نمبر شمار
213	اسناد حدیث اور تقلید	(۲۰)
214	کیا اہل حدیث بھی تقلید کی دعوت دیتے ہیں	(۲۱)
216	امام ابو حنیفہ کی تقلید میں وجہ ترجیح	(۲۲)
217	تقلید کے فوائد اور ان کی حقیقت	(۲۳)
222	مؤلف تحفہ الہمدیث کی گپ	(۲۴)
255	کیا فقہ حنفی خلفائے راشدین سے ماخوذ ہے	(۲۵)
228	کیا مترجم پر اعتماد اس کی تقلید ہے	(۲۶)
232	کیا مؤلفین صحاح ستہ مقلد تھے	(۲۷)
235	غیر مقلد کی تعریف	(۲۸)
237	تحریر الہمدیث کا اصل قصور	(۲۹)
240	مؤلف تحفہ الہمدیث کو چیلنج	(۳۰)
240	آئمہ اربعہ نے تقلید کیوں نہ کی؟	(۳۱)
245	کیا اسلام میں فرقہ بندی جائز ہے؟	(۳۲)
فصل دوم		
248	ہم الہمدیث کیوں ہیں؟	(۱)
249	اہل حدیث کی وجہ تسمیہ	(۲)
250	سلفی و اثری کی وجہ تسمیہ	(۳)
250	شخصی نسبت	(۴)
253	قدامت اہل حدیث	(۵)
254	صحابہ اہل حدیث تھے	(۶)
255	تابعین بھی اہل حدیث تھے	(۷)
256	اتباع تابعین بھی اہل حدیث تھے	(۸)
256	اتباع تبع تابعین بھی اہل حدیث تھے	(۹)
257	ایک مستقل کتب فکر	(۱۰)
259	شارعین حدیث کی گواہی	(۱۱)

صفحہ نمبر	مضامین	نمبر شمار
261	مؤلف تحفہ الہجدیث کو کھلا چیلنج	(۱۲)
262	اکابر احناف کی شہادت	(۱۳)
فصل سوم		
266	کیا اہل حدیث اہل سنت سے خارج ہیں	(۱)
268	مبتدعین دینہ کا اہل حدیث سے اختلاف	(۲)
269	کیا تقلید اہل سنت کی علامت ہے	(۳)
271	کیا ایک مجلس کی تین طاقتوں کو تین تسلیم کرنا اہل سنت کی علامت ہے	(۴)
273	کیا آئمہ کے اقوال معصوم عن الخطاء ہوتے ہیں	(۵)
275	کیا صحابہ معیار حق نہیں	(۶)
277	کیا جمعہ کی دوسری اذان بدعت عثمانی ہے	(۷)
279	کیا نماز کے بعد اجتماعی دعا اہل سنت کی علامت ہے	(۸)
281	کیا اہل حدیث فقہ کے منکر ہیں	(۹)
283	کیا اہل حدیث عذاب قبر کے منکر ہیں	(۱۰)
284	کیا عقیدہ حیاۃ النبی اہل سنت کی علامت ہے	(۱۱)
286	بعض انبیاء کی موت کا تذکرہ	(۱۲)
287	خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی وفات	(۱۳)
289	سیدنا ابو بکر صدیق کا خطبہ اور اجتماع صحابہ	(۱۴)
290	شان صدیق اکبر	(۱۵)
292	کیا آٹھ رکعت تراویح اہل سنت کا مذہب نہیں	(۱۶)
294	آٹھ رکعت تراویح کے مسنون ہونے پر علماء احناف کی شہادت	(۱۷)
296	کیا تراویح اور تہجد میں فرق ہے	(۱۸)
298	کیا اہل حدیث قبر نبوی ﷺ کی زیارت کو حرام سمجھتے ہیں	(۱۹)
301	کیا فوت شدہ سنتے ہیں	(۲۰)
303	کیا بھینس اور گھوڑے کی قربانی جائز ہے	(۲۱)
304	نماز میں مصحف سے قرآن کا مسئلہ	(۲۲)

صفحہ نمبر	مضامین	نمبر شمار
306	توہین قرآن اور فقہ حنفی کیا	(۲۳)
309	کیا جنبی تلاوت قرآن کر سکتا ہے	(۲۴)
312	کیا خوش دامن سے بدکاری کرنے پر عورت حرام ہو جاتی ہے	(۲۵)
315	کیا روضہ رسول ﷺ کو گرائنا واجب ہے	(۲۶)
316	گستاخ رسول ﷺ کون؟	(۲۷)
321	کیفیت نماز جنازہ	(۲۸)
321	رکوع کی رکعت	(۲۹)
322	قومہ میں ہاتھ باندھنے کا مسئلہ	(۳۰)
322	کیا اہل حدیث کے نزدیک منسوخ حکم پر عمل کرنا جائز ہے	(۳۱)
323	مغرب کی نماز سے قبل دو رکعت نوافل کی مشروعیت	(۳۲)
325	نماز میں قیام کی کیفیت	(۳۳)
326	حنفی نماز کا نقشہ	(۳۴)
327	کیا اسلام میں مرد و عورت کی نماز کا فرق ہے؟	(۳۵)
328	بچے کی امامت کا مسئلہ	(۳۶)
329	کیا سورۃ فاتحہ قرآن کا حصہ نہیں؟	(۳۷)
331	کیا تہجد اور تراویح میں فرق ہے	(۳۸)
332	کیا ایک رکعت و تراویح نہیں	(۳۹)
فصل چہارم		
334	کیا احادیث میں اختلاف ہے	(۱)
334	گوہ کی حلت و حرمت کی احادیث	(۲)
337	مطبوعہ چیز سے وضو ٹوٹنے کا مسئلہ	(۳)
339	شراب کی حلت و حرمت	(۴)
341	سر کے مسح کا تکرار	(۵)
342	نماز عصر کے بعد نوافل کا حکم	(۶)
345	اعضاء وضو کو دھونے کی تعداد	(۷)

صفحہ نمبر	نمبر شمار
346	(۸) نماز فجر کا وقت
347	(۹) جھنگوی مرزا غلام احمد قادیانی کے نقش قدم پر
فصل پنجم	
352	(۱) اہل حدیث میں اختلاف
354	(۲) جماعت غربا اہل حدیث کے انفرادی مسائل اور ان کا حل
359	(۳) نماز کے بعد اجتماعی دعا
361	(۴) بھینس کی قربانی
364	(۵) نماز جنازہ آہستہ یا بلند
367	(۶) وتروں میں قنوت کا محل
368	(۷) بغیر خطبہ کے نماز جمعہ
370	(۸) قرآن کریم کا نماز میں مسنون طریقہ
372	(۹) رکوع و سجدہ میں ذکر کی مشروعیت
373	(۱۰) مؤلف تحفہ الہجرت کا افتراء
374	(۱۱) عورتوں کے لئے زیارت قبور کا حکم
377	(۱۲) جمعہ کی اذان اول
378	(۱۳) جرابوں پر مسح
379	(۱۴) مسجد میں محراب کا حکم
381	(۱۵) منیٰ کی طہارت اور نجاست
382	(۱۶) اہل حدیث میں تنظیمی امور پر اختلاف
فصل ششم	
389	(۱) فقہ علامہ حیدر الزمان اور علامہ ابن عابدین
391	(۲) پہلا افتراء
392	(۳) دوسرا افتراء
393	(۴) تیسرا افتراء
393	(۵) چوتھا افتراء

صفحہ نمبر	مضامین	نمبر شمار
394	پانچواں افتراء	(۶)
395	چھٹا افتراء	(۷)
396	ساتواں افتراء	(۸)
398	آٹھواں افتراء	(۹)
399	نوواں افتراء	(۱۰)
فصل ہفتم		
400	مذہب اہل مدینہ اور اہل حدیث	(۱)
400	مسئلہ رفع الیدین	(۲)
401	پگڑی پر مسح	(۳)
403	تیمم میں ایک ضرب کا ثبوت	(۴)
405	نماز میں سورۃ فاتحہ کا بیان	(۵)
408	مدرک رکوع کی رکعت ہوتی ہے کہ نہیں	(۶)
409	جنازہ میں سورۃ فاتحہ کی قرأت	(۷)
410	مسجد میں نماز جنازہ	(۸)
411	وتر کی رکعات کی تعداد	(۹)
413	گھوڑے کی حلت و حرمت	(۱۰)
414	ایام قربانی	(۱۱)
417	دیوانے کی بڑکے صحاح ستہ روس میں تصنیف ہوئی تھیں	(۱۲)
419	امام مالک سے حنفیت کا اختلاف	(۱۳)
دس مثالیں		
فصل ہشتم		
425	در مختار پر ایک خانزادہ نظر	(۱)
	فقہ کے دس جہاں سوز مساکن	(۲)
فصل نہم		
429	فقہ حنفی کی مجلس شوریٰ کی حقیقت	(۱)
429	مجلس کے اراکین کا مفصل تعارف	(۲)

صفحہ نمبر

نمبر شمار

457

(۳) مجلس شوریٰ پر تبصرہ بلا تبصرہ

فصل دہم

458

(۱) تقلید کے دلائل

458

(۲) لفظ امام اعظم کی حقیقت

461

(۳) امام ابوحنیفہ اور علم حدیث

463

(۴) آل سعود اور مبتدعین دیوبند

467

(۵) تفسیر عثمانی کی اشاعت

468

(۶) تقلید کی دلیل اول

470

(۷) تقلید کی دوسری دلیل

472

(۸) کیا تقلید کا لفظ قرآن میں ہے؟

473

(۹) تقلید اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی

474

(۱۰) شیخ عبدالقادر جیلانی

475

(۱۱) صحابہ کی تقلید

477

اہلحدیث کے تقلیدی مسائل

479

(۱) بھینس کی حلت

481

(۲) سنن و فرائض کی تقسیم

481

(۳) قنوت وتر میں ہاتھ اٹھانا

482

(۴) مسکن طلائع ثلاثہ

483

(۵) شام و آغوز کا آہستہ پڑھنا

484

(۶) امام کی تکبیرات انتقال کو مقتدی بلند کیوں نہیں کہتا

488

(۷) امام کا سلام بلند آواز سے اور مقتدیوں کا آہستہ

490

(۸) رکوع کی تہنیت

491

(۹) جماعت میں کی ہوتی ہے کہ فرائض کی

493

(۱۰) آئین کو بلند آواز سے کہنے کی دلیل

494

(۱۱) اگر تسوؤہ شام و آغوز دجائے

495

(۱۲) دو سجدوں کے درمیان بیٹھنے کی کیفیت

صفحہ نمبر	مضامین	نمبر شمار
496	رکوع کے بعد ہاتھوں کو کھولنا	(۱۳)
497	شرائط نماز	(۱۴)
498	کیا اہل حدیث ابن حجر کے مقلد ہیں	(۱۵)
499	روزہ و قربانی کی فرضیت	(۱۶)
500	نماز جنازہ کی ترتیب	(۱۷)
فصل یازدہم		
502	علماء اہلحدیث کے کذبات یا جھٹکوی کے مغالطے	(۱)
504	جھوٹ کی تعریف	(۲)
505	حقیقت میں خود جھٹکوی جھوٹا و کذاب ہے	(۳)
505	مؤلف حقیقت اللقہ کے جھوٹ یا جھٹکوی کے مغالطے	(۴)
508	صلوۃ الرسول میں اوہام	(۵)
511	سبیل الرسول میں اوہام	(۶)
515	مولانا ابوسعید محمد حسین بٹالوی مرحوم کی ایک عبارت	(۷)
فصل دوازدہم		
519	خشیت اور مرزائیت	(۱)
519	چند تمہیدی باتیں	(۲)
519	یہ تعلیم یافتہ جہلا	(۳)
522	مرزا غلام احمد قادیانی کا اپنا اعتراف	(۴)
523	حکیم نور الدین کی گواہی	(۵)
524	محمد علی لاہوری کی گواہی	(۶)
525	مرزا بشیر احمد کی گواہی	(۷)
525	مرزائیوں کی فقہ حنفی ہے	(۸)
525	مرزا غلام احمد قادیانی کی اہل حدیث سے نفرت	(۹)
526	حنفی علماء کی شہادتیں کہ مرزا حنفی تھا	(۱۰)
527	مؤلف تحفہ اہل حدیث کا اعتراف	(۱۱)
529	کیا مرزا غلام احمد قادیانی کا نکاح میاں صاحب مرحوم نے پڑھایا	(۱۲)
530	دیگر مسائل	(۱۳)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تقریظ

از مفتی الہمدیث جناب ابوالحسن مبشر احمد ربانی حفظہ اللہ

تمام شرعی احکام کا دار و مدار قرآن و حدیث پر ہے۔ سلف صالحین سے لے کر آج تک تمام ائمہ محدثین رحمہم اللہ اجمعین نے احکامات شرعیہ میں یہی طریقہ اختیار کیا۔ لیکن بعض افراد نے کتاب و سنت سے مسائل اخذ کرنے کی بجائے آراء الرجال کو اپنا ماخذ بنا لیا اور ہر پیش آمدہ مسئلہ میں اپنے مقرر کردہ عالم کو حرف آخر سمجھ لیا۔ اور کتاب و سنت میں تفکر و تدبر کو پس پشت ڈال دیا۔ مولوی حسین احمد مدنی کا بیان ملاحظہ کیجئے۔

سوائے انبیاء علیہم السلام کے کوئی شخص معصوم نہیں اور سوائے امام صاحب کے کوئی مقلد نہیں مقلد وہ ہوتا ہے جس کے قول کو بلا دلیل مانا جائے.....

(تقریر ترمذی: 71)

آگے چل کر لکھتے ہیں۔

”امام صاحب سے متون تو منقول ہیں دلائل منقول نہیں ہیں لہذا دلائل کا تسلیم کرنا ہم پر ضروری نہیں اس سے مذہب حنفی پر کوئی زد نہیں آسکتی۔ اور جو دلائل مذہب حنفیہ کے مطابق ہوں گے ہم ان کو تسلیم کرنے پر مجبور ہیں۔“

(تقریر ترمذی: 72)

بعض مقلدین کے طرز عمل پر تبصرہ کرتے ہوئے تھانوی صاحب لکھتے ہیں :-

”اکثر مقلدین عوام بلکہ خواص اس قدر جامد ہوتے ہیں کہ اگر قولی مجتہد کے خلاف کوئی آیت یا حدیث کان میں پڑتی ہے ان کے قلب میں انشراح انبساط نہیں رہتا بلکہ اول استنکار قلب میں پیدا ہوتا ہے پھر تاویل کی فکر ہوتی ہے خواہ کتنی ہی بعید ہو اور خواہ دوسری دلیل قوی اس کے معارض ہو بلکہ مجتہد کی دلیل اس مسئلہ میں بجز قیاس کے کچھ بھی نہ ہو بلکہ

خود اپنے دل میں اس تاویل کی وقعت نہ ہو مگر نصرت مذہب کے لئے تاویل ضروری سمجھتے ہیں۔ دل یہ نہیں مانتا کہ قول مجتہد کو چھوڑ کر حدیث صحیحہ صریحہ پر عمل کر لیں۔

(تذکرۃ الرشید: 1/131)

مولوی محمود حسن دیوبندی فرماتے ہیں:

”آج کل کے بعض مولوی جماعت ثانیہ پر بے طرح زور لگا رہے ہیں خدا جانے ان کی عقل کہاں گئی نہ زمانے کے حال سے واقف ہیں نہ جماعت ثانیہ کے مآل و مفاسد پر نظر کرتے ہیں فقہ کی کسی ایک روایت کو ذرا موافق پا کر اسے گھڑ مڑھ کر سامنے کر دیتے ہیں۔ حنفی کہلاتے ہیں اور امام کی بات جو بالکل بدیہی ہے اس کو نہیں مانتے حنفی کی خلاصی کے لئے تو یہی کافی ہے کہ ہمارے امام کا یہ مذہب نہیں لیکن اس کے باوجود مدحجات مذہب امام اور مؤیدات کراہت جماعت ثانیہ کے استحباب اور اولویت پر بے طرح اڑ رہے ہیں اور افسوس ہے کہ رفع یدین میں باوجود کثرت احادیث صریحہ کے امام صاحب کی آڑ پکڑیں اور کہیں کہ ہمارے امام کا مذہب نہیں اور اگر کسی غیر مقلد کو رفع یدین کرتے ہوئے دیکھ لیں تو اخراج من المسجد کا حکم دیں تاکہ پاس والوں کی نماز خراب نہ ہو اور اس مسئلہ میں امام صاحب کی بات نہ مانیں اور ادھر ادھر کی باتیں بنائیں اور حدیث کا بہانہ لیں۔

(تقاریر حضرت شیخ الحدید: 88، 59 اور الشذی 52)

قاضی ابن ابی العز حنفی لکھتے ہیں۔

فطائفة قد غلت فی تقلیدہ فلم تترك له قولاً وانزلوه منزلة الرسول
عليه السلام وان اورد عليهم نص مخالفة قوله تأولوه على غير تاويله ليدفعوه
عنهم (الاتباع: 30)

مقلدین کی ایک جماعت نے امام ابو حنیفہ کی تقلید میں غلو سے کام لیا ہے انہوں نے امام صاحب کے کسی قول کو ترک نہیں کیا اور انہیں رسول اللہ ﷺ کے مقام و منصب پر فائز کر دیا گیا ہے۔ اگر ان پر کوئی ایسی نص پیش کی جائے جو قول امام کے خلاف ہو تو وہ اسے رد

کرنے کے لئے بے جا تاویلیں کرتے ہیں۔

مزید تفصیل کے لئے شاہ ولی اللہ کی تفسیرات 151/1 الردالی من اخلد الی الارض للسیوطی
140`141 تحفۃ الانام ص: 26 الايقاظ ص 71)

مذکورہ بالا حوالہ جات سے یہ بات اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ مقلدین کی حالت ناگفتہ بہ ہے۔ یہ قول امام کی آڑ میں احادیث سے کس طرح ہاتھ صاف کرتے ہیں اور نصوص صحیح صریح میں تاویلات باطلہ، توجیہات کا سدہ اور آرائے فاسدہ سے کام لیتے ہیں۔ اور عملی طور پر حضرت امام ابو حنیفہ کو مقام رسالت پر فائز کر دیتے ہیں اور ان کے سوا کسی کو خاطر میں نہیں لاتے۔ اس روش بے جا کو اختیار کرتے ہوئے اسماعیل جھنگوی نے ”تحفہ اہل حدیث“ نامی کتاب ترتیب دی۔ اور اپنے اعموان و انصار کو بروئے کار لاتے ہوئے اہل حدیث دشمنی میں احادیث رسول کی تضحیک و تفتیح کی۔ اور محدثین کرام کی جماعت کو دل کھول کر دشنام دی۔ اور امواج تاویلات میں غوطہ زن ہو کر ریح الاراء اور ریح الاسواء کو استعمال کیا۔ اور کئی احادیث وضع کر کے کذابین، بھائیں اور افاکین کا کردار ادا کیا جیسا کہ زیر تبصرہ کتاب میں آپ پڑھیں گے اور ضلال و اضلال، تلبیس و تحریف، تجھیل و تقسیق جو اسے اپنے استاد ماسٹر اوکاڑوی سے ورثہ میں ملی۔ سے خوب کام لیا۔

اللہ تعالیٰ نے ہر دور میں مبطلین و مفسدین کی خیانتوں، جہالتوں اور ریشہ دوانیوں کا پردہ چاک کرنے کیلئے بڑے بڑے لوگ پیدا کئے ہیں جو ان گمراہیوں سے عوام الناس کو واقف کرتے رہے ہیں اور کتاب و سنت کے علم کو بلند و بالا رکھتے ہیں۔ جنہوں نے ہر دور میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت سے قرآن و حدیث کا پھر پرچار دانگ عالم میں لہرایا۔ اسی سلسلہ مروارید اور سموط ذہیبہ کی کڑی مولانا داؤد ارشد حفظہ اللہ ہیں جنہوں نے بڑی محنت اور عرق ریزی سے اس معاند کا تعاقب کیا اور اس کی باطل تاویلات کا قلع قمع کرنے کے ساتھ ساتھ اس جیسے دیگر مقلدین کی حدیث دشمنی، تحریف، تلبیس اور گمراہی کو طشت ازبام کر دیا ہے۔ یہ بد طینت اہل حدیث دشمنی میں رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی کو بھی

معاف نہیں کرتے۔ جھنگوی کے استاذ نے لکھا ہے کہ ”آپ نے فرمایا کہ کتا سامنے سے گزر جائے تو نماز ٹوٹ جاتی ہے۔“

(مسلم ص 197 ج 1)

لیکن آپ نماز پڑھاتے رہے اور کتا سامنے کھیلتی رہی اور ساتھ گدھی بھی تھی دونوں کی شرمگاہوں پر بھی نظر پڑتی رہی۔“

(مجموعہ رسائل ص 350 ج 3)

ماسٹر کی یہ عبارت بول بول کر بتا رہی ہے کہ یہ لوگ اللہ کے نبی ﷺ کے گستاخ ہیں کہ کسی صحیح تو کجا ضعیف روایت میں بھی یہ بات نہیں ملے گی کہ رسول اکرم، امام اعظم محمد رسول اللہ ﷺ حالت نماز میں کتیا اور گدھی کی شرمگاہ دیکھتے ہوں العیاذ باللہ اپنے استاد کے نقش قدم پر چلتے ہوئے جھنگوی نے بھی رسول اللہ ﷺ کا حالت نماز میں امعاء کرنا لکھ کر پھر بتایا کہ اسے عقبہ الشیطان بھی کہا گیا ہے۔ لکھتا ہے ”دیکھیں اپنے کئے ہوئے فعل کو عقبہ شیطان کہا جا رہا ہے۔“

(تحفہ اہل حدیث۔ ص 121 ج 2)

حالانکہ حالت نماز میں جس امعاء سے روکا گیا اور اسے شیطان کی طرح بیٹھنا قرار دیا گیا وہ اور ہے اور جس طرح نبی ﷺ بیٹھے وہ اور ہے اسے ابن عباس رضی اللہ عنہ نے سنت قرار دیا ہے تفصیل کے لئے دیکھیں۔

(صحیح مسلم مع شرح النووی 15/16/17 طبع دار الکتب العلمیہ بیروت)

لیکن عقل و بصیرت سے محروم جھنگوی نے نبی ﷺ کے عمل مبارک کو شیطان کا عمل بنا دیا العیاذ باللہ وعلیہ ما علیہ۔ اتنی گستاخیوں کے باوجود بھی یہ طبقہ اپنے آپ کو اہل سنت کہتا تھکتا نہیں۔ امام احمد بن حنبل نے ان کے متعلق سچ فرمایا ”واصحاب الرائے وهم مبتدعہ ضلال اعداء للسنة والأثر يبطلون الحدیث ويردون علی الرسول علیہ الصلوٰۃ والسلام ويتخذون ابا حنیفۃ ومن قال بقوله امام ویدینون

بدینہم وای ضلالة ایین ممن قال بهذا وترك قول الرسول واصحابه واتبع
قول ابی حنیفہ واصحابہ؟ فکفی بهذا غیا مردیا وطغیاناً۔

(طبقات الحنابلہ 25/1)

اصحاب الرائے بدعتی وگمراہ، سنت و حدیث کے دشمن، حدیث کو بے کار کرنے والے
اور رسول اللہ ﷺ پر رد کرنے والے ہیں اور ابو حنیفہ اور ان کے قول کو لینے والے افراد کو
انام بناتے ہیں اور ان کی راہ کو اختیار کرتے ہیں جس شخص نے ان کا قول اختیار کیا وہ قول
رسول ﷺ اور قول صحابہ رضی اللہ عنہم ترک کیا اور ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب کی پیروی کی
اس سے بڑی ضلالت وگمراہی کیا ہے؟ گمراہی، ہلاکت اور سرکشی کے لئے یہی کافی ہے۔

معلوم ہوا کہ یہ لوگ اہل سنت بھی نہیں بھلا احادیث رسول کو اپنی منشا اور مذہب کے
خلاف پا کر رد کرنے والے اہل سنت کیسے ہو سکتے ہیں اس بات کی تفصیل شیخ گوندلوی کے
مقدمہ میں ملاحظہ ہو بہر کیف ہمارے بھائی مولانا داؤد ارشد نے جھنگوی کی گمراہیوں کا پردہ
چاک کر کے ایک عظیم خدمت سرانجام دی ہے۔ یہ کتاب امید ہے کہ کئی لوگوں کے لئے
راہ ہدایت کا کام دے گی۔ اللہ تعالیٰ اسے مؤلف اور دیگر اہل اسلام کے لئے نفع مند بنائے۔

آمین

ابوالحسن مبشر احمد ربانی

۱۴ محرم الحرام ۱۴۲۱ موافق

8 اپریل 2001ء

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

افتتاحیہ

مولانا ابوالانس محمد بیچی گوندلونی حفظہ اللہ تعالیٰ
 شارح صحیح سنن الترمذی و صحیح سنن ابن ماجہ

ان الدین عند اللہ الاسلام

رسول اکرم ﷺ فداہ ابی و امی اپنی امت کو ایسے دین پر چھوڑ کر عالم بقا کی طرف روانہ ہوئے کہ جس کی رات بھی دن کی طرح روشن تھی۔ ((لیلہا کنہارہا)) یعنی دین اسلام کامل ہو چکا تھا جس میں کمی و بیشی کی کوئی گنجائش باقی نہ تھی۔ ”الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا“ اور جس میں ہنوز کسی قسم کی آمیزش نہ تھی پھر مرد زمانہ کے ساتھ کچھ لوگ اس طرح کے پیدا ہو گئے جو اس روشن شاہراہ سے دور ہٹنے لگے جس کی وجہ سے ان کے عقائد اور اعمال میں خرابی، فساد اور بگاڑ شروع ہو گیا۔ سنت پر عمل کرنے کی بجائے آراء و قیاسات کو اپنا معمل بنایا جانے لگا۔ کتاب و سنت کی بجائے عقلی بوقلمونیوں پر اعتماد ہونے لگا۔ بلکہ قرآن و حدیث کی واضح نصوص کو اقوال رجال کی روشنی میں پرکھا جانے لگا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ کتاب و سنت جو امت مسلمہ کے لئے ایک معیار اور میزان ہے کی جگہ آراء الرجال کو معیار اور میزان ٹھہرا لیا گیا۔ اور یہ نعرہ بلند ہوا کہ اقوال ائمہ کے خلاف آنے والی آیات و احادیث کو مؤول یا منسوخ سمجھا جائے گا۔ (اصول الکفری)

جب بات متاخرین حضرات تک پہنچی تو انہوں نے اپنے لئے میدان ہی صاف کر لیا کہ فلاں مسئلہ میں دلائل فلاں کے حق میں ہیں لیکن ہم پر تو ہمارے امام کی تقلید واجب ہے۔ (تقریر ترمذی) امام کی بات کو حدیث کے خلاف سمجھ کر اسے ترک کر دینا اور حدیث پر عمل کرنا سراسر گمراہی اور افترا تفری ہے۔ (تقلید کی شرعی حیثیت)۔

جماعت اہل حدیث کا تعارف

اللہ تعالیٰ نے ہر دور میں اس قسم کے نظریات کی بیخ کنی کے لئے ایک جماعت کو زندہ رکھا جو ان نوابیاد تخیلات اور تصورات سے دور رہ کر صرف اور صرف کتاب و سنت پر عمل کرتے ہیں کتاب و سنت کے مقابلہ میں ان کو کسی ایک کے قول و رائے سے کوئی سروکار نہیں اس جماعت کا نام طائفہ منصورہ اہل سنت اہل حدیث ہے۔ امام ابن القیم نے اس جماعت کا تعارف ان الفاظ میں کرایا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے۔

اہل حدیث وہ لوگ ہیں جو رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام کے پیچھے قدم بقدم چلتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ کے اسوہ اور عمل صحابہ کے مشکوٰۃ اور چراغدان سے نور حاصل کرتے ہیں۔ ان کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ دین کسی کی رائے اور قیاس سے بہت عظمت، عزت اور قدر والا ہے۔ وہ کسی ایک کے قول اور قیاس کی تقلید نہیں کرتے۔ جہانوں میں یہی لوگ اچھی تعریف کے مستحق ہیں۔ ان کے بعد میں آنے والوں کی زبان میں بھی سچائی ہے اور ان کے بعد پھر ایسے لوگ آئے جو دلیل اور قوت استدلال سے واقف تھے۔ حق جہاں کہیں بھی ہو یہ اس کے ساتھ ہوتے ہیں جب ان کو دلیل مل جاتی ہے تو وہ اس کی طرف دوڑ پڑتے ہیں اور جب رسول اللہ ﷺ کی آواز (صحیح حدیث) ان تک پہنچ جاتی ہے تو یہ فی الفور اس کی اقتدا اور اس پر عمل کرتے ہیں۔ پس پھر وہ دلیل کے مقابلہ میں قائل کو نہیں بلکہ دلیل کو دیکھتے ہیں کتاب و سنت کے دلائل ان کے سینوں میں کسی بھی بڑے سے بڑے انسان کے قول سے زیادہ عظمت والے ہیں۔ وہ پھر کسی کے قیاس اور قول کو پیش نہیں کرتے اور نہ ہی دلائل کو قیاس سے ٹھکراتے ہیں۔ (اعلام المومنین ص 4 ج 1 طبع مصر۔ داستان حنفیہ ص 26)

اس جماعت کا مطمح نظر محض اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی فرمانبرداری ہے جس نے ہر دور میں اپنے دامن کو آرام الرجال سے بچا کر قرآن و حدیث کو اپنا معمول بنایا

قیاس اور آراء کی موٹنگائیوں میں اسلام کی اصلی صورت کو معدوم اور مفقود نہیں ہونے دیا۔ یہ جماعت ہر دور میں انہی عقائد کی حامل رہی ہے جو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے تھے اور تعامل میں بھی ان کا بعینہ وہی طریقہ ہے جو سلف صالحین صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا تھا اور بحمد اللہ یہ جماعت ما انا علیہ واصحابی کی مکمل متشکل تصویر ہے۔

بدعتی فرقوں کا منہج:-

اس جماعت کے برعکس دور صحابہ کے آخر میں کچھ ایسے لوگ پیدا ہو گئے تھے جو صحابہ کرام کے منہج سے ہٹ گئے تھے۔ انہوں نے اپنے لئے ایسے اصول وضع کر لئے تھے جن کے ذریعہ کتاب و سنت کو طاق نسیاں پر رکھ دیا گیا اور ان خود ساختہ اصولوں کو حق کا معیار بلکہ حرف آخر قرار دیا گیا ایسے لوگ زیادہ تر عراق سے تعلق رکھتے تھے۔ تفصیل امام ابن تیمیہ کی کتاب صحتہ مذہب اہل المدینہ میں ملاحظہ فرمائیں۔

من جملہ ان فرقوں میں ایک فرقہ تھا جو قرآن و حدیث کو اپنے آئمہ کی آراء کی روشنی میں پرکھتا تھا۔ اگر کتاب و سنت کے نصوص ان کے آئمہ کے موافق ہیں تو قابل قبول ورنہ ان پر تاویل کا تیشہ چلا دیتے ہیں جس سے ان کا مقصد کتاب و سنت کا تفوق نہیں بلکہ اپنے آئمہ کی تائید ہے۔ والی اللہ الممشکی

بعض صحابہ کرام کے بارہ میں بھی ان کا رویہ قابل تأسف ہے کہ ان حضرات نے فقیہ اور غیر فقیہ کا معیار وضع کر لیا اور بزعم خویش غیر فقیہ صحابی کی روایت کردہ صحیح حدیث کو قیاس جلی کی سان پر چڑھا کر قابل رد قرار دے دیا۔ (نور الانوار) فان اللہ

جب چوتھی صدی ہجری میں تقلید کو اسلام میں درآمد کیا گیا تو اس کی نحوست سے امت مسلمہ مستقل فقہی مذاہب میں منقسم ہو گئی تو اس گروہ نے خود کو امام ابو حنیفہ کی طرف منسوب کر لیا۔ حالانکہ عقائد میں یہ لوگ امام ابو حنیفہ کی بجائے شیخ ابو منصور ماتریدی کی تقلید کرتے ہیں۔

حدیث اور احناف:

اس میں شک نہیں کہ فقہ حنفی کے بہت سے مسائل صحیح احادیث کے خلاف ہیں اس کی وجہ یہ تھی کہ ان حضرات کا حدیث سے اشتغال کم اور قیاس کی طرف رجحان زیادہ تھا۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں۔

واشتغالهم فی علم الحدیث قلیل قدیما وحدیثا۔ (الانصاف ص ۷)
ان کا حدیث کے ساتھ ماضی اور حال میں اشتغال کم رہا ہے۔
اس کی وجہ بھی خود شاہ صاحب نے بیان کر دی ہے فرماتے ہیں

ذلك انه لم یکن عندهم من الاحادیث والاثار ما یقرون به علی
استنباط الفقہ علی الاصول التی اختارها اهل الحدیث۔ (حجتہ اللہ ص ۱۵۲ ج ۱۲)
ان کے پاس حدیث اور آثار کا ذخیرہ اتنا نہیں تھا کہ جس سے وہ فقہی استنباط کی
قدرت ان اصولوں پر رکھتے جن کو اہل الحدیث نے پسند کیا ہے۔

علامہ شہرستانی نے ان کے بارہ میں یہ تجزیہ کیا ہے کہ
اصحاب الرائے اہل عراق ہیں جو ابوحنیفہ کے اصحاب ہیں ان کو اہل الرائے اس لئے کہا
گیا ہے کہ احکام کے حل میں ان کی توجہ قیاس اور استنباط کے طریق پر ہے ایسے مسائل جن کا
روزہ مرہ کے احکام سے تعلق ہے ان کی بنیاد بھی قیاس پر ہے اور وہ بسا اوقات قیاس جلی کو خبر
آحاد (حدیث) پر مقدم کرتے ہیں۔ (الملل والنحل ص ۱۸۸) عقیدہ اہل حدیث ص ۳۳
بعض فقہاء احناف نے حدیث کی طرف توجہ دی ہی نہیں۔ ان کا پورا زور فقہی
فروعات پر ہی صرف ہوتا رہا ہے اور ہال کی کھال اتارنے کی کوشش رہی ہے شاہ ولی اللہ نے
ایسے فقہاء کے بارہ میں ان الفاظ میں تبصرہ کیا ہے فرماتے ہیں۔

من حفظ المبسوط کان مجتهدا ای وان لم یکن له علم بروایة اصلا
ولا بحدیث واحد (حجتہ اللہ البالغہ ج 1 ص 152)

جس نے مبسوط یاد کر لی وہ مجتہد بن گیا خواہ وہ روایت سے اصلاً ناواقف ہو اور اسے ایک حدیث بھی معلوم نہ ہو۔

علامہ عبدالحی لکھنوی گھر کا بھیدی لٹکا ڈائے کے مصداق انکشاف فرماتے ہیں۔

ومن الفقهاء من ليس لهم حظ الا ضبط المسائل الفقيهية من دون المهارة في الرواية الحديثية (عمدہ الرایت ص ۱۳)

بعض فقہاء ایسے بھی ہیں جن کا مشغلہ صرف فقہی مسائل کا ضبط کرنا تھا وہ روایت حدیث میں مہارت نہیں رکھتے تھے۔

فقہ حنفی میں حدیثی روایات کی کمیابی کے بارہ میں تبصرہ ائمہ احناف کا ہی ہے جس سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ یہ لوگ حدیث کے معاملہ میں کسمپرسی کا شکار ہیں کہ ان کے پاس اپنی فقہ کی تائید میں احادیث نبویہ کی نہایت کمی ہے جس بنا پر ان کو قیاس کا سہارا لینا پڑا۔ اس امر کی مزید وضاحت اس مناظرے سے بھی ہو جاتی ہے جو امام شافعی اور امام محمد کے درمیان ہوا جس کی قدرے تفصیل یہ ہے کہ

امام محمد نے امام شافعی سے پوچھا امام مالک بڑے عالم ہیں یا ابو حنیفہ
امام شافعی میں تجھ کو اللہ کا واسطہ دے کر پوچھا ہوں امام مالک قرآن کے بڑے عالم
تھے یا امام ابو حنیفہ

امام محمد امام مالک بڑے عالم تھے۔

امام شافعی امام مالک سنت کے بڑے عالم تھے یا امام ابو حنیفہ

امام محمد امام مالک سنت کے بڑے عالم تھے۔

امام شافعی اقوال صحابہ کے بڑے عالم کون تھے۔

امام محمد امام مالک ہی تھے۔ (کتاب الجرح والتعديل ص 2 ج 1 اور داستان حنفیہ

ص 14۔ یہ مناظرہ صحیح سند کے ساتھ منقول ہے جس سے واضح ہے کہ امام اہل حجاز پر جو جوہ

سبقت رکھتے ہیں۔

فقہ حنفی رطب و یابس کا مجموعہ ہے:-

احادیث اور آثار کی اس کمی کو پورا کرنے کیلئے متاخرین حضرات نے رطب و یابس کو جمع کرنا شروع کر دیا ساری عمر تو اقوال رجال کی تفہیم میں گزر چکی تھی حدیث کے معاملہ میں بالکل انازی تھے۔ اس لئے ان کو یہاں سے بھی روایت ملی اس کو بلا تحقیق و تمحیص قولہ علیہ السلام کہہ کر اپنی تصانیف میں درج کر دیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان کی کتابوں میں بہت سی ضعیف بلکہ موضوع روایات درج ہو گئیں بلکہ ایسی روایات کو بھی احاطہ تحریر میں لایا گیا جو رسول اکرم ﷺ کا فرمان نہ تھیں۔ یہ بات ہم اپنی طرف سے نہیں کہہ رہے بلکہ اس کا انکشاف خود ائمہ احناف نے ہی کیا ہے مولانا عبدالحی لکھنوی فرماتے ہیں۔ فکم من احادیث ذکرت من الکتب المعتبرة موضوعة و مختلقة (عمدہ الرایہ ص ۱۳)

فقہ کی بعض معتبر کتب میں بہت سی احادیث موضوع اور من گھڑت ہیں۔

ملا علی قاری اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

فانهم ليسوا من المحدثين ولا اسندوا الحديث الى احد من المخرجين۔ (الموضوعات الکبری ص 77) یہ لوگ محدثین میں سے نہیں تھے (کہ علم حدیث میں مہارت رکھتے) اور نہ ہی انہوں نے حدیث کی نسبت حدیث کے کسی مخرج کی طرف کی ہے۔

احناف اور اہل حدیث میں اختلاف کی وجہ:-

دراصل ان دونوں مسلکوں کے درمیان اختلاف کی وجہ ان کے منہجوں میں اختلاف ہے۔ احناف کا سارا زور قیاس پر ہے جبکہ اہل حدیث کا مطمح نظر قیاس نہیں بلکہ احادیث رسول ﷺ ہے۔ تو ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں ان دونوں مسلکوں کے درمیان اختلاف کا ہونا بدیہی امر ہے۔ احناف اپنے ائمہ کے اقوال پر حدیث کو پرکھتے ہیں جو حدیث ان کے ائمہ کے اقوال کے موافق ہے۔ وہ قابل قبول ہے۔ ورنہ حیلے بہانے سے اس کا انکار ہے جبکہ اہل

حدیث اقوال ائمہ کو حدیث کے ترازو میں تولتے ہیں جو قول صحیح حدیث کے موافق اس پر آمانا اور صدقاً اور جو مخالف ہے تو اس کو علی الاعلان رد کر دیتے ہیں اور عمل حدیث رسول ﷺ پر کرتے ہیں یہی وجہ ہے کہ اختلافی مسائل میں جب بھی احناف اور اہلحدیث کا آمانا سامنا ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اس طائفہ منصورہ کو سرخرو کیا اور احناف کو پسپائی اٹھانا پڑی۔ نہیں اعتبار تو حال ہی میں ہونے والا فقیر والی میں فاتحہ خلف الامام کے موضوع پر مناظرہ کی ویڈیو کیٹیش اور چند سال قبل سمزیال میں ہونے والے مناظرہ کی آڈیو کیٹیشیں اور پسرور میں رفع یدین کے موضوع پر ہونے والے مناظرہ کی ویڈیو اور آڈیو کیٹیشیں ملاحظہ فرمائیں۔ ہمارے قول کی پوری طرح تصدیق ہو جائے گی۔

تحفہ اہلحدیث:-

چنانچہ ان حضرات کے پاس اس خفت کے مٹانے کا یہی ایک حل ہو سکتا ہے کہ اس طائفہ منصورہ کے خلاف زبردست پروپیگنڈا کیا جائے خواہ اس کے لئے جھوٹ سے ہی کام لیا جائے تاکہ لوگوں میں اس جماعت حقہ کے بارہ میں نفرت پیدا ہو اور لوگ ان کے قریب ہی نہ آئیں۔ اس کی کتنی ہی مثالیں موجود ہیں کہ ان حضرات نے جماعت اہل حدیث کی طرف ایسے غلط مسائل منسوب کئے جن سے اہل حدیث کا کوئی تعلق ہی نہیں ہے۔ تحفہ اہلحدیث بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے جس کے لکھنے کا مقصد واللہ اعلم۔ حق جوئی نہیں بلکہ اہلحدیث کے خلاف پروپیگنڈہ ہے یہ 96 صفحات پر مشتمل ایک کتابچہ ہے جو مختصر ہونے کے باوجود جھوٹ اور کذبات کا منبع ہے۔ اس کے ٹائٹل پر اس کے مولف کا نام ابوبلال تھنگوی مر قوم ہے اس مبہم اور غیر معروف کنیت کے ساتھ اس کتابچہ کو شائع کر نیکی وجہ ممکن ہے کہ یہ ہو کہ مولف اپنے آپ کو ظاہر نہیں کرنا چاہتا تاکہ کذبات اور ندامت اس کے ماتھے پر کلنگ کا ٹیکہ ثابت نہ ہو۔ اگر تھنگوی کا دل اس کی اپنی تحریر پر ہی مطمئن ہوتا تو یقیناً یہ کئی القابات کے ساتھ اپنا پورا نام اور عنوان تحریر کرتا۔ یہ تو مولانا محمد داؤد ارشد صاحب کے

تجسس اور تحقیق کو داد دینی چاہئے کہ انہوں نے اس مجہول مؤلف کا کھوج لگا لیا ہے ورنہ جھنگوی صاحب نے تو پوری طرح اپنے آپ کو صیغہ راز میں رکھنے کی کوشش کی تھی۔

جھنگوی نے تو کذب بیانی میں رافضہ کو بھی مات کر دیا ہے اہل حدیث پر افتراء تو ایک طرف رہا اس ناعاقبت اندیش نے رسول اکرم ﷺ کی طرف بھی جھوٹ منسوب کرنے میں ذرہ برابر عار محسوس نہیں کی اور رسول اکرم ﷺ کے فرمان ”من کذب علی متعمدا فلیتبعوا مقعدہ من النار“ کی بھی پروا نہ کرتے ہوئے نہایت دیدہ دلیری سے آپ کی ذات گرامی کی طرف دو جھوٹ منسوب کئے ہیں جن کی تفصیل مولانا محمد داؤد ادرشد حفظہ اللہ نے کتاب ہذا (تحفہ حنفیہ) میں بیان کر دی ہے۔

پاکستان میں جب سے کوثری مشرب متعارف ہوا ہے تو اس وقت سے ان حضرات کا اہل حدیث کے بارہ میں موڈ کچھ زیادہ ہی خراب رہتا ہے۔ اخلاق و مروت کی تمام حدود کو ایک طرف رکھ کر یہ لوگ اپنی تاویلات۔ کذبات اور پروپیگنڈا کی لٹھ لے کر اہل حدیث کے پیچھے لگے ہوئے ہیں اور یہ سمجھتے کہ ان حضرات نے علماء لدھیانہ کی اہل حدیث دشمنی کو از سر نو زندہ کر دیا ہے۔ بسا اوقات حدیث نبوی کا استہزاء اڑانا اور محدثین کرام کو عموماً بدنام کرنا ان حضرات کا وطیرہ بن چکا ہے۔ عینہ یہی کردار جھنگوی صاحب نے ادا کیا ہے کہ بزعم خویش اس نے اس مختصر سے کتابچہ کے ذریعہ مسلک اہلحدیث کو باطل اور اس طائفہ منصورہ کو اہل سنت سے خارج کرنے کا کارنامہ سرانجام دیا ہے۔

تحفہ اہلحدیث کے مطالعہ سے جو عمومی تاثر پیدا ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ اس کے مؤلف کے نزدیک اہلحدیث اہل سنت سے اس لئے خارج ہیں کہ ان کا بعض مسائل میں مؤلف کے مذہب سے اختلاف ہے۔ گویا موصوف کے نزدیک اہل حدیث کا بڑا جرم یہی ہے کہ وہ اس سے اختلاف رکھتے ہیں۔ ہاں یہ الگ بات ہے کہ موصوف نے جتنے مسائل بھی ذکر کئے ہیں ان تمام میں اہل حدیث حق پر ہیں اور حق ان کے ساتھ ہے۔ ہاں پھر یہ بھی بات ہے کہ ان مسائل میں مؤلف سے اختلاف صرف اہل حدیث کا ہی نہیں بلکہ اکثر میں صحابہ کرام، تابعین

عظام اور امام ابو یوسف و محمد بلکہ بعض میں امام ابو حنیفہ بھی اس کے مخالف ہیں جس کی مولانا داؤد صاحب نے کتاب ہذا میں مدلل تفصیل دی ہے۔ مگر مؤلف تحفہ کی تھیوری میں ان سے اختلاف کرنا اہل سنت سے خارج ہونے کے مترادف ہے کیونکہ اہل سنت کی ٹھیکیداری ان کے پاس ہے۔

اہل سنت کی تعریف:-

ہم سمجھتے ہیں کہ اہل حدیث کو اہل سنت سے خارج قرار دینے کی بڑھکتی ہوئی صاحب کا سادہ لوح لوگوں کو محض دھوکہ اور فریب دینے کے مترادف ہے اگر ان کو عقائد کے علم سے ذرہ برابر بھی مس ہے تو پھر وہ یقیناً سمجھتے ہوں گے کہ میں نے جو کچھ تحریر کیا ہے وہ حقائق کے منافی اور برعکس ہے کیونکہ اہل علم سے یہ مخفی نہیں ہے کہ حنفیہ حضرات نے اہل سنت کی جو تعریف کی ہے وہ موجودہ حنفیوں پر صادق نہیں آتی بلکہ یہ عقیدہ کے لحاظ سے مرجئی ہیں۔

امام اہل سنت سفیان بن عیینہ جو تاج تابعی ہونے کے ساتھ معروف فقیہ اور محدث ہیں فرماتے ہیں:-

ہم اہل سنت کہتے ہیں کہ ایمان قول اور عمل ہے جبکہ مرجہ کہتے ہیں ایمان صرف قول ہے۔ (کتاب السنہ بحمد اللہ بن احمد بن حنبل ص 17348 ملخصاً)

امام سفیان ثوری جو اہل سنت کے مسلمہ امام ہیں تاج تابعی ہونے کے ساتھ امام ابو حنیفہ کے بھی ہم عصر تھے فرماتے ہیں:-

مرجہ نے ہماری تین امور میں مخالفت کی ہے ہم کہتے ہیں کہ ایمان قول اور عمل ہے وہ کہتے ہیں ایمان صرف قول ہے عمل نہیں۔ ہم کہتے ہیں وہ زیادہ اور کم ہوتا ہے اور مرجہ کہتے ہیں کہ وہ نہ زیادہ ہوتا ہے اور نہ کم ہوتا ہے۔ (حلیۃ الاولیاء ص 729 مخفرا)

امام فضل بن عیاض جو اپنے دور کے بڑے محدث اور فقیہ تھے اور احناف کے نزدیک

امام ابوحنیفہ کے شاگرد ہیں علاوہ ازیں ان کی نو ایجاد چالیس رکنی کمیٹی کے ممبر بھی تھے وہ فرماتے ہیں۔ ”اہل سنت کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے عمل کو ایمان کے ساتھ جوڑا ہے اور فرائض بھی بلاشبہ ایمان میں سے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے والذین آمنوا و عملوا الصالحات“ آیت میں عمل کو ایمان کے ساتھ موصول کیا ہے مگر مرجئی کہتے ہیں کہ عمل ایمان سے منقطع ہے۔ (کتاب السنہ ص 376 ج 1)

امام بغوی فرماتے اتفاق الصحابة والتابعون فمن بعدهم من علماء اهل السنة على ان الاعمال من الايمان وقالوا ان الايمان قول وعمل وعقيدة يزيد بالطاعة وينقص بالمعصية۔ (شرح السنہ ص 39 ج 1)

تمام صحابہ کرام اور تابعین کرام اور ان کے بعد جو بھی علماء اہل سنت ہیں ان سب کا اس پر اتفاق ہے کہ اعمال ایمان سے ہیں۔ ایمان قول۔ عمل اور عقیدہ ہے جو اطاعت سے بڑھتا ہے۔ گناہ اور نافرمانی سے کم ہوتا ہے۔

مذکورہ ائمہ کرام نے صحابہ کرام، تابعین عظام اور ائمہ اہل سنت کا جو عقیدہ بیان کیا ہے بحمد اللہ اہل حدیث کا بھی بعینہ یہی عقیدہ ہے اس میں ذرہ برابر بھی فرق نہیں ہے۔ اس کے برعکس آئیے اب ہم احناف مرجئہ کا عقیدہ ملاحظہ کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ کیا ان کا بھی وہی عقیدہ ہے جو صحابہ کرام، تابعین عظام اور ائمہ اہل سنت کا ہے۔

علامہ مغیساوی حنفی احناف کا عقیدہ ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

ان العمل الصالح ليس جزء من الايمان يزيد وينقص۔ (شرح فقہ اکبر)

بلاشبہ نیک عمل ایمان کا جز اور حصہ نہیں۔ اس لئے کہ عمل بڑھتا اور کم ہوتا ہے

علامہ مغیساوی کے اس قول سے دو باتیں ظاہر ہوئیں۔ اول کہ عمل ایمان کا حصہ

نہیں۔ دوم ایمان میں کمی و بیشی نہیں۔ علامہ ملا علی قاری حنفی فرماتے ہیں۔

اہل آسمان یعنی فرشتوں اور اہل جنت اور اہل ارض یعنی انبیاء۔ اولیاء اور تمام ایماندار

اور نیک یا بد سب کا ایمان برابر ہے۔ (شرح فقہ اکبر ص 87 ملا علی قاری)

علامہ طحاوی فرماتے ہیں

والایمان واحد واهله فی اصله سواء۔ (العقیدہ الطحاویہ ص 19)

ایمان ایک ہی ہے اور تمام ایمان دار اصل ایمان میں برابر ہیں۔

اب آپ احناف کے عقیدہ کو اہل سنت کے عقیدہ کے ساتھ متوازن کریں تو آپ دونوں میں بعد المشرقین پائیں گے اور ائمہ ہدیٰ نے اہل سنت کی جو تعریف کی ہے اس کی روشنی میں آپ مذکورہ عقائد کے حامل کو اہل سنت نہیں کہہ سکتے مگر مؤلف تحفہ اہل حدیث تو الٹی گنگا بہانے کے قائل ہیں کہ انہوں نے کس چالاکی اور ہوشیاری سے جو اصلی اہل سنت ہیں ان کو اہل سنت سے خارج قرار دیا اور جو اہل سنت کے خلاف ماتریدی اور مرجئی مذہب کے قائل ہیں ان کو اہل سنت باور کرایا ہے۔

تحفہ حنفیہ :-

کتاب تحفہ حنفیہ دراصل تحفہ الہمدیث کے رد عمل کے طور پر معرض وجود میں آئی ہے جس کو اہل حدیث کے سپوت مولانا داؤد ارشد نے تحقیق کے مہروں سے مرتب کیا ہے اور جھٹکوی کے جملہ خرافات اور کذبات کو طشت ازبام کیا ہے اور اس کے ہر الزام کا مدلل اور مسکت جواب دیا ہے سچ تو یہ ہے کہ انہوں نے اس کا حق ادا کر دیا ہے۔ جزاہ اللہ احسن الجزاء مولانا داؤد صاحب تحقیقی اور تصنیفی میدان میں محتاج تعارف نہیں ہیں اس سے قبل بھی انہوں نے بہت سے تحقیقی شد پارے رقم فرمائے ہیں۔ اہل بدعت کی معروف کتاب ”جاء الحق“ کا جواب ”دین الحق“ کے نام سے تحریر فرمایا ہے جو نہایت تحقیقی اور مدلل اور دلنشین ہونے کی وجہ سے اہل ذوق سے داد تحسین وصول کر چکا ہے۔

دعا ہے کہ مولانا کریم مولانا محمد داؤد ارشد کی دفاع حق میں اس کاوش کو شرف قبولیت سے نوازے اور اسے حق و باطل میں امتیاز کرنے والی بنائے۔ آمین یا الہ العالمین

کتبہ ابوانس محمد یحییٰ گوندلوی

مدیر جامعہ تعلیم القرآن والحدیث ساہووالہ سیالکوٹ۔

کیم رمضان المبارک 1421ء 28 نومبر 2000ء

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ عرض مولف

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم اما بعد

ماضی قریب میں ابولبال جھنگوی صاحب کی طرف سے ایک کتابچہ 'تحفہ الہمدیث کے عنوان سے شائع ہوا ہے۔ جو مصنف نے بزعم خود چار مسائل پر تحریر کیا ہے، لیکن درمیان میں خلط بحث کرتے ہوئے بیسیوں مسائل کو بیان کر دیا ہے، جن کا نفس مسئلہ سے دور کا بھی واسطہ نہیں، ان کے علاوہ کبھی حجیت حدیث کا انکار کیا ہے تو کبھی سنت کا مذاق اڑایا ہے، کبھی قرآن و سنت کو ناقص قرار دے کر دعوت تقلیدی ہے تو کبھی الہمدیث پر فرضی مسائل تھوپے ہیں۔ کبھی مذہب اہل مدینہ کی مخالفت کا آوازہ کسا ہے تو کبھی تحریک اہل حدیث کو شیعہ باور کرایا ہے، اور کبھی مرزا غلام احمد قادیانی کو اہل حدیث قرار دیا ہے، الغرض جھنگوی صاحب تحریک اہل حدیث کی تردید میں اخلاقی حدود کو تجاوز کر چکے ہیں، جس کے لئے انہوں نے ہر حربہ آزمایا ہے، حتیٰ کہ ردوہابیت کے شوق نے انہیں رسول اللہ ﷺ پر افتراء کرنے پر انگلیچا کر دیا اور جھنگوی صاحب سبیل المؤمنین کو ترک کر کے 'یکتبنون الکتب بایدیہم کی راہ پر چل پڑے، انجام کار دو احادیث خود ہی وضع کر ڈالیں اور رسول اللہ ﷺ پر افتراء باندھنے جیسے گھناؤنے جرم کے مرتکب ہو گئے۔ قرآن و حدیث میں لفظی و معنوی تحریفات اس پر مستزاد ہیں۔

پھر ستم بالائے ستم یہ کہ خود کو اصلی و خالص، اہل سنت، قرار دیتے ہیں۔ اور اہل حدیث کو اہل سنت سے خارج کہتے ہیں۔

عوام الناس کی طرف سے اس کے جواب کا مطالبہ ہو رہا تھا، بعض دوستوں (مناظر اسلام قاضی عبدالرشید راشد وغیرہ) نے بھی خاکسار کو کہا، لیکن راقم بوجہ ناالتارہا، آخر ان کا اصرار میرے انکار پر غالب آ گیا اور میں، تحفہ حنفیہ لکھنے پر تیار ہو گیا، جو آپ کے ہاتھوں میں

ہے، خاکسار جواب میں کہاں تک کامیاب ہوا ہے اس کا اندازہ آپ نے لگانا ہے، 'تفہیم کے پیش نظر کتاب کو چار حصوں اور متعدد فصول میں تقسیم کیا ہے

ہاں البتہ ترتیب مضامین تحفہ اہل حدیث کے ڈھنگ پر ہے تاکہ جواب تلاش کرنے میں آسانی رہے، پہلا حصہ ہماری طرف سے اضافہ ہے اور باقی تین حصے جھنگوی صاحب کے جواب میں ہیں۔ بفضلمہ تعالیٰ جھنگوی صاحب کے تمام شکوک و شبہات کو دور کر دیا گیا ہے، ان کے ایک ایک اعتراض کو نقل کر کے الزامی و تحقیقی جوابات دیئے ہیں، راقم الزامی جواب کو پسند نہیں کرتا مگر جھنگوی جیسے الد الخصام، حضرات بجز الزامی جواب کے، 'فہمت الذی' نہیں ہوتے، لیکن اس کے باوجود ہر مقام پر قرآن و سنت اور آثار صحابہ کرام اور اقوال آئمہ عظام نقل کر کے قارئین کرام کی تسلی و تشفی کرنے کی بھرپور کوشش کی گئی ہے اور جھنگوی صاحب کی تاویلات و تحریقات کو آئمہ لغت کے اقوال نقل کر کے تردید کر دی ہے، اور اپنے موقف کی تائید میں دیوبندی اکابرین کے اقوال کو نقل کرتے ہوئے ارباب عقل و خرد کو دعوت فکر دی ہے، ممکن ہے کسی جگہ الفاظ میں ترشی اور سختی آگئی ہو، تو اس کی ذمہ داری جھنگوی صاحب پر عائد ہوتی ہے کیونکہ اس کی راہ خود انہوں نے تیار کی ہے۔ چنانچہ ایک جگہ پر فرماتے ہیں کہ

”آپ سے سکھ اچھے ہیں، سب کی داڑھیاں ہیں اور آپ کے علماء میں سے بعض کی داڑھیاں صرف جو کے دانے کے برابر تھیں“ (تحفہ اہل حدیث ص 49)

غور کیجئے کہ بعض علماء کے ذاتی فعل کی وجہ سے پوری جماعت اہلحدیث کو سکھوں سے بدتر قرار دے رہے ہیں، حالانکہ بعض اکابرین دیوبند داڑھیاں استرے سے منڈواتے ہیں اور شخصیں داڑھی والے تو عام ہیں، شاید جھنگوی صاحب کو یاد ہو کہ نہ ہو مناظرہ فقیر والی میں جب آپ کی پوری ٹیم کو ابو داؤد سے روایت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نہ ملی تھی تو ایک شخصیں داڑھی والے دیوبندی علامہ نے نکال کر دی تھی، یہ الگ بات ہے کہ حافظ محمد ارشد صاحب کو حدیث پڑھنی نہ آتی تھی، جس پر آپ کے معاون نے اعراب لگا کر دیئے تھے، لیکن حافظ

صاحب پھر بھی سند کو درست نہ پڑھ سکے تھے، حدیث کی عبارت پڑھنا تو بہر حال ان کے بس کاروگ نہ تھا، ان گزارشات کا مقصد یہ ہے کہ ہماری سختی قرآن کی تعلیم کی رو سے درست ہے اور ہم بوجہ مظلوم ہونے کے قائل درگزر ہیں۔

لا یحب اللہ الجہر بالسوء من القول الا من ظلم۔ (النساء 148)

تحفہ ایگزٹا کا جواب ایک مدت سے تیار تھا، مگر بوجہ اس کی اشاعت نہ ہو سکی، قارئین کرام سے معذرت خواہ ہوں کہ انہیں ایک طویل عرصہ تک انتظار کرنا پڑا، اللہ کے ہاں ہر چیز کا وقت مقرر ہوتا ہے، شاید دیر میں بھی کوئی مصلحت ہو، بعض مسائل آپ کو مکرر نظر آئیں گے، کیونکہ جھنگوی صاحب کے کتابچہ میں تکرار ہے، پھر بھی کوشش کی ہے کہ تکرار کم سے کم آئے، حضرت استاذی المکتزم مولانا محمد یحییٰ گوندلوی حفظہ اللہ نے تصنیفی و تدریسی مصروفیات کے باوجود پورے مسودہ کو پڑھا اور مفید مشوروں سے نوازا، اس کا ذکر یہاں شکر یہ کی غرض سے کر دیا گیا ہے، آخر میں قارئین سے درخواست ہے کہ وہ راقم اور میرے والدین اور اساتذہ کرام کے لئے دنیا و آخرت کی بہتری کی دعا ضرور کریں۔

اللہ ہم سب کی خطائیں معاف کرے اور ہمیں قرآن و سنت کا سچا تبع بننے کی توفیق دے، آمین یا اللہ العالمین

ابوصہب محمد داؤد ارشد

خطیب جامع مسجد محمدی الہدیث

کوٹلی ورکاں نزد نارنگ منڈی ضلع شیخوپورہ

3 رجب 1421ھ، 2 اکتوبر 2000ء

دیباچہ طبع دوم

فصل اول

وضع احادیث کے اسباب

وضع احادیث کے متعدد اسباب ہیں جن پر محدثین کرام نے مفصل گفتگو کی ہے۔ ان میں سے ایک سبب تقلید بھی ہے۔ مقلدین نے قرآن و حدیث کی بجائے شخصی اقوال کو دین و مذہب قرار دیا تو ان کے اقوال کی تقویت و حمایت کی غرض سے احادیث کو وضع کیا، امام قرطبی رحمہ اللہ شرح مسلم میں فرماتے ہیں:

(استجاز بعض فقہاء اهل الرأي نسبة الحكم الذي دل عليه القياس الجلي الى رسول ﷺ نسبة قولية فيقولون في ذلك قال رسول الله ﷺ كذا! ولهذا ترى كتبهم مشحونة باحاديث تشهد متونها بانها موضوعة تشبه فتاوى الفقهاء ولانهم لا يقيمون لها سندا)

اہل الرائے نے اس حکم کی نسبت جس پر قیاس جلی دلالت کرے کہ رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کرنے کو جائز قرار دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایسے فرمایا ہے اگر آپ فقہ کی کتابیں ملاحظہ فرمائیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ وہ ایسی روایات سے بھری ہوئی ہیں جن کے متن من گھڑت ہونے پر گواہی دیتے ہیں۔ وہ متن ان کتابوں میں اس وجہ سے درج ہیں کہ وہ فقہاء کے فتوؤں کے موافق مشابہت رکھتے ہیں۔ حالانکہ وہ ان کی سند بھی نہیں پاتے۔ (بحوالہ الباعث الحثیث ص 88)

مولانا عبدالحی لکھنوی مرحوم حنفی نے کمال کر اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ

(السادس قوم حملهم على الوضع التعصب المذهبي والتجمد التقليدي كما وضع مامون الهروي حديث من رفع يديه في الركوع فلا صلوة له ووضع حديث من قرأ خلف الامام فلا صلوة له ووضع ايضا حديثا في ذم الشافعي

و حدیثا فی منقبۃ ابی حنیفہ)

یعنی روایات کو وضع کرنے کا چھٹا گروہ وہ ہے جن کو مذہبی تعصب اور تقلیدی جمود نے وضع پر ابھارا ہے جیسا کہ مامون ہروی نے یہ روایات وضع کیں کہ جو رفع الیدین کرے گا اس کی نماز نہیں، جو امام کے پیچھے قرأت کرے اس کی نماز نہیں، اسی طرح امام شافعی کی مذمت اور مناقب ابو حنیفہ (میں اس نے روایت کو) وضع کیا ہے۔

(الانوار المرفوعہ فی الاخبار الموضوعہ ص 17)

مولانا لکھنوی مرحوم نے جو بات کہی ہے وہ بالکل انصاف پر مبنی ہے، تقلیدی تعصب اور اقوال فقہاء اور آراء الرجال کی تائید و نصرت میں ان کے مقلدین نے متعدد روایات کو وضع کیا ہے، آج بھی یہ لوگ وضع احادیث کرنے سے نہیں ڈرتے۔ مولوی اسماعیل جھنکوی مؤلف تحفہ اہل حدیث نے بھی دو احادیث کو وضع کیا ہے بلکہ ان کے اکابرین نے تو خود آیات بھی بنا ڈالی ہیں، مولوی محمود حسن خان حنفی دیوبندی، دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث تھے۔ حنفی انہیں شیخ الہند کے نام سے یاد کرتے ہیں، انہوں نے معروف سلفی عالم حضرت مولانا ابوسعید محمد حسین بنالوی مرحوم کے ایک اشتہار کا جواب، 'ادلہ کاملہ' کے عنوان سے لکھا، جس میں انہوں نے ایک سطر عربی عبارت اپنی طرف سے بنا کر اسے قرآن کریم کی آیت باور کرا کر تقلید کا وجوب ثابت کیا، "ادلہ کاملہ" کا جواب مولوی محمد احسن امر وہی (جو نواب صدیق حسن خان مرحوم کا ملازم تھا اور بعد میں مرند ہو کر قادیانی ہو گیا) نے، 'مصباح الادلہ' کے نام سے لکھا، جس میں امر وہی نے حضرت شیخ الہند پر گرفت کی، مگر مولوی محمود حسن خان نے توبہ اور شرمندگی و اصلاح کی بجائے بڑے جزم و وثوق سے لکھا۔ یہی وجہ ہے کہ یہ ارشاد ہوا:

(فان تنازعتم فی شئی فردوہ الی اللہ والرسول والی اولی الامر منکم)

اور ظاہر ہے کہ اولی الامر سے مراد اس آیت میں سواء انبیاء کرام علیہم السلام اور کوئی ہیں سو دیکھئے اس آیت میں صاف ظاہر ہے کہ حضرات انبیاء و جملہ اولی الامر واجب الاتباع ہیں آپ

نے آیت :

(فردوہ الی اللہ والرسول ان کنتم تو منون باللہ والیوم الاخر)

تو دیکھ لی اور آپ کو یہ اب تک معلوم نہ ہوا کہ جس قرآن میں یہ آیت ہے اسی قرآن میں آیت مذکورہ بالا معروضہ احقر بھی موجود ہے۔ عجب نہیں کہ آپ دونوں آیتوں کو حسب عادت متعارض سمجھ کر ایک ناخ اور دوسری کے منسوخ ہونے کا فتویٰ لگانے لگیں۔

(ایضاح الادلہ 93 مطبوعہ دیوبند کتب خانہ رحیمیہ، 103 مطبوعہ مطبع جمال پرنٹنگ ورکس دہلی 97 مطبوعہ مطبع قاسمی دیوبند)

اس پر ہم کوئی اپنی طرف سے تبصرہ کریں تو شاید جھٹکوی صاحب ناراض ہو جائیں اس لئے ہم مولانا عامر عثمانی دیوبندی کا تبصرہ جو انہوں نے مولانا آزاد رحمانی کی کتاب پر رقم فرمایا تھا نقل کرتے ہیں، مولانا عثمانی فرماتے ہیں کہ مولانا رحمانی کو حیرت ہے اور بجا حیرت ہے کہ وہ کون سا قرآن ہے جس سے حضرت شیخ الہند نے بڑے جزم اور وثوق کے ساتھ الفاظ کے ایک ایسے مجموعے کو قرآن کی آیت قرار دے دیا ہے جو تیس پاروں میں کسی جگہ موجود نہیں۔

تجلی دیوبند نومبر 1962ء صفحہ 62 اور صفحہ 61 پر لکھتے ہیں کہ کتابت کی غلطی اس لیے نہیں کہی جاسکتی کہ حضرت شیخ الہند کا استدلال ہی اس نکلڑے پر قائم ہے جو اضافہ شدہ ہے اور آیت کا اسی اضافہ شدہ شکل کا قرآن میں موجود ہونا وہ شد و مد سے بیان فرما رہے ہیں۔ اولی الامر کے واجب الاتباع ہونے کا استنباط بھی اسی سے کر رہے ہیں اور حیرت در حیرت یہ کہ جس مقصد کے لیے یہ اصل آیت نازل ہوئی تھی ان کے اضافہ کردہ فقرے اور اس کے استدلال نے بالکل الٹ دیا ہے۔ (بحوالہ توضیح الکلام ص 255 ج 1)

اسی طرح جھٹکوی صاحب کا پیر و مرشد اور فن مغالطہ کا امام مولوی ماسٹر محمد امین اکاڑوی لکھتا ہے کہ نیز اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

یا ایہا الذین امنوا قیل لہم 'کفو ایدیکم و اقیموا الصلوٰۃ' اے ایمان والو اپنے ہاتھوں کو

روک کر رکھو جب نماز پڑھو۔

اس آیت سے بھی بعض لوگوں نے نماز کے اندر رفع یدین کے منع پر دلیل لی ہے۔

(تحقیق مسئلہ رفع یدین، ص 6 طبع اول)

اس عبارت کو پڑھیے ضرور پڑھئے، اسے کاتب کی غلطی قطعاً نہیں کہا جاسکتا۔ کیونکہ حضرت صفدر صاحب ان الفاظ کا ترجمہ بھی کر رہے ہیں۔ الغرض آل دیوبند نے ہماری معلومات کی حد تک ان دو آیات کو خود وضع کیا ہے بہر حال اصل موضوع کی طرف آئیے اور ٹھنڈے دل سے ہماری گزارشات کو ملاحظہ کریں اور مقلدین حنفیہ کی وضع کردہ روایات کا مطالعہ کریں۔

ابوداؤد میں پہلی تحریف

سنن ابی داؤد کا شمار صحاح ستہ میں ہوتا ہے۔ اس میں صحیح، حسن، ضعیف اور منقطع اسناد سے روایات مروی ہیں حضرت امام ابوداؤد نے باب القنوت فی الوتر کے تحت شافعیہ کی دلیل درج کرتے ہوئے ایک ضعیف سند سے روایت نقل کی تھی کہ

(ان عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ جمع الناس علی ابی بن کعب فکان یصلی لہم عشرين لیلة ولا یقنت الا فی النصف الباقی فاذا کانت العشر الا و اخر تخلف فصلی فی بیتہ فکانوا یقولون ابق ابی)

(ابوداؤد مع عون ص 538 ج 1؛ و طبع محمدی دہلی 1264 ص 203 و طبع کانپور ص 209 ج 1؛ و طبع قادری دہلی 1272ھ ص 201 ج 1)

یعنی عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو ابی بن کعب رضی اللہ عنہ پر جمع کر دیا اور وہ انہیں بیس رات تک نماز پڑھاتے تھے مگر قنوت نصف آخر میں پڑھتے تھے جب آخری عشرہ کے دس دن رہ جاتے تو اپنے گھر میں ہی نماز پڑھا کرتے اور لوگ کہتے کہ ابی بھگ گئے۔

تحریف کی ابتدا

مولوی محمود حسن خان حنفی دیوبندی نے سب سے اول اس تحریف کا آغاز کیا اور سنن ابی داؤد کو شائع کرتے ہوئے متن ابو داؤد میں تو عشرین لیلتہ ہی رہنے دیا البتہ حاشیہ میں نسخہ کی علامت دیکر رکتہ کا لفظ لکھا۔

(ابو داؤد ص 209 ج 1 طبع 1316ء)

اس رد و بدل سے بیس رات کی بجائے معنی بیس رکعت بن جاتا ہے اور اس تحریف کا مقصود بیس رکعات نماز تراویح کا ثبوت دینا تھا۔

تحریف کی انتہا

مولوی فخر الحسن گنگوہی حنفی دیوبندی نے جب اپنی تصحیح سے ابو داؤد کو شائع کیا تو عشرین لیلتہ کو متن سے نکال کر عشرین رکعت بنا دیا البتہ حاشیہ میں لیلتہ کے نسخہ کی صراحت کر دی۔ (سنن ابو داؤد ص ۲۰۲ ج ۱ طبع کراچی)

اور اب جو نسخہ شائع ہو رہا ہے اس میں متن میں (رکتہ) ہی ہے، لیکن نسخہ کی صراحت کو بھی حذف کر دیا گیا ہے حالانکہ مولوی محمود حسن خان کی تحریف سے قبل جس قدر نسخے شائع ہوئے تھے ان میں عشرین لیلتہ کے الفاظ ہی تھے کسی اور نسخہ کا کوئی حوالہ نہ تھا۔ اسی طرح ابو داؤد کے تمام قلمی نسخہ جات میں بھی عشرین لیلتہ کے الفاظ ہیں مگر یار لوگوں نے اسے بدل کر تراویح کی بیس رکعات کی دلیل بنا لیا۔

لیلتہ یار رکتہ

روایت کی اندرونی گواہی اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ لیلتہ کے الفاظ ہی درست ہیں رکتہ تحریف ہے اولاً:- امام ابو داؤد اس کو قنوت کے باب میں لائے ہیں تراویح کے ابواب میں اس کا ذکر نہیں کیا۔

مانیا:- حضرت ابی بن کعب آخری عشرہ میں قیام نہ کرتے تھے جو اس بات کا ثبوت ہے کہ لیلۃ ہی ہے رکعت نہیں ہے۔

حاشا:- امام بیہقی نے (السنن الکبریٰ ص 498 ج 2) میں عشرين لیلۃ کے الفاظ ہی ابو داؤد سے نقل کیے ہیں۔

گھر کی شہادت

علامہ زیلعی حنفی نے (نصب الرایہ ص 126 ج 2) میں ابن نجیم حنفی نے (البحر الرائق ص 40 ج 2) میں 'ابن حمام نے (فتح القدر ص 375 ج 1) میں علامہ حلبی نے (مستملی ص 416) میں اور مفتی احمد یار حنفی بریلوی نے (جاء الحق ص 95 ج 2) میں اسے ابو داؤد کے حوالے سے نقل کیا ہے اور ان تمام نے 'عشرين لیلۃ' کے الفاظ نقل کرتے ہوئے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔ اسی طرح ابن ترکمانی نے (جوہر الحق ص 498 ج 2) میں اس روایت کے ضعیف و منقطع ہونے کی صراحت کی ہے۔

حنفی شارحین

ملا علی القاری حنفی متونی 1410ھ نے (مرقاۃ ص 184 ج 3) میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی حنفی نے (ایضہ للمعات ص 581 ج 1) میں اور مولوی قطب الدین دہلوی حنفی نے (مظاہر حق ص 416 ج 1) میں اس روایت کو ابو داؤد سے عشرين رکعت کے الفاظ سے ہی ذکر کیا ہے۔

ابو داؤد میں دوسری تحریف

امام ابو داؤد نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی روایت عدم رفع الیدین پر جرح کرتے ہوئے کہا تھا کہ

(۲) هذا حدیث مختصر من حدیث طویل ولیس هو بصحیح علی هذا اللفظ یعنی یہ ایک طویل حدیث کا اختصار ہے اور یہ صحیح نہیں اس معنی پر کہ دوبارہ رفع الیدین نہ

کرتے تھے۔

(ابوداؤد مع عون ص 273 ج 1 و ابوداؤد ص 173 ج 1 طبع حلب 1952ء)

امام ابوداؤد کی اس جرح کو ان کے حوالے سے صاحب (مشکوٰۃ ص 77) میں، علامہ ابن عبدالبر نے (التحصید ص 220 ج 9) میں، حافظ ابن حجر نے (المناہج ص 222 ج 1) پر اور علامہ شوکانی نے (نیل الاوطار ص 187 ج 2) میں نقل کیا ہے۔

محدث عظیم آبادی نے (عون المعبود شرح سنن ابی داؤد ص 273 ج 1) میں صراحت کی ہے کہ میرے پاس دو صحیح و معتبر قلمی نسخے ہیں جن میں یہ جرح موجود ہے، لیکن کتنے ستم کی بات ہے جب دیوبندی کتب فکر کے محدث عظیم مولوی فخر الحسن گنگوہی نے ابو داؤد کو اپنی تصحیح سے شائع کیا تو اس جرح کو متن سے نکال دیا۔

(ابوداؤد ص 109)

گھر کی شہادت

حالانکہ مولوی محمود حسن خان کی تصحیح سے جو ابوداؤد کا نسخہ شائع ہوا تھا اس کے صفحہ 116 جلد اول کے حاشیہ پر نسخہ کی علامت دے کر لکھا ہوا تھا کہ ایک نسخہ میں یہ عبارت بھی موجود ہے پھر مذکورہ تمام عبارت کو نقل کیا گیا ہے۔

ابوداؤد میں تیسری تحریف

سنن ابی داؤد ص 120 ج 1 میں امام ابوداؤد نے ایک عنوان باب من رای القراءة اذا لم یجهر کا باندھا تھا مگر مولوی محمود حسن خان حنفی دیوبندی نے جب ”ابوداؤد“ کو اپنی تصحیح سے شائع کروایا تھا اسے باب من کره القراءة الفاتحة الكتاب اذا جهر الامام سے بدل دیا، حالانکہ کسی بھی نسخہ میں یہ عنوان نہ تھا۔

(دیکھئے ابوداؤد مع عون ص 305 ج 1)

اہل علم جانتے ہیں کہ محدث عظیم آبادی رحمہ اللہ سنن ابوداؤد کے متن کی جب

عون المعبود میں شرح کرتے ہیں تو اختلاف نسخہ کا ذکر کرتے ہیں۔ اگر کسی نسخہ میں اس عنوان کا باب بھی ہو تا جو دیوبندیوں کے شیخ الہند نے قائم کیا ہے تو صاحب عون المعبود اس کا ذکر کرتے، مگر محدث عظیم آبادی اس پر خاموشی سے گزر گئے ہیں جو اس بات کا روشن پہلو ہے کہ کسی بھی نسخہ میں اس عنوان کا باب نہ تھا۔ مگر شیخ الہند اس کا ذکر کرتے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون، یہ سب حقیقت کی حمایت میں کیا جا رہا ہے کہ ان کے نزدیک قراۃ فاتحہ مکروہ ہے۔

مصنف ابن ابی شیبہ میں تحریف

مصنف ابن ابی شیبہ حدیث و آثار کا بہترین ذخیرہ ہے۔ اس کی اشاعت کا متعدد اداروں کو شرف حاصل ہے۔ سب سے پہلے مولانا عبدالنواب کی تعلیق سے اس کی اشاعت ملتان سے ہوئی، بعد میں حیدر آباد دکن سے مولانا ابوالکلام آزاد اکادمی نے 1386ھ میں اس کی پہلی جلد کو شائع کیا۔ بعد میں الدار السلفیہ بمبئی نے اس کو پندرہ جلدوں میں شائع کیا۔ مصنف میں

حد ثا و کعب عن موسیٰ بن عمیر عن علقمۃ بن وائل بن حجر عن ابی کی سند سے ایک حدیث مروی تھی کہ:

رایت النبی ﷺ وضع یمینہ علی شمالہ فی الصلاة

یعنی میں نے نبی ﷺ کو دیکھا کہ آپ علیہ السلام نے نماز کے اندر داہنے ہاتھ کو بائیں ہاتھ کے اوپر رکھا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص 390 ج 1 مطبوعہ بمبئی و حیدر آباد دکن)

دیوبند کے محدث شہیر مولانا حبیب الرحمن صاحب الاعظمی نے مصنف کی ابتدائی تین چار جلدیں بھی 1984ء میں شائع کی تھیں۔ (جواب مکمل چھپ چکی ہے) اس کے صفحہ 351 جلد دوم طبع مطالع الرشید مدینہ المنورہ 1984ء میں بھی یہ حدیث انہیں الفاظ کے ساتھ موجود ہے، مگر جب دیوبندیوں نے ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی

سے 1986ء میں اس کی اشاعت کی تو متن حدیث سے تحریف کرتے ہوئے (تحت السرة) کا اضافہ بھی کر دیا۔ اس اضافہ سے حدیث کا یہ مفہوم بن گیا کہ ”نبی ﷺ نے نماز کے اندر ناف کے نیچے ہاتھ باندھے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

حالانکہ یہ صریحاً بددیانتی ہے۔ یہ حدیث ایک درجن کے قریب کتب حدیث میں پائی جاتی ہے اور کسی میں بھی (تحت السرة) کا اضافہ نہیں ہے۔ اور جس نسخہ کے حوالے سے اس اضافہ کا دعویٰ کیا جاتا ہے اس کے ضعیف و معلول ہونے کا دیوبندی اکابرین کو بھی اقرار ہے۔ تفصیل کے لئے خاکسار کی تالیف دین الحق ص ۲۲۰ ج ۲ کا مطالعہ کریں۔

مسند حمیدی میں تحریف

مسند حمیدی میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث مروی تھی جس کے الفاظ حسب ذیل ہیں۔

((رایت رسول اللہ ﷺ اذا افتتح الصلوة رفع یدیه حذو منکبیه واذا اراد ان یرکع و بعد ما یرفع راسه من الرکوع ولا یرفع بین السجدین))

(مسند حمیدی ص 177 طبع الہمدیٹ ٹرسٹ کراچی)

یعنی میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا جب نماز کو شروع کرتے تو کندھوں کے برابر تک رفع الیدین کرتے اور جب رکوع کرنے کا ارادہ کرتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو رفع الیدین کرتے اور دونوں سجدوں کے درمیان رفع الیدین نہ کرتے تھے۔

مسند حمیدی کے نسخہ ظاہر یہ ہیں یہ روایت اسی طرح ہے۔ علاوہ ازیں مسند حمیدی کی روایت حد شافعیان قال حد شاذلہ زہری کی سند سے مروی ہے اور اسی سند کے ساتھ مذکورہ الفاظ میں ہی یہ حدیث (مسند احمد ص 8 ج 2 و ابوداؤد ص 4 ج 1 و نسائی ص 123 ج 1) (مجتبیٰ) و ایضاً السنن الکبریٰ ص 350 ج 1) میں بھی موجود ہے مگر نہایت ہی ستم کی بات یہ ہے کہ جب دیوبندیوں کے محدث شہیر مولوی حبیب الرحمن اعظمی نے مسند حمیدی کو شائع کیا تو اس کے متن کو بدل دیا جس سے یہ حدیث رفع الیدین کرنے کی بجائے نہ

کرنے کی دلیل بن گئی، آپ بھی ملاحظہ کریں:

((رایت رسول اللہ ﷺ اذا افتح الصلوة رفع يديه حذو منكبيه واذا اراد ان يركع و بعد ما يرفع راسه من الركوع فلا يرفع ولا بين السجدين))

(مسند حمیدی ص 277 ج 2)

قدرت الہی کا کرشمہ

مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کی حفاظت کا ذمہ لے رکھا ہے۔ اس نے اپنے دست قدرت سے دیوبندی محدث سے ایسا تصرف کروایا کہ اس تحریف کے باوجود یہ دیا نہ کی دلیل نہ بن سکتی تھی۔ وہ یہ کہ امام حمیدی اور زہری کے درمیان امام سفیان کا واسطہ تھا جو گر گیا، جس کا معلق کتاب ”الاعظمی“ کو بھی بعد میں پتا چلا، کیونکہ کتاب کے آخر میں جو غلطیوں کا چارٹ ہے اس میں بھی اس غلطی کا ازالہ نہیں کیا گیا ہے۔

الغرض اس روایت کو دیوبندی حضرات دلیل تو بناتے تھے مگر سفیان کے واسطہ کو سہواً گرا ہوا بتاتے تھے نور الصباح ص 59، جس پر محقق العصر مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ نے تعاقب کرتے ہوئے کہا کہ اگر حروف جوڑنے والے کی غلطی سے حدیث سفیان کے الفاظ چھوٹ سکتے ہیں تو کتاب سے یہاں بعض الفاظ ذکر کرنے میں غلطی کیوں ناممکن ہے۔

(مسئلہ رفع الیدین پر ایک نئی کاوش کا تحقیقی جائزہ صفحہ 25)

اس اعتراض سے جان چھڑانے کی غرض سے جب دیوبندیوں نے مسند حمیدی کی دوبارہ اشاعت گوجرانوالہ سے کی تو امام سفیان کے واسطہ کو درمیان میں ڈال کر سند کی تصحیح کر دی گئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون (گویا کہ مکتبہ حنفیہ کے ناشر نے تحریف در تحریف کا ارتکاب کیا۔)

لطیفہ: موضوع کی مناسبت سے ہم ذکر کر رہے ہیں، جس کی تفصیل کچھ یوں ہے کہ بریلوی مکتب فکر کے ایک صاحب خاکسار کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ مجھے معلوم ہوا ہے

کہ مسند حمیدی میں رفع الیدین نہ کرنے کی ایک صحیح مرفوع، متصل سند سے حدیث آتی ہے۔ ان کے سوال پر راقم کو بے ساختہ ہنسی آگئی وہ فرمانے لگے کہ آپ ہنس کیوں پڑے ہیں، راقم نے کہا کہ مجھے ایک لطیفہ یاد آگیا ہے وہ یہ کہ ”کسی گاؤں میں ایک صاحب نے سید ہونے کا دعویٰ کر دیا۔ جب کہ اسی گاؤں میں ایک اصلی سید بھی رہائش پذیر تھا اس نے نقلی سید پر توہین سادات کا مقدمہ درج کروادیا، جس پر نقلی سید کو عدالت سے سمن آگیا۔ فریقین عدالت میں پیش ہوئے، مدعا علیہ سے حج نے اس کے سید ہونے پر دلیل مانگی، اگلی تاریخ پر اس نے ایک گواہ پیش کر دیا، گواہ نے گواہی دی کہ واقعی یہ صاحب سید ہیں، حج نے پوچھا کہ آپ کو کیسے معلوم ہے کہ یہ سید ہے۔ گواہ جواباً کہنے لگا، جی ہمارے سامنے ہی سید بنا ہے۔“ یہ لطیفہ سنا کر میں نے عرض کی کہ اس حدیث کا ہمیں بخوبی علم ہے کہ یہ ہمارے سامنے ہی بنائی گئی ہے اس جواب پر اس نے شرمندگی سے سر جھکا لیا۔

ابن ماجہ میں تحریف

سنن ابن ماجہ کو بعض نے صحاح ستہ میں شمار کیا ہے۔ درسی اور متداول کتاب ہے، اس میں صحیح و ضعیف بلکہ موضوع روایات بھی ہیں اس میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت ہے:

”من كان له امام فقرأه الامام له قرأة“

جس کا (نماز میں) امام ہے تو امام کی قرآء اسی کی قرأت ہے۔ (ابن ماجہ ص 61)

حنفیہ کا اس روایت سے ترک قرآء خلف الامام پر استدلال ہے۔ (تدقیق الکلام

ص 195 ج 1)

علماء اہل حدیث کی طرف سے یہ جواب دیا گیا کہ اس کی سند میں جابر الجعفی راوی

کذاب ہے۔

(تحقیق الکلام ص 134 ج 2)

حنفیہ نے حق بات کو تسلیم کرنے کی بجائے سنن ابن ماجہ میں ہی تحریف کر دی۔
اصل سند اس طرح تھی

((حدیثنا علی بن محمد ثنا عبید اللہ بن موسیٰ عن الحسن بن صالح عن جابر عن
ابی الزبیر عن جابر))

اسے بدل کر جابرو عن ابی الزبیر بنا دیا، جابرو اور ابی الزبیر کے درمیان حرف واؤ کا اضافہ اس
مقصد کے لیے کیا گیا تاکہ یہ تاثر دیا جائے کہ جابرا لکھی اسے بیان کرنے میں منفرد نہیں بلکہ
اس کا ثقہ تابع ابی الزبیر بھی موجود ہے جو جابرا لکھی کا ہم سبق ہے اور یہ دونوں حضرت جابر
رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

حالانکہ اہل علم جانتے ہیں کہ اگر ابن ماجہ میں حرف واؤ ہو تا اور جابرا لکھی اور ابی
الزبیر دونوں ہم سبق ہوتے تو جابرو عن ابی الزبیر کی بجائے جابرو ابی الزبیر ہوتا، گزارشات
کا مقصد یہ ہے کہ حرف واؤ کا اضافہ کرنے والا جہاں خائن و بددیانت ہے وہاں جاہل و انازی
بھی ہے۔

ابن ماجہ کی سند محدثین کی عدالت میں

یہ روایت ابن ماجہ کے علاوہ متعدد محدثین کرام نے روایت کی ہے۔ مگر ان تمام

نے جابرو عن ابی الزبیر ہی بیان کیا ہے۔ دیکھئے

(سنن دارقطنی ص 331 ج 1 ابن عدی ص 542 ج 2 و کتاب القراءۃ ص 158 و مند

احمد 339 ج 3)

گھر کی شہادت

اکابر احناف نے بھی اس روایت کو جابرو عن ابی الزبیر سے ہی بیان کیا ہے، دیکھئے

(شرح معانی الآثار ص 149 ج 1) علاوہ ازیں مولانا عبدالحی لکھنوی حنفی مرحوم نے ابن ماجہ

سے جابر عن ابی الزبیر ہی نقل کیا ہے۔

امام الکلام ص 187 والتعلیق المحمّد ص 96 علامہ زیلیخی حنفی نے بھی نصب الراية ص 27 ج 7 میں واؤ کے بغیر جابر عن ابی الزبیر ہی نقل کیا ہے جو اس بات کا زندہ ثبوت ہے کہ ابن ماجہ میں واؤ کا اضافہ دیا نہ کی بددیانتی اور تحریف ہے اور انہوں نے سند میں گڑبڑ کر کے ایک من گھڑت روایت کو فرمان مصطفیٰ باور کرانے کی کوشش کی ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

ابو عوانہ میں تحریف

امام ابو عوانہ نے مند میں بیان رفع الیدین فی افتتاح الصلاة قبل التکبیر بحذا منکبیه وللرکوع ولرفع راسه من الرکوع وانه لا یرفع بین السجّدتین "عنوان کے تحت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی ایک مرفوع حدیث بیان کی تھی۔

((رایت رسول اللہ ﷺ اذا فتح اصلاة رفع يديه حتى يحاذي بهما وقال بعضهم حذو منكبیه و اذا اراد ان یرکع وبعد ما یرفع راسه من الرکوع ولا یرفعهما وقال بعضهم ولا یرفع بین السجّدتین والمعنی واحد)) (مخطوطہ مند ابو عوانہ بحوالہ نور العینین ص 169)

یعنی میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ جب نماز کو شروع کرتے تو دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے یہاں تک کہ ان دونوں ہاتھوں کو برابر کرتے بعض راویوں نے کہا کہ کندھوں کے برابر کرتے اور جب رکوع کرنے کا ارادہ کرتے اور رکوع سے سر اٹھانے کے بعد رفع الیدین کرتے اور نہ کرتے رفع الیدین اور بعض راویوں نے کہا ہے کہ دونوں سجدوں کے درمیان رفع الیدین نہ کرتے اور ان کا معنی ایک ہی ہے۔

مگر نہایت دکھ کی بات ہے کہ جب احتاف نے مند ابو عوانہ کو شائع کیا تو من الرکوع ولا یرفعهما سے حرف واؤ کو عمداً گرا دیا۔ مند ابو عوانہ ص 90 ج 2 بغدادہ اس

حدیث کو عدم رفع کی دلیل بنالیا، نور الصباح صفحہ 53
تبصرہ بلا تبصرہ:-

اولاً: امام ابو عوانہ نے اس حدیث کو رفع الیدین کرنے کے باب میں ذکر کیا ہے۔

ثانیاً: حدیث کے متن کو سمجھنے کے لیے اس کے الفاظ پر غور کیجئے کہ (ولا یرفعہما) کا تعلق کس سے ہے ما قبل کی جزا ہے یا اس کا تعلق بعد کے جملہ سے ہے، دراصل امام ابو عوانہ نے جیسے رفع الیدین کی کیفیت کے بارہ میں راویوں کا اختلاف بیان کیا ہے کہ بعض نے ”حتی یرفعہما“ کہا ہے اور بعض نے ”حذو منکیہ“ کہا ہے، اسی طرح بعد میں بھی یہی مقصود ہے کہ بعض نے ”ولا یرفعہما“ اور بعض نے ”ولا یرفع بین السجدتین“ کہا ہے اور اس کی امام صاحب کے الفاظ ”والمعنی واحد“ معنی و مقصد ایک ہی سے بھی تائید ہوتی ہے کہ ”ولا یرفعہما“ کہا جائے یا ”لا یرفع بین السجدتین“ معنوی اعتبار سے کوئی جوہری فرق نہیں سوال یہ ہے کہ اگر ”ولا یرفعہما“ ما قبل کی جزا ہے جیسا کہ دیوبندی کہتے ہیں تو پھر اس کے بعد ”وقال بعضهم ولا یرفع بین السجدتین والمعنی واحد“ میں بعض کا ذکر کر کے کس جملہ سے تعرض و اختلاف کا اشارہ ہے اور یہاں کون سے دو لفظ ہیں کہ فرمایا جا رہا ہے کہ معنی ایک ہی ہے اگر یہاں دو لفظ نہیں تو معنی واحد کہنے کا کیا مطلب؟

ثالثاً:- امام ابو عوانہ نے یہ روایت عبد اللہ بن ایوب سعدان بن نصر اور شعیب بن عمرو غیر ہم کی سند سے بیان کی ہے جس کا مطلب واضح ہے کہ سفیان سے عبد اللہ سعدان اور شعیب وغیرہ یہ روایت ان الفاظ سے بیان کرتے ہیں اب دیکھئے کہ دوسری کتب حدیث میں کوئی روایت ان کے واسطے سے آتی ہے تو وہ کس طرح ہے۔ چنانچہ (السنن الکبریٰ للبیہقی ص 69 ج 2) میں سعدان عن سفیان کے واسطے سے یہی روایت موجود ہے جس کے الفاظ

یوں ہیں:

((ان رسول اللہ ﷺ کان اذا افتتح الصلاة رفع يديه حتى يحاذي منكبيه و اذا ازاد ان

يركع و بعد ما يرفع من الركوع ولا يرفع بين السجدين))

صحیح ابو عوانہ کی روایت سے ان الفاظ کا مقابلہ کیجئے یہاں رواۃ کے اختلاف کا ذکر نہیں گویا، سعدان

کی روایت میں ”حتی يحاذي منكبيه اور ولا يرفع بين السجدين“ کے الفاظ ہیں یہ

طریق بھی اس بات کا بین ثبوت ہے کہ ”ولا يرفعهما“ سے مراد محض راویوں کے مابین

اختلاف کا ذکر کرنا مقصود ہے۔

(مسئلہ رفع الیدین پر ایک نئی کاوش کا تحقیقی جائزہ ص 22)

رابعاً۔ امام ابو عوانہ نے یہ روایت سفیان بن عیینہ کی سند سے بیان کی ہے اور سفیان کی

روایت (صحیح مسلم ص 168 ج 1) میں موجود ہے۔ جس کے الفاظ ”ولا يرفعهما بین

السجدين“ کے ہیں الغرض اس جملہ کا تعلق ما بعد کی عبارت سے ہے مگر خفیت کے وکلاء

نے مسند ابو عوانہ میں تحریف کر کے اسے عدم رفع کی دلیل بنا لیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

صحیح مسلم میں تحریف

ملک سراج الدین اینڈ سنز نے 1376ھ میں مولوی محمد ادریس کاندھلوی وغیرہ

دیوبندی کی تحقیق سے صحیح مسلم کو شائع کیا۔ اس میں خفیت کی تائید کی غرض سے سوچے سمجھے

منصوبے کے تحت حسب ذیل سند وضع کی گئی۔

((حدثني عبيد الله بن معاذ العنبري قال نا ابي قال نا محمد بن عمرو الليثي عن

عمرو بن مسلم بن عمارة عن بن اكيمة الليثي قال سمعت سعيد بن المسيب يقول

سمعت ام سلمة زوج النبي الخ))

(صحیح مسلم ص 168 ج 2)

حالانکہ درست سند حدیث حسب ذیل ہے۔

(حدثنی عبید اللہ بن معاذ العنبری قال نا ابی قال نا محمد بن عمرو اللیثی عن عمر ابن مسلم بن عمار بن اکیمة اللیثی قال سمعت سعید بن المسیب یقول سمعت ام سلمة زوج النبی ﷺ)

(صحیح مسلم ص 160 ج 2)

یہی روایت (ابو داؤد ص 30 ج 2، ترمذی مع تحفہ ص 65 ج 3، نسائی مجتبیٰ ص 194 ج 2، ابن ماجہ ص 234، بیہقی ص 266 ج 9، الحلی لابن حزم ص 3 ج 6 اور شرح معانی الآثار ص 334 ج 2 وغیرہ میں صحیح مسلم کی سند سے مروی ہے ان سب میں عمر ابن مسلم بن عمار کے آگے ابن اکیمة اللیثی کا واسطہ قطعاً نہیں ہے۔

وجہ تحریف

ترمذی مع تحفہ ص 254 ج 1 میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے ایک حدیث مروی ہے جس سے فریق ثانی ترک قرآن خلف الامام کا استدلال کرتا ہے۔ (احسن الکلام ص 278 ج 1)

مگر اس کی سند میں ابن اکیمة اللیثی راوی ہے۔ صحیح مسلم میں تحریف اس غرض سے کی گئی تاکہ ابن اکیمة اللیثی کو صحیح مسلم کا راوی باور کرایا جائے اہل علم سے گزارش ہے کہ وہ حافظ ابن حجر کی تالیف ”تہذیب التہذیب“ 410 ج 7 کا مطالعہ کر لیں کہ انہوں نے اسے سنن اربعہ کا راوی تو بتایا ہے مگر صحیح مسلم کا نہیں، اگر مذکورہ سند میں اس کا واسطہ ہوتا تو وہ اسے ذکر کرتے۔

علاوہ ازیں اگر سند میں اس کا واسطہ ہوتا تو عن عمار بن اکیمة اللیثی یا عن ابن اکیمة اللیثی ہوتا مگر یہاں عن ابن اکیمة اللیثی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ تحریف کرنے والا جہاں خائن ہے وہاں اناڑی و جاہل بھی ہے۔

مستدرک حاکم میں تحریف

مستدرک حاکم میں ابان بن یزید عن قتادة عن زرارة بن اوفی عن سعد بن هشام کی سند سے ایک روایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے وتر کی تعداد کے بارے مروی ہے جو متن کے اعتبار سے شاذ ہے۔

(تفصیل دین الحق ص 434 ج 1 میں دیکھئے)

اس حدیث کے الفاظ تھے کہ:

((عن عائشة قالت كان رسول الله ﷺ يو تر بثلاث لا يقعد الا في آخرهن))
یعنی ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ تین رکعت وتر پڑھتے تھے نہ بیٹھتے تھے ان کے درمیان مگر آخر میں۔

مگر احتیاف نے جب مستدرک حاکم کی اشاعت کی تو ”لا يقعد“ کو ”لا يسلم“ بنا دیا۔ اس تحریف سے ان لوگوں نے ایک تیر سے دو شکار کیے۔

(۱) حنفیہ کے نزدیک وتر کی دوسری رکعت میں تشهد ہے جبکہ اس روایت میں تشهد کی نفی ہوتی تھی لہذا ان ایمان دار لوگوں نے الفاظ کو بدل کر اپنی تردید کے الفاظ کا مفہوم ہی بگاڑ دیا۔

(۲) حنفیہ کے نزدیک چونکہ وتر کے درمیان سلام نہیں پھیرنا چاہیے اس غرض کے تحت ان لوگوں نے ”لا يقعد“ کو ”لا يسلم“ بنا دیا جس سے نماز وتر کی دوسری رکعت میں سلام کی نفی ہو گئی۔ یوں ان لوگوں نے متن روایت میں تحریف کر کے حقیقت کو سہارا دیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

محمد شین کی گواہی

امام بیہقی نے (السنن الکبریٰ ص 28 ج 3) میں اس روایت کو مستدرک کی سند

سے ہی بیان کیا ہے جس کے الفاظ ”لا يقعد“ ہیں۔

علامہ ذہبی نے (تلخیص مستدرک ص 304 ج 1) میں حافظ ابن حجر نے (فتح

الہاری ص 385 ج 2) اور (تلخیص الحیبر ص 15 ج 2) میں اسے مستدرک سے نقل کیا ہے اور الفاظ ”لا یقعد“ ہی نقل کیے ہیں۔

حنفیہ کی شہادت

علامہ نیوی حنفی مرحوم نے (آثار السنن ص 206) میں اسے مستدرک سے نقل کیا ہے مگر الفاظ ”لا یقعد“ بیان کیے ہیں اور اس کے حاشیہ در حاشیہ تعلق التعلیق میں صراحت کی ہے کہ امام بیہقی نے معرفۃ السنن والاثر میں کہا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ابان کے طریق میں ”لا یقعد“ کے الفاظ ہیں۔ پس صحیح الفاظ اس روایت میں ”لا یسلم“ کی بجائے ”لا یقعد“ ہیں۔ (حاشیہ آثار السنن ص 206)

تنبیہ: راقم کو (دین الحق ص 235) میں وہم ہوا ہے کہ مذکورہ عبارت کو مولوی فیض احمد صاحب کی طرف منسوب کر دیا ہے۔ لہذا قارئین اس کی تصحیح کر لیں۔

مسند احمد میں تحریف

حنفیہ نے مسند احمد کو حیدر آباد دکن سے شائع کیا تھا۔ حسب عادت ان لوگوں نے اس میں بھی تحریف کی اور بے لذت کی ہے۔ مثل معروف ہے کہ ”چور چوری سے گیا مگر ہیرا پھیری سے نہ گیا“ یہی کچھ یہاں معاملہ درپیش آیا ہے کہ مذکورہ تحریفات تو کسی مقصد اور مطلب کی غرض سے کی تھیں مگر اس تحریف کو بے مقصد ہی کر ڈالا یا شاید اس کے نیچے بھی کوئی مقصود ہو جس کو راقم معلوم نہ کر سکا۔ بہر حال آئیے حدیث کے الفاظ ملاحظہ کریں۔

حضرت عمرو بن مرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور عرض کی کہ کلمہ پڑھ چکا ہوں، نماز پڑھتا ہوں، زکوٰۃ دیتا ہوں، روزے رکھتا ہوں آپ علیہ السلام نے فرمایا:

((من مات علی هذا کان مع النبیین والصلیقین والشهداء یوم القیمة هكذا و نصب

((اصبعیہ))

جس شخص کو ان اعمال پر موت آجائے وہ قیامت کے دن نبیوں اور صدیقوں اور شہیدوں کی

معبت اور صحبت میں اس طرح ہوگا اپنی دونوں انگلیوں کو کھڑی کر کے دکھلایا۔ الحدیث

اس حدیث کو حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر ص 523 ج 1 میں مسند احمد سے بمع سند نقل کیا

ہے اسی طرح علامہ سیوطی نے (در منثور ص 182 ج 2) میں اور علامہ ہیثمی نے (مجمع

الزوائد ص 46 ج 1 و ص 150 ج 8) میں اسے مسند احمد سے نقل کیا ہے۔ اس حدیث پر

مزید بحث خاکسار کی تخریج محمدیہ پاکٹ بک میں (غیر مطبوعہ) ہے۔

مگر افسوس صد افسوس کہ علم نبوی کے واحد ٹھیکے داروں نے اس روایت کو مسند احمد سے

خارج کیا ہوا ہے۔

ان اللہ وانا الیہ راجعون

الفاظ نبوی میں حک و اضافہ کی مثالیں

صاحب ہدایہ کا باطل طوفان

الفاظ نبوی میں ہیرا پھیری کرنے میں سب سے زیادہ نڈر اور بے باک صاحب ہدایہ ہے، یہ الفاظ نبوی میں اپنے مخصوص مقاصد کی غرض سے حک و اضافہ کرتا ہے اور پھر ان حک و اضافہ شدہ الفاظ کو دلیل بنا کر فریق مخالف کو مطعون کرنا اس کا عام شیوہ اور دستور ہے۔

(۱) صاحب ہدایہ کتاب الحج باب الحج عن الغیر میں فرماتے ہیں کہ

((وبذلك تشهد الاخبار الواردة في الباب كحديث الخثعمية فانه

صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِيهِ حَجِي عَنْ أَبِيكَ وَاعْتَمَرِي)) (هدایہ مع فتح القدر ص 366 ج 3)

یعنی اس پر گواہ ہیں اس سلسلہ میں مروی احادیث جیسا کہ حدیث ثعمیہ ہے کہ آپ علیہ السلام نے اسے کہا تھا کہ اپنے باپ کی طرف سے حج اور عمرہ ادا کر۔

یہ حدیث (بخاری ص 350 ج 1، مسلم ص 431 ج 1) کے علاوہ سنن اربعہ میں

موجود ہے مگر کسی روایت میں بھی ”واعتمری“ کا لفظ نہیں ہے۔

علامہ زیلعی حنفی فرماتے ہیں کہ:

((هذا وهم من المصنف فان حديث الخثعمية ليس فيه ذكر

الاعتمار)) (نصب الراية ص 156 ج 3)

یعنی یہ مصنف کا وہم ہے کیونکہ حدیث ثعمیہ میں عمرہ کا ذکر نہیں۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ:

((ولم أرفه شي من طريق الخثعمية الامر بالاعتمار فالظاهر انه انتقال

من المصنف))

یعنی حضرت شعمیہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں عمرہ کرنے کے حکم کا ذکر نہیں ہے، ظاہر ہے کہ یہ مصنف ہدایہ کا خود ساختہ لفظ ہے۔ (درایہ ص 2750)

۲۔ ہدایہ کتاب البیوع باب مسائل منشورہ میں لکھتے ہیں کہ:

((لقوله عليه السلام في ذلك الحديث فاعلمهم ان لهم ما للمسلمين
وعليهم ما على المسلمين))

یعنی آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ انہیں سمجھا دو کہ جو مسلمانوں کے لیے ہے وہ ان کے لیے ہے اور جو مسلمانوں پر ہے وہی ان پر ہے۔ (ہدایہ مع فتح القدر ص 248 ج 6)

حالانکہ جس روایت کی طرف صاحب ہدایہ نے اشارہ کیا ہے اس میں یہ الفاظ نہیں ہیں۔ علامہ زلیعی حنفی فرماتے ہیں کہ میں اس حدیث کو نہیں جانتا جس کی طرف مصنف ہدایہ نے اشارہ کیا ہے اور پہلے اس معنی کی کوئی روایت نہیں گزری مگر حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی حدیث کتاب الزکاة میں اور بریرہ رضی اللہ عنہا کی کتاب السیر میں گذر چکی ہے اور ان میں سے کسی میں بھی یہ الفاظ نہیں ہیں۔ (نصب الراية ص 2755)

۳۔ کتاب الصوم باب ما يوجب القضاء والكفارة في حالتي روزه في جماع کرنے کی حدیث کفارہ کو لائے ہیں جس کے آخر میں یہ الفاظ بھی بیان کیے ہیں کہ ”ولا يجزى احدا بعدك“ یعنی تیرے بعد کسی کو یہ جائز نہیں ہے۔

(مع فتح القدر ص 264 ج 2)

حالانکہ حدیث کفارہ (بخاری ص 259 ج 1؛ مسلم ص 355 ج 1) میں اور متعدد کتب احادیث میں آتی ہیں مگر کسی ایک میں بھی ”ولا يجزى احدا بعدك“ کے الفاظ نہیں علامہ زلیعی حنفی فرماتے ہیں ”لم اجده في شي من طرق الحديث“

(نصب الراية ص 453 ج 3)

یعنی حدیث کے طرق میں سے ان الفاظ کا قطعاً وجود نہیں ہے، یہی حافظ ابن حجر فرماتے

ہیں۔ (درایہ ص 280 ج 1)

مگر صاحب ہدایہ ان الفاظ کو وضع کرتے ہوئے آخر میں لکھتا ہے کہ ”وہو حجة علی الشافعی“ پہلے متن حدیث میں اپنی طرف سے اضافہ کیا پھر اسے دلیل بناتے ہوئے امام شافعی رحمہ اللہ کو دھر لیا کہ یہ ان کے اوپر حجت ہے، اللہ اکبر

۴۔ کتاب الطلاق باب الظہار میں تحریر کرتے ہیں کہ لقولہ علیہ السلام واقع فی ظہار قبل الکفار استغفر اللہ، یعنی آنحضرت ﷺ نے اس شخص کو جس نے اپنی بیوی سے ظہار کیا تھا اور کفارہ ادا کرنے سے پہلے مجامعت کر بیٹھا تھا فرمایا تو اللہ تعالیٰ سے استغفار کر۔ (ہدایہ مع فتح القدر ص ۸۸/۴)

یہ حدیث سنن اربعہ اور متعدد کتب حدیث میں آتی ہے (جو شواہد کی وجہ سے حسن کے درجہ میں ہے بلکہ علامہ البانی نے صحیح کہا ہے۔ (اروألغلیل ص 179 ج 7)) مگر کسی بھی کتاب میں استغفار کرنے کا حکم نہیں ہے۔ یہ صاحب ہدایہ کا اپنی طرف سے اضافہ ہے۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ ((لم اجده فی شی من طرقہ ذکر الاستغفار)) یعنی حدیث کے طرق میں ان الفاظ کا وجود نہیں ہے۔ (درایہ ص 75 ج 2)

۵۔ کتاب الایمان میں امام شافعی کی تردید کرتے ہوئے بغیر قصد کے بھی اگر کوئی قسم کھالے تو اس پر کفارہ دینا پڑے گا، کی دلیل درج کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ (لقولہ ﷺ جدھن جدا وھزلھن جدا النکاح والطلاق والیمین)) یعنی تین چیزوں میں قصد اور مذاق برابر کا حکم رکھتے ہیں۔ نکاح، طلاق اور قسم۔

(ہدایہ مع فتح القدر ص 352 ج 4)

ابوداؤد، ابن ماجہ (طلاق) اور ترمذی (النکاح) میں یہ حدیث مروی ہے مگر ان سب میں یمین کی بجائے رجعت کا لفظ ہے، گویا صاحب ہدایہ نے مطلب برآری کے لیے، رجعت کو یمین میں بدل کر اپنا الوسیدھا کیا ہے۔

علامہ زیلعی نے (نصب الرایہ ص 293 ج 2) میں ابن ہمام نے (فتح القدیر ص 352 ج 4) میں اور حافظ ابن حجر نے (درایہ ص 90 ج 2) میں صاحب ہدایہ کی تردید کی ہے۔

۶۔ کتاب البیوع باب مسائل منشورہ میں کتے کی تجارت کے سلسلہ میں ایک ضعیف حدیث نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

((ولنا علیہ الصلاة والسلام نهی عن بیع الكلب الاکلب صیدا او ما شية))

یعنی ہماری دلیل آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ آپ علیہ السلام نے کتے کی خرید و فروخت سے منع کیا ہے مگر شکاری کتے کی اور جانوروں کی رکھوالی کرنے والے کتے کی۔ (ہدایہ مع فتح القدیر ص 246 ج 6)

حالانکہ یہ روایت سنن ترمذی باب ما جاء فی کراہیة ثمن الكلب والسنور میں موجود ہے مگر اس میں او ما شية (ریوڑ کا کتا) کے الفاظ قطعاً نہیں۔

علامہ زیلعی نے (نصب الرایہ ص 53 ج 4) میں ابن ہمام نے (فتح القدیر ص 246 ج 6) میں اپنے مخصوص انداز میں اسے غریب کہا ہے، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ ((لم اجده بهذا اللفظ)) یعنی مجھے ان الفاظ سے یہ روایت نہیں ملی۔ (درایہ ص 161 ج 2)

۷۔ کتاب آداب القاضی میں ایک حدیث ذکر کرتے ہیں کہ ((انما بنیت المساجد لذكر الله تعالى والحکم)) یعنی آپ علیہ السلام کا فرمان ہے کہ مسجدیں صرف اللہ کا ذکر کرنے اور فیصلے کرنے کے لیے بنائی گئی ہیں۔

(ہدایہ مع فتح القدیر ص 369 ج 6)

الفاظ کا یہ مجموعہ کتب احادیث میں سے کسی کتاب میں نہیں پایا جاتا اگر الفاظ کی ترتیب کو نظر انداز کر دیا جائے تو یہ حدیث مسلم شریف میں موجود ہے۔ لیکن ”وللحکم“ کے

الفاظ نہیں ہیں۔ (مسلم ص 138 ج 1)

حافظ زبیلی فرماتے ہیں ((غریب بهذا اللفظ واخرجه مسلم ليس فيه الحكم))

(نصب الراية ص 470 ج 4)

ان الفاظ سے یہ روایت غریب ہے۔ مسلم نے اسے روایت کیا ہے مگر ”للحکم“

(قضاء) کے الفاظ نہیں ہیں یہی بات حافظ ابن حجر نے کہی ہے۔ (درایہ ص 168 ج 2)

اسی کے قریب قریب علامہ ابن ہمام نے نقد کیا ہے۔ (فتح القدیر ص 370 ج 6)

مولانا محمد جونا گڑھی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: دراصل یہاں صاحب ہدایہ کو دو کام

کرنے تھے ایک شافعی مذہب کی تردید کہ مسجد میں فیصلہ کے لئے قاضی کو بیٹھنا مکروہ

ہے، دوسرا اپنے مذہب کا ثبوت کہ قاضی فیصلوں کے لئے مسجد میں ظاہر کھلم کھلا بیٹھے۔

علامہ موصوف نے ایک حدیث میں ایک لفظ ایسا بڑھا دیا کہ دونوں مطلب نکل آئے۔

شافعی مذہب اڑ گیا حنفی جم گیا اور فتح مندی کا سہرا سر پر بندھ گیا۔ گو نبی ﷺ پر جھوٹ

بولنا ہولناک جرم ہے لیکن مذہب کی پاسداری بھی عجیب چیز ہے جو انسان کے دل میں

سوائے اس کی وقعت کے جس کا مذہب مانتا ہے کسی اور کو با وقعت رہنے ہی نہیں دیتی۔

(درایت محمدی ص 36)

۸۔ کتاب الکراہیۃ فصل فی بیع میں فرماتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک ارض حرم کو

فروخت کرنا مکروہ ہے پھر اس کی دلیل درج کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ”لانی

حنفیۃ قوله علیہ السلام الا ان مکة حرام لا تباع رباعها ولا تورث“)

یعنی امام ابو حنیفہ کی دلیل آپ علیہ السلام کا یہ ارشاد ہے کہ مکہ حرم ہے نہ اس کے گھر

بیچے جائیں اور نہ ورثے میں دیئے جائیں۔ (ہدایہ مع فتح القدیر ص 495 ج 8)

پہلے تو اس حدیث کے معنی کو دیکھئے کہ رباع زمین کو نہیں بلکہ گھر کو کہتے ہیں جیسا کہ ابن

ہمام نے فتح القدیر میں بحوالہ قاموس صراحت کی ہے۔ دوسری بات یہ کہ متن روایت

میں اپنی طرف سے ”لا تورث“ کے لفظ کا اضافہ کر دیا ہے حالانکہ یہ کسی بھی روایت

میں موجود نہیں، حافظ ابن حجر نے اس لفظ کے اضافہ کی پر زور تردید کی ہے۔ (درایہ ص 236 ج 2)

واضح رہے کہ اس لفظ کے بغیر بھی مذکورہ روایت ضعیف و معلول ہے۔ تفصیل کے لیے (نصب الرایہ ص 265 ج 4) کی مراجعت کریں۔

9۔ مذکورہ مقام کے اسی صفحہ میں فرماتے ہیں کہ ارض حرم کو کرایہ پر دینا جائز نہیں، اس کی دلیل درج کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ (لقوله عليه السلام من اجراض مكة فكانما اكل الربا)) یعنی آپ علیہ السلام کا فرمان ہے کہ جس نے مکہ مکرمہ کی زمین کو کرایا پر دیا گویا اس نے سود کھایا۔ (ہدایہ مع فتح القدر ص 495 ج 8)

اولاً:- ان الفاظ سے کوئی روایت صحیح مروی نہیں ہے۔

ثانیاً:- جن من گھرت اور ضعیف روایات میں ان الفاظ کا مجموعہ پایا جاتا ہے ان میں بھی ”اکل الربا“ کی بجائے ”اکل النار“ کے الفاظ ہیں۔ (دیکھئے نصب الرایہ ص 266 ج 4 و درایہ ص 236 ج 2)

مگر صاحب ہدایہ نے متن روایت میں تصرف کرتے ہوئے ”نار“ کو ”ربا“ میں بدل دیا ہے۔ اللہ وانا الیہ راجعون۔

10۔ کتاب الصلوٰۃ باب ما یفسد الصوم میں اپنے مذہب کی ترجمانی کرتے ہوئے صحرا (جنگل) میں نماز پڑھتے ہوئے سترہ رکھنے کی دلیل درج کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ((لقوله عليه السلام اذا صلى احدكم في الصحرا فليجعل بين يديه سترة)) یعنی نبی ﷺ کا ارشاد ہے کہ جب تم میں سے کوئی جنگل میں نماز پڑھے تو اپنے آگے سترہ رکھ لے۔ (ہدایہ مع فتح القدر ص 354 ج 1)

یہ حدیث متعدد صحابہ کرام سے مروی ہے مگر کسی میں بھی ”فی الصحرا“ کے الفاظ نہیں ہیں۔ ابن ہمام نے ’فتح القدر ص 354 ج 1‘ میں اور زیلعی نے نصب الرایہ ص 80 ج 2 میں

غریب بحد اللفظ کہا ہے حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ 'لم أره بقيد الصحرا' یعنی حدیث نبوی میں صحرا کی قید نہیں۔ (درایہ ص 179 ج 1)

تلك عشرة كاملة

یہ دس ہیرا پھیریاں ہم نے محقق سلفی عالم مولانا محمد صاحب جو ناگزہی مرحوم کی کتاب (درایت محمدی) سے تخریج کے ساتھ نقل کی ہیں۔ اس کے علاوہ بھی حضرت نے متعدد امثلہ ذکر کی ہیں، باذوق حضرات مراجعت فرمائیں لیکن ہمارا کام استیعاب نہیں بلکہ ڈھیر سے مٹھی بھر کی نشان دہی کرنا ہے۔

اکابر احناف صاحب ہدایہ کے نقش قدم پر

اب آئیے دیگر محققین حنفیہ کی حدیث نبوی کے الفاظ میں حک و اضافہ کی امثلہ سنیں
(1) علامہ ابن ہمام ماشاء اللہ ہدایہ کے شارح ہیں۔ حنفی ان کو محقق علی الاطلاق اور مجتہد فی المذہب کا درجہ دیتے ہیں، ان کے تبحر فی الحدیث کا دعویٰ بھی کیا جاتا ہے۔ وہ صفا کی سعی کے بعد دو رکعت نماز نفل کے استحباب کی بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جب سعی سے فارغ ہو تو مستحب ہے کہ دو رکعت نماز نفل ادا کرے پھر اس کی دلیل درج کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

((روی المطلب بن ابی وداعة قال رایت رسول الله صلى الله عليه وسلم حين فرغ من سعيه جاء حتى اذا حاذى الركن فصلى ركعتين في حاشية المطاف وليس بينه وبين الطائفين احد))
(رواه احمد وابن ماجه وابن حبان)

یعنی مطلب بن ابی وداعہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا جب (صفا و مروہ کی) سعی سے فارغ ہونے کے بعد بیت اللہ تشریف لائے اور مطاف کے کنارہ دو رکعت نماز پڑھی، آپ علیہ السلام اور طواف کرنے والوں کے درمیان کوئی نہ تھا۔ اس کو احمد ابن ماجہ اور ابن حبان نے روایت کیا ہے۔

(فتح القدیر ص 263 ج 2)

بلاشبہ یہ حدیث مسند احمد ص 399 ج 6، ابو داؤد ص 160 ج 2 (2008) نسائی ص 34 ج 2، ابن ماجہ (2958)، ابن حبان (موارد) 415، اور بیہقی ص 273 ج 2 وغیرہ میں موجود ہے مگر اس روایت کا تعلق سعی سے فارغ ہو کر دو رکعت نفل پڑھنے سے نہیں بلکہ طواف سے فارغ ہو کر دو رکعت پڑھنے سے ہے۔ حدیث کے الفاظ ”حین فرغ من سبعہ“ کے ہیں مگر علامہ ابن ہمام نے تقلیدی ہاتھ کی صفائی سے مطلب برآری کی غرض سے ”سبعہ“ کو ”سعیہ“ بنا دیا ہے جس سے حدیث کا مفہوم بگڑ گیا اور طواف کی بجائے سعی سے فارغ ہو کر نوافل ادا کرنے کا ایک بہانہ ہاتھ لگ گیا۔

(۲) کتب فقہ حنفیہ میں ایک روایت ان الفاظ سے بیان کی جاتی ہے:

((ثلث من اخلاق النبوة تعجيل الافطار وتاخير السحور ووضع الكف على الكف تحت السرة))

یعنی تین چیزیں نبوت کی عادات سے ہیں افطار میں جلدی کرنا، سحری دیر سے کھانا، نماز میں داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھنا۔

(جاہ الحق ص 15 ج 2، والبحر الرائق ص 303 ج 1)

حالانکہ اس روایت میں ”وضع الكف على الكف تحت السرة“ کے الفاظ قطعاً نہیں۔ (دیکھئے ابن ابی شیبہ ص 13 ج 3 و بیہقی ص 238 ج 4، ابو داؤد طیالسی ص 346 و طبرانی بحوالہ نصب الراية ص 470 ج 2)

الغرض ”تحت السرة“ کا اضافہ فقہاء احناف نے اپنی طرف سے متن روایت میں کیا ہے۔ علامہ ابن نجیم نے البحر میں اعتراف کیا ہے کہ ہمارے اسلاف نے جو ان الفاظ کو بیان کیا ہے وہ کتب احادیث میں قطعاً نہیں۔

(۳) شیخ عبدالحق دہلوی حقیقت کے معروف وکیل اور ناصر گزرے ہیں۔ انہیں یہ حضرات محدث کے لقب سے یاد کرتے ہیں، جو ماشاء اللہ مشکوٰۃ جیسی معروف حدیث کی کتاب کے

شرح بھی ہیں، انہوں نے ایک حدیث ان الفاظ سے ذکر کی ہے۔

((قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من صلى على ميت في المسجد فلا اجر له))
یعنی جس نے مسجد میں میت پر نماز جنازہ پڑھی اس کے لیے کوئی اجر و ثواب نہیں۔ المعات
بحوالہ حاشیہ مشکوٰۃ 145 اور اشعۃ اللمعات ص 724 ج 1) میں اس کا فارسی زبان میں ترجمہ
بھی کیا ہے حالانکہ اس روایت کی سند کی حیثیت سے قطع نظریہ جیسی بھی ہے اس میں ”فلا
اجر له“ کے الفاظ قطعاً نہیں بلکہ ”فلا شیء له“ کے ہیں۔

(ابوداؤد باب الصلاة علی الجنائز فی المسجد وابن ماجہ ۱۱۰ بحوالہ نصب الراية ص 275 ج 2)
(۴) مولوی سرفراز خان صفدر دیوبندی مکتب فکر کے ایک نامور اور جید عالم دین ہیں، جن
کے القاب کے ساتھ شیخ الحدیث بھی لکھا جاتا ہے ردوہابیت میں سرگرم اور غلو کی حد تک ان
سے عداوت ہے۔ روحانی نسب کے لحاظ سے مولوی اسماعیل مؤلف تحفہ اہل حدیث کے والد
گرامی ہیں۔ غسل جنابت میں کلی اور ناک میں پانی ڈالنے کے مؤقف امام ابو حنیفہ کی ترجمانی
کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ (ابوداؤد ص 48 ج 1) میں روایت ہے:

(الصعيد الطيب وضوء المسلم الى ان قال فاذا وجدت الماء فامسه جلد وشعرك
الخ) (خزائن السنن 90)

حالانکہ ابوداؤد میں ”وشعرك“ کے الفاظ موجود ہی نہیں۔ جبکہ مولانا کا بنیادی استدلال ہی
ان الفاظ سے ہے۔

حضرت مولانا رشا الحق اثری حفظہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت مولانا موصوف
نے اس سے قبل صفحہ 89 میں ”تحت کل شعرة جنابة“ سے بھی استدلال کیا ہے کہ ہر
بال کے نیچے جنابت ہے اور فرمایا کہ چونکہ ناک کے اندر بھی بال ہوتے ہیں لہذا جنابت کا اثر
وہاں بھی ہوتا ہے اسی استدلال سے آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ مذکورہ الصدر روایت میں
”وشعرك“ کا اضافہ بھی اس کی تائید میں ہے اور اس سے مقصد یہ ہے کہ ناک میں پانی ڈالنے
ن فرضیت کی ایک دلیل یہ بھی ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

(مولانا سرفراز اپنی تصانیف کے آئینہ میں ص 179)

(۵) مولانا سرفراز خاں صاحب کا شاگرد رشید اور مولوی اسماعیل کی گینگ کا ایک معروف رکن حافظ حبیب اللہ ڈیروی بھی ہے جو بغض سنت اور عداوت اہل حدیث کی علامت ہے۔ ان کی ہیرا پھیری کی تفصیل میں جانے سے قبل ایک مختصر تمہید کی ضرورت ہے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ (سنن نسائی ص 129 ج 1) میں حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ سے ایک روایت مروی ہے جس میں سجدوں کے درمیان رفع الیدین کر کے کا ذکر ہے یہ روایت سند کے لحاظ سے ضعیف ہے مگر کسی ناسخ کی غلطی سے اس میں تصحیف ہو گئی جس کی وجہ سے بادی النظر میں یہ روایت صحیح معلوم ہوتی ہے کیونکہ سند میں امام قتادہ سے روایت کرنے والے امام سعید بن ابی رعدؒ تھے، مگر ناسخ نے غلطی سے سعید کی بجائے شعبہ لکھ دیا اور اصول حدیث کا یہ قاعدہ ہے کہ جب امام قتادہ سے امام شعبہ روایت کریں تو ان کی تالیس ختم ہو جاتی ہے۔ علمائے اہل حدیث کی طرف سے یہ جواب دیا جاتا رہا کہ شعبہ کتابت کی غلطی ہے دلیل یہ دیتے رہے کہ حافظ ابن حجر نے (فتح الباری ص 177 ج 1) اور ابن حزم نے (المحلی ص 3 ج 8) میں سنن نسائی سے یہی روایت نقل کی ہے اور ان میں سعید بن ابی رعدؒ ہی ہے بلکہ مسند امام احمد ص 436 ج 3) میں بھی سعید ہی ہے۔

استیصال التقلید 91 و حاشیہ نسائی ص 129 ج 1) اس حقیقت کا اعتراف ڈیروی صاحب کے محدث عظیم مولانا انور شاہ صاحب مرحوم نے بھی کیا ہے۔ (نیل الفرقدین 32)

اس کے جواب میں ڈیروی صاحب فرماتے ہیں کہ علامہ کشمیری کا حافظ ابن حجر کے بارے میں یہ حسن ظن صحیح نہیں ہے، کیونکہ جس طرح شعبہ نسائی میں موجود ہے اس طرح صحیح ابوعوانہ میں بھی موجود ہے، معلوم ہوا کہ شعبہ کا ذکر نہ تو نسائی میں غلط ہے اور نہ صحیح ابوعوانہ میں بلکہ حافظ ابن حجر کا وہم ہے اور علامہ کشمیری کا زرا حسن ظن ہے۔ (نور

(الصباح 230)

حالانکہ یہ غلط ہے۔ کیونکہ ابوعوانہ میں کوئی ایسی روایت نہیں جس میں سجدوں

کے درمیان رفع الیدین کرنے کا ذکر ہو اور اس کی سند میں امام شعبہ قتادہ سے روایت بیان کر رہے ہوں۔ (مزید تفصیل دین الحق ص 367 ج 1 میں دیکھئے۔)

الغرض امام شعبہ کے طریق میں سجدوں کے درمیان رفع الیدین کرنے کا ذکر بحوالہ ابو عوانہ ڈیروی کا خانہ ساز جھوٹ ہے۔

فصل سوم

حنفیت کی تائید میں وضع احادیث

مبتدعین دیانہ اور بریلویہ کو حنفی ہونے پر فخر ہے۔ وطن کے لحاظ سے یہ لوگ عراقی ہیں اور عراق فتنہ کی سر زمین ہے، جیسا کہ مخبر صادق علیہ السلام نے اس کی خبر دی ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فجر کی نماز پڑھی، تو منتقل ہو کر ایک قوم پر آئے تو فرمایا کہ اے اللہ ہمارے مدینہ میں برکت ڈال، ہمارے مد اور صاع میں برکت ڈال، ہمارے شام اور یمن میں برکت ڈال۔ ایک شخص نے عرض کی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عراق؟ (کے بارے میں دعا کیجئے) تو آپ علیہ السلام خاموش رہے پھر کہا کہ اے اللہ ہمارے مدینے میں برکت ڈال، ہمارے مد اور صاع میں برکت ڈال، اے اللہ ہمارے حرم میں برکت ڈال اور ہمارے شام و یمن میں برکت ڈال (اس پر اس) شخص نے کہا: والعراق یا رسول اللہ! اے اللہ کے رسول عراق کے بارے میں دعا کیجئے اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((من ثم یطلع قرن الشیطان وتہیج الفتن))

وہاں سے قرن شیطان طلوع ہوگا اور فتنے و فساد جنم لیں گے۔

(طبرانی الأوسط ص 63 ج 5 رقم الحدیث (4110)

علامہ حیشی حنفی فرماتے ہیں کہ اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ (مجمع الزوائد 308 ج 3)

یہ روایت حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے متعدد اسناد سے ثابت ہے۔ (دیکھئے،

(طبرانی کبیر ص 293 ج 12) (الحدیث 13422) المعرفة والتاریخ للامام الفسوی

ص 746 ج 2 و تاریخ ابن عساکر ص 58, 59 ج 1 مخطوطہ و کنز العمال ص 135 و

(14 ج 172)

یہ حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے جس کی سند کے راویوں کو

علامہ منذری نے ثقہ کہا ہے۔ (الترغیب والترہیب ص 227 ج 2)

مخبر صادق علیہ السلام کی پیشگوئی کے عین مطابق سر زمین عراق سے فتنوں و فسادوں نے جنم لیا۔ قرن شیطان یہاں سے طلوع ہوا۔ چنانچہ آپ کتب رجال اور تراجم کی کتابوں پر ایک طائرانہ نظر ڈالیے تو آپ حضرات کو یہ مانے بغیر کوئی چارہ نہ ہوگا کہ جس قدر دجال و کذاب اور وضع احادیث میں معروف لوگ ہیں ان میں سے نوے فیصد اسی سر زمین سے تعلق رکھتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((ان من العراق قوما یکذبون و یسخرون))

بلاشبہ عراق میں کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو جھوٹ بولتے ہیں اور دین سے مذاق کرتے ہیں۔
(ابن سعد ۱۳/۹)

تبع تابعین نے بھی اپنے تجربات سے اس حقیقت کو جان لیا تھا کہ اہل عراق کس کماش کے لوگ ہیں چنانچہ امام طاؤس فرماتے ہیں کہ:

((اذا حدثک العراقی مائة حدیث فاطرح تسعه و تسعین))

جب کوئی عراقی سوحدیثیں روایت کرے تو ان میں سے نواے کو پھینک دو۔
امام ہشام بن عروہ فرماتے ہیں کہ:

((اذا حدثک العراقی بالف حدیث فالق تسعمائة و تسعین و کن من الباقی

فی شک))

یعنی اگر عراقی ہزار حدیثیں روایت کرے تو ان میں سے نو سو نوے (990) کو پھینک دو اور جو باقی دس ہیں ان کے بارے میں بھی شک میں رہو۔ امام الحدیثین امام زہری فرماتے ہیں:

((ان فی حدیث اهل الکوفة دغلا کثیر)) (تدریب الراوی فی شرح تقریب

النواوی ص 85 ج 1)

یعنی اہل کوفہ کی حدیث میں بہت زیادہ مکروفریب اور دغا ہوتا ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ((لیس لحدیث اهل الکوفة

(نور) یعنی اہل کوفہ کی روایت میں نور نہیں ہوتا۔ (سنن ابی داؤد ص 341 ج 2)
 ان آئمہ کے اقوال کو بھی جانے دیجیے ہم اپنے دعویٰ کے ثبوت میں اہل کوفہ کی
 معنوی اولاد کو پیش کرتے ہیں جنہوں نے خوف الہی کو بالائے طاق رکھ کر وضع احادیث کی
 ہیں۔

(2-1) مؤلف تحفہ اہل حدیث کی وضع کردہ روایات

مولوی اسماعیل نے ایک صد سے کم صفحات کی کتاب تحفہ اہل حدیث تحریر کی
 ہے۔ اس کے ایک صفحہ میں دو روایات وضع کی ہیں۔ لکھتا ہے:
 نبی کریم علیہ السلام تو ننگے سر آدمی کے سلام کا جواب تک نہیں دیتے۔ (مشکوٰۃ)
 جب مسح فرماتے ہیں تو ایک ہاتھ سے عمامہ مبارک کو معمولی اوپر اٹھاتے ہیں اور ایک ہاتھ
 سے مسح فرماتے ہیں۔ نبی ﷺ اتنی دیر تک بھی ننگے سر رہنا پسند نہیں فرماتے کہ عمامہ کو
 اتار کر نیچے رکھ دیں۔ (تحفہ اہل حدیث ص 13)
 تبصرہ بلا تبصرہ:

یہ دونوں روایات مولوی ابوبلال اسماعیل کی وضع کردہ ہیں، مشکوٰۃ تو کجا پورے ذخیرہ
 احادیث میں ایسی کوئی روایت نہیں ہے، راقم الحروف سترہ (17) اکتوبر 1999ء بروز اتوار
 بوقت پونے آٹھ بجے صبح مولوی اسماعیل کے پاس حاضر ہوا تھا، اپنا تعارف کرواتے ہوئے
 خاکسار نے کہا کہ آپ کی تالیف تحفہ اہل حدیث کا بندہ نے جواب لکھا ہے اور یہ احادیث راقم
 کو نہیں مل سکیں، آپ مہربانی کر کے مجھے یہ دونوں روایات دکھادیں، راقم کا یہ مطالبہ سن کر
 مولوی اسماعیل کا رنگ فق ہو گیا۔ شرمندگی اور خفت سے اس پر بولنا محال ہو گیا، آخر سر جھکا
 ہوئے کہنے لگا کہ ممکن ہے کہ میں نے کہیں سے سنی سنائی لکھ دی ہوں لہذا اس وقت اس
 کا حوالہ راقم کو یاد نہیں۔

اس پر راقم نے کہا کہ افسوس آپ نے کتاب میں محض سنی سنائی حدیث لکھ دی

اور وہ بھی خصم پر حجت کے لیے ((کفی بالمرء کذب ان يحدث بكل ماسمع)) (مسلم)۔ اس کے جواب میں مولوی اسماعیل کہنے لگا کہ اچھا آپ نے اس پر کیا لکھا ہے؟ راقم نے کہا کہ میں نے جو کچھ لکھا ہے وہ بڑی تلخ حقیقت ہے۔ ویسے ہمارا مخلصانہ مشورہ ہے کہ آپ توبہ کر لیں اور ہم کو لکھ کر دے دیں کہ ان روایات کو میں نے خود وضع کیا تھا جس سے میں توبہ کرتا ہوں۔ مولوی اسماعیل کہنے لگا آپ اشتہار شائع کر کے بدنام کریں گے، خاکسار نے کہا کہ اشتہار شائع نہ کرنے کا وعدہ کرتا ہوں۔ ہاں البتہ تحفہ اہل حدیث کے جواب میں آپ کی توبہ شائع کر دوں گا۔ مولوی اسماعیل کہنے لگا کہ آپ کا مقصود صرف بدنام کرنا ہے اصلاح کرنا نہیں؟

اس پر راقم نے کہا کہ آپ نے بھی تو اصلاح کے نام پر تخریب کاری کی ہے ورنہ آپ قسماً کہہ سکتے ہیں کہ اہل حدیث شیعہ کی طرح ہیں۔

مولوی اسماعیل کہنے لگا کہ آپ اہل حدیث حضرات شیعہ کی طرح نہیں ہیں۔ ہاں البتہ اب میں نے کہیں ایک ضروری کام جانا ہے لہذا کسی اور دن تشریف لائیں اور میں ان روایات کے بارے میں تحقیق کر لوں گا جو آپ کو دکھادی جائیں گی۔ اس پر خاکسار نے کہا کہ اب میں خود تو نہیں آؤں گا البتہ کسی آدمی کو بھیجوں گا۔ مولوی اسماعیل نے 25 اکتوبر 1999ء بروز اتوار بوقت صبح کا وعدہ کیا، جس پر راقم واپس آ گیا۔ پروگرام کے مطابق راقم نے اپنے بھانجے حکیم عثمان عبدالرحمن کو بھیجا جو خیر سے حنفی دیوبندی اور اسی مسجد کا نمازی ہے جس میں مولوی اسماعیل پیش امام ہے مگر مولوی اسماعیل نے حکیم عثمان عبدالرحمن کو یہ روایات نہ دکھائیں بلکہ کہا کہ آپ اپنے ماموں سے کہیں کہ وہ کتاب کو شائع کر دیں میں اس کا جواب لکھ دوں گا۔

الغرض یہ روایات مولوی اسماعیل نہ دکھا سکا کیونکہ کتب احادیث میں ان کا قطعاً کوئی وجود نہیں اور سینہ گزٹ روایات کا ثبوت نہیں ہوا کرتا، ہم آج بھی اپنے دین و ایمان کی محکمی اور خدا داد فراست کو بروئے کار لا کر یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ مولوی اسماعیل کا رسول

اللہ ﷺ پر افترا ہے۔ اللہ سے توبہ کی توفیق دے۔

(۳) مولوی محمد امین صفدر اوکاڑوی حنفی: مبتدعین دیاہنہ کی حیاتی پارٹی کے سرگرم کارکن اور مناظر اعظم ہیں۔ اہل حدیث کے رد میں متعدد کتب کے مصنف اور فن مغالطہ کے امام ہیں، اختلافی مسائل میں سے مسئلہ آمین پر بھی انہوں نے ایک کتابچہ تحریر کیا ہے جس میں فرماتے ہیں:

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب اللہ اکبر کہتے تو تھوڑی دیر خاموش رہتے اور جب وہ ولا الضالین کہتے تو تھوڑی دیر خاموش رہتے اور جب دوسری رکعت کے لئے کھڑے ہوتے تو خاموش نہ رہتے بلکہ الحمد للہ رب العالمین کہتے۔ (مسئلہ تحقیق آمین ص 29)

حالانکہ ایسی کوئی حدیث رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں یہ مولوی امین اوکاڑوی کی سیدہ گزٹ ہے۔

(۴) مولوی حبیب الرحمن حنفی دیوبندی صدیقی کا ندھلوی: دیوبندی کتب فکر کے نامور عالم دین مفتی اشفاق الرحمن کا ندھلوی مرحوم کے فرزند ہیں اور متعدد کتب کے مصنف ہیں جن کے ٹائٹل پر موصوف کے القاب ماہر تاریخ محقق و نقاد شیخ القرآن و امام الحدیث وغیرہ لکھے ہوتے ہیں بعض رسائل میں اہل حدیث پر بھی کڑی تنقید کی ہے۔ فاتحہ خلف الامام کے بارے میں ایک رسالہ تحریر کیا تھا جس میں ارشاد فرماتے ہیں کہ امام بیہقی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا (من ادرك الركوع مع الامام فقد ادرك الركعة) (سنن الکبریٰ ص 90 ج 4)

جس نے امام کے ساتھ رکوع پایا اس نے رکعت پالی۔ (رسالہ فاتحہ خلف الامام 10 تا 11 طبع اول)

حالانکہ ان الفاظ کے ساتھ یہ حدیث بیہقی ٹوکجا پورے ذخیرہ حدیث میں موجود نہیں ہے۔

(۵) مولوی سید محمد انور شاہ کاشمیری: دیوبندی حلقہ کے خاتم المحققین مولوی محمد

انور شاہ کاشمیری جو متعدد کتب کے مصنف اور دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث تھے، اہل حدیث کے رد میں مختلف مسائل پر ان کے رسائل بھی ہیں۔ سنن ترمذی پر ان کی املائی تقریر، 'عرف الشذی' کے نام سے مطبوع ہے، اس کے باب ماجاء فی تعجیل العصر، میں اپنے کوئی مذہب کی وکالت کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ:

((منها ما فی ابی داؤد عن علی ان وقت الا شراق من جانب طلوع الشمس بعد العصر))

حالانکہ ان الفاظ کے ساتھ کوئی روایت ابو داؤد میں ہے اور نہ ہی کسی دوسری حدیث کی کتاب میں اس کا وجود ہے۔

حضرت محدث مبارکپوری فرماتے ہیں کہ:

((قلت حدیث علی هذا بهذا اللفظ لیس فی ابی داود البتة ولا فی کتاب من کتب الحدیث فعلیه ان یثبت اولاً کونه فی ابی داود اوفی کتاب اخر من کتب الحدیث بهذا اللفظ المذكور))

میں کہتا ہوں کہ ان الفاظ کے ساتھ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ابو داؤد میں کوئی روایت نہیں اور نہ کتب حدیث میں سے کسی کتاب میں اس کا وجود ہے لہذا اس پر لازم ہے کہ وہ ان الفاظ کو پہلے ابو داؤد یا پھر کتب احادیث میں سے کسی کتاب سے مذکورہ الفاظ سے ثابت کرے۔ (تحفۃ الاحوذی ص 149 ج 1)

(۶) قاضی نور محمد صاحب: ماضی قریب میں یہ خفیت کے نامور مناظر و مدرس گزرے ہیں، بلاشبہ صاحب علم اور توحید سے محبت تھی فرقہ دہانہ کی مماتی پارٹی کے قائدین میں ان کا شمار ہوتا ہے اہل حدیث کے رد میں متعدد کتب و رسائل کے مصنف ہیں۔ مسئلہ رفع الیدین پر ایک رسالہ ازالۃ الرین کے نام سے انہوں نے تحریر کیا تھا اس میں انہوں نے ایک مسلسل روایت وضع کی ہے فرماتے ہیں کہ:

((اخذ اهل الكوفة الصلوة عن ابراهيم النخعي و اخذ ابراهيم النخعي عن اسود بن يزيد عن ابى بكر الصديق عن النبي ﷺ و هذا اخذ عن جبريل و هو اخذ عن الله تبارك و تعالی و ابراهيم النخعي لم يكن يرفع يديه الا في اول تكبير من الصلوة ثم لا يعود)) (ازالۃ الرین ص 61)

یہ حدیث کسی بھی کتاب میں نہیں پائی جاتی۔

(۷) حافظ حبیب اللہ ڈیروی: ان کا شمار حیاتی دیوبندی پارٹی کے صفدری گروپ سے ہے۔ رد اہل حدیث میں کوثری المشرب ہیں، مسئلہ رفع الیدین پر، نور الصباح فی ترک رفع الیدین بعد الافتتاح کے عنوان سے ایک کتاب تحریر کی ہے۔ اس میں فرماتے ہیں کہ حضرت امام ابو حنیفہ نے ترک رفع الیدین والی نماز اپنے استاد حماد وغیرہ سے سیکھی ہے اور انہوں نے حضرت ابراہیم نخعی سے اور انہوں نے حضرت اسود و علقمہ سے اور انہوں نے حضرت عبد اللہ بن مسعود سے اور انہوں نے جناب رسول اللہ ﷺ سے اور انہوں نے حضرت جبریل علیہ السلام سے اور حضرت جبریل خد تعالیٰ سے لے کر آیا۔ فلہذا اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ نماز میں رفع الیدین نہ کیا کرو۔ (نور الصباح ص 219)

یہ روایت ماشاء اللہ ڈیروی صاحب کی ایجاد ہے جس کا وجود کتب احادیث میں قطعاً نہیں پایا جاتا۔

(۸) مولانا محمود حسن خان صاحب: ان کا شمار آل دیوبند کے اکابرین میں ہوتا ہے۔ مولانا قاسم علی نانوتوی کے شاگرد رشید اور دارالعلوم دیوبند کے صدر مدرس تھے۔ اہل حدیث کی مخالفت ان کے دل میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ مختلف فیہ مسائل پر ان کی ایک کتاب ”ایضاح الادلہ“ ہے اس میں تحریر کرتے ہیں کہ:

((قول عبد الله بن مسعود رفع رسول الله ﷺ فرفعنا وترك فتركنا))

(ایضاح الادلہ 7)

یعنی عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے رفع الیدین کی توہم نے بھی کی۔ جب آپ علیہ السلام نے چھوڑ دی تو ہم نے بھی چھوڑ دی۔ یہ من گھڑت روایت فقہ حنفی کی معروف کتاب (بدائع الصنائع ص 208 ج 1) میں موجود ہے، مگر کوئی حنفی سپوت اور منکر سنت اس کا وجود کتب احادیث سے ثابت نہیں کر سکتا۔ اسی طرح علامہ حسام الدین حنفی متوفی ۷۱۴ھ نے ہدایہ کی شرح میں درجہ ذیل حدیث وضع کی ہے کہ:

((عن عبد الله بن الزبير انه رأى رجلاً يرفع يديه في الصلوة عند الركوع وعند الرفع فقال لا تفعل فان هذا شئ فعله رسول الله ﷺ ثم تركه)) (بحوالہ عمدة القاری ص 273 ج 5)

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے ایک شخص کو رکوع میں جاتے اور رکوع سے اٹھتے وقت ہاتھ اٹھاتے دیکھا تو آپ نے فرمایا کہ ایسا نہ کرو کیونکہ یہ کام حضور نے پہلے کیا تھا پھر چھوڑ دیا۔ (جاء الحق ص 56 ج 2)

علامہ کاسانی حنفی متوفی 585ھ اپنی بلند پایہ کتاب 'بدائع' میں فرماتے ہیں کہ:

((روى انه عليه السلام رأى بعض اصحابه يرفعون ايديهم عند الركوع وعند الرفع الراس من الركوع فقال مالى اراكم رافعى ايديكم كما انها ازناب خيل شمس اسكنوا في الصلوة بدائع الصنائع ص 207 ج 1))

یعنی بیان کیا جاتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بعض صحابہ کو رکوع کرتے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع الیدین کرتے دیکھا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے کیا ہے کہ میں تمہیں سرکش گھوڑوں کی دموں کی طرح ہاتھ ہلاتے دیکھتا ہوں نماز میں سکون اختیار کرو۔

یہ سب جھوٹ کا باطل طوفان ہے، ان لوگوں نے خوف الہی کو بالائے طاق رکھ کر روز قیامت کے حساب سے نڈر ہو کر ان احادیث کو وضع کیا ہے۔

(۹) مولوی احمد علی سہارنپوری: ان کا شمار مبتدعین دہانہ کے ہیر و اور شارحین بخاری میں

ہوتا ہے۔ بغض اہل حدیث سے ان کا سینہ لبریز اور مرتجی المشرب ہونے کی وجہ سے اہل حدیث کا رد خوب کرتے تھے۔ مسئلہ فاتحہ خلف الامام پر ان کا ایک رسالہ (الدلیل القوی) ہے جس میں حدیث کے مفہوم کو بگاڑتے ہوئے حسب ذیل الفاظ نقل کیے ہیں:

((لا یقرآن احد منکم شیئاً من القرآن اذا جہرت بالقرآن وقال الدار قطنی رجالہ کلہم ثقات الدلیل القوی ۲۸)) (بحوالہ تحقیق الکلام ص 198 ج 2) حالانکہ ”اذا جہرت القراءة“ کے درمیان ”الابام القرآن“ کے الفاظ تھے۔ تقدیر عبارت یوں تھی:

(اذا جہرت بالقراءة الابام القرآن) (سنن دار قطنی ص 320 ج 1) مگر دیابنہ کے مایہ ناز محقق نے مطلب برآری کے لیے اس مخالف جملہ کو ہضم کر کے امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنے کی دلیل کو نہ پڑھنے کی بنا دیا۔ اس زیادتی کی کوئی حد اور اس ہیرا پھیری اور بے ایمانی کا کوئی کنارہ ہے۔

(۱۰) ملا علی قاری حنفی شارح مشکوٰۃ: آل دیابنہ کے مقتدا اعظم ملا علی القاری حنفی نے اپنے مسلک کی ترجمانی کرتے ہوئے لکھا ہے:

وفیہ حدیث صریح اخرجہ الدار قطنی ((عن ابن عمر ان النبی ﷺ قال اذا صلیت فی اہلک ثم ادرکت فصلها الا الفجر والمغرب)) یعنی اس سلسلہ میں صریح حدیث ہے جسے دار قطنی نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم گھر میں نماز پڑھ لو پھر اگر جماعت کو پالو تو نماز دوبارہ پڑھ لیا کرو مگر صبح اور مغرب کی نماز

(مرقاۃ ص 305 ج 3)

ان الفاظ کو دار قطنی تو کجا پورے ذخیرہ احادیث سے کوئی حنفی سپوت ثابت نہیں کر سکتا۔ (۱۱-۱۲) علامہ ہسکفی صاحب در مختار: ان کا شمار فقہائے احناف کے ان گنے پنے

افراد میں ہوتا ہے جن کی نقل پر اعتماد کیا جاتا ہے۔ تنویر الابصار کے شارح ہیں، خود مولوی اسماعیل کو ان کی کتاب در مختار پر فخر ہے، اسے مدینہ کی تصنیف کہتے ہیں۔ اس رتبہ و شان کے آدمی نے بھی وضع احادیث کا کاروبار کر رکھا تھا اور کم از کم موضوع و من گھڑت روایات کو نقل کرتے ہوئے ان کا ضمیر انہیں ملامت نہ کرتا تھا۔ ہم اختصار کے ساتھ چند روایات کی نشان دہی کرتے ہیں۔

(۱) ان آدم افتخر بی وانا افتخر برجل من امتی . اسمہ نعمان و کنیتہ ابو حنیفہ ہو سراج امتی))

یعنی نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ آدم علیہ السلام کو مجھ پر فخر تھا اور مجھے اپنے ایک امتی کی وجہ سے فخر ہے جس کا نام نعمان اور کنیت ابو حنیفہ ہے، جو کہ میری امت کا روشن چراغ ہے۔ (مقدمہ در مختار مع رد المحتار ص 1752)

(۲) اسی مقام پر دوسرا فقرہ یہ کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((ان سائر الانبیاء یفتخرون بی وانا افتخر ابی حنیفہ من احبہ فقد احبنی ومن ابغضہ فقد ابغضنی))

یعنی تمام انبیاء کو مجھ پر فخر ہے اور مجھے ابو حنیفہ پر ہے، جس نے اس سے محبت کی اس نے میرے ساتھ محبت کی اور جس نے اس سے بغض کیا اس نے میرے ساتھ بغض کیا۔ (در مختار)

یہ سب من گھڑت اور واہیات ہیں۔

(۱۳) ملا جیون اصولی حنفی: اصول فقہ حنفی کی درسی کتاب ”نور الانوار“ کے مصنف ہیں۔ اس میں ایک حدیث ان الفاظ سے بیان کرتے ہیں:

(اشار علیہ السلام بقوله الخمر لهم كالخل لنا والخنزیر لهم كالشاة لنا))
یعنی اسی طرف ہی آنحضرت ﷺ نے اپنے قول میں اشارہ کیا ہے کہ ان کے لیے شراب ایسے ہے جیسے ہمارے لیے سرک ہے اور ان کے لیے خنزیر اس طرح ہے جس طرح ہمارے

لیے بکری ہے۔ (نور الانوار صفحہ 60 بحث الامر)
یہ بھی خالص رسول اللہ ﷺ پر افتراء ہے، کوئی ابو بزال ہو یا ابو مغالطہ اس روایت کو ثابت نہیں کر سکتا۔

(۱۴) علامہ ابن ہمام: ان کا شمار فقہاء احناف کے ان لوگوں میں ہوتا ہے جنہیں ابو بلال جیسے تمام مقلد مجتہد فی المذہب کہتے ہیں۔ موصوف ابن ہمام گردن پر مسح کے جواز کے ثبوت میں فرماتے ہیں کہ ترمذی نے حضرت وائل بن حجر سے روایت کی ہے:

((ثم مسح على راسه ثلاثا و ظاهر اذنيه ثلاثا و ظاهر رقبته))

یعنی پھر رسول اللہ ﷺ نے سر مبارک کا مسح تین بار فرمایا اور تین بار ہی کانوں کے ظاہری حصہ کا مسح فرمایا اور ایسا ہی تین بار گردن کا مسح فرمایا۔ (فتح القدیر ص 23 ج 1)

ان الفاظ کا مجموعہ ترمذی تو کجا پورے ذخیرہ احادیث میں نہیں ہے۔ یہ مولوی اسماعیل کے مجتہد فی المذہب (ابن ہمام) کی وضع کردہ ہے۔

(۱۵) صاحب ہدایہ: ان کا شمار فقہائے احناف کے ان لوگوں میں ہوتا ہے جن پر تمام مقلدین کو فخر ہے، انہوں نے موضوع و من گھڑت روایات اس قدر بیان کی ہیں کہ اگر ہم ان کو شمار کریں تو چالیس اربعین بنا سکتے ہیں، مگر ہمارا مقصود استیعاب نہیں صرف یہ بتانا مطلوب ہے کہ وضاعین میں ان کا بھی شمار ہوتا ہے۔ چنانچہ اپنے مذہب کی وکالت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

لقوله عليه السلام من صلى خلف عالم تقى فکانما صلى خلف النبی))

یعنی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے متقی عالم کی اقتداء میں نماز ادا کی اس نے گویا نبی کے پیچھے نماز پڑھی۔

(ہدایہ ص 122 ج 1)

پورے ذخیرہ احادیث میں اس کا قطعاً کوئی وجود نہیں ہے۔ یہ صاحب ہدایہ نے

اللہ کے خوف کو بالائے طاق رکھ کر وضع کی ہے۔ حافظ ابن حجر نے (درایہ ص 161 ج 1) میں لم اجد کہا ہے ملا علی القاری حنفی نے (موضوعات 121) میں 'لا اصل لہ' کہا ہے، علامہ زیلعی حنفی نے (نصب الرایہ ص 26 ج 2) میں 'غریب' لکھا ہے علامہ البانی نے لا اصل لہ کہا ہے، الضعیفہ رقم الحدیث 573، علامہ فتنی نے 'لم اقف علیہ بهذا اللفظ' کہا ہے، تذکرہ 40 حقیقت کے چالیس جو اہر پارے

فصل اول میں ہم نے حنفی دیوبندیوں کی دس ایسی ہیرا پھیریاں نقل کی ہیں جو ان لوگوں نے کتب احادیث میں کی ہیں۔ فصل دوم میں پندرہ ایسی خیانتوں کو بتایا ہے جس میں انہوں نے الفاظ نبوی میں مسلک کی پاسداری میں حک و اضافہ کیا ہے اور فصل سوم میں حنفی دیوبندی اور اکابر احناف کی پندرہ ایسی روایات کی نشان دہی کی ہے جنہیں ان لوگوں نے اپنی طرف سے ایجاد کر کے رسول اللہ ﷺ پر بہتان و افترا کیا ہے۔



فصل چہارم

دیوبندیوں کا مکروہ چہرہ

اس فصل میں ہم نے چند ایسی احادیث کو جمع کیا ہے جس کے آدھے حصہ کو یہ حضرات مانتے ہیں اپنے موقف و مذہب کی تائید میں نقل کر کے خصم کو حجت باور کراتے ہیں۔ مگر انہیں احادیث کے بقیہ حصہ سے جو مسئلہ یا مسائل ثابت ہوتے ہیں ان کا محض تقلید کی وجہ سے انکار کرتے ہیں۔

ان روایات کے انتخاب کے لیے ہم نے مبتدعین دینہ کی اہل حدیث کے رد میں لکھی ہوئی معروف کتاب ”حدیث اور اہل حدیث“ کو منتخب کیا ہے۔ پہلے ہم نے مذکورہ کتاب سے متن روایت نقل کیا ہے، پھر دینہ کا استدلال بیان کر کے آخر میں فقہاء احناف کی عبارات کو نقل کر کے حدیث کے اس مقام کی نشان دہی کی ہے جس کو فرقہ دیوبندی تقلیدی وجہ سے نہیں مانتا مگر اسی حدیث کی بنا پر اہل حدیث کو مطعون بھی کیا جا رہا ہے۔ یہ اتنا گھٹیا اور بدتر فعل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہود کے اسی کردار کی وضاحت کرتے ہوئے ان کو دنیا میں ذلت اور آخرت میں عذاب جہنم کی وعید سنائی ہے۔

ارشاد ہوتا ہے:

﴿الْفِتْمَانُونَ بَعْضُ الْكُتْبِ وَتَكْفُرُونَ بَعْضُ فَمَا جَزَاءُ مَنْ يَفْعَلُ ذَلِكَ مِنْكُمْ إِلَّا

خزى فى الحيوۃ الدنيا ويوم القيمة يردون الى اشد العذاب﴾ (البقرہ: 85)

تو کیا مانتے ہو بعض کتاب کو اور نہیں مانتے بعض کو، سو کوئی سزا نہیں اس کی جو تم میں یہ کام کرتا ہے مگر رسوائی دنیا کی زندگی میں اور قیامت کے دن پہنچائے جاوین سخت سے سخت عذاب میں۔

(ترجمہ مولوی محمود حسن خاں دیوبندی)

بہر حال آئیے اب یہ احادیث ملاحظہ کریں

(۱) کتے کا جو ٹھا برتن

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

((اذا ولغ الكلب في اناء احدكم فليرقه ثم ليغسله سبع مرار))

جب کتا تم میں سے کسی کے برتن میں منہ ڈال دے تو اسے چاہیے کہ وہ اسے بہا کر سات مرتبہ (برتن کو) دھو لے۔

(مسلم ص 137 ج 1)

اس حدیث کو نقل کر کے مولوی انوار خورشید دیوبندی نے پانی قلیل کی نجاست پر استدلال کیا ہے۔

(حدیث اور اہل حدیث 139)

مگر اسی حدیث میں کتے کے جھوٹے برتن کو سات بار دھونے کا حکم نبوی موجود ہے۔ مگر حنفی نبی ﷺ کے اس فرمان کی حکم عدولی کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ تین بار ہی دھونا لازمی و ضروری اور کافی ہے۔ ہدایہ میں ہے:

((وسور الكلب نجس و يغسل الاناء من ولوغہ ثلاث))

یعنی کتے کا جھوٹا پلید ہے اور اس کے منہ ڈالنے سے برتن کو تین بار دھویا جائے۔ (ہدایہ مع فتح

التقدیر ص 94 ج 1)

(۲) حرام اشیاء سے علاج

حضرت طارق بن سوید الجعفی رضی اللہ عنہ نے

سال النبی ﷺ عن الخمر فنہاہ و کرہ ان یضعها للدواء فقال انه لیس بداء و لکنہ

((داء))

نبی ﷺ سے شراب کے متعلق سوال کیا آپ علیہ السلام نے انہیں روک دیا اور دوا کے لیے

شراب بنانے کو ناپسند کیا اور فرمایا کہ یہ دوا نہیں ہے یہ تو بیماری ہے۔ (مسلم ص 163 ج ۲)

اس حدیث سے مؤلف ”حدیث اور اہل حدیث“ نے صفحہ 154 پر شراب کے نجس ہونے پر استدلال کیا ہے مگر اسی حدیث سے یہ مسئلہ ثابت ہوتا ہے کہ حرام چیز کو شفا کی غرض سے استعمال کرنا جائز نہیں کیونکہ ان میں شفا نہیں بلکہ یہ خود بیماری ہیں لیکن فقہ حنفی میں صاف لکھا ہے کہ:

((لو ان مریضا اشار الیہ الطیب بشرب الخمر روی عن جماعة من ائمة
بلخ انه ينظر ان كان يعلم يقينا انه يصح حل له التناول))

اگر مریض کو معالج شراب پینے کا مشورہ دے تو اس بارے میں آئمہ بلخ سے روایت ہے کہ
اگر یہ علاج یقینی ہو تو شراب پی لینا حلال ہے۔ (فتاویٰ عالمگیری ص 255 ج 5)

اس کے بعد صراحت ہے کہ اگر مسلمان طیب خون پیشاب اور مردار کھانے
پینے کا مشورہ دے اور ان کا کوئی متبادل بھی نہ ہو تو ان کو استعمال کرنا جائز ہے۔ ایضاً
اس سے بھی بڑھ کر پڑھے کہ:

((فقد ثبت ذلك في المشاهير من غير انكار والذى رعب فلا يرقأ دمه فاراد

ان يكتب بدمه على جبهة شيئا من القرآن قال ابو بكر الاسكاف يجوز))
یعنی یہ مسئلہ مشاہیر سے بغیر کسی انکار کے ثابت ہے کہ اگر کسی کی تکسیر بند نہ ہوتی ہو تو اس
نے اپنے ماتھے پر خون کے ساتھ قرآن میں سے کچھ لکھنا چاہا تو ابو بکر اسکاف نے کہا یہ جائز
ہے۔ (فتاویٰ عالمگیری ص 356 ج 5)

فتاویٰ قاضی خاں میں اس سے آگے مزید بھی لکھا ہے کہ:

((قيل لو كتب بالبول قال لو كان فيه شفاء لا باس به))

کہا گیا ہے کہ اگر پیشاب کے ساتھ لکھے تو اس نے کہا ہے کہ اگر اس میں شفاء ہو تو کوئی حرج
نہیں۔

(قاضی خاں علی حاشیہ عالمگیری ص 404 ج 3)

ابن نجیم نے تو اپنی فقہت کو عروج پر پہنچاتے ہوئے ماشاء اللہ اس کی دلیل بھی درج کی

ہے کہ:

((وكذا اختار صاحب الهدايه فى التجنيس فقال اذا صال الدم من انف انسان يكتب فاتحة الكتاب بالدم على جبهته وانفه يجوز ذلك لاستشفاء والمعالجة ولو كتب بالبول ان علم ان فيه شفاء لا باس بذلك لكن لم ينقل و هذا لان الحرمة ساقطة عند الاستشفاء الا ترى ان العطشان يجوز له شرب الخمر والجائع يحل له اكل الميتة))

صاحب ہدایہ نے تجنیس میں اسی کو اختیار کیا ہے کہ ناپاک چیز سے علاج کرنا جائز ہے۔ انہوں نے کہا اگر کسی انسان کے ناک سے نکسیر پھوٹ گئی اور اس نے خون کے ساتھ اپنی پیشانی اور ناک پر سورہ فاتحہ کو لکھ دیا، تو طلب شفاء کے لیے جائز ہے اور اگر یہ یقین ہو کہ پیشاب کے ساتھ لکھنے سے شفاء ہوگی تو پیشاب کے ساتھ لکھنا بھی جائز ہے، لیکن یہ منقول نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ طلب شفاء کی وجہ سے حرمت ساقط ہو جاتی ہے جیسے بھوکے پیاسے کے لیے مردار اور شراب پینا حرام نہیں ہے۔

(المحرر الرئق ص 116 ج 1 و فتاویٰ شامی ص 210 ج 1)

یہ فتویٰ فتاویٰ سراجیہ ص 75 وغیرہ میں بھی منقول ہے۔ الغرض حنفی حضرات مذکورہ احادیث سے شراب کی نجاست تو ثابت کرتے ہیں مگر حرام چیز سے علاج کے قائل ہیں حالانکہ حدیث کا بنیادی نقطہ ہی یہ ہے کہ حرام چیز میں شفاء نہیں بلکہ وہ خود بیماری ہے، مگر فقہات کے ان ٹھیکے داروں نے جہاں اس حدیث کو پس پشت ڈالا ہے وہیں یہ عظمت قرآن کو بھی لگے ہاتھوں سے ساقط کر دیا ہے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون

پھر اس پر جو دلیل عنایت کی ہے وہ بھی عجیب تر ہے، مجاہدت و حرمت کا مسئلہ کہ مضطر پر مردار کا مباح ہونا نص قطعی سے ثابت ہے، مگر قرآن کی عظمت کے ساقط ہونے پر کوئی دلیل ہی نہیں؟

(۳) کھٹے ڈکار کا مسئلہ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک ضعیف (تفصیل دین الحق ص 110 ج 1 میں دیکھئے) روایت مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

((من اصابه قی او رعاف او قلس او مزى فلینصرف فلیتوضاء)) (الحدیث)

جسے دوران نماز قے آجائے یا نکسیر پھوٹ پڑے یا کھٹا ڈکار آجائے تو وہ نماز سے علیحدہ ہو کر دوبارہ وضو کرے۔

(ابن ماجہ 87)

اس روایت سے مبتدعین دیاہنے نے خون کے نکلنے سے وضو کے ٹوٹ جانے پر استدلال کیا ہے کہ نکسیر خون ہی ہے اور بہتی ہے۔ (حدیث اور اہل حدیث 189)

مگر اسی حدیث میں لفظ قلس ہے جس کا خیر سے مبتدعین دیاہنے کے انوار خورشید نے معنی 'منہ بھر کے قے ہو جائے' کیا ہے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص 187)

حالانکہ حدیث میں قے کے لیے لفظ قلمی علیحدہ آیا ہے۔ جس کا معنی انہوں نے الٹی ہو جائے کیا ہے اور آگے قلس کا معنی مذکورہ کر دیا ہے۔ اس بے ایمانی کی وجہ یہ ہے کہ احناف کے نزدیک قے منہ بھر کر آئے تو اس سے وضو ٹوٹتا ہے ورنہ نہیں۔ اس اعتراض سے جان چھڑانے کے لیے انہوں نے حدیث کے مفہوم کو ہی بگاڑ دیا ہے۔ آئیے ہم آپ کو اس کا معنی آئمہ لغت سے دکھاتے جائیں۔

علامہ فیومی فرماتے ہیں کہ:

((قلس خرج من بطنه طعام او شراب الی الفم و سواء القاء او اعدا الی

بطنه اذا كان مل الفم او دونه فاذا غلب فهو قی))

یعنی قلس کہتے ہیں پیٹ سے منہ کی طرف کھانا پانی آنے کو خواہ قے ہو یا نہ ہو اور دوبارہ پیٹ میں لوٹ جائے خواہ منہ بھر کر آئے یا نہ آئے اور جب اس چیز کا غلبہ ہو یعنی کھانا منہ سے باہر

آجائے تو اسے قے کہتے ہیں۔

(المصباح المنیر ص 513)

الغرض پیٹ سے پانی یا کھانا نکل کر حلق میں آکر دوبارہ پیٹ میں لوٹ جائے تو اسے عربی زبان میں قلس کہتے ہیں۔ علامہ ابن منظور لکھتے ہیں کہ

((القلس ان يبلغ الطعام الى الحلق ملّ الحلق اودونه ثم يرجع الى الجوف))

یعنی قلس کا معنی ہے کہ پیٹ سے کھانا نکل کر حلق میں آجائے خواہ حلق اس سے بھر جائے یا نہ بھرے، پھر دوبارہ پیٹ میں لوٹ جائے۔ (لسان العرب ص 179 ج 6)

قلس کا یہی معنی (مجمع بحار الانوار ص 318 ج 4 و تاج العروس ص 221 ج 4) وغیرہ معتبر کتب لغت میں لکھا ہے۔ جن کے مصنفین میں سے حنفی المذہب کے حامل بھی ہیں۔ خلاصہ کلام یہ کہ حنفی اس حدیث سے خون نکلنے سے وضو کے ٹوٹ جانے کے تو قائل ہیں مگر قلس کھانا نکال آنے پر وضو کے ٹوٹنے کے قائل نہیں۔ حالانکہ دونوں ایک ہی حدیث میں بیان ہوئے ہیں۔

(۴) قے سے روزہ ٹوٹنے کا مسئلہ

مؤلف حدیث اور اہل حدیث ص 191 پر سنن ترمذی سے نقل کرتے ہیں کہ:

((عن ابی الدرداء ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قاء فتوضاء))

یعنی حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے قے کی اور وضو کیا، اس حدیث سے مبتدعین دیاہنہ کا استدلال یہ ہے کہ قے کی وجہ سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ مگر اس روایت میں ”قاء فتوضاء“ کے الفاظ صرف ترمذی نے نقل کیے ہیں، باقی آئمہ حدیث نے ”قاء فافطر“ کے الفاظ نقل کیے ہیں۔ مسند احمد ص 195 ج 1 و ابو داؤد ص 324 ج 1 و دارمی ص 14 ج 2 و دارقطنی ص 158 ج 1 و طحاوی ص 404 ج 1 و ابن

حبان و مستدرک حاکم ص 426 ج 1 و تہمتی ص 220 ج 1) وغیرہ بلکہ خود امام ترمذی نے کتاب الصیام میں ”قاء فافطر“ کے الفاظ بیان کیے ہیں۔ (ترمذی مع تحفہ ص 44 ج 2)

ان الفاظ کا مفاد یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے قے کی اور روزہ افطار کیا مگر کتنے ستم کی بات ہے کہ حنفی حضرات اس روایت کے الفاظ ”قاء فتوضاء“ سے وضو کے حدث کو تو مانتے ہیں مگر اسی حدیث کے الفاظ ”قاء فافطر“ کے الفاظ سے قے کی وجہ سے روزہ ٹوٹ جانے کو تسلیم نہیں کرتے۔

امام طحاوی فرماتے ہیں کہ:

(ولیس فی ہذین الحدیثین دلیل علی ان القی کان مفطرا لہ انما فیہ انہ قاء فافطر بعد ذلك)

یعنی اس میں قے کی وجہ سے روزہ ٹوٹ جانے کی دلیل نہیں ہے کیونکہ اس میں تو اس امر کا بیان ہے کہ قے کی اور اس کے بعد روزہ افطار کیا۔ (شرح معانی الآثار ص 405 ج 1)

مگر اس بات کو تسلیم نہیں کرتے کہ قے کی اور اس کے بعد وضو کیا اس بے انصافی کی کوئی حد ہے کہ اپنے اور بیگانے کے لیے ان کے ہاں پینے ہی جدا جدا ہیں۔

(۵) استنجائے میں ڈھیلے کا مسنون عدد

مؤلف حدیث اور اہل حدیث نے ص 209 میں سنن دارقطنی ص 154 ج 1 سے حضرت سلیمان فارسی رضی اللہ عنہ کی روایت سے فرمان نبوی نقل کیا ہے کہ

((امرنا صلی اللہ علیہ وسلم ان لا نستقبل ولا نستدبرھا)) (الحدیث)

نبی ﷺ نے حکم دیا کہ ہم قبلہ کی طرف نہ رخ کریں نہ پشت۔

اس حدیث سے مبتدعین دیا بنہ کا یہ استدلال ہے کہ پیشاب پاخانہ کرتے وقت قبلہ کی جانب منہ اور پشت نہ کرنی چاہئے۔ لیکن مؤلف ”حدیث اور اہل حدیث“ نے اپنے مخالف حصہ کو نقل ہی نہیں کیا، پھر مزید بددیانتی یہ کہ حدیث ترمذی ’نسائی‘ ابن ماجہ کے

علاوہ صحیح مسلم میں بھی موجود تھی ان کو چھوڑ کر سنن دارقطنی کا حوالہ دے دیا تاکہ اگر کوئی اردو دان اس کی مراجعت کرنا چاہے تو حقیقت حال کو معلوم نہ کر سکے۔ اب آئیے اس مخالف حصہ کو ملاحظہ کریں:

حضرت سلیمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں پیشاب پاخانہ کرتے وقت قبلہ کی جانب منہ اور پشت کرنے اور دائیں ہاتھ سے استنجا کرنے سے منع فرمایا ہے۔

((او ان نستنجی باقل من ثلاثة احجار او ان تستنجی برجیع او بعظم))

یا تین پتھروں سے کم استنجا کرنے سے یا گوبر اور ہڈی سے استنجا کرنے سے منع فرمایا۔

(صحیح مسلم ص 130 ج 1 و ترمذی مع تحفہ ص 27 ج 1 و نسائی ص 9 ج 1 و ابن ماجہ (316))

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ استنجا میں تین پتھروں سے کم لینا جائز نہیں اور یہ کہ کم از کم تین مسنون ہیں؛ بلکہ مسند احمد کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ ((ولا نکفی بدون ثلاثة احجار)) یعنی تین پتھروں سے کم پتھر استنجا میں کفایت ہی نہیں کرتے۔ (مسند احمد ص 437 ج 5)

یہی نہیں بلکہ جس روایت کو مؤلف ”حدیث اور اہل حدیث“ نے نقل کیا ہے اس میں بھی یہ الفاظ ہیں کہ ((ولا نکفی بدون ثلاثة احجار)) یعنی تین پتھروں سے کم پتھر استنجا میں کفایت نہیں کرتے۔

(سنن دارقطنی ص 54 ج 1)

مگر مبتدعین حنفیہ اس حصہ سے بغاوت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ مسنون نہیں۔ ہدایہ میں ہے ((و لیس فیہ عدد مسنون)) یعنی استنجا میں ڈھیلے کا عدد مسنون نہیں۔ (هدایہ مع فتح القدر ص 187 ج 1)

دیکھا آپ نے ایک ہی حدیث کو مخالف پر حجت قائم کرتے ہوئے نقل کرتے ہیں مگر اسی حدیث کے باقی حصہ پر ایمان لانے سے انکار کرتے ہیں بلکہ قوم موسیٰ کے نقش قدم پر چلتے

ہوئے مخالف الفاظ کو ہضم کر جاتے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

(۶) جوتے سمیت نماز پڑھنے کا مسئلہ

مؤلف ”حدیث اور اہل حدیث“ نے ص 233 پر، سنن ابو داؤد ص 195 ج 1 سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام صحابہ کرام کو نماز پڑھا رہے تھے کہ اچانک آپ نے جوتیاں اتار کر بائیں طرف رکھ دیں، صحابہ کرام نے یہ دیکھا تو انہوں نے بھی جوتیاں اتار کر بائیں طرف رکھ دیں۔ حضور علیہ السلام نے نماز سے فارغ ہو کر پوچھا کہ تمہیں جوتیاں اتارنے پر کس چیز نے ابھارا؟ صحابہ نے عرض کیا ہم نے آپ کو جوتیاں اتارتے دیکھا تو ہم نے بھی اتار دیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے جبریل امین نے آکر خبر دی تھی کہ جوتیوں میں ٹاپا کی (لگی ہوئی) ہے۔ اس سے مبتدعین دینہ کا استدلال ہے کہ کپڑے وغیرہ کا نماز میں پاک ہونا شرط ہے۔ (حدیث اور اہل حدیث 234)

مگر قارئین کرام حیران ہونگے کہ مبتدعین کے سورے نے اپنے مخالف ٹکڑے کو نقل ہی نہیں کیا۔ حدیث کے اگلے الفاظ ہیں:

(اذا جاء احدكم الى المسجد فليظن فان راى فى نعليه قدرا او اذى فليمسه وليصل فيهما)

جب تم میں سے کوئی مسجد میں آئے تو اپنے جوتوں کو دیکھے اگر ان میں کوئی پلیدی ہو تو زمین پر رگڑ لے پھر ان میں نماز پڑھ لے۔ (ابو داؤد ص 95 ج 1 و بیہقی ص 431 ج 2 و داری ص 370 ج 1 و مسند احمد ص 20,92,411 ج 3 طیا لسی رقم الحدیث (2154) و مستدرک حاکم ص 260 ج 1)

حدیث نبوی کے یہ الفاظ اس بات کا واضح ثبوت ہیں کہ جوتے میں نماز پڑھنا بلا کراہت جائز ہے مگر مبتدعین دینہ کا مؤقف ہے کہ جوتے سمیت نماز پڑھنا ادب کے منافی ہے۔

مولانا تقی عثمانی فرماتے ہیں کہ ادب کا تقاضا یہی ہے کہ جوتے اتار کر نماز پڑھی

جائے، چنانچہ ہمارے فقہاء نے اس کی تصریح فرمائی ہے۔ (درس ترمذی ص 165 ج 2)

اس تحریر کا مطلب صاف ہے کہ جوتے سمیت نماز پڑھنا ادب کے منافی ہے مگر

یہ غور نہیں فرمایا کہ اس کا ارشاد تور رسول اللہ ﷺ فرما رہے ہیں کیا آپ حضرات ان کو ادب کا درس دے رہے ہیں۔ ثم اقول، غور کیجئے کہ اس حدیث سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ اگر کسی غلطی کی وجہ سے نمازی کو یہ معلوم نہ ہو سکا کہ اس کے کپڑے وغیرہ نجس تھے تو اسے نماز لوٹانے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ نے ان جوتوں میں پڑھی ہوئی نماز لوٹائی نہیں، مگر ہمارے مہربان اس اعتراض سے جان چھڑاتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ نجاست تھوڑی ہوگی جو معاف ہے۔ (حدیث اور اہل حدیث (234)

مگر یہاں (ہو سکتی) سے بات نہیں بنے گی صریحاً دلیل پیش کیجئے۔ علاوہ ازیں جب

آپ نے تسلیم کر لیا کہ نجاست تھوڑی تھی جو صحت نماز کے منافی نہ تھی تو خصم پر حجت کس طرح قائم کر رہے ہو، کیوں کہ آپ نے جوتے اتارنے کو دلیل بنایا ہے مگر اس جگہ اعتراف کر لیا ہے کہ اگر نہ بھی اتارتے تو جب بھی صحت نماز کے منافی نہ تھے۔ یہ ہیں بلا شرکت غیر فقہ کی ٹھیکے داری کا دعویٰ کرنے والے کہ مخالف پر وہ دلیل قائم کر رہے ہیں جس پر ان کا اپنا ایمان نہیں اور یہ ہیں علوم نبوی کے وارث ہونے کا دعویٰ کرنے والے جو متن حدیث میں مطلب برآری کے لیے تحریف کرتے ہیں۔

(۷) مساجد میں قضاء کا مسئلہ

مؤلف (حدیث اور اہل حدیث نے صفحہ 237) پر (صحیح مسلم ص 138 ج 1) سے ایک حدیث نقل کی ہے جس سے یہ بات ثابت کی ہے کہ صحت صلاۃ کے لیے جگہ کا پاک ہونا شرط ہے مگر اسی حدیث میں الفاظ نبوی ہیں:

((انما هی لذكر الله والصلوة وقرآة القرآن))

یعنی مساجد صرف اور صرف اللہ کا ذکر نماز اور تلاوت قرآن کے لیے ہیں۔

اس سے ثابت ہو کہ ان کے علاوہ مساجد میں کوئی اور کام کرنا جائز نہیں۔ مگر حنفی اس فرمان نبویؐ پر ایمان لانے کو تیار نہیں بلکہ منکر ہیں، کیونکہ احناف کے نزدیک مساجد میں فیصلے کرنے جائز ہیں۔ فصل دوم کے نمبر 7 کے تحت ہم عرض کر چکے ہیں کہ صاحب ہدایہ نے اپنے مؤقف کی تائید میں والہم کے لفظ کا اضافہ کیا ہے۔

پھر غور کیجئے کس اہل حدیث نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ مساجد میں پیشاب کرنا جائز ہے کہ مؤلف، حدیث اور اہل حدیث اعرابی والی حدیث کو ہمارے خلاف نقل کر کے ہمیں مطعون کر رہا ہے۔

مولوی انوار خورشید تو فوت ہو چکا ہے اس کا معاملہ بھی اللہ کے سپرد ہو گیا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اگر اس سے اس غلط بیانی کے متعلق سوال ہو تو لاجواب ہو جائے گا۔ انشاء اللہ

(۸) اعتراف بھی انکار بھی

مبتدعین دیانہ کے محقق نے (حدیث اور اہل حدیث ۲۴۰) میں (صحیح بخاری ۲۲۸) سے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے مزدلفہ میں دو نمازوں کو جمع کر کے پڑھا اور ”صلی الفجر قبل میقاتہا“ اور نماز فجر کو وقت سے پہلے پڑھا۔

اس حدیث کے الفاظ ”قبل وقتہا“ کا معنی کرتے ہوئے لکھا ہے کہ آپ نے ایک دفعہ حج کے موقع پر مزدلفہ میں غس (اندھیرے) میں نماز پڑھی۔ (حدیث اور اہل حدیث 246)

دیکھیے مبتدعین دیانہ کا سورما اس حدیث کو مخالف پر حجت قائم کرتے ہوئے نقل کرتا ہے مگر ”قبل وقتہا“ کا معنی غس اور غس بمعنی اندھیرا کہتا ہے۔ اب ان علم و فضل کے

دعوے کرنے والوں سے پوچھے کہ لغت کی کس کتاب میں ”قبل وقتہا“ کا معنی غلّس اور غلّس کا معنی اندھیرا لکھا ہے۔

یقین جانئے کہ اگر پوری دنیا کے مبتدعین دیا نہ اکٹھے ہو جائیں تب بھی یہ معنی ثابت نہیں کر سکتے۔ سنئے ”قبل وقتہا“ کا معنی ہے کہ وقت سے پہلے جب کہ غلّس کا معنی ہوتا ہے طلوع فجر کے وقت ایسا اندھیرا جس میں صبح کی روشنی مل جل گئی ہو اس پر آئمہ لغت اور شارحین احادیث کی عبارات کے لیے (دین الحق ۷/۱۳۱) کی مراجعت کریں۔ اختصار کی بنا پر یہاں ایک مزید حوالہ نقل کیا جاتا ہے، علامہ فتنی حنفی مرحوم فرماتے ہیں:

((غلّس هو الظلمة آخر الليل اختلطت بضوء الصباح))

یعنی غلّس کا معنی ہے رات کے آخری حصہ کا اندھیرا جس میں صبح کی روشنی مل گئی ہو۔

(مجمع بحار الانوار ۵۶/۲)

اور یہ وقت باتفاق فریقین نماز صبح کا وقت ہے، لہذا یہ ”قبل وقتہا“ نہیں ہے۔ اس پر مزید تفصیل دین الحق میں دیکھیے۔ الغرض حنفی ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث سے مخالف پر دلیل قائم کرتے ہیں مگر خود یہ حضرات اس پر ایمان لانے کی بجائے تاویل کرتے ہیں۔

(۹) مکروہ اوقات میں مردہ کو دفن کرنا

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تین

اوقات میں نماز پڑھنے اور مردے کو دفن کرنے سے منع فرمایا۔ (صحیح مسلم ص 276 ج 1)

اس حدیث کو مؤلف (حدیث اور اہل حدیث ۲۵۰) میں نقل کر کے طلوع آفتاب

زوال آفتاب اور غروب آفتاب کے وقت نماز پڑھنے کی ممانعت ثابت کرتا ہے مگر اسی

حدیث میں یہ الفاظ نبوی بھی موجود ہیں کہ ((ان نقبر فیہن موتانا)) یعنی ان تین اوقات

میں مردوں کو دفنانے سے ہمیں منع فرمایا۔ مگر کتنے ہی ستم کی بات ہے کہ مبتدعین دیا نہ

فرمان نبوی کے اس حصہ کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں۔

مولانا تقی عثمانی فرماتے ہیں کہ جہاں تک دفن کا تعلق ہے وہ ہمارے نزدیک اوقات مکروہ میں بھی درست ہے۔ اور حدیث باب میں ”او نقبر فیہن موتانا“ سے نماز جنازہ مراد ہے۔

(کمانی المہبوط للسر حسی ص 68 ج 2 باب غسل المیت درس ترمذی ص 306 ج 3)
حالانکہ ”نقبر“ ”نقبر“ سے مشتق ہے۔ علامہ فتنی اس کا معنی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں

((او نقبر فیہن ای ندفن من قبرہ)) (مجمع بحار الانوار ص 197 ج 4)
یعنی اس کا معنی دفن کرنا ہے، علامہ نووی نے (شرح صحیح مسلم ص 276 ج 1) میں اس کے معنی نماز جنازہ کو ضعیف کہا ہے مزید تفصیل کے لیے (تختہ الاحوذی ص 144 ج 2) کی مراجعت کریں۔ خیر ہمیں اس پر گواہوں کی ضرورت نہیں کیونکہ خود مولوی انوار خورشید نے اس کا معنی ”دفنانے“ کیا ہے۔ (حدیث اور اہل حدیث 250)

اسی طرح مولوی عابد الرحمن صدیقی کاندھلوی حنفی دیوبندی نے، اور مردوں کو دفن کرنے سے روکتے تھے، کیا ہے۔ (مترجم صحیح مسلم ص 689 ج 1 طبع مطبع سعیدی کراچی)
خلاصہ کلام یہ کہ اس حدیث سے اوقات مکروہ میں نماز پڑھنے کی ممانعت پر دیانہ کا استدلال ہے مگر اسی حدیث کے دوسرے حصے مردوں کو دفن نہ کرنے کا انکار کرتے ہیں۔

یہ ہیں اہل سنت جو سنت کی پیروی کا دعویٰ کرتے ہیں مگر درحقیقت انہیں سنت سے بغض ہے۔

(۱۰) دوہری تکبیر

مبتدعین دیانہ کے شیر بہادر نے (حدیث اور اہل حدیث 262) میں حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کو سنن اربعہ اور دارمی سے نقل کر کے دوہری تکبیر ثابت کی

ہے۔ مگر اسی حدیث میں دوہری اذان بھی ثابت ہے، مگر کتنے ستم کی بات ہے کہ حدیث کے نصف حصے کو تو مطلب بر آری کے لیے تسلیم کر لیا مگر باقی نصف کو تقلیدی آری سے ذبح کر دیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اس مسئلہ پر مفصل بحث کے لیے دین الحق کی مراجعت کریں۔

(۱۱) مسئلہ رفع الیدین

مبتدعین کے محقق زماں نے (حدیث اور اہل حدیث ص 273) میں حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی حدیث کو (صحیح مسلم ص 173 ج 1) سے اور حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ کی حدیث کو (مسلم ص 168 ج 1) سے نقل کر کے محل رفع الیدین میں پیش کیا ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھوں کو کانوں تک اٹھایا جائے، مگر ان دونوں احادیث میں رکوع کرتے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع الیدین کرنے کا بیان ہے۔ جسے مولوی انوار خورشید تقلیدی ہاتھ کی صفائی سے ہضم کر گیا ہے۔ الغرض ان دونوں احادیث سے جملہ مبتدعین حنفیہ محل رفع میں استدلال کرتے ہیں مگر اس کے اگلے حصے کا محض تقلید سے انکار کرتے ہیں۔

(۱۲) ثناء کا بلند پڑھنا

آنحضرت ﷺ تکبیر تحریمہ کے بعد خاموشی (اخفاء) سے ((اللهم باعد بینی و بین خطایابی)) پڑھا کرتے تھے۔

(بخاری ص 103 ج 1 و مسلم ص 219 ج 1)

اس اسوہ حبیب کبریٰ ﷺ کے برعکس حنفیہ کا موقف ہے کہ (سبحانک اللہم و بحمدک) پڑھنا افضل و اعلیٰ اور بہتر ہے۔ اس سلسلہ میں جتنی مرفوع روایات بیان کی جاتی ہیں وہ ضعیف و معلول ہیں۔ ہاں البتہ ان الفاظ کا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے پڑھنا ثابت ہے۔ ہمارے مخاطب مولوی انوار خورشید نے بھی اس روایت سے ”اللهم باعد بینی“

کی بجائے ”سبحانک اللہم وبحمدک“ کا پڑھنا ثابت کیا ہے۔ (حدیث اور اہل حدیث

(288)

مگر کتنے ہی افسوس کی بات ہے کہ اسی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں ((کان یجھر
بہولاء الکلمات) یعنی سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ ان کلمات کو بلند آواز سے پڑھا کرتے
تھے۔ (مسلم ص 172 ج 1)

لیکن کتنے ہی ستم کی بات ہے کہ مبتدعین دیابنہ اس روایت کے پہلے حصہ کو تو
قبول کرتے ہیں مگر ”کان یجھر“ پر تقلیدی آری چلاتے ہوئے کہتے ہیں کہ مرفوع کے
بالمقابل موقوف حجت نہیں، مگر علم و فضل کے ان مدعیان سے پوچھ کر کون ان کی شان میں
گستاخی کرے کہ حضرت جی اگر بلند پڑھنا مرفوع حدیث کے مخالف ہے تو کیا ”سبحانک“ پڑھنا
مرفوع کے موافق ہے؟ اگر یہ دونوں ہی مخالف ہیں تو ایک کو مطلب بر آری کے لیے قبول
کر لینا اور دوسرے کو تقلید کی وجہ سے ترک کرنا اور بہانہ مرفوع کے مخالف ہونے کا کرنا
عیاری نہیں تو اور کیا ہے۔ الغرض اس روایت کے نصف حصے کو دیابنہ نے (جو ان کے مذہب
کے موافق ہے) قبول کیا ہے اور باقی نصف حصہ جو اسکے مذہب کے خلاف ہے اس کو قبول
ہی نہیں کرتے جبکہ اس سے مخالف پر حجت بھی قائم کرتے ہیں۔

(۱۳) نماز میں سپیدل چلنا

نماز میں سورہ فاتحہ کا مسئلہ ایک معرکتہ الارامئلہ ہے جس میں ہزاروں مناظرے
ہوئے اور بیسیوں کتب فریقین کی طرف سے شائع کی گئی ہیں۔ مبتدعین دیابنہ ترک قرآۃ
خلف الامام کے سلسلہ میں حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ کی روایت بھی پیش کرتے ہیں کہ:
جب وہ مسجد میں پہنچے تو آنحضرت ﷺ رکوع میں جا چکے تھے چنانچہ حضرت ابو بکرہ رضی اللہ
عنہ صف میں ملنے سے پہلے ہی رکوع میں چلے گئے پھر حالت رکوع میں ہی چلتے ہوئے صف
میں مل گئے۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ((زادک اللہ حرصا ولا تعد)) یعنی اللہ

تجھے نیکی کرنے پر اور حریص کرے پھر ایسا نہ کرنا۔ (بخاری ص 108 ج 1)

اس روایت سے دینہ کا استدلال ہے کہ اگر کوئی شخص امام کو رکوع میں پالے تو

اس کی رکعت ہو جائے گی (حدیث اور اہل حدیث (346)

حالانکہ اس حدیث میں سرے سے اس کا بیان ہی نہیں کہ حضرت ابو بکرہ رضی

اللہ عنہ نے اس رکعت کو بھی شمار کیا تھا، علاوہ ازیں آنحضرت ﷺ نے حضرت ابو بکرہ رضی

اللہ عنہ کے فعل کو پسند بھی نہیں کیا یہی وجہ ہے کہ آپ علیہ السلام نے آئندہ ایسا کرنے

سے منع فرمایا، خیر ہم نے جو بات بیان کرنی ہے وہ فاتحہ خلف الامام کی بجائے نماز میں چلنا ہے

کیونکہ اسی روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ مسجد میں داخل ہوئے تو

رکوع کی حالت میں چلتے ہوئے صف میں شامل ہوئے۔

(طبرانی و طحاوی بحوالہ فتح الباری ص 213 ج 2)

مگر حنفیہ کہتے ہیں کہ یہ مکروہ ہے۔ اگر تین چار قدم یا اس سے زیادہ چلے تو نماز

باطل ہو جائے گی۔

(فتاویٰ عالمگیری ص 103 ج 1)

احناف کا یہ فتویٰ اس حدیث کے صریحاً مخالف و معارض ہے مگر کتنے ستم کی بات

ہے کہ حنفیہ اسی حدیث سے رکوع میں ملنے سے رکعت کا ثبوت پیش کرتے ہیں مگر اس

روایت کے دوسرے حصے سے انکار کرتے ہیں۔

(۱۴) نماز کی آخری دو رکعتوں میں قرأت

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا :

((وان لم تزد علی ام القرآن اجزات وان زدت فهو خیر)) (صحیح بخاری ص 106 ج 1)

یعنی نماز اگر سورت فاتحہ سے زیادہ قرأت نہ کرے تو وہ کافی ہوگی اگر زیادہ کرے تو بہتر ہو

گی۔

حافظ ابن حجر نے (فتح الباری ص 200 ج 2) میں اور علامہ عینی حنفی نے (عمدة القاری ص 33 ج 6) میں تصریح کی ہے کہ یہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا فتویٰ ہی نہیں بلکہ حکماً مرفوع ہے۔ اس حدیث کی بنا پر بعض علماء اہل حدیث کا یہ موقف ہے کہ اگر آخری دور رکعت میں بھی سورہ فاتحہ سے زیادہ پڑھ لیا جائے تو بہتر ہے۔ اس موقف پر نقد کرتے ہوئے مبتدعین دیلانہ کا محقق شہیر (صحیح بخاری ص 107 ج 1) سے حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کو نقل کرتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نماز ظہر کی پہلی دور کعتوں میں سورہ فاتحہ اور دوسری دور کعتوں میں پڑھتے تھے۔ اور دوسری دور کعتوں میں صرف سورہ فاتحہ پڑھتے تھے۔ (حدیث اور اہل حدیث 361)

آگے چل کر اس روایت سے نتیجہ اخذ کرتے ہوئے کہتا ہے کہ ان احادیث و آثار کے خلاف غیر مقلدین کا کہنا ہے کہ چار رکعت والی نماز میں آخری دور کعتوں کے اندر سورہ فاتحہ کے علاوہ دوسری سورت پڑھنا بھی جائز ہے۔ (صفحہ 366)

مگر ہم عرض کرتے ہیں کہ اس حدیث سے مبتدعین کا سلفی علماء کو مطعون کرنا ان حضرات کے موقف اور مذہب کے خلاف ہے کیونکہ اگر اسی روایت سے زیادت علی الفاتحہ کی ممانعت ثابت ہوتی ہے تو اسی روایت سے ہی آخری دور کعتوں میں قرأت فاتحہ بھی ثابت ہوتی ہے۔ مگر مبتدعین دیلانہ اس بات کو تو تسلیم نہیں کرتے کیونکہ ان کے نزدیک آخری دور کعت میں صرف قیام فرض ہے۔ خود مولوی انوار خورشید لکھتا ہے:

”اگر کوئی فرض نماز کی دوسری دو یا ایک رکعت میں خاموش کھڑا رہا تو بھی اس کی نماز ہو جائے گی۔“

(مخلصاً حدیث اور اہل حدیث ص 366)

مگر اس موقف کی مذکورہ حدیث سے نفی ہوتی ہے لیکن کتنے ہی ظلم و ستم کی بات ہے کہ جس حصے سے مخالف پر حجت قائم کرتے ہیں اسی حصے کو اپنے حق میں غیر مؤثر کہتے ہیں گویا خود تو اس پر عمل نہیں کرتے مگر مخالف پر دلیل قائم کرتے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

(۱۵) امام کی تسمیہ و تسمیہ کہنے کی مثال

مبتدعین دیاہنہ (سنن ابی داؤد ص 107 ج 1) سے حضرت ابو حمید الساعدی رضی اللہ عنہ کی روایت پیش کرتے ہیں جو صحیح حدیث کے مخالف ہونے کے علاوہ سنداً بھی ضعیف ہے۔ کیونکہ اس کی سند میں عیسیٰ بن عبد اللہ العمری راوی ہے جسے امام علی بن مدینی نے مجہول کہا ہے۔ (تہذیب ص 217 ج 8)

کسی محدث سے ان کی توثیق منقول نہیں۔ حافظ ابن حجر نے (تقریب ۲۷۱) میں اسے مقبول کہا ہے یعنی متابعت کی صورت میں ورنہ لین الحدیث ہے جیسا کہ حافظ صاحب نے مقدمہ تقریب میں صراحت کی ہے

مگر یہاں اس کا کوئی متابع موجود نہیں، علامہ البانی نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے

(ضعیف سنن ابی داؤد۔ ص 70)

لیکن مبتدعین نے اس کو دلیل اور حجت بناتے ہوئے جلسہ استراحت کے عدم پر پیش کرتے ہوئے کہا ہے کہ مذکورہ احادیث و آثار سے ثابت ہو رہا ہے کہ پہلی اور تیسری رکعت کے دوسرے سجدے سے فارغ ہو کر بغیر بیٹھے سیدھے کھڑے ہو جانا مسنون ہے۔ (حدیث اور اہل حدیث ص 436, 447)

مگر آپ حیران ہونگے کہ اسی روایت میں یہ الفاظ بھی آتے ہیں کہ:

((ثم رفع راسه یعنی من الركوع فقال سمع الله لمن حمده اللهم ربنا لك الحمد و

رفع یدہ))

یعنی رکوع سے سر اٹھاتے ہوئے ”سمع الله لمن حمده اللهم ربنا لك الحمد“ کہا اور رفع

الیدین کیا۔

(سنن ابی داؤد ص 107 ج 1)

ان الفاظ کو مؤلف (حدیث اور اہل حدیث) نے اپنے مخالف جان کر بددیانتی

کرتے ہوئے حذف کر دیا ہے کیونکہ اس میں رکوع سے اٹھتے وقت رفع الیدین کرنے کا ذکر تھا اور امام کا ”اللهم ربنا لك.....“ کہنے کا بیان تھا۔ اور حنفیہ کا موقف یہ ہے کہ امام صرف تسمیع کہے۔ (درس ترمذی ص 49 ج 2)

قارئین کرام آپ دیانہ کی ہیرا پھیریاں ملاحظہ کریں کہ اول تو حضرت ابو حمید الساعدی رضی اللہ عنہ کی صحیح حدیث جس میں جلسہ استراحت کا ذکر تھا (ابو داؤد ص 106 ج 1) کو چھوڑ کر ضعیف روایت کا انتخاب کیا، دوسری چالاکی یہ کی کہ اپنے مخالف حصے کو حذف کر دیا۔ خلاصہ کلام یہ کہ مبتدعین دیانہ اس حدیث کے ایک حصہ کو مطلب بر آری کے لیے تسلیم کرتے ہیں جب کہ اسی حدیث کے دوسرے حصہ کو ترک کرتے ہیں۔ اور دعویٰ اہل سنت ہونے کا کرتے ہیں۔

(۱۶) تعدیل ارکان کی مثال

صحیح بخاری ص 109 ج 1 میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث مروی ہے جس میں آنحضرت ﷺ نے ایک اعرابی کو نماز کا طریقہ سکھاتے ہوئے دونوں سجدوں کے درمیان اطمینان سے بیٹھنے کا حکم بھی ارشاد فرمایا کہ:

((ثم اسجد حتى تطمئن ساجدا ثم ارفع حتى تطمئن جالساً ثم اسجد حتى تطمئن ساجدا)) الحدیث

یعنی پھر سجدہ کر، یہاں تک کہ تو سجدہ میں قرار پکڑ، پھر سجدہ سے سر اٹھا اور بیٹھ جا یہاں تک کہ تو بیٹھنے میں اطمینان پکڑ، پھر سجدہ کر یہاں تک کہ تو سجدہ میں مطمئن ہو جائے۔

(الحدیث باب امر النبی ﷺ الذی لایتم رکوعہ بلا عاده رقم الحدیث 793)

مسند احمد ص 340 ج 4 وابن حبان رقم الحدیث 1784 وغیرہ میں یہ حدیث رفاعة بن رافع رضی اللہ عنہ سے محمد بن عمرو کی سند سے مروی ہے جس میں مذکورہ مقام پر بیٹھنے کی کیفیت کا بھی ذکر ہے کہ ”فاذا رفعت راسک فاجلس علی فخذک الیسری“ یعنی جب دونوں

سجدوں کے درمیان بیٹھے تو اپنی بانسیں ران پر بیٹھ۔ الغرض یہاں دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھنے کی کیفیت کا بیان ہے۔ تفصیل کے لیے فتح الباری ص 221 ج 2 کی مراجعت کریں۔

مگر مبتدعین کا باوا آدم ہی زوال ہے کہ ان الفاظ کو تشہد پر محمول کرتے ہوئے مؤلف (حدیث اور اہل حدیث) لکھتا ہے کہ جب تشہد میں بیٹھے تو اپنے بانسیں پاؤں پر بیٹھ۔ (حدیث اور اہل حدیث 456)

آگے چل کر اپنی اس کاروائی کی وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ یہ عدم تورک کی دلیل ہے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

حالانکہ کسی محدث نے اس جگہ تشہد میں بیٹھنے کی کیفیت کی صراحت نہیں کی، تمام یہی کہتے ہیں کہ یہ کیفیت دو سجدوں کے درمیان بیٹھنے کی ہے۔

خیر ہم نے اس سے بھی پر لطف بات عرض کرنی ہے وہ یہ کہ اسی حدیث میں تعدیل ارکان کا حکم بھی زبان نبویؐ سے صادر ہوا ہے اور نہ کرنے والے کو آنحضرت ﷺ نے تین بار ارشاد فرمایا کہ:

((ارجع فصل فانك لم تصل)) (بخاری ص 109 ج 1، و مسلم ص 170 ج 1 عن ابی ہریرۃ، و مسند احمد ص 340 ج 4، و ابن حبان ص 139 ج 4 (1484) عن رفاعۃ بن رافع) لوٹ جا اور دوبارہ نماز پڑھ کیونکہ تو نے نماز نہیں پڑھی۔

مگر مبتدعین دیا نہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی جان بوجھ کر بھی تعدیل ارکان نہ کرے تو فریضہ نماز بہر حال اس سے ساقط ہو جائے گا۔ (درس ترمذی ص 48 ج 2) اور اس کی نماز باطل نہ ہوگی۔ (اشعۃ اللمعات ص 380 ج 1)

امام اکمل الدین الباہر ترقی متوفی ہدایہ کی شرح میں فرماتے ہیں کہ:

((الا اختلاف تظہر فی حق جواز الصلاة بدونہ))

یعنی اس اختلاف سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ تعدیل ارکان کے بغیر بھی نماز جائز ہے۔:

(عنایۃ شرح ہدایہ علی حاشی فتح القدیر ص 261 ج 1)

خلاصہ کلام یہ کہ اس حدیث کو دلیل و حجت بنانے والے خود اس کے باقی ایک

حصے کے عملاً منکر ہیں۔

(۱۷) عداوت اہل حدیث میں حدیث رسول کا انکار

مبتدعین دینہ کی اہل حدیث کے رد میں لکھی ہوئی معروف کتاب (حدیث اور

اہل حدیث) کے صفحہ 538 میں صحیح بخاری ص 160 ج 1 اور مسلم ص 204 ج 1 (واللفظ للمسلم) کے حوالے سے یہ حدیث لکھی ہوئی ہے کہ

((عن زید بن ارقم قال كنا نتكلم في الصلوة يكلم الرجل صاحبه و هو الى جنبه في

الصلوة حتى نزلت و قوموا لله فقتين فامرنا بالسكوت و نهينا عن الكلام))

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نماز میں باتیں کر لیا کرتے تھے ایک شخص دوسرے شخص سے جو اس کے پہلو میں ہوتا نماز میں باتیں کر لیا کرتا تھا حتیٰ کہ جب یہ آیت نازل ہوئی کہ کھڑے رہو اللہ تعالیٰ کے حضور میں عاجزی کے ساتھ، تو ہمیں خاموش رہنے کا حکم دیا گیا اور بات سے منع کر دیا گیا۔ اس حدیث سے مبتدعین دینہ کا نماز میں گفتگو کرنے کی ممانعت پر استدلال ہے، جو بلاشبہ درست اور صحیح ہے کہ نماز میں گفتگو اور کلام نہ کرنا چاہیے کہ اس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ مگر قارئین کرام آپ حیران ہو گئے کہ اس بات کو مبتدعین دینہ صرف اور صرف رد اہل حدیث میں ہی قبول کرتے ہیں ورنہ یہ لوگ اس حدیث کو اپنی زندگی سے باہر نکال چکے ہیں تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ یہ حدیث اس بات کی دلیل واضح اور حجت قاطع ہے کہ نماز کی اصلی حالت سکوت ہے۔ اور نماز میں جہر صرف اور صرف وہاں ہی کیا جائے گا جہاں نص سے جہر ثابت ہو گا مگر آج کی پوری دیوبندی جماعت اس حدیث کو نظر انداز کر کے بغض اہل حدیث اور عداوت سنت میں یہ عام اعتراض کرتے ہیں کہ: قرآن و سنت سے ثناء تعویذ کا آہستہ پڑھنا، مقتدی کا تکبیرات آہستہ کہنا، سلام رکوع و سجود کی تسبیحات وغیرہ آہستہ پڑھنا ثابت نہیں ہیں۔ (دیکھئے 'تحفہ اہل حدیث' 91)

دیکھا آپ نے کہ مبتدعین دیانہ نہینا عن الکلام کو تو مانتے ہیں مگر بغض سنت اور عداوت اہل حدیث میں ”فامرنا بالسکوت“ کی نفی کر کے جماعتی سطح پر صحیح حدیث کا انکار کر کے اپنی آخرت خراب کر رہے ہیں۔

(۱۸) نماز وتر کی تعداد رکعات

مبتدعین دیانہ کا موقف ہے کہ وتر واجب ہیں، اس کی دلیل دیتے ہوئے مولوی انوار خورشید لکھتا ہے کہ

((عن ابی ایوب الانصاری قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الوتر حق واجب علی کل مسلم مسند احمد صحیح ابن حبان بحوالہ الدرایہ منحة المعبود فی ترتیب مسند الطیالسی ص 119 ج 1 و دار قطنی ص 22 ج 2))

حضرت ابویوب انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وتر حق ہیں، واجب ہیں، ہر مسلمان پر۔ (حدیث اور اہل حدیث 548)

اس روایت سے مبتدعین دیانہ کا نماز وتر کے واجب ہونے کا استدلال ہے۔

تبصرہ: اولاً یہ روایت ان الفاظ کے ساتھ مسند احمد ابن حبان اور مسند طیالسی میں قطعاً نہیں بلا شبہ درایہ میں واجب کے لفظ کو حافظ ابن حجر نے مذکورہ کتب کی طرف منسوب کیا ہے مگر یہ تصحیف ہے کیونکہ (اللطیفین الجبر ص 13 ج 2) میں صرف دار قطنی کی طرف منسوب کیا ہے اور یہی صحیح ہے۔

ثانیاً: واجب کا لفظ کہنے میں راوی ابن حسان سے غلطی ہوئی ہے جیسا کہ اسی روایت کے آگے امام دار قطنی نے صراحت کی ہے۔ (سنن دار قطنی ص 22 ج 2)

ثالثاً: پوری حدیث اس طرح ہے کہ

((الوتر حق علی کل مسلم من احب ان یوتر بخمس فلیفعل ومن احب ان یوتر

بثلاث فلیفعل ومن احب ان یوتر بواحد فلیفعل))

یعنی ہر مسلمان پر وتر لازم و ثابت ہیں جو شخص پانچ پڑھنے پسند کرے وہ ایسا ہی کرے۔ اور جو شخص تین پڑھنا پسند کرے وہ ایسا ہی کرے اور جو شخص وتر ایک ہی پڑھنا پسند کرے وہ ایسا ہی کرے۔

(ابو داؤد ص 201 ج 1 و نسائی ص 202 ج 1 و ابن ماجہ 84 و طحاوی 200 و دار قطنی ص 23 ج 2 و مستدرک حاکم ص 303 ج 1 و مسند احمد ص 418 ج 5 و مسند فردوس ص 142 ج 5)

قارئین کرام! آپ مبتدعین دیانہ کے مقتدا اعظم کی ہیرا پھیری کو بخوبی سمجھ گئے ہوں گے کہ متن روایت کو پورا نقل کیوں نہیں کیا اس لئے کہ اس حدیث سے پانچ اور ایک عدد وتر ثابت ہوتا ہے اور یہ بات دیانہ کے بدعی مسلک کے خلاف تھی اس کے لیے انوار خورشید نے یہ مخلص تلاش کیا کہ متن حدیث کو ہی آدھا نقل کیا پھر غیر مترجم کتب کا حوالہ نقل کر دیا کہ اگر کوئی اردو خواں اس کی تحقیق کرنا چاہے تو حقیقت حال کو بھانپ نہ سکے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

قارئین کرام! آپ نے دیکھا کہ اس روایت کے ایک حصے کو مبتدعین دیانہ قبول کرتے ہوئے اس سے وتر کے واجب ہونے پر استدلال کرتے ہیں مگر اسی روایت کے دوسرے حصے کو تقلیدی ہاتھ کی صفائی سے چھپا جاتے ہیں بلکہ ماننے کو تیار نہیں اس کے باوجود دعویٰ اہل سنت اور علوم نبوی کے وارث ہونے کا ہے۔

(۱۹) نماز وتر میں مسنون قرآۃ

نماز وتر میں مسنون قرآۃ یہ ہے کہ نماز پڑھنے والا پہلی رکعت میں ”سبح اسم ربك الاعلیٰ“ اور دوسری رکعت میں ”قل یا ایہا الکفرون“ اور تیسری رکعت میں ”قل ہو اللہ احد“ تلاوت کرے۔ اس پر متعدد احادیث موجود ہیں جن کو مبتدعین دیانہ کے

محقق العصر مولوی انوار خورشید نے درج کر کے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ وتر کی تین رکعتیں ہیں۔

(حدیث اور اہل حدیث: 556)

ان کا یہ استدلال محل نظر ہونے کے باوجود یہ احادیث ان کے مذہب کے خلاف ہیں وہ ایسے کہ اگر کوئی شخص ان احادیث پر عمل کرتے ہوئے مسنون قرأت کرے تو حنفیہ کہتے ہیں کہ یہ مکروہ ہے کیونکہ قرآن کی بعض سورتوں کو نماز میں قرأت کے لیے خاص کرنا جائز نہیں ہے۔

(ہدایہ مع فتح القدیر ص 293 ج 1 والحر الرائق ص 43 ج 2 وفتاویٰ شامی ص 544 ج 1)

پھر اس پر انہوں نے جو دلائل نقل کیے ہیں انہیں پڑھ کر ان کی حالت زار پر ترس بھی آتا ہے اور بے ساختہ ہنسی بھی آجاتی ہے کہ یہ حضرات فقہاء ہیں۔ خلاصہ کلام یہ کہ حنفی ان احادیث کو صحیح و درست جان کر استدلال بھی کرتے ہیں مگر انہیں روایات سے جو دوسرا مسئلہ ثابت ہوتا ہے جو ان احادیث کی بنیادی روح ہے اس کا محض شخصیت پرستی کی وجہ سے انکار کرتے ہیں اور دعویٰ اہل سنت کا کرتے ہیں۔ فان اللہ.....

(۲۰) فجر کی سنتیں پڑھ کر کلام کرنا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا راویہ ہیں کہ:

(ان النبی ﷺ كان اذا صلى سنة الفجر فان كنت مستيقظة حدثني والا اضطجع

حتى يؤذن بالصلوة)

یعنی نبی ﷺ جب صبح کی سنتیں پڑھ لیتے اگر میں جاگ رہی ہوتی تو آپ مجھ سے باتیں کرتے ورنہ لیٹ جاتے حتیٰ کہ آپ کو نماز کی اطلاع کی جاتی۔

(صحیح بخاری ص 155 ج 1 و مسلم ص 255 ج 1)

یہ روایت مبتدعین دیا بنہ پیش کر کے یہ مسئلہ ثابت کرتے ہیں کہ سنت فجر پڑھ کر

اضطجاع (دائیں پہلو پر لیٹنا) کرنا سنت نہیں ہے۔ (حدیث اور اہل حدیث: ۶۱۰)

مگر اس حدیث سے جو یہ ثابت ہوتا ہے کہ سنت فجر کے بعد اور فرائض پڑھنے سے قبل گفتگو بلا کراہت جائز ہے اس کے مبتدعین دینہ منکر ہیں۔ احناف کے بعض فقہاء کا قول ہے کہ سنت فجر کے بعد بات چیت کرنے سے سنت فجر باطل ہو جاتی ہیں۔ اور جمہور فقہاء احناف کا یہ مؤقف ہے کہ سنت فجر باطل تو نہیں ہوتی البتہ ثواب میں فرق آجاتا ہے۔
(درس ترمذی ص 182 ج 2)

صاحب در مختار لکھتا ہے کہ:

((ولو تكلم بين السنة والفرض لا يسقطها ولكن ينقص ثوابها))

یعنی اگر سنت فجر اور فرض کے درمیان گفتگو کی تو سنتیں باطل تو نہ ہوگی البتہ ان کے ثواب میں کمی واقع ہو جائے گی۔
(در مختار مع شامی ص 19 ج 2)

یہی مؤقف علامہ ابن نجیم حنفی نے کنز الدقائق کی شرح البحر الرائق ۲/۴۹ میں حنفیہ کا بیان کیا ہے۔

الفرض اس حدیث کے نصف حصے کو تو حنفی مانتے ہیں مگر کلام کرنے کے حصے کو تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ جائز نہیں، حتیٰ کہ اگر کسی نے کلام کر لیا تو اس کے ثواب میں کمی واقع ہو جائے گی۔ اناللہ وانا الیہ راجعون

فرض کیجئے کہ کوئی شخص صبح کی سنتیں گھر میں ادا کرتا ہے اور اس کی بیوی جاگ رہی تھی اور اس شخص نے اسوۂ رسول علیہ التحیۃ والسلام پر عمل کرتے ہوئے اپنی رفیقہ حیات سے دکھ سکھ یا کسی سلسلہ میں بات کر لی تو حنفی کہتے ہیں کہ اس کے ثواب میں کمی واقع ہوگئی ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا اسوۂ حبیب ﷺ پر عمل کرنے سے بھی کسی کار خیر کے ثواب میں کمی واقع ہوتی ہے۔

(۲۱) قضاء نماز پڑھنے کا وقت

آنحضرت ﷺ نے صبح کی نماز کے بعد سورج طلوع ہونے تک اور عصر کی نماز

کے بعد سورج غروب ہونے تک نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔ یہ حدیث متعدد صحابہ کرام سے مروی ہے مثلاً:

(۱) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ۔ (بخاری ص 182 ج 1 و مسلم ص 275 ج 1)

(۲) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ۔ (بخاری ص 182 ج 1 و مسلم ص 275 ج 1)

(۳) حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ۔ (بخاری ص 182 ج 1 و مسلم ص 275 ج 1)

مبتدعین دینہ کا ان احادیث سے یہ استدلال ہے کہ اگر سنت فجر رہ جائیں تو سورج طلوع ہونے سے پہلے ان کی قضاء نہیں پڑھ سکتا۔ وجہ استدلال یہ ہے کہ مذکورہ احادیث و آثار سے ثابت ہو رہا ہے کہ فجر کی نماز کے بعد سورج طلوع ہونے تک اور عصر کی نماز کے بعد سورج غروب ہونے تک کوئی نماز جائز نہیں۔

(حدیث اور اہل حدیث 621)

مگر آپ حیران ہو گئے کہ سنت فجر کو تو طلوع آفتاب سے قبل یہ کہہ کر منع کر رہے ہیں کہ کوئی نماز جائز نہیں لیکن دیگر قضاء نمازوں کے سلسلہ میں اپنی اس ساری فقہانہ کو بھول جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ:

((ولا باس بان یصلی فی ہذین الوقتین الفوائت))

یعنی ان دونوں مکروہ اوقات میں قضاء نمازوں کو پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(ہدایہ مع فتح القدر ص 207 ج 1)

الغرض اگر زید کی صبح کی سنتیں رہ جائیں تو اسے اس حدیث کی بنا پر طلوع آفتاب سے قبل پڑھنے سے منع کرتے ہیں لیکن اگر زید عشاء کی قضاء نماز کو طلوع آفتاب سے پہلے یا غروب شمس سے پہلے ادا کرے تو اسے اجازت عنایت کرتے ہیں۔ گویا حدیث کو مطلب بر آری کے لیے قبول بھی کرتے ہیں اور مقصد کے مخالف ہونے کی صورت میں رد بھی کرتے ہیں اس پر مزید دھوکا یہ کہ ہم خالص اہل سنت ہیں۔ ان اللہ وانا الیہ راجعون

(۲۲) سنتوں کی قضاء

متعدد احادیث صحیحہ سے سنت کی قضاء رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے، آئیے ہم آپ کو ایک ایسی حدیث کی نشان دہی کریں جس سے یہ مسئلہ ثابت ہوتا ہے۔ اور مبتدعین حدیث کو دلیل و حجت بنانے کے باوجود اس مسئلہ کو تسلیم نہیں کرتے، چنانچہ مبتدعین دیاہنہ کا محقق مولوی انوار خورشید نماز مغرب سے قبل عدد رکعت نفل کے عدم پر دلیل دیتے ہوئے لکھتا ہے کہ

((عن جابر قال سالنا نساء رسول الله صلى الله عليه وسلم هل رأين رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلى الركعتين قبل المغرب فقلن لا غير ان ام سلمة قالت صلاهما عندي مرة فسالته ما هذه الصلوة فقال نسيت الركعتين قبل العصر فصليتهما الان))

(رواه الطرمذی فی کتاب مسند الشامیین بحوالہ نصب الراية ص 141 ج 2)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات سے پوچھا کہ کیا آپ نے رسول اللہ ﷺ کو مغرب کی نماز سے پہلے دو رکعت نفل پڑھتے دیکھا ہے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ نہیں سوائے اس کے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ ایک مرتبہ آپ نے دو رکعتیں میرے پاس پڑھیں تو میں نے آپ سے سوال کیا کہ یہ کون سی نماز ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ میں عصر سے پہلے دو رکعتیں پڑھنا بھول گیا تھا وہ میں نے اب پڑھی ہیں۔ (حدیث اور اہل حدیث 626)

گویہ روایت سند کے لحاظ سے ضعیف ہے کیونکہ اس کی سند میں یحییٰ بن ابی الحجاج الاہتمی راوی لین الحدیث ہے۔ تقریب 374 اور اس کا شیخ عیسیٰ بن سنان الکھمی بھی لین الحدیث ہے۔ تقریب 271۔ مگر مبتدعین دیاہنہ اس سے استدلال کرتے ہیں۔ لیکن اسی حدیث سے جو یہ ثابت ہوتا ہے کہ سنن کی بھی قضاء ہے اسکے منکر ہیں اور صاف کہتے ہیں کہ

صرف و تراور فرائض کی قضاء لازم ہے باقی کسی کی نہیں۔ حالانکہ مذکورہ حدیث سے سنن کی قضاء کا مسئلہ ثابت ہوتا ہے۔ الغرض اس کے نصف حصے کو مطلب پر آری کے لیے تسلیم کرتے ہیں مگر نصف کو تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہیں۔

(۲۳) حیلہ نماز کا رد اور کفارہ نماز کی تردید

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث مروی ہے جس میں الفاظ نبویؐ ہیں:

((من نسی عن صلوة فليصلها اذا ذكرها لا كفارة لها الا ذلك))

یعنی جو شخص نماز پڑھنا بھول جائے تو اسے چاہیے کہ جب یاد آئے تو نماز کو پڑھ لے اس کے علاوہ اس کا کوئی کفارہ نہیں۔ (بخاری ص 84 ج 1 و مسلم ص 241 ج 1، واللفظ للمسلم)

اس حدیث سے مبتدعین دیا بنہ قضاء نماز کو پڑھنے کے وجوب پر استدلال کرتے ہیں۔

(حدیث اور اہل حدیث 696)

مگر آپ حضرات حیران ہو گئے کہ اسی حدیث سے یہ مسئلہ بھی ثابت ہو رہا ہے کہ اگر نماز کسی وجہ سے رہ جائے تو اس کا کفارہ صرف اور صرف یہ ہے کہ اس کو پڑھا جائے اس کے علاوہ قضاء نماز کا کوئی کفارہ نہیں ہے لیکن اس مسئلہ کو مبتدعین دیا بنہ تسلیم نہیں کرتے اور قضاء نماز کا مالی کفارہ بھی تسلیم کرتے ہیں۔

مولانا سرفراز خاں صفدر فرماتے ہیں کہ اگر کسی عاقل اور بالغ کے ذمہ کچھ نمازیں باقی ہوں اور اس حالت میں اس کی وفات ہو جائے تو فقہاء کرام نے روزہ پر قیاس کرتے ہوئے اس کے لیے فدیہ تجویز کیا ہے۔

(راہ سنت 278)

پھر اس فدیہ کو بھی جس حیلہ سے ادا کرنا ہے اس کی تفصیل کچھ اس طرح ہے کہ: ایک صاع گندم ایک فرض نماز کا اور نصف صاع گندم نماز وتر کا جس کو میت کے مال کے تیسرے حصے سے ادا کیا جائے گا، اگر بالفرض میت کی وراثت اتنی نہیں تو تب چند نمازوں کی

مقدار کے برابر گندم کسی مسکین کو دے دیں اور پھر مسکین میت کے وارثوں میں سے کسی پر صدقہ کرنے اسی طرح ہی گندم کو چند بار گھمایا جائے حتیٰ کہ میت کی تمام قضاء نمازوں کا فدیہ پورا ہو جائے۔ (المحرر الرائق ص 291)

خلاصہ کلام یہ کہ دیانہ اس حدیث کو قضاء کے وجوب کی دلیل دیتے ہوئے تو قبول کرتے ہیں مگر تردید فدیہ کے منکر ہیں۔ ان اللہ وانا الیہ راجعون
حالانکہ یہ مسئلہ ان کی دلیل بنائی ہوئی حدیث میں موجود ہے مگر تقلید کی وجہ سے آدھی کو مانتے ہیں اور آدھی کے منکر ہیں۔

نوٹ: اس مسئلہ پر تفصیل سے بحث راقم کی تالیف دین الحق حصہ دوم میں ملاحظہ کریں جو کتابت کے مرحلہ سے گزر چکی ہے۔ اللہ کرے اس کی طباعت کا بھی کوئی ذریعہ پیدا ہو جائے۔ ابو صہیب 21 شعبان المعظم 1420ھ
(۲۴) سفر کی حالت میں سنتیں پڑھنا

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی صحبت اٹھائی ہے۔ آپ علیہ السلام سفر میں دو رکعت سے زیادہ نماز نہیں پڑھتے تھے۔
(بخاری ص 129 ج 1 و مسلم ص 242 ج 1)

اس حدیث سے مبتدعین دیانہ کا وجوب قصر پر استدلال ہے۔

(حدیث اور اہل حدیث ص ۷۶)

مگر اسی حدیث سے یہ مسئلہ بھی ثابت ہو رہا ہے کہ حالت سفر میں نوافل ادا کرنا جنہیں عرف عام میں سنتیں کہا جاتا ہے۔ آنحضرت ﷺ کا معمول نہ تھا، حالانکہ مبتدعین دیانہ کا موقف ہے کہ نوافل رواتب (سنتیں) پڑھنے چاہئیں، حدیث اور اہل حدیث 738۔ الغرض مبتدعین کی عجیب حالت ہے کہ مطلب بر آری کے لیے اس سے استدلال بھی کرتے ہیں مگر تقلیدی مسائل میں اسی حدیث کا انکار بھی کرتے ہیں۔

(۲۵) نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ

سنن نسائی ص 228 ج 1 میں حضرت ابی امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ
 ((السنة في الصلوة على الجنائز ان يقرأ في التكبير الا ولى بام القرآن مخافة ثم
 يكبر ثلثا والتسليم عند الاخرة))
 یعنی نماز جنازہ میں سنت یہ ہے کہ پہلی تکبیر کے بعد سورہ فاتحہ کو آہستہ پڑھا جائے، پھر تین
 تکبیریں کہی جائیں، جن کے آخر میں سلام پھیرا جائے۔ اس حدیث سے مبتدعین دیاہنہ کا
 نماز جنازہ کو آہستہ پڑھنے پر استدلال ہے۔

(حدیث اور اہل حدیث 877)

مگر آپ حیران ہونگے کہ اسی حدیث سے یہ ثابت ہو رہا کہ نماز جنازہ میں سورہ
 فاتحہ کی قرآء کرنا بھی عمل نبوی علیہ التحیۃ والسلام ہے۔ لیکن کتنے افسوس کی بات ہے کہ
 مبتدعین اس سے نماز جنازہ کو آہستہ پڑھنے پر استدلال کرتے ہیں مگر اسی حدیث سے ثابت
 دوسرے مسئلہ کا انکار بھی کرتے ہیں۔ ان سے ان کا دعویٰ پوچھو تو جھٹ کہتے ہیں، اہم اہل
 سنت ہیں۔



فصل پنجم

دیوبندی اہل سنت سے خارج ہیں

(۱) اہل سنت کے نزدیک اللہ کے علاوہ کسی غیر کی عبادت کفر ہے، جبکہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک اگر جوتی کی عبادت خدا سمجھ کر کی جائے تو اس کا فاعل مشرک نہ ہوگا۔ امام یحییٰ بن حمزہ اور امام سعید بن عبدالعزیز العنوشی بیان کرتے ہیں:

((ان ابا حنیفة قال لو ان رجلا عبده هذه النحل يتقرب بها الى الله لم أر بذلك بأساً))

ابو حنیفہ نے کہا کہ اگر کسی شخص نے اللہ کا تقرب حاصل کرنے کی غرض سے جوتی کی عبادت کی تو میں اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتا۔

(کتاب المعرفة والتاریخ ص 784 ج 2 واللفظ له و تاریخ بغداد ص 374 ج 13 و کتاب الحجر و حین ص 73 ج 3 رقم الحروف عرض کرتا ہے کہ اس قول کی سند صحیح ہے)

(۲) اہل سنت کے نزدیک غیر اللہ سے استعانت کرنا شرک ہے، دیوبندیوں کے نزدیک شرک و کفر نہیں بلکہ جائز ہے۔

علامہ شبیر احمد عثمانی فرماتے ہیں اس آیت شریفہ سے معلوم ہوا کہ اس کی ذات پاک کے سوا کسی سے حقیقت میں مدد مانگنی بالکل ناجائز ہے۔ ہاں اگر کسی مقبول بندہ کو محض واسطہ رحمت الہی اور غیر مستقل سمجھ کر استعانت ظاہری اس سے کرے تو یہ جائز ہے۔

(تفسیر عثمانی ص 2)

(۳) اہل سنت کے نزدیک علم غیب اللہ تعالیٰ کی صفت ہے جب کہ دیوبندی اپنے مولویوں کو بھی اس صفت میں شریک مانتے ہیں۔ تفصیل کے لیے مولوی ارشد قادری حنفی بریلوی کی کتاب زلزلہ ملاحظہ کریں۔ اختصار کی وجہ سے جھنگوی ٹولہ کے سرغنہ مولوی محمد امین صفدر کا حوالہ پیش کرتے ہیں ماسٹر امین لکھتا ہے کہ:

”ایک دن میں رسالہ ”خدام الدین“ میں حضرت لاہوری رحمہ اللہ کی مجلس ذکر میں تقریر پڑھ رہا تھا جس میں آپ کا فرمان تھا کہ جسمانی آنکھیں تو اللہ تعالیٰ نے گدھوں اور کتوں کو بھی دی ہیں، آنکھیں تو اصل دل کی ہیں اگر روشن ہو جائیں تو اسے حرام حلال کا امتیاز ہو جاتا ہے۔ اور اگر وہ قبر کے پاس سے گزرے تو اسے پتہ چلتا ہے کہ یہ قبر جنت کا باغ ہے یا دوزخ کا گڑھا، میں یہ پڑھ ہی رہا تھا کہ ایک ماسٹر صاحب جن کا نام رشید احمد تھا وہ ہال کمرہ میں داخل ہوئے ان کے ہاتھ میں پانچ روپے کا نوٹ تھا اور کہتے آرہے تھے کسی نے حرام نوٹ لینا ہے یہ حرام ہے حرام، میں نے کہا مجھے دے دو۔ وہ مجھ سے پوچھنے لگے تم کیا کرو گے؟ میں نے مجلس ذکر کی عبارت سنائی کہ لاہور چلتے ہیں اور پتہ لیتے ہیں کہ خود حضرت لاہوری رحمہ اللہ کو حلال حرام کی تمیز ہے یا نہیں۔ اس پر چار پانچ ٹیچر اور تیار ہو گئے۔ ہم سب نے ایک ایک روپیہ اپنے پاس سے لے لیا ایک روپے کے سب اپنے روپے سے اور ایک کے حرام روپے سے اس طرح پانچ پھل ہم نے خرید لئے اور ایک ایک پھل کی کوئی نشانی ایک ایک نے ذہن میں رکھ لی کہ یہ سب حرام روپے کا ہے وہ حلال روپے کا ہے یہ کیوں حرام روپے کا ہے وہ حلال کا ہے اور ہم لاہور پہنچ گئے۔ ضلع ساہیوال کے احباب کو آواز پڑی ہم حاضر ہوئے، پھل حضرت رحمہ اللہ کے سامنے رکھ دیئے ہماری طرف دیکھا اور فرمایا بھیجی یہ کیا لائے ہو؟ میں نے عرض کیا حضرت زیارت کے لئے حاضر ہوئے تھے یہ کچھ ہدیہ ہے۔ فرمایا ہدیہ لائے ہو یا میرا امتحان لینے آئے ہو اور آپ نے سب پھل الگ الگ کر دیئے کہ یہ حلال ہیں یہ حرام ہیں۔“

(تجلیات صفحہ 12، 13 ج 1)

ایسی کرامت کوئی بریلوی بیان کرتا تو دیوبندی اپنے فتویٰ کی مشین گن کو کھول کر مشرک و بدعتی کا فتویٰ لگاتے مگر دیکھا آپ نے کہ ماسٹر امین کا اس اعتقاد کے ساتھ ساہیوال سے لاہور آنا اور پھر حضرت لاہوری کا اس کے دل کی بات کو جان لینا اور حلال و حرام فروٹ کو الگ الگ کر دینا، اس کے حق میں عالم الغیب ہونا ثابت نہیں کرتا تو اور کیا ہے؟ الغرض اس

جموٹی داستان کو وضع ہی اس لیے کیا گیا ہے تاکہ عوام الناس میں پیری مریدی کی دوکان چل جائے اور لامحدود انکم کا سلسلہ شروع ہو جائے خواہ اس سے عقیدہ توحید بھی کیوں نہ خراب ہو جائے۔

(۴) اہل سنت کے نزدیک قرآن تحریف سے پاک ہے اور کوئی زیر و زبر کی بھی اس میں تحریف نہیں ہوئی۔ جب کہ دیوبندیوں کے نزدیک قرآن میں تحریف ہوئی۔ مولانا انور شاہ کاشمیری حنفی دیوبندی فرماتے ہیں کہ

((والذی تحقیق عندی ان التحریف فیہ لفظی ایضاً))

قرآن میں تحریف معنوی کے علاوہ میرے نزدیک اسی طرح لفظی تحریف بھی محقق ہے۔

(فیض الباری ص 395 ج 3 طبع مکتبہ حقانیہ پشاور)

مولانا محمود حسن خان دیوبندی فرماتے ہیں کلام اللہ و حدیث میں بعض آیات و

جملہ فرقہ ضالہ نے الحاق کئے ہیں۔ (ایضاح الادلہ 191)

(۵) اہل سنت کے نزدیک رسول اللہ ﷺ آخری رسول اور نبی ہیں جب کہ دیوبندیوں کے نزدیک خاتم کا یہ معنی فقط عوام الناس کا گھڑا ہوا ہے۔ تفصیل اللہ کے فضل و کرم سے آگے آ رہی ہے۔

(۶) اہل سنت کے نزدیک رسول اللہ ﷺ پر افترا کرنا بدترین فعل ہے جس کی سزا جہنم ہے لیکن دیوبندیوں نے احادیث کو وضع کیا ہے کتب احادیث میں حک و اضافہ کیا ہے۔

(۷) اہل سنت کے نزدیک صحیح احادیث علی الاطلاق واجب العمل ہیں جب کہ دیوبندیوں کا کردار اس کے برعکس ہے یہ حدیث کے بعض الفاظ کو مانتے ہیں بلکہ مخالف پر بطور حجت نقل بھی کرتے ہیں لیکن انہیں احادیث میں سے بعض الفاظ کو جو ان کے مذہب کے خلاف ہیں قبول کرنے کو تیار نہیں ہوتے۔

(۸) اہل سنت کے نزدیک فرمان نبوی ﷺ کو عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھنا عین دین و ایمان ہے جب کہ دیوبندی بسا اوقات فرمان نبوی کا مذاق اڑاتے ہیں۔

(۹) اہل سنت کے نزدیک قرآن کا ادب و احترام کرنا فرض ہے جبکہ دیوبندیوں کے نزدیک سورہ فاتحہ کو خون اور پیشاب وغیرہ سے لکھنا جائز ہے۔

(۱۰) اہل سنت کے نزدیک اعمال جزو ایمان ہیں اور ایمان دل کی تصدیق زبان کے اقرار اور اعمال صالحہ کا نام ہے ان تینوں ارکان کے بغیر ایمان کامل ہی نہیں ہوتا مگر دیوبندی اعمال کو ایمان کا حصہ نہیں مانتے۔

یہودی علماء کو نبی ﷺ کے صادق ہونے پر پورا پورا یقین تھا مگر وہ آپ علیہ السلام کی نبوت کا اقرار نہ کرتے تھے ارشاد باری ہے:

﴿الذین اتینہم الكتاب يعرفونہ کما يعرفون ابناءہم و ان فریقا منهم لیکتمون الحق و ہم یعلمون﴾

(البقرۃ آیت: 146)

جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی وہ آپ کو اسی طرح پہچانتے ہیں جس طرح وہ اپنی اولاد کو پہچانتے ہیں اور بلاشبہ ایک گروہ ان میں حق کو چھپاتا ہے حالانکہ وہ جانتے ہیں۔

بلکہ یہود بعض دفعہ اپنی مجلسوں میں رسول اللہ ﷺ کے نبی ہونے کا اظہار بھی کرتے تھے۔ حضرت صفوان بن عسال رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ:

”دو یہودی تھے ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا کہ چلو اس نبی کے پاس چلتے ہیں اور چند مسئلے پوچھتے ہیں۔ تو دوسرا یہودی کہنے لگا کہ نبی نہ کہو، اگر رسول اللہ ﷺ نے سن لیا کہ یہودی مجھ کو نبی کہتے ہیں، تو اس کی چار آنکھیں ہو جائیگی۔ پھر وہ دونوں آپ علیہ السلام کے پاس آئے اور انہوں نے اپنے مسائل دریافت کئے۔ تو آخر میں کہنے لگے۔ ”نشہد انک نبی“ ہم گواہی دیتے ہیں آپ اللہ کے نبی ہیں۔ تو رسول اللہ ﷺ نے پوچھا پھر تمہیں اسلام قبول کرنے میں کون سی چیز مانع ہے؟ تو وہ کہنے لگے حضرت داؤد علیہ السلام نے دعا کی تھی کہ نبی میری اولاد سے ہو اور ہمیں خوف ہے کہ اگر ہم نے اسلام قبول کر لیا تو یہودی ہمیں قتل کر دیں گے۔“

(نسائی ص 165 ج 2 و ترمذی مع تحفہ ص 399 ج 3 و 139 ج 4 و مسند احمد ص 339 ج 4 و مستدرک حاکم ص 9 ج 1 و بیہقی ص 166 ج 8 و ابن ماجہ (3705))

ابام ترمذی حاکم و ذہبی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے اس صحیح حدیث اور قرآن کی مذکورہ آیت سے ثابت ہوا کہ دل کی تصدیق اور زبان کے اقرار کا نام ایمان نہیں کیونکہ یہودی دل سے آنحضرت ﷺ کی نبوت کی تصدیق اور زبان سے اقرار بھی کرتے تھے لیکن اس کے باوجود ان یہود کو رسول اللہ ﷺ نے مسلمان تسلیم نہیں کیا کیوں؟ اس لئے کہ وہ عملاً آپ علیہ السلام کو رسول و نبی تسلیم نہ کرتے تھے۔

اس طرح منافقین کا گروہ تھا جو زبان سے رسول اللہ ﷺ کی نبوت کی گواہی دیتا تھا۔ سورہ المنافقون آیت 1۔ بلکہ اسلام کے ظاہری احکام پر بھی عمل کرتے تھے، نماز پڑھا کرتے تھے، (سورہ النساء آیت 142) غزوات میں شریک ہوا کرتے تھے، لیکن ان کا ایمان قبول نہیں۔ کیوں؟ اس لئے کہ وہ زبان سے اقرار اور عمل دونوں ہی کرتے تھے، مگر دل کا اطمینان نہ تھا جس کی وجہ سے وہ اسلام سے خارج تھے۔ الغرض ایمان تب درست ہے جب دل کا اطمینان زبان کی تصدیق اور جسم کے ساتھ عمل صالح ہو۔ اللہ تعالیٰ نے بھی ان چیزوں کو ایمان میں شامل کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿انما المؤمنون الذين امنوا بالله ورسوله ثم لم يرتابوا وجاهدوا باموالهم و
انفسهم في سبيل الله اولئك هم الصدفون﴾ (الحجرات آیت: 15)

مومن صرف وہی لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں پھر کسی قسم کا شک نہیں کرتے اور اپنے مالوں اور جانوں سے اللہ کے راستہ میں جہاد کرتے ہیں یہی لوگ سچے ہیں۔

اس آیت میں امور ایمان کو واضح کر دیا ہے کہ وہ لوگ ہیں جو تصدیق کے ساتھ کسی قسم کا شک نہیں کرتے یعنی زبان کے اقرار کے ساتھ قلبی یقین بھی ہوتا ہے پھر اس کے ساتھ وہ جہاد یعنی عمل بھی کرتے ہیں کیونکہ جہاد عمل کا نام ہے، معلوم ہوا کہ تصدیق کے

- اتھ دل کا یقین اور عمل امور ایمان سے ہے۔ یہی مضمون سورہ النور کی آیت 62 میں بیان ہوا ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں بعض مقامات پر عمل کو ایمان سے تعبیر کیا ہے۔

﴿وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُضِيعَ إِيمَانَكُمْ﴾ (البقرہ آیت: 143)

اللہ تعالیٰ تمہاری نمازوں کو ضائع نہیں کرے گا۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ کچھ مسلمان تحویل قبلہ سے پہلے فوت اور کچھ شہید ہو گئے اور ہمیں معلوم نہ تھا کہ ان کی نمازوں کے متعلق کیا کہیں تو اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

(بخاری ص 11 ج 1)

الغرض اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نماز کو ایمان کہا ہے یہی وجہ ہے کہ تمام سلف صالحین آئمہ عظام اور جملہ معروف اور معتمد محدثین کرام اعمال کو ایمان کا جزو سمجھتے ہیں۔ خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیز فرماتے ہیں کہ: ایمان کے کچھ فرائض (فرض کیے گئے اعمال) اور کچھ شرائع (عقائد) ہیں اور حدود (ممنوعہ کام) اور سنتیں ہیں جس نے ان کو پورا کیا اس نے ایمان کو پورا کیا اور جس نے مذکورہ اشیاء کو مکمل نہ کیا اس نے ایمان کو بھی مکمل نہ کیا۔ (صحیح بخاری ص 6 ج 1)

امام شافعی نے اس پر تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام کے اجماع کا دعویٰ کیا ہے۔ (الایمان 182)

ایمان میں کمی اور زیادتی: تمام صحابہ کرام تابعین عظام اور اکثر آئمہ مجتہدین کا یہ مذہب ہے کہ ایمان جیسے قول اور عمل اور اطمینان قلب سے مرکب ہے اسی طرح ایمان کمی اور بیشی کا بھی متحمل ہے۔ عمل بالمعروف سے ایمان بڑھتا ہے اور گناہوں سے کمی اور نقصان ہوتا ہے۔ قرآن کریم میں متعدد آیات سے یہ مسئلہ ثابت ہے۔ (۱) سورۃ التوبہ 24 (۲) الانفال 2 (۳) آل عمران 173 (۴) الاحزاب 22 (۵) مریم 76 (۶) المدثر

31 (2) آل عمران 178 (8) الفتح 4 خود اللہ کے رسول ﷺ کا فرمان ہے کہ ایمان کی ساٹھ سے اوپر شاخیں ہیں۔ ان میں سے سب سے بہتر درجہ لاله اللہ کہنا ہے سب سے کم درجہ راستہ سے کسی نقصان دہ چیز کو ہٹانا ہے۔

(بخاری ص 6 ج 1، مسلم ص 47 ج 1 واللفظ لہ)

اس حدیث سے واضح ہے کہ ایمان کی تکمیل ستر سے زیادہ امور سے ہوتی ہے اور ان میں سے فائق توحید کا اقرار ہے اور سب سے کم درجہ راستہ سے تکلیف دہ چیز کو دور کرنا ہے۔

ایک ارشاد میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جنہم سے وہ شخص بھی نکال دیا جائے گا جس کے دل میں گندم کے دانہ کے برابر بھی ایمان ہوگا۔

(بخاری ص 11 ج 1 و تغلیق التعلیق ص 50 ج 2)

صحابہ کرام کا مذہب: تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایمان میں کمی و بیشی کے قائل تھے۔ اس کی تفصیل بات کو لبا کر دے گی تاہم چند اکابر صحابہ کا مذہب نقل کیا جاتا ہے۔
حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

((لو رزن ایمان ابی بکر بایمان اهل الارض لرجع بہم))

یعنی اگر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ایمان کو تمام زمین والوں کے ایمان سے تو لا جائے، تو صدیق اکبر کے ایمان کا وزن سب پر بھاری ہو جائے گا۔

(شعب الایمان ص 69 ج 1 و کتاب السنہ ص 378 ج 1 فضائل الصحابة للامام احمد ص 418 ج 1 سند صحیح ہے)

زر بن حبیش رحمۃ اللہ نقل کرتے ہیں

((کان عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ربما اخذ الرجل والرجلین یقول تعالونزداد

یعنی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کبھی کبھار ایک دو آدمیوں کا ہاتھ پکڑ کر فرماتے آؤ ہم ذکر الہی کے ذریعے اپنے ایمان کو زیادہ کریں۔ (شعب الایمان ص 70 ج 1 و کتاب الایمان للامام احمد کما فی کتاب الایمان لابن تیمیہ 211)

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

((الوضوء نصف الایمان)) یعنی وضو نصف ایمان ہے۔

(شعب الایمان ص 72 ج 1) (کتاب السنہ 369 و کتاب الایمان لابن ابی شیبہ 41)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے تھے: ((اللہم زدنا ایمانا وفقها))

اے اللہ ہم کو ایمان اور دین کی سمجھ میں بڑھا دے۔

(شعب الایمان ص 73 ج 1 و کتاب السنہ ص 369 ج 1)

ایمان کی زیادتی اور کمی کے اقوال حضرت ابو ہریرہ، ابن عباس ابو درداء، عائشہ صدیقہ، ابو سعید الخدری اور حضرت جناب رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں: (کتاب السنہ ص 369 شعب الایمان ص 76 ج 1 ابن ماجہ 75) وغیرہ ملاحظہ کریں۔

اجماع امت: صحابہ کرام سے لے کر تابعین عظام اور آئمہ محدثین کا اجماع و اتفاق ہے کہ ایمان میں کمی بیشی ہوتی ہے۔ چند گمراہ لوگوں کے علاوہ خیر القرون کے زمانہ میں پوری امت مرحومہ کا یہی مؤقف و مذہب تھا۔

جیسا کہ امام ابن عبد البر فرماتے ہیں کہ ”تمام اہل فقہ اور اہل حدیث کا اجماع ہے کہ ایمان قول اور عمل ہے اور عمل بغیر نیت کے نہیں ہے اور ایمان اطاعت سے بڑھتا ہے اور نافرمانی و معصیت سے کم ہوتا ہے اور ہر اطاعت نیکی ہے، سوائے ابو حنیفہ اور ان کے شاگردوں کے ان کا مذہب ہے کہ اطاعت کو ایمان نہیں کہنا چاہیے ایمان صرف تصدیق و اقرار کا نام ہے اور بعض نے معرفت کا نام دیا ہے۔ لیکن تمام اہل الرائے اور اہل حدیث حجازی، عراقی، شامی، مصری وغیرہ مثلاً مالک بن انس، لیث بن سعد، سفیان ثوری اوزاعی

‘شافعی‘ احمد‘ اسحاق بن راہویہ‘ ابو عبید‘ داؤد‘ طبری اور جو لوگ ان کے موافقین ہیں تمام کا یہی مؤقف ہے کہ ایمان قول و اعمال کا نام ہے جو کم اور زیادہ ہوتا ہے۔

(ملخصاً التمهید ص 238 تا 243 ج 9 و فتاویٰ ابن تیمیہ ص 330 ج 7)

احناف کا مؤقف: آسمان والوں، فرشتوں، جنت والوں کا، زمین والوں، انبیاء، تمام ایمانداروں، نیکوں و بدوں اور فاجروں کا ایمان برابر ہے۔ شرح فقہ اکبر ۷۸ امام ابو اسحاق فزاری جو ابتدا میں حضرت امام ابو حنیفہ سے بھی گہرا تعلق رکھتے تھے فرماتے ہیں کہ:

((كان ابو حنیفة یقول ایمان ابلیس وایمان ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ واحد قال ابو بکر یارب و قال ابلیس یارب))

امام ابو حنیفہ کہتے ہیں کہ ابلیس اور ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ایمان ایک ہی ہے ابو بکر رضی اللہ عنہ نے بھی یارب کہا اور ابلیس نے بھی۔ (کتاب السنہ ص 219 ج 1 و تاریخ بغداد ص 376 ج 13 (سند صحیح ہے))

یہ مذہب اہل سنت کا نہیں بلکہ مرجیہ کا ہے۔ امام اہل سنت، امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ:

((الایمان یزید و ینقص و یستثنی فی الایمان و من زعم ان الایمان قول بلا عمل فهو مرجی و من زعم ان الایمان هو القول و الاعمال شرائع فهو مرجی و من زعم ان الایمان لا یزید و لا ینقص فقد قال بقول المر جئة و من لم یر الاستثناء فی الایمان فهو مرجی الی ان قال و هذه الاقوایل و المذاهب مذاهب اهل السنة و الجماعة و لا صحاب البدع القاب و اسماء لا تشبه اسماء الصالحین و لا العلماء فمن اسماء هم المر جئة الذین یزعمون ان الایمان قول بلا عمل))

یعنی اہل سنت و جماعت کا عقیدہ یہ ہے اور یہی ہمارا بھی عقیدہ ہے کہ ایمان گھٹتا اور بڑھتا ہے اور ایمان کی بابت ان شاء اللہ بھی کہا جاسکتا ہے۔ اس کے برعکس جو لوگ ایمان میں کمی بیشی نہیں مانتے اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اعمال ایمان میں داخل نہیں اور انشاء اللہ معاملہ ایمان

میں کہنے کے قائل نہیں وہ مرجیہ ہیں۔ اہل سنت والجماعت کے برخلاف اہل بدعت ایسے القاب اور ناموں سے موسوم ہوتے ہیں جو علماء اور صالحین کے القاب اور نام سے مشابہت نہیں رکھتے۔ اس کے بعد امام احمد نے صراحت کی ہے یہی وہ مرجیہ ہیں اصحاب الرأے کے نام سے ملقب ہیں اور ابو حنیفہ کے مقلد ہیں۔

(طبقات الحنبلۃ لابن ابی یعلیٰ ص 24 تا 36 ج 2 طبع بیروت بحوالہ ضمیر کا بحران ص 9 و 156)
 پیر عبد القادر جیلانی نے بھی حنفیہ کو مرجیہ میں شمار کرتے ہوئے لکھا ہے کہ
 :مرجیہ لوگوں کے بارہ فرقے ہیں جو یہ ہیں: جمہیہ، صالحیہ، ہمدیہ، یونسیہ، یونانیہ، بخاریہ،
 'غیلانیہ، 'ہیبیہ، 'حنفیہ، 'معاذیہ، 'مریسیہ، 'کرامیہ، 'مرجیہ کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس گروہ کے
 لوگوں کا عقیدہ ہے کہ اگر کوئی شخص ایک دفعہ لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ پڑھے اور اس کے
 بعد ساری عمر گناہ کرے تو پھر بھی وہ دوزخ میں نہیں جائے گا۔ ان کا مقولہ ہے کہ ایمان ایک
 قول ہے اور اس میں عمل اور احکام شریعت داخل نہیں اور وہ قول صرف کلمہ توحید کا کہنا ہے
 اور اسی قدر ایمان ہے اور آدمیوں کا جو ایمان ہے اس میں کمی اور زیادتی نہیں ہوتی اور ان کا
 ایمان اور فرشتوں کا ایمان ایک ہے۔ اس میں کوئی کمی یا بیشی نہیں اور ایمان میں کوئی استثناء
 بھی نہیں ہے۔“

(غنیۃ الطالبین مترجم ص 192 ترجمہ مولوی احمد مدد راسی ناشر مکتبہ حمانیہ (دیوبندیہ) لاہور 1394ھ)
 علامہ شبلی نعمانی حنفی دیوبندی فرماتے ہیں کہ: مرجیہ کا مذہب ہے کہ ایمان و عمل
 دو مختلف چیزیں ہیں اور ایمان اور تصدیق کامل ہو تو عمل کا نہ ہونا کچھ ضرر نہیں کرتا۔
 (سیرت النعمان ص 152) جب یہ بحث ان کے سامنے پیش کی گئی تو انہوں نے اعلانیہ کہا کہ
 ایمان اور عمل دو جداگانہ چیزیں ہیں اور دونوں کا حکم مختلف ہے۔ اس پر بہت سے لوگوں نے
 انہیں بھی مرجیہ کہا لیکن وہ ایسا مرجیہ ہونا خود پسند کرتے تھے۔

(سیرت النعمان 153 طبع انجمن حمایت اسلام 1961)



حصہ دوم، فصل اول

ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنے کا مسئلہ

جھٹکوی نے ابتدا ہی جھوٹ سے کی:

جھٹکوی نے اول تا آخر گفتگو ایک فرضی مکالمہ پر کی ہے جو حقیقت بہر حال نہیں۔ شاید وہ اسے تفہیم کا ایک انداز قرار دے کر اس کے جھوٹ ہونے کی نفی کر دیں لیکن پھر بھی یہ حقیقت اپنی جگہ پر اٹل ہے کہ جھٹکوی صاحب نے اہل حدیث کی طرف سے اعتراضات بھی درست نقل نہیں کیے۔ حالانکہ ان کا یہ حق تھا کہ فریق مخالف کی ترجمانی کرتے وقت ان کے موقف کو درست نقل کرتے اور ان کے دلائل کا علمی و تحقیقی جواب دیتے مگر انہوں نے اعتراض اور جواب دونوں ہی غلط درج کئے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ

”جب آپ نماز پڑھتے ہیں سر سے ٹوپی اتار کر نیچے پھینک دیتے ہیں، دائیں ہاتھ کو بائیں کہنی پر مار کر ہاتھ باندھ لیتے ہیں اور گردن کو اکڑا کر پیر خوب چوڑے کر کے کھڑے ہوتے ہیں۔ یہ چیزیں میری سمجھ میں نہیں آتیں۔“ (تحفہ اہل حدیث ص 1)

حالانکہ نماز کی ابتدا کوئی اہل حدیث اس طرح نہیں کرتا۔ ننگے سر نماز عاجزی و انکساری کی وجہ سے پڑھی جاتی ہے۔ تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھوں کو کندھوں تک اٹھانا مسنون ہے۔ جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی مرفوع حدیث میں آتا ہے۔

(بخاری ص 102 ج 1 مسلم ص 168 ج 1)

یہی اہل حدیث کا عمل ہے۔ نماز میں اپنی نظر کو سجدہ کی جگہ پر رکھنا مسنون ہے،

جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے۔

(مسند رک حاکم ص 479 ج 1 و بیہقی ص 158 ج 5 و ارواء الغلیل ص 73 ج 2)

اسی پر اللہ کے فضل و کرم سے اہل حدیث کا عمل ہے۔ مگر جھٹکوی نے ابتدا ہی

کذب وافترا سے کی ہے ایسے ہی پاؤں کو کشادہ کرنے میں جھنگوی نے مبالغہ اور غلط بیانی سے کام لیا ہے۔ تفصیل آگے آرہی ہے۔

جھنگوی کا اعتراف حقیقت کے ساتھ باطل کا بھی اعلان:

فرماتے ہیں کہ آپ کی بات بالکل ٹھیک ہے، قرآن و حدیث کے مقابلے میں اگر کسی کی بات ہو تو وہ واقعی ناقابل عمل ہے، جب کہ حدیث صحیح کے خلاف ہو اور کتاب اللہ سے بھی ٹکراتی ہو۔ (تحفہ اہل حدیث 2)

الجواب: اولاً:- بلاشبہ قرآن و حدیث کے خلاف آئمہ کے اقوال کو آپ کا ناقابل عمل قرار دینا درست و حق بات ہے، لیکن اس کے ساتھ یہ اضافہ کہ وہ کتاب اللہ کے ساتھ بھی ٹکراتا ہو معتزلہ کا مذہب ہے جو مردود ہے، اس مردود قول کا مقصود یہ ہے کہ اگر اقوال آئمہ فقط حدیث نبوی کے مخالف ہوں تو تب وہ حدیث پر فائق ہی رہیں گے، ہاں البتہ اگر حدیث کے ساتھ ساتھ قرآن کے مخالف بھی ہوں تو تب وہ ناقابل عمل ہیں۔

ثانیاً:- یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ فقط حدیث کے مخالف نہ ہو، بلکہ قرآن سے بھی ٹکراتی ہو، لیکن اس کی کیا دلیل ہے کہ اگر قول امام قرآن و حدیث دونوں کے ہی خلاف ہو تو تب آپ چھوڑ دیں گے کیونکہ فقہ حنفی میں لکھا ہے کہ

((فلعنة ربنا اعداد رمل على من رد قول ابى حنيفة))

یعنی اس شخص پر ریت کے ذروں برابر لعنتیں ہوں جو ابو حنیفہ کے قول کو رد کرتا ہے۔

(در المختار مع شامی ص 63 ج 1)

جو شخص امام صاحب کے بارے ایسی بات کہتا ہے کہ وہ خطا کر سکتے ہیں چو پایہ بلکہ

اس سے بھی زیادہ گمراہ ہے۔

(مقدمہ انوار الباری ص 163 ج 1)

صاحب اصول کرنی فرماتے ہیں کہ قرآن کی وہ تمام آیات اور احادیث جو ہمارے

ائمہ کے اقوال کے مخالف ہیں وہ یا سنو خ ہیں یا مؤول۔ (اصول کرنی ص 11)

ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنے کی مرفوع احادیث:

پہلی حدیث: حضرت عبید اللہ بن بسر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

((ترونی یدی ہذہ صافحت بہا رسول اللہ و ذکر الحدیث))

یعنی تم لوگ میرے اس ہاتھ کو دیکھتے ہو میں نے اسی ایک ہاتھ سے رسول اللہ ﷺ سے مصافحہ کیا ہے، اور حدیث کو ذکر کیا ((التمہید لما فی الموطا من المعانی والا سانید ص 247 ج 12)) یہ حدیث صحیح ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنے کی کھلی دلیل ہے۔

دوسری حدیث: حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ

نے میرے دل میں اسلام ڈالا تو میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہا کہ

((ابسط یمینک فلا باعک فی بسط یمینہ قال فقبضت یدی قال مالک با عمرو قال

قلت اردت ان اشترط قال تشرط بما ذا قلت ان یغفر لی قال اما علمت یا عمرو ان

الاسلام یتهدم ما کان قبلہ))

یعنی رسول اللہ ﷺ اپنے داہنے ہاتھ کو بڑھائیں کہ میں آپ سے بیعت کروں۔ پس رسول

اللہ ﷺ نے اپنا داہنا ہاتھ بڑھایا۔ تو میں نے اپنے ہاتھ کو سمیٹ لیا۔ آپ علیہ السلام نے

فرمایا کہ عمرو تجھے کس چیز نے روک لیا ہے۔ میں نے عرض کی کہ کچھ شرط کرنا چاہتا ہوں،

آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ کس بات کی شرط کرنا چاہتے ہو، میں نے کہا کہ مجھے بخش دیا

جائے، آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ تجھے معلوم نہیں کہ اسلام قبول کرنے سے پہلے جتنے گناہ

ہوتے ہیں ان کو اسلام مٹا دیتا ہے۔ (صحیح مسلم ص 76 ج 1)

گویہ روایت بیعت مصافحہ کے بارے میں ہے، لیکن بیعت میں بھی مصافحہ ہی ہوتا

ہے۔ حضرت امیمہ بنت رقیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم بہت سی عورتیں دین اسلام پر

بیعت کرنے کے لیے رسول اللہ ﷺ کے پاس آئیں اور ہم نے بیعت کے وقت مصافحہ کی

درخواست کی تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ ((انی لا اصافع النساء)) میں عورتوں سے مصافحہ نہیں کرتا۔ (موطأ امام مالک باب ماجاء فی البیعة)

حافظ ابن عبد البر ان الفاظ کی شرح میں فرماتے ہیں کہ ((دلیل علی انه کان یصافح الرجال عند البیعة وغیرها)) یعنی ان الفاظ نبوی میں دلیل ہے کہ رسول اللہ ﷺ بیعت وغیرہ کے وقت مردوں سے مصافحہ کرتے تھے۔ (التعمید ص 243 ج 12)

حافظ ابن عبد البر اس پر متعدد احادیث نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ ((فی هذا ایضا دلیل علی ان المبایعة من شانها المصافحة ولم یختلف الاثار فی ذلك))

ان مسائل کے علاوہ ان احادیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ بیعت کیفیت و طریقہ میں مصافحہ ہے اور اس سلسلہ میں آثار نبوی میں کوئی اختلاف نہیں۔ (التعمید ص 352 ج 16)

ان دلائل سے ثابت ہوا کہ بیعت اور ملاقات کے وقت مصافحہ کی کیفیت و طریقہ ایک ہی ہے داہنے ہاتھ سے مصافحہ کرنا حسب ذیل احادیث میں موجود ہے۔

(۱) حضرت ابو عادیہ رضی اللہ عنہ سے۔ (مسند احمد ص 568 ج 5)

(۲) حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے۔ (بخاری ص 523 ج 1)

(۳) واہلہ بن الاسخ رضی اللہ عنہ سے۔ (مسند احمد ص 491 ج 3)

(۴) جزیر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے۔ (بخاری ص 14 ج 1)

(۵) عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے۔ (ابن ماجہ 27)

جھنگوی صاحب کا پہلا اعتراض

یہ صرف اور صرف ایک ہاتھ کو کہتے ہیں، یہ غلط ہے بلکہ یہ اسم جنس ہے اور جنس قلیل اور کثیر دونوں پر صادق آتی ہے۔ اگر یہ کہ لفظ سے آپ نے صرف ایک ہاتھ مراد لیا ہے تو دلیاں ہاتھ حدیث کے کس لفظ کا ترجمہ ہے۔ (تحفہ الہمدیث ص 2)

الجواب: اولاً:- اس قسم کی احادیث میں لفظ ید سے جنس مراد لینا غلط ہے کیونکہ لفظ ید معرف باللام ہے یا مضاف پس الف و لام عہد خارجی کے لئے ہے اور اسی طرح اضافت بھی۔

ثانیاً:- آپ نے لفظ ید کو جنس ٹھہرایا ہے جو بقول آپ کے قلیل و کثیر دونوں پر صادق آتا ہے۔ تو پھر کس دلیل سے آپ نے قلیل کی بجائے کثیر کو مراد لیا ہے کیونکہ مشترک معانی والے الفاظ کے معنی تعین کرنے میں قرینہ کی ضرورت ہوتی ہے جو یہاں موجود نہیں۔ علاوہ ازیں اس ڈھکوسلہ سے یہ دعویٰ بھی باطل ثابت ہو گیا کہ ایک ہاتھ سے مصافحہ غیر مسنون ہے کیونکہ آپ نے جنس قرار دے کر قلیل پر اس کا استعمال تسلیم کر لیا ہے۔

دوسرا اعتراض: آپ قرآن پاک کی کسی آیت یا حدیث سے دائیں ہاتھ سے مصافحہ کرنا اور بائیں ہاتھ سے مصافحہ کی ممانعت ثابت کریں۔ (ص 3)

الجواب: اولاً:- ایک ہاتھ سے مصافحہ کے مسنون ہونے کا تو آپ کو اعتراف ہے۔ ثانیاً:- رہا یہ کہ ایک ہاتھ سے دایاں مراد لینا تو سنئے کہ اس پر شرعی قرآن موجود ہیں ((یحب التیمن ما استطاع فی شانہ کلہ)) یعنی ہر کام میں رسول اللہ ﷺ حتی الوسع دائیں ہاتھ کو محبوب رکھتے۔

(بخاری و مسلم بحوالہ مشکوٰۃ ص 46)

تھنگوی صاحب 'فی شانہ کلہ' سے کسی معتبر دلیل سے دائیں ہاتھ کی بجائے بائیں ہاتھ ثابت کریں؟ اگر یہ ثابت نہ کر سکیں یقیناً ثابت نہیں کر سکیں گے تو کلہ میں مصافحہ بھی شامل ہے۔

ملاحظہ:- بخاری ص 523 میں ابن عمر رضی اللہ عنہ سے اور مسند احمد ص 68 ج 5 میں ابو غادیہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں دائیں ہاتھ کی صراحت ہے۔

صحیح بخاری پر اعتراضات

تھنگوی نے مذکورہ اعتراضات کے بعد درمیان میں خلط بحث کرتے ہوئے صحیح

بخاری کو موضوع بحث بنا لیا ہے۔ پہلے غلط بیانی کرتے ہوئے یہ اعتراض نقل کرتے ہیں کہ دو ہاتھ سے مصافحہ کرنے کی حدیث بخاری سے ثابت کرو، پھر اس اعتراض کی آڑ میں اپنے دل کی بھڑاس طرح نکالتے ہیں کہ بخاری میں یہ یہ مسئلہ موجود نہیں، حالانکہ صحیح بخاری کے بارے میں یہ کسی کا بھی موقف نہیں ہے کہ امام بخاری نے اپنی صحیح میں تمام صحیح احادیث کو جمع کر دیا ہے۔ جو حدیث بخاری میں نہیں وہ حدیث ہی نہیں جیسا کہ موصوف کے الفاظ سے معلوم ہو جاتا ہے۔ یہ شوشہ سب سے پہلے مرزا غلام احمد قادیانی نے چھوڑا تھا۔ دیکھئے (ازالہ ادہام ص 44 اور وحانی خزائن ص 173 ج 3)

تھنگوی ٹولہ نے مرزا کی اندھی تقلید کرتے ہوئے اسے پلے باندھ لیا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اہل علم کا بخاری کے بارے میں کیا موقف ہے: مولانا سرفراز خاں صفدر فرماتے ہیں کہ: اصول حدیث کی رو سے بخاری شریف اور مسلم شریف کو صحیحین سے تعبیر کیا جاتا ہے یعنی جتنی حدیثیں ان میں ہیں وہ صحیح ہیں یہ مطلب نہیں کہ ان کے علاوہ اور کوئی حدیث یا حدیث کی کتاب صحیح نہیں، بلکہ مطلب یہ ہے کہ ان میں موجود احادیث بالکلیہ صحیح ہیں۔

(احسان الباری ص 34)

حافظ ابن الصلاح فرماتے ہیں کہ:

((لم يستوعب الصحيح في صحيحهما ولا التزما ذلك فقد روينا عن البخاري انه قال ما أدخلت في كتاب الجامع الا ماسع وتركت من الصحاح لملال الطول))

یعنی امام بخاری اور مسلم نے اپنی کتب میں تمام احادیث صحیحہ کو منحصر کرنے کا التزام نہیں کیا۔ امام بخاری نے خود کہا ہے کہ میں نے اپنی کتاب میں صرف احادیث صحیحہ کو درج کیا ہے اور طوالت کی وجہ سے میں نے اکثر صحیح احادیث کو ترک کر دیا ہے۔

(مقدمہ ابن الصلاح مع شرح التہذیب والایضاح ص 30)

اس حقیقت کے برعکس تھنکوی یہ دعویٰ کرتا ہے کہ بخاری میں فلاں حدیث نہیں اور بخاری میں فلاں مسئلہ بیان نہیں ہوا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ تھنکوی یا تو بغض اور تعصب کی وجہ سے یہ دعویٰ کر رہا ہے یا پھر جاہل مطلق ہے۔ اول الذکرات زیادہ قرین قیاس ہے کیونکہ موجودہ حنفیہ کو بخاری سے جس قدر الرجی ہے وہ محتاج بیان نہیں۔

بہر حال آئیے ان مسائل کی حقیقت ملاحظہ کریں جن کی تھنکوی صاحب نے نشان دہی کی ہے کہ یہ بخاری میں نہیں ہیں۔

سینہ پر ہاتھ باندھنا

فرماتے ہیں کہ سینہ پر ہاتھ باندھنا۔ (تحفہ اہل حدیث ص 4)

الجواب: اولاً:- کیا قرآن میں سینہ تو کجا کسی بھی جگہ ہاتھ باندھنے کی صراحت ہے اگر ہے تو اس آیت کا حوالہ دیں اگر نہیں یقیناً نہیں، تو جو جواب آپ قرآن کے بارہ میں دیں گے وہی جواب بخاری میں عدم ذکر کا تصور کر لیں۔

ثانیاً:- صحیح حدیث میں نماز میں سینہ پر ہاتھ باندھنے کا ذکر ہے۔ حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

((صليت مع النبي صلى الله عليه وسلم فوضع يده اليمنى على يده اليسرى على صدره))

یعنی میں نے رسول اللہ ﷺ کی اقتدا میں نماز ادا کی تو آپ علیہ السلام نے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھ کر سینہ پر باندھے تھے۔ (صحیح ابن خزیمہ ص 243 ج 1 رقم الحدیث 479)

حضرت حلب طائی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یضع هذه على صدره، یعنی رسول اللہ ﷺ نماز میں سینہ پر ہاتھ باندھتے تھے۔

(مسند احمد 226/5)

پاؤں کو کشادہ کرنا

اولاً:- اس کی تفصیل اپنے مقام پر آگے آرہی ہے کہ بخاری کی احادیث سے پاؤں کو کشادہ کرنا ثابت ہے۔

ثانیاً:- حنفیہ کے نزدیک نمازی قیام کے دوران اپنے پاؤں کے درمیان چار انگشت کا فاصلہ رکھے۔ نماز مسنون ص ۳۱۰ اور فقہ کی کتاب 'فتاویٰ بزازیہ' میں اس کو مستحب لکھا ہے۔ (بحوالہ السعایہ ص 111 ج 2)

کیا آپ اس کی کوئی دلیل قرآن و سنت سے دے سکتے ہیں؟ قطعاً نہیں۔ یہ سب سینہ گزٹ اور عجم کی ایجاد ہیں۔ دین عربی سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

نماز میں قیام کی کیفیت

تھنکووی صاحب نے ایک شگوفہ یہ بھی چھوڑا ہے کہ اہل حدیث نماز میں اڑ کر کھڑے ہوتے ہیں اور اس کا ذکر بخاری میں نہیں۔ اس کا تفصیل سے جواب آگے اہل حدیث سے مبتدعین دیوبند کا اختلاف کے زیر عنوان آرہا ہے یہاں تھنکووی ٹولہ کے جواب میں ہم صرف لعنۃ اللہ علی الکاذبین ہی کافی سمجھتے ہیں۔

اذان کے کلمات

تھنکووی نے یہ بھی دعویٰ کیا ہے کہ بخاری میں اہل حدیث کی اذان نہیں ہے۔

(تحفہ اہل حدیث ص ۴)

الجواب: اولاً:- اذان سے آپ کی کیا مراد ہے، اگر ترجیع کے بغیر اذان کا دعویٰ ہے تو یہ بخاری کتاب الاذان کے ابتدا میں ہی ہے، اگر ترجیع کے بغیر اذان کی نفی ہے تو ترجیع والی اذان خود رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کو سکھائی ہے۔ (مسلم ص 165 ج 1)

ثانیاً: کیا قرآن میں کلمات اذان کی وضاحت ہے؟ اگر ہے تو تھنکووی ان آیات کی نشان دہی کرے، اگر نہیں یقیناً نہیں۔ فماکان جوابکم فھو جوابنا

ثالثاً:- بخاری تو کجا پوری صحاح ستہ سے آپ حنفی اذان ثابت کر سکتے ہیں؟ جس میں دوہری تکبیر اور اکہری اذان اور اسی میں ”الصلوٰۃ خیر من النوم“ کے الفاظ بھی ہوں۔ چلو ہم آپ کو مزید رعایت دیتے ہیں اور پورے ذخیرہ احادیث سے صرف ایک حدیث دکھادیں جو اصول حدیث کی رو سے کم از کم حسن درجہ کی ہو اور جسے مسلمہ محدثین نے حسن قرار دیا ہو۔

قارئین کرام! سورج مغرب سے طلوع ہو کر مشرق میں غروب تو ہو سکتا ہے مگر جھنگوی ٹولہ اپنے عمل پر ایسی کوئی حدیث ثابت نہیں کر سکتا۔

رکعات نماز

جھنگوی نے یہ دعویٰ بھی کیا ہے کہ بخاری میں ہر نماز کی رکعات فرض و سنن کا بیان نہیں ہے۔ (ص 4)

الجواب:- اولاً:- جھنگوی ٹولہ قرآن سے ثابت کر سکتا ہے کہ پانچ نمازیں ہیں اور فلاں اذان کا فلاں وقت ہے اور اس نماز کی اس قدر رکعات ہیں اور ان رکعات میں اس قدر فرض اور باقی سنن ہیں؟ اگر نہیں یقیناً نہیں۔ فاما کان جو اکلم فھو جو ابنا

ثانیاً:- بخاری ص 77 ج 1 باب تاخیر الظھر الی العصر و مسلم ص 246 ج 1) میں ابن عباس رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث میں ظہر، عصر، مغرب، عشاء کی نماز کے فرائض کی تعداد، رکعت کا ذکر ہے اور صبح کی نماز کا بیان بخاری کتاب الاذان باب القراۃ فی الفجر (الحدیث 771) میں دو عدد رکعات فرض کا بیان ہے۔

اگر آپ کا تقلیدی دماغ ان احادیث کو سمجھنے سے قاصر ہو تو بخاری مترجم لے کر مطالعہ کرنا، اگر پھر بھی آپ کے دماغ کو یہ سادہ سی حدیث سمجھ نہ آئے تو کثرت سے لاجول کا وظیفہ کرنا، تصنیف کی بجائے پرائمری اسکول میں داخلہ لے کر اردو کی تعلیم حاصل کرنا اور اپنے مولیٰ حقیقی سے خشوع و خضوع اور رقت بھری آہوں سے زیادتی علم اور صراط مستقیم پر چلنے کی دعا کرنا۔ انشاء اللہ اس مجرب نسخہ سے شفا ہوگی۔

مالعاً: سنت فجر دو رکعت۔ (بخاری ص 154 ج 1 و مسلم ص 251 ج 1)

سنت ظہر چھ رکعت۔ (مسلم ص 252 ج 1)

سنت مغرب دو رکعت۔ (مسلم ص 252 ج 1)

سنت عشاء دو رکعت (بخاری ص 157 ج 1 و مسلم ص 252 ج 1)

نماز کے فرائض و واجبات اور مکروہات

تھنکوئی نے یہ دعویٰ بھی کیا ہے کہ مذکورہ چیزوں کا بیان بخاری میں نہیں۔

الجواب:- اولاً:- کیا تھنکوئی ٹولہ یہ ثابت کر سکتا ہے کہ قرآن میں نماز کا طریقہ مفصل اور بالترتیب بیان ہوا ہے اور قرآن نے کہا ہے کہ نماز میں یہ یہ رکن فرض اور یہ یہ واجب اور یہ یہ سنت اور یہ یہ مستحب اور ان افعال کا نماز میں کرنا مکروہ ہے۔ اگر ہے تو اس آیت کی نشان دہی کی جائے۔

ثانیاً:- جس طرح رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھی ہے اسی طرح نماز کو ادا کرنا لازمی و ضروری ہے اور سنت سے جس طرح نماز کا پڑھنا ثابت ہے اس کے خلاف کرنے سے نماز ہوتی ہی نہیں۔ جسکی دلیل یہ حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (صلو کما رایتہمونی اصلی)۔ (بخاری رقم الحدیث 631)

یعنی نماز اس طرح پڑھو جس طرح مجھے پڑھتے دیکھتے ہو۔

مالعاً:- فقہائے احناف کا نماز کے ارکان میں سے بعض کو فرض، بعض کو واجب، بعض کو سنت، بعض کو مستحب قرار دینا بدترین بدعت ہے۔

اگر تھنکوئی میں ہمت ہے تو قرآن و سنت اور اقوال صحابہ سے یہ ثابت کرے کہ نماز میں بعض ارکان، فرض، بعض واجب، بعض سنت اور بعض مستحب ہیں۔ ورنہ تسلیم کرے کہ ہمارا مذہب کتاب و سنت سے زائد ہے۔

قارئین کرام تھنکوئی ٹولہ کیا پوری دنیا کے منکرین سنت مل کر سر توڑ کوشش

کرنے کے باوجود ان کا ثبوت نہیں دے سکتے۔ اللہ اکبر! بدعات یہ ایجاد کریں اور ان کا ثبوت ہم سے طلب کریں۔

اور اگر ثبوت موجود نہ ہوں تو الٹا ہمیں ہی مطعون کریں۔ اسے کہتے ہیں الٹا چور کو تو الٹا کو ڈانٹے۔

نماز جنازہ

تھنکوی نے یہ دعویٰ بھی کیا ہے کہ آپ حضرات جو جنازہ پڑھتے ہیں اس کی تفصیل بخاری میں نہیں۔ (ص 4)

اولاً:- کیا تھنکوی ٹولہ قرآن سے نماز جنازہ کا طریقہ ثابت کر سکتا ہے؟
ثانیاً:- تفصیل سے آپ کی کیا مراد ہے؟ اگر یہ ہے کہ بخاری میں جنازہ کے مسائل نہیں تو یہ اتنا بڑا جھوٹ ہے جو صرف تھنکوی ہی بول سکتا ہے۔ کیونکہ امام بخاری نے کتاب الجنائز کے تحت (98) ابواب کو مختلف عنوان باندھ کر تقریباً ڈیڑھ صد کے قریب مرفوع احادیث درج کی ہیں، اگر تفصیل سے آپ کی یہ مراد ہے کہ جنازہ کے بعض مسائل بخاری میں نہیں تو ہم نے کب دعویٰ کیا ہے کہ امام بخاری نے تمام احادیث صحیحہ کو جمع کر دیا ہے۔ علاوہ ازیں کیا آپ اپنی فقہ حنفی سے امام ابو حنیفہ سے جنازہ کے تمام مسائل ثابت کر سکتے ہیں؟ مزید رعایت دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ صرف ایک ہی مسئلہ ثابت کر دو کہ نماز جنازہ پڑھتے وقت نگاہ کو کہاں رکھا جائے؟

قارئین کرام! امام ابو حنیفہ سے تو کجا پورے فقہاء احناف کے اقوال سے اس مسئلہ کو ثابت نہیں کیا جاسکتا۔

نماز عید کا طریقہ

عید پڑھنے کا طریقہ بخاری میں نہیں ہے۔ (ص 4)

الجواب:- اولاً:- کیا آپ قرآن سے عید پڑھنے کا طریقہ ثابت کر سکتے ہیں؟
ثانیاً:- صحیح بخاری میں کتاب العیدین کے تحت حضرت امام بخاری نے تقریباً نصف صد

احادیث کو 26 مختلف عنوان کے تحت درج کر کے نماز عید کا طریقہ بیان کیا ہے۔
 ثالثاً:- اگر آپ کا یہ مقصود ہے کہ نماز عید کے بعض مسائل بخاری میں نہیں تو کیا آپ امام ابو حنیفہ سے نماز عید کے تمام مسائل ثابت کر سکتے ہیں؟ اگر ثابت کر سکتے ہیں تو امام کا قول پیش کیجیے کہ ایک شخص حرم میں سے نماز عید پڑھ کر کسی ایسے ملک میں چلا جاتا ہے جہاں لوگوں نے روزہ رکھا ہوا ہے تو وہ شخص اگلے روز لوگوں کے ساتھ نماز عید پڑھے یا نہ پڑھے؟ جواب کسی معتبر حوالہ سے مدلل ہونا چاہئے۔

بیٹھ کر پیشاب کرنا

بیٹھ کر پیشاب کرنا بخاری میں نہیں۔ (ص 4)

الجواب:- اولاً:- کیا آپ قرآن سے پیشاب بیٹھ کر آنے کا حکم ثابت کر سکتے ہیں؟
 ثانیاً:- مسند ابی حنیفہ میں کھڑے ہو کر پیشاب کرنا کی روایت ہے۔ (مسند امام اعظم ص 46 مترجم طبع حامد اینڈ کمپنی لاہور) مگر بیٹھ کر کرنے کی نہیں۔ فناکان جو ابکم فھو جو ابنا

ثالثاً:- آپ نے بخاری پڑھی بھی ہے یا صرف اوپر اوپر سے دیکھی ہی ہے۔ بخاری کتاب الوضوء باب من تبرز علی البعین، اور باب التبرز فی البیوت، میں بیٹھ کر قضاء حاجت کرنے کا واضح اور کھلا ثبوت موجود ہے۔ مگر اس کو سمجھنے کے لئے مقلد اعمیٰ نہ ہونا شرط ہے۔ جھنگوی نے سات آٹھ سال تو فقہاء احناف کے اقوال کو پڑھا ہے جس سے انہیں ابواب الحلیہ تو ازبر ہو گئے مگر حدیث کو صرف ایک ہی سال پڑھا تھا تو آپ کو سمجھ خاک آنی تھی۔ ایک شاگرد جلدی جلدی حدیث پڑھتا ہو گا اور استاذ اور باقی طلبہ خاموش سنتے رہے۔ جہاں احادیث صحیحہ وارد اور اہل الرائے کا دفاع کرنا مقصود ہوتا ہو گا وہاں آپ کے شیخ الحدیث کہتے ہوئے کہتے تھے ہر وہ کہہ کر وہ پوری زندگی کی محنت شاقہ سے تیار کردہ احادیث کا رجسٹر نکالتے ہوئے کہتے ہوئے کہتے۔ لکھو! یہ شافعیہ کی دلیل ہے، یہ مالکیہ کی دلیل ہے، یہ حنابلہ کی ہے، جب کہ ہمارے مذہب کے خلاف ہونے کی وجہ سے منسوخ یا مؤول ہے! اس پر دلیل یہ ہے کہ اصول کرنی ص 11 میں لکھا ہے کہ جو آیات قرآن اور فرمان نبوی علیہ التحیۃ والسلام ہمارے مذہب

کے خلاف ہیں وہ یا منسوخ ہیں یا مؤول۔

یوں آپ نے دورہ حدیث کا پورا سال حدیث فہمی کی بجائے سنت سے مذاق کرنا اور احادیث صحیحہ کو جنہلی شافعی اور مالکی گروہوں میں تقسیم کرنے کا گر سیکھا ہے اور اسی تربیت سیہ کا اثر ہے ورنہ بخاری میں بیٹھ کر قضاء حاجت کرنے کا بیان ہے۔

جہادی تنظیم کے جھنڈے پر علامات

تھنکووی صاحب فرماتے ہیں کہ آپ نے اپنے جھنڈے پر تلوار بنائی ہے اور اس پر کلمہ لکھا ہے، یہ دونوں چیزیں بخاری تو مجاہد نیا کی کسی کتاب سے ثابت نہیں ہیں کہ حضور علیہ السلام کے جھنڈے پر تلوار بھی ہو اور کلمہ بھی۔ بلکہ یہ بدعت ہے۔ اگر دوسرے لوگ نماز کے بعد کلمہ بلند آواز سے پڑھیں تو بدعتی ہیں اور آپ ایک نیا جھنڈا ایجاد کر لیں تو بدعتی نہ ہوں، یہ کہاں کا انصاف ہے۔ (تحفہ اہل حدیث ص 4)

الجواب:- اولاً:- حرکت الانصار نے جو جھنڈا بنا رکھا ہے وہ کس حدیث کی کتاب میں درج ہے، پھر اس جہادی تنظیم کے قاعدین ٹوپی کے اوپر پگڑی باندھتے ہیں یہ حدیث کی کس کتاب میں ہے؟ آپ قمیض کے اوپر جو واسکٹ پہنتے ہیں یہ حدیث کی کس کتاب میں مروی ہے؟

ثانیاً:- بھائی بدعت کی تعریف اور اس کے حکم میں دونوں فریق متفق ہیں۔ وہ یہ کہ کوئی ایسا کام دین میں ایجاد کیا جائے جس کا ثبوت شریعت میں نہ ہو تفصیل کے لئے ”دین الحق“۔ حصہ دوم دیکھئے۔

جبکہ جھنڈا شناختی امور سے تعلق رکھتا ہے۔ کہ یہ فلاں جماعت کی علامت اور شناخت ہے جس کا تعلق عبادت کے امور سے نہیں جیسے تنظیم میں امیر، نائب امیر، ناظم، نائب ناظم، ضلعی امیر وغیرہ عہدے ہیں یہ دین کے احکام و عبادت سے تعلق نہیں رکھتے، صرف تنظیمی امور ہیں، جب کہ نماز کے بعد کلمہ کا ورد عبادت میں اضافہ و لاحقہ ہے اور

عبادات ممنوع الاصل ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے دور مبارک میں جھنڈا ایک قسم کا نہیں تھا بلکہ مختلف قسم کے تھے۔

دو ہاتھوں سے مصافحہ کرنے کی دلیل

جھنگوی صاحب فرماتے ہیں کہ بخاری شریف ص 926 ج 2 پر امام بخاری باب باندھتے ہیں۔ باب المصافحہ اس کے نیچے ہاتھ سے مصافحہ والی حدیث لاتے ہیں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ حضور علیہ السلام کے دونوں ہاتھوں کے درمیان میرا ہاتھ تھا۔ کفی بین کفیہ۔

محمدی: بھائی آپ کی پیش کردہ حدیث میں ملاقات کے مصافحہ کا ذکر نہیں بلکہ اس میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابن مسعود کے ہاتھ کو تشہد سکھاتے ہوئے اپنے دونوں ہاتھوں کے درمیان لیا تھا۔

مولانا عبدالحی لکھنوی حنفی مرحوم فرماتے ہیں کہ: اور صحیح بخاری میں جو یہ حدیث عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ”علمنی رسول اللہ ﷺ و کفی بین کفیہ التشہد..... مجھے رسول اللہ ﷺ نے تشہد سکھایا حالانکہ میرا ہاتھ ان کے دونوں ہاتھوں کے بیچ میں تھا۔

اس سے وہ مصافحہ جو ملاقات کے وقت کیا جاتا ہے مراد نہیں ہے بلکہ یہ ہاتھ میں ہاتھ لے لینا ویسا ہے جیسا کہ بزرگ چھوٹوں کو کوئی چیز تعلیم دینے کے وقت ہاتھ میں ہاتھ لے لیتے ہیں۔

(مجموعۃ الفتاوی ص 119 ج 1)

اور اگر آپ اس کو ملاقات کے مصافحہ پر ہی محمول کرتے ہیں تو ظاہر ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک ہی ہاتھ سے مصافحہ کیا تھا۔ جیسا کہ کفی سے ثابت ہوتا ہے۔ حنفی: امام بخاری اس حدیث کو باب المصافحہ میں لائے ہیں اور کفی جنس ہے جو قلیل و کثیر پر بولا

جاتا ہے اور مراد اس سے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے دونوں ہاتھ ہیں۔

محمدی: امام بخاری کے باب المصافحہ سے لغوی مصافحہ مراد ہے کیونکہ آئمہ لغت نے صراحت کی ہے کہ مصافحہ کے معنی بطن کف کو بطن کف سے ملانا۔ (دیکھیے 'منج العروس ص 181 ج 2 ولسان العرب ص 514 ج 2)

خود حضرت امام بخاری نے مذکورہ باب کے بعد باب الاخذ بالیدین کے عنوان سے اسے بیان کیا ہے اور آپ کے علامہ سہارنپوری اس کے حاشیہ میں فرماتے ہیں:

((ولما كان الاخذ باليد يجوز ان يقع من غير مصافحة افرده بهذا الباب كذا في الفتح والقسطلاني (حاشی بخاری ص 926 ج 2)

یعنی فتح اور قسطلانی میں ہے کہ جب ہاتھ پکڑنا (مقصود) تھا تو ممکن ہے کہ یہ مصافحہ (ملاقات کے وقت جو کیا جاتا ہے) وہ نہ ہو اور اسی وجہ سے امام بخاری نے یہ باب باندھا ہے۔

باقی رہا آپ کا اسے جس ٹھہرا کر اپنا مقصد حاصل کرنا تو اس کے بارے میں پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ یہ غیر مسلم ہے، مزید عرض ہے کہ لفظ کف مفرد کا صیغہ ہے اس سے متشبیہ مراد نہیں لیا جاسکتا۔ علاوہ ازیں اگر بالفرض اس بات کو تسلیم بھی کر لیا جائے کہ کلمی سے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے دونوں ہاتھ مراد ہیں تو کلمی بین کفہ کا معنی یہ بنے گا کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے دونوں ہاتھ رسول اللہ ﷺ کی دونوں ہتھیلیوں کے درمیان تھے۔ تو اس طرح تو مصافحہ کی صورت بنتی نہیں کیونکہ ابن مسعود کی ہتھیلی تو رسول اللہ کی ہتھیلی کے ساتھ منبج نہیں کیا۔ اس طرح مصافحہ کرنے کے تو آپ حضرات بھی قائل نہیں ہیں۔ حنفی: پیارے! آپ ذرا میری طرف ہاتھ بڑھائیں۔ دونوں ہاتھ آگے کریں دیکھو مصافحہ ہو رہا ہے، آپ کے دونوں ہاتھ ہیں لیکن میرے دو ہاتھوں کے درمیان جو ہاتھ آ رہا ہے وہ صرف ایک ہی ہاتھ ہے دوسرا تو باہر ہے اسی طرح میرا بھی ایک ہی ہاتھ آپ کے دو ہاتھوں کے درمیان ہے، اس سے یہ کیسے لازم آیا ہے کہ صحابی نے ایک ہاتھ دیا تھا۔

صحابہ کرام تو آپ ﷺ کے اشارہ ابرو پر مرنے پر تیار ہو جاتے تھے ان سے یہ

توقع کرنا کہ حضور علیہ السلام دو ہاتھ دیں اور صحابی ایک ہاتھ بڑھائے ناممکنات میں سے ہے۔ بفرض محال ایک منٹ کے لیے تسلیم کر لیتے ہیں کہ صحابی نے ایک ہاتھ دیا تھا تو پھر بھی ہمارے لیے اسوہ رسول ﷺ مقدم ہے بہت سارے مقامات پر جب اہل سنت اقوال صحابہ پیش کرتے ہیں تو تم نوراً یہ کہہ کر ٹھکرا دیتے ہو کہ صحابی کی بات حجت نہیں ہم نہیں مانتے۔ تراویح طلاق وغیرہ مسائل میں۔

محمدی: اس استدلال میں آپ نے کفی کو جنس قرار دے کر مذکورہ کیفیت مصافحہ کی بیان کی ہے مگر آپ نے اس میں ایک غلطی تو یہ کی ہے کہ مفرد کو تشنیہ بنایا ہے اور دوسری بین کفیہ کی صفت کو ترک کر دیا کیونکہ آپ اس سے مفرد مراد لیں یا تشنیہ دونوں صورتوں میں الفاظ حدیث کے موافق بین کفیہ (دونوں ہتھیلیوں کے درمیان) ہونا ضروری ہے مگر آپ الٹی گنگا بہاتے ہیں اور مفرد سے تشنیہ تو بنایا ہی تھا بین کفیہ کو نظر انداز کر دیا۔ پھر اس استدلال میں آپ نے قرآن کی کوئی آیت یا حدیث سے کوئی تائید، آئمہ نخت کا کوئی قول پیش نہیں کیا۔ محض آپ نے جذباتی انداز میں یہ کہہ کر جان چھڑائی ہے کہ ہو ہی نہیں سکتا کہ آنحضرت ﷺ تو دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کریں اور صحابی ایک ہاتھ سے مصافحہ کرے۔

عزیز بھائی یہ مسلم ہے کہ صحابہ کرام رسول اللہ ﷺ کا از حد ادب و احترام کرتے تھے، مگر کسی ادب و احترام کا ان سے ثابت ہونا بھی تو بیان کیا جائے اور یہ بھی شریعت کے واضح دلائل سے ثابت کیا جائے کہ ایک ہاتھ سے مصافحہ ادب و احترام کے منافی ہے۔ یہ آپ کا سارا ہوائی قلعہ ہے، جس کا حقیقت سے ذور کا بھی واسطہ نہیں اور دلائل کے بالمقابل اس کی حیثیت پر کاہ کی بھی نہیں۔ یہ بھی خوب فرمایا کہ اگر تسلیم کر لیا جائے کہ صحابی نے ایک ہاتھ سے مصافحہ کیا تھا تو تب بھی اسوہ رسول اللہ ﷺ ہمارے لئے مقدم ہے یہ محض آپ کا ڈھکوسلہ ہے۔ کیونکہ اصول کی کتابوں میں واضح لکھا ہے کہ جس فعل پر رسول اللہ ﷺ خاموشی اختیار کریں وہ حکماً ممنوع ہوتا ہے۔ مگر یہاں صحابی کا فعل خاص رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہے اسے محض ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا فعل قرار دے کر رد کرنا

آپ جیسے مقلدین کا ہی کام ہے، پھر آپ نے اس میں کفئی کو مفرد تسلیم کر لیا ہے جس سے آپ کے تمام دعوے باطل ہو کر زمین بوس ہو گئے ہیں، باقی رہا یہ امر کہ رسول اللہ ﷺ نے تو دونوں ہاتھوں سے ہی مصافحہ کیا تھا، تو اس کے متعلق عرض کیا جا چکا ہے کہ یہ مصافحہ ملاقات کے وقت پر نہ تھا۔

حنفی: بھائی جان! فاتحہ خلف الامام کے مسئلہ میں امام بخاری نے جو باب (بخاری ص 104 ج 1) پر باندھا ہے جب مسئلہ فاتحہ کا آتا ہے تو اس وقت باب مانے جاتے ہیں یہاں باب کا انکار کیوں ہو گیا ہے؟ یہ تو منون ببعض الكتاب وتكفرون ببعض“ کا رویہ آخر کس کا تھا؟ دوسرا مسئلہ رفع یدین کے ترک میں جب اہل سنت والجماعت، مست گھوڑوں والی روایت پیش کرتے ہیں اس وقت ہر غیر مقلد وہابی چننا ہے کہ (مسلم ص 181 ج 1) پر باب دیکھو وہاں باب نہ بخاری کا ہے نہ مسلم کا بلکہ امام نووی نے باندھا ہے وہ بھی باب الامر بالسكون في الصلوة نماز میں سکون اختیار کرنے کا باب۔ بھائی صاحب اس وقت آپ کو بڑے باب یاد آتے ہیں اور جب اپنے خلاف پڑا امام بخاری کا باب تو فوراً کہہ دیا ہم باب نہیں مانتے۔ (تحفہ اہل حدیث ص 6)

محمدی: مسئلہ کی بات تو ہوتی ہی رہے گی، خیر خواہی کی نیت سے آپ کو نصیحت کرتا ہوں کہ آپ نے قرآن کی آیت کو غلط لکھا ہے درست الفاظ افتؤ منون کے ہیں ہمارے خلاف باتیں بنانے میں ہی مصروف نہ رہا کریں قرآن کی بھی تلاوت کیا کریں اللہ توفیق دے۔

تھنکوئی صاحب یہ بتائیں کہ مذکورہ آیت میں الکتاب سے مراد کتاب اللہ ہے یا بخاری؟ اگر بخاری ہے تو فاتحہ خلف الامام کے باب کو تو آپ تسلیم نہیں کرتے (حالانکہ وہاں امام بخاری نے واضح مرفوع احادیث پیش کی ہیں اور یہاں باب کو ماننا تو کجا منوا بھی رہے ہو۔ آخر آپ میں یہ دورنگی کیوں ہے؟ باقی رہا ہمارا معاملہ تو یہاں ہم مصافحہ کے باب کو مانتے ہیں مگر اسے لغوی معنی پر محمول کرتے ہیں جیسا کہ علامہ سہارنپوری کی عبارت پہلے نقل کی جا چکی ہے ویسے آپ کی اطلاع کے لئے عرض ہے کہ مذکورہ ارشاد ربانی کسی امام کے احوال کو ماننے کے

بارے میں نہیں بلکہ کتاب اللہ کے لیے ہیں۔ لہذا آپ کی یہ تفسیر بالرائے ہے، دوسرے لفظوں میں قرآن کریم پر آپ نے افتراء باندھا ہے آخر آپ کو اس قدر جھوٹ بولنے کی عادت کیوں ہے؟

اس بات کی خبر ہمیں پہلے سے ہے کہ مسلم پر ابواب علامہ نووی نے باندھے ہیں، مگر آپ کے رئیس المناظرین تو کہتے ہیں مسلم پر ابواب امام مسلم نے منعقد کیے تھے۔ مدار الحق ص 38، اسے آپ جہالت سے تعبیر کریں یا علم سے، یہ ہم آپ کی مرضی پر چھوڑتے ہیں۔

یہ بات درست ہے کہ ہم آپ کے استدلال کی خامی بیان کرتے ہوئے صحیح مسلم کی تیویب سے تائیدی طور پر استدلال کرتے ہیں، مگر یہ بات مسلم نہیں کہ ہمارا استدلال فقط علامہ نووی کے تراجم ابواب سے ہوتا ہے کیونکہ ہم اس پر مفصل حدیث نقل کر کے آپ کے ڈھکوسلے کو رد کرتے ہیں۔ چنانچہ (صحیح مسلم ص 181 ج 1) میں ہی مفصل حدیث ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھتے تو اختتام نماز پر السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہتے ہوئے ہاتھ سے بھی اشارہ کرتے تھے۔ یہ دیکھ کر آپ ﷺ نے فرمایا تمہیں کیا ہو گیا ہے تم اپنے ہاتھوں سے اس طرح اشارہ کرتے ہو جیسے شریر گھوڑوں کی دیشں ہوتی ہیں۔ تم میں سے جب کوئی نماز ختم کرے تو اپنے بھائی کی طرف منہ کر کے صرف زبان سے السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہے اور ہاتھ سے اشارہ نہ کرے۔ انتہی

اس مفصل حدیث نے آپ کی پیش کردہ مختصر حدیث کی تفسیر کر دی ہے کہ اس میں سلام کے وقت ہاتھوں کو اٹھانے سے منع کیا گیا ہے تاکہ رکوع کرتے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع الیدین کرنے کی ممانعت کے بارے میں یہ حدیث ہے۔ اس صحیح صریح حدیث کی وجہ سے ہی دیوبند کے شیخ الحدیث مولانا محمود حسن خاں دیوبندی فرماتے ہیں کہ باقی اذنب خیل کی روایت سے جواب دینا بروئے انصاف درست نہیں، کیونکہ وہ سلام کے

بارہ میں ہے کہ صحابہ فرماتے ہیں کہ ہم بوقت سلام نماز اشارہ بالید بھی کرتے تھے آپ ﷺ نے اس کو منع فرمادیا۔ (الورد الشذی ص 63)

مولانا محمد تقی عثمانی حنفی دیوبندی شیخ الحدیث مدرسہ دارالعلوم کراچی فرماتے ہیں کہ: لیکن انصاف کی بات یہ ہے کہ اس حدیث سے حنفیہ کا استدلال مشتبه اور کمزور ہے، حقیقت یہی ہے کہ حدیث ایک ہی ہے، اور رفع عند السلام سے متعلق ہے، کیونکہ ابن القبطیہ (راوی حدیث) کی روایت میں سلام کے وقت کی جو تصریح موجود ہے اس کی موجودگی میں ظاہر اور متبادر یہی ہے کہ حضرت جابر کی یہ حدیث رفع عند السلام ہی سے متعلق ہے اور دونوں حدیثوں کو الگ الگ قرار دینا جب کہ دونوں کا راوی بھی ایک ہے اور متن بھی قریب قریب ہے بعد سے خالی نہیں۔ حقیقت یہی ہے کہ حدیث ایک ہی ہے اور رفع عند السلام سے متعلق ہے۔ ابن القبطیہ کا طریق مفصل ہے اور دوسرا طریق مختصر اور مجمل۔ لہذا دوسرے طریق کو پہلے طریق پر ہی محمول کرنا چاہیے شاید یہی وجہ ہے کہ حضرت شاہ صاحب نور اللہ مرقدہ نے اس حدیث کو حنفیہ کے دلائل میں ذکر نہیں کیا۔ (درس ترمذی ص 36 تا 37 جلد دوم طبع کراچی 1992ء)

ان دونوں عبارات سے جس طرح ہمارے موقف کی تائید ہوتی ہے وہ کسی تشریح کی محتاج نہیں، صاف واضح ہے کہ حنفیہ کی پیش کردہ روایت مختصر ہے، مفصل حدیث میں نماز کے اختتام پر سلام پھیرتے ہوئے رفع الیدین کرنے کی ممانعت سے اس کا تعلق ہے اور رکوع کرتے اور رکوع سے سر اٹھاتے ہوئے رفع الیدین کرنے کی ممانعت سے اس کا کوئی تعلق نہیں اور اس سے حنفیہ کا استدلال انصاف کے منافی ہے۔ مگر افسوس کہ حضرت جھنکوی صاحب جھوٹ بولتے ہوئے ذرا بھر حیا نہیں کرتے کہ حنفیہ کے استدلال کو اہل حدیث علامہ نووی کے تراجم ابواب سے ہی چیخ چیخ کر رد کرتے ہیں پھر مزید تکلیف دہ بات یہ ہے کہ غلط بیانی کرتے ہوئے مفصل حدیث کو چھپا رہے ہیں اور اپنے اکابر کی تصریحات سے چشم پوشی کرتے ہوئے اہل حدیث پر طعن کر رہے ہیں، اس پر انہیں شرم ہے نہ حیا۔

حنفی: بھائی ایک ہاتھ 'ید' کا معنی کرنا آپ کے لیے نقصان دہ ہے کیونکہ حدیث شریف میں آتا ہے المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے مسلمان محفوظ رہیں۔ تو آپ کے نزدیک معنی یہ ہو گا کہ دائیں ہاتھ سے کسی مسلمان کو تنگ نہ کرے، بائیں سے اس کی جیب کاٹ لے، چھری مار کے کسی کو ہلاک کر دے یہ جائز ہو گا۔

محمدی: سبحان اللہ میرے بھائی ہم نے کب دعویٰ کیا ہے کہ ید کا لفظ ہر مقام پر ہی ایک ہاتھ کے لئے مستعمل ہے۔ یہ فریقین کو مسلم ہے کہ قرینہ سے معنی بدل جاتا ہے اسی لفظ ید کو ہی لے لیجئے، یہ سورہ بقرہ آیت 237 میں قوت قبضہ اور ملکیت کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ اور سورہ الجادلہ آیت 12 میں بمعنی پہلے اور سورہ لیلین آیت 9 میں بمعنی سامنے اور سورہ بقرہ آیت 66 میں بمعنی موجود کے استعمال ہوا ہے، تو کیا آپ ان تمام مقامات پر ید کا معنی دو ہاتھ کریں گے۔

سورہ مائدہ آیت 38 میں چور کا ہاتھ کاٹنے کا حکم ہے تو کیا آپ یہاں ید کا یہ معنی کریں گے کہ چور کے دونوں ہاتھ کاٹ دو، کچھ اللہ کا خوف کیجئے۔ آخر مر کر مٹی میں دفن ہونا ہے، وہاں ان دھڑے بند یوں نے کام نہیں آتا۔

جب یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ گئی کہ کسی مشترک لفظ کے معنی میں قرینہ کی ضرورت ہوتی ہے تو آپ ید مفرد کو تشنیہ کے معنی لینے کے لیے قرینہ کا ثبوت دیں ورنہ یہ اصلی اور وضعی معنی کے لئے قائم رہے گا۔ اور بلا قرینہ آپ کو مفرد سے تشنیہ کوئی بنانے نہیں دے گا۔ باقی آپ نے جو حدیث پیش کر کے اس کے معنی کے ساتھ مذاق کیا ہے وہ مردود ہے۔ کیونکہ حضرت انس رض اللہ عنہ کی روایت میں جو ابن حبان رقم الحدیث (510) اور مستدرک حاکم 1/111 و مسند احمد 3/154 میں صحیح سند سے مروی یہ الفاظ بھی ہیں:

((المومن من آمنه الناس)) یعنی مومن وہ ہے جس سے لوگ محفوظ ہوں۔

حاکم و ذہبی اور حافظ ابن حجر نے فتح الباری 1/46 میں اس کو صحیح کہا ہے، اور منزری نے '

جید، الترغیب 3/354 علاوہ انہیں یہ حدیث متعدد اور صحابہ کرام سے مروی ہے۔

ظاہر ہے کہ اگر کسی کی بائیں ہاتھ سے جیب کاٹ لی جائے یا چھری ماری جائے تو وہ امن میں نہ ہوگا۔ اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ آپ کی پیش کردہ حدیث میں لفظ ید بطور محاورہ بمعنی قوت استعمال ہوا ہے وہ خواہ سیاسی ہو یا اخلاقی یا کوئی اور بہر صورت تم سے دوسرا مسلمان محفوظ ہونا چاہیے یہ نہیں کہ تم زبان اور ہاتھ سے تو کچھ نہ کہو مگر اخبار میں خبر شائع کروادو کہ یہ بدکار ہے وغیرہ۔ یا پولیس سے رابطہ کر کے کسی پر جھوٹا چوری کا پرچہ درج کروا کر اس کی چمڑی اتروادینا وغیرہ۔ یہ تمام چیزیں اس حدیث کے زمرہ میں آتی ہیں۔ لیکن ان کی سمجھ کے لئے اندھا مقلد نہ ہونا شرط ہے۔

حنفی: بھائی انگریز کہتا ہے: گڈ مارنگ اور پھر ایک ہاتھ ملاتا ہے۔

محمدی: بھائی انگریز سے آپ کی کیا مراد ہے؟ کیونکہ انگریزوں میں تو مسلمان بھی ہیں اور اگر عیسائی مراد ہیں تب بھی آپ کی یہ بات غلط ہے، کیونکہ آپ کی بات کا مقصد تو یہ ہوا کہ عیسائی جو بھی عمل کریں ہم اس کی نفی کریں۔ اگر وہ اللہ کو تسلیم کرے یا نبوت کا قائل ہو یا یہ کہے کہ جھوٹ نہ بولو، کسی کا حق نہ کھا جاؤ، تو ہم ان تمام چیزوں کی نفی کریں ویسے آپ عالم ہیں کبھی کلام الہی کو پڑھا بھی ہے کہ نہیں اس میں تو واضح ارشاد ہے کہ

﴿قُلْ يَا هَلْ الْكُتُبُ تَعَالُوا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ﴾ (سورہ ال عمران آیت

(64)

یعنی اے نبی کہہ دو کہ اے اہل کتاب جو بات ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے اس کی طرف آؤ!

یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ اہل کتاب سے بعض چیزیں مسلمانوں کی مشترک ہیں۔ لہذا آپ پر لازم ہے کہ ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنے کو آپ خالص عیسائیوں کا طریقہ ثابت کریں اور قرآن یا حدیث سے ایک ہاتھ کی نفی ثابت کریں۔

فصل دوم

ننگے سر نماز

سنت کی تعریف: جھنگوی صاحب نے ننگے سر نماز ادا کرنے کی ممانعت پر دلیل دینے کی بجائے سب سے پہلے سنت کی تعریف پر گفتگو کی ہے، معلوم نہیں کہ زیر بحث مسئلہ سے سنت کی تعریف کا کیا تعلق ہے۔ بہر حال فرماتے ہیں کہ جو کام نبی پاک علیہ السلام نے ہمیشہ کیا ہو وہ سنت ہو ا کرتی ہے جو کام کر کے چھوڑ دیا ہو یا کبھی کیا ہو بعد میں نہ کیا ہو سنت نہیں۔ (تحفہ اہل حدیث ص 9)

الجواب:- اولاً:- بلاشبہ حنفیہ کا یہی موقف ہے کہ سنت وہی ہے جس پر ہمیشگی ثابت ہو۔ اور اس ہمیشگی میں بھی ان کا یہ موقف ہے کہ وہ فعل بطور عبادت ہو۔ چنانچہ مولانا ظفر احمد تھانوی فرماتے ہیں کہ ((لكن المواظبة لا تفيد السنية الا اذا كانت على سبيل العبادة وأما اذا كانت على سبيل العادة فتفيد الاستحباب والندب لا السنية كلبس الثوب والاكل باليمين ومواظبة النبي ﷺ على التيامن كانت من قبيل الثانی فلا تفيد السنية كذا فی شرح الوقایة))

یعنی ہمیشگی بھی کسی فعل کے سنت ہونے کی دلیل نہیں، جب تک اس فعل کو علی سبیل العبادت نہ کیا گیا ہو۔ اگر کوئی فعل بطور عادت ہمیشہ حضور علیہ السلام نے کیا ہو تو وہ مستحب و مندوب تو ہے لیکن سنت نہیں۔ جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے ہمیشہ لباس پہنا، ہمیشہ دائیں ہاتھ سے کھانا کھایا اور وضو کو ہمیشہ دائیں طرف سے شروع کیا تو یہ تمام کام مستحب تو ہیں لیکن سنت نہیں ہیں۔ (اعلاء السنن ص 118 ج 1 باب استحباب التيامن فی الوضوء)

یہ عبارت، شرح وقایہ ص 64 ج 1 میں موجود ہے۔

جس سے ثابت ہوا کہ جھنگوی ٹولہ کے نزدیک جو کام آنحضرت ﷺ نے ہمیشہ

کیا ہے وہ بھی سنت نہیں، بلکہ ان کے نزدیک کسی فعل کے مسنون ہونے کے لئے پہلے فقہاء کے دستخط ہونے ضروری ہیں، وہ جسے سنت قرار دیں وہ سنت اور وہ جس کو سنت سے خارج قرار دیں وہ خارج، انا للہ وانا الیہ راجعون، شہداء، اہل اہانت کے نزدیک تراویح اور اذان دونوں ہی سنت ہیں۔ حالانکہ تراویح کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ نہیں پڑھا جبکہ اذان تو زندگی بھر ایک بار بھی نہیں کہی، اس کے برعکس تہجد و پجاشت کی نماز کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ پڑھا ہے، حالانکہ اذان کے نزدیک سنت کیلئے سنت نہیں بلکہ فعل میں۔ دیکھیے تحفہ الاخیار ص ۲۲۲، ۲۲۳ نہ جرمہ رسائل السنوی ۳۶۲/۳۔

ثانیاً:- ہم پوچھتے ہیں کہ اس کی آپ کے پاس کیا دلیل ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا دائیں ہاتھ سے کھانا کھانا، دائیں طرف سے وضو کی ابتدا کرنا، بطور عادت تھا، بطور عبادت نہ تھا، یہ سب جھوٹے بہانے اور سنت کو قبول نہ کرنے کے ڈھنگ ہیں،

ثالثاً:- علمائے دیوبند کے نزدیک نماز کی سنتیں (24) چوبیس ہیں، نماز مسنون ص 310 اور علمائے بریلویہ کے نزدیک (26) چھبیس ہیں، نماز کی سب سے بڑی کتاب ص 475 لہذا تھنگوی کے نزدیک جو موقف درست ہے اس کے ہر ایک عدد پر ایک صحیح مرفوع متصل حدیث ثابت کرے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے انہیں ہمیشہ آخری نماز تک کیا ہے کبھی بھی ترک نہیں کیا اور ان افعال کو بطور عبادت کرتے تھے تاکہ بطور عادت، اگر تھنگوی ان چوبیس نماز کی سنتوں پر ایسی حدیث ثابت کر دے تو ہم مان جائیں گے کہ سنت وہی ہوتی ہے جیسا کہ تھنگوی نے اس کی تعریف کی ہے کہ جسے آنحضرت ﷺ ہمیشہ کرتے تھے، مگر قارئین کرام یاد رکھئے پوری دنیا کے مرجئی اکٹھے ہو کر سر توڑ کوشش کرنے کے باوجود اس کا ثبوت نہیں دے سکتے۔

رابعاً:- جو فعل جس حالت و کیفیت میں رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے خواہ وہ زندگی میں ایک بار کیا یا زیادہ بار، وہ فعل سنت خیر الانام ہے، بشرطیکہ وہ منسوخ نہ ہو، ہم حسب ذیل سنن کی نشان دہی کرتے ہیں جو آنحضرت ﷺ نے صرف ایک ہی بار کیا ہے مگر پوری امت مرحومہ کے نزدیک وہ افعال سنت ہیں۔

(۱) رسول اللہ ﷺ نے ہجرت ایک بار ہی کی ہے۔

(۲) رسول اللہ ﷺ نے اپنے ہاتھوں سے مسجد کی تعمیر صرف ایک بار کی ہے۔

(۳) رسول اللہ ﷺ نے تبلیغ کے لئے دور کا سفر صرف ایک بار طائف کا کیا ہے۔

- (۴) رسول اللہ ﷺ نے کعبہ کے اندر صرف ایک بار ہی نماز پڑھی ہے۔
- (۵) رسول اللہ ﷺ نے صرف ایک بار ہی تبلیغ کے لئے وفد بھیجا ہے، جس کے نتیجے میں بڑے معونہ کا المناک سانحہ پیش آیا تھا۔
- (۶) رسول اللہ ﷺ نے صرف ایک بار ہی معراج کی رات انبیاء کو امامت کرائی ہے، تو کیا جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہوگا اور امام مہدی ان کی امامت کروائیں گے؟ (صحیح مسلم ص 87 ج 1) تو امام مہدی کا یہ فعل غیر مسنون ہوگا؟۔
- (۷) رسول اللہ ﷺ نے صرف ایک بار خندق کھودی تھی، تو کیا اب جہاد میں مورچے بنانا غیر مسنون ہے۔
- (۸) بقول مولانا عثمانی سورج گرہن کا واقعہ صرف ایک بار ہی پیش آیا اور نماز کسوف شمس بھی ایک بار ادا کی گئی، درس ترمذی ص 351 تا 352 ج 2۔
- (۹) رسول اللہ ﷺ اپنی والدہ کی قبر پر صرف ایک بار گئے ہیں، تو کیا اب والدین کی قبروں پر جانا غیر مشروع ہے۔
- (۱۰) رسول اللہ ﷺ نے حج صرف ایک بار ہی کیا ہے تو کیا حج کو اسی طریقہ سے ادا کرنا غیر مسنون ہے۔
- تک عشرۃ کاملۃ:-

ہم نے سرسری طور پر اس فہرست کو مرتب کیا ہے، اگر ہم ان مسائل پر تحقیق کریں اور ان کی بلاؤں اور مصیبتوں کو جمع کریں تو، تحفہ اہل حدیث سے دو گنا زیادہ کتابچہ تحریر کر سکتے ہیں، الغرض تھمگوی مذکورہ مسائل کے بارے صراحت کرے کہ آیا یہ مسنون ہیں یا حرام و ناجائز اور بدعت ہیں، پھر اس کے ساتھ ساتھ تھمگوی اس چیز کو بھی ثابت کرے اور اس پر قرآن یا حدیث مرفوع متصل پیش کرے کہ جو کام اللہ کے رسول ﷺ نے ایک بار کیا ہے اس کی پیروی غیر ضروری اور سمیل المؤمنین سے ہٹ کر ہے، اور یہ کہ اطاعت رسول ﷺ اور اسوہ حبیب کبریٰ علیہ السلام کی آیات میں تخصیص ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی

اجتاع و پیروی صرف ان افعال میں ہے جن کو آپ علیہ السلام نے دوام و التزام اور ترک کے بغیر کیا ہے۔

قارئین کرام یاد رکھیے پوری دنیا کے مرجیہ علامہ فہامہ اکٹھے ہو کر سر توڑ کوشش کرنے کے باوجود اس پر کوئی واضح اور صریح دلیل پیش نہیں کر سکتے۔

میرے عزیز بھائیو! اگر جھنگوی ٹولہ کی بات کو تسلیم کر لیا جائے تو نبوت سے ایمان اٹھ جائے گا۔ ہر خود غرض اور بدعتی اللہ کے رسول ﷺ کے اقوال و افعال کو یہ کہہ کر رد کر دے گا کہ یہ صرف ایک آدھ بار کا واقعہ ہے۔ لہذا سنت اور قابل عمل نہیں۔

جھنگوی کا اعتراض: پھر تو آپ کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کو سنت کہتے ہوں گے۔ کیونکہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ آپ نے کھڑے ہو کر پیشاب فرمایا تھا۔

بخاری ص 35, 36, 336 اور بخاری میں بیٹھ کر پیشاب کرنے کی حدیث ایک جگہ بھی نہیں آتی مزے کی بات یہ ہے کہ بیٹھ کر پیشاب کرنے کی حدیث مسلم شریف میں بھی نہیں اور کھڑے ہو کر کرنے کی حدیث ہے۔ مسلم ص 113 ج 1 حضور علیہ السلام نے بچی اٹھا کر نماز پڑھی ہے۔ (بخاری ص 74 ج 1 و مسلم ص 205 ج 1)

آپ علیہ السلام نے نماز کے دوران کنڈی کھولی ہے (ابوداؤد) ان سب کاموں کو آپ سنت سمجھتے ہیں ان سنن پر آپ نے کتنی مرتبہ عمل کیا ہے؟ دیکھو بھائی یہ کام آپ نے کیے بھی ہیں پھر بھی سنت نہیں ہیں، یہی ہم کہتے ہیں کہ آپ علیہ السلام کا ہر فعل سنت نہیں ہے مثلاً وضو میں کلی کی ہے اور وضو کے بعد بیوی کا بوسہ بھی لیا ہے اسے سنت نہیں کہتے، فعل دونوں اللہ کے نبی ﷺ کے ہیں ایک سنت، دوسرا نہیں۔ اسی طرح نماز میں ثناء پڑھنا سنت ہے لیکن بچی کو اٹھانا سنت نہیں ہے، جبکہ آپ نے دونوں کام کیے ہیں۔ اس بات کو آپ بھی مانتے ہیں اگر دونوں سنت ہیں جس طرح آپ پہلے کہہ رہے تھے تو جتنے اہل حدیث بغیر بچی اٹھانے مسجد میں آتے ہیں، سب تارکین سنت میں شامل ہیں اور جو بیوی کا بوسہ لے کر

نہیں آتے وہ بھی تارکین سنت میں سے ہوئے۔ (تحفہ اہل حدیث ص ۱۰)

محمدی: اولاً:- یا تو آپ کا حافظہ کمزور ہے یا جان بوجھ کر غلط بیانی کرتے ہیں۔ کیونکہ آپ نے پہلے تو سنت کی یہ تعریف بیان کی کہ سنت وہ ہے جس کو آپ نے ہمیشہ کیا ہو، ایک آدھ بار کیے ہوئے فعل کو سنت کا نام نہیں دے سکتے، مگر آپ کی پیش کردہ امثلہ میں سے دو پر تو رسول اللہ ﷺ کا زندگی بھر عمل رہا ایک تو بچی کو اٹھا کر نماز ادا کرنے کا کیونکہ اس میں کان کا لفظ ہے جو دوام کو چاہتا ہے دوسرا بیوی کا بوسہ لینا۔ کیا آپ کسی واضح اور صریح دلیل سے یہ بات ثابت کر سکتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے صرف ایک ہی بار بیوی کو بوسہ دیا تھا اگر نہیں یقیناً نہیں تو آپ کی بیان کی ہوئی تعریف کی رو سے بھی بیوی کا بوسہ لینا سنت ثابت ہوا۔ اگر آپ اس کی سنیت سے انکاری ہیں تو بتائیے اگر بیوی کا بوسہ لینا غیر مسنون ہے تو کیا رنڈی کا لینا کارِ ثواب ہے۔ کچھ عقل کے ناخن لو کیا کہہ رہے ہو! باقی آپ کا یہ کہنا کہ اہل حدیث آخر وضو کے بعد بیوی کا بوسہ کیوں نہیں لیتے؟ میں پوچھتا ہوں کہ وضو کے بعد بیوی کا بوسہ آنحضرت ﷺ نے دوام کے ساتھ بغیر ترک کے لیا ہے یا کبھی اتفاقاً ایسا ہوا ہے؟

دوام سے تو آپ کو انکار ہے ہاں البتہ اتفاقی آپ کہہ رہے ہیں تو پھر آپ کو اس پر اعتراض آخر کیا ہے؟ کیا آپ نے کبھی آج تک بیوی کا بوسہ وضو کی حالت میں نہیں لیا اگر آپ یہ کہیں کہ وضو سے فوراً بعد کبھی نہیں کیا تو راقم عرض کرتا ہے کہ حدیث میں کس لفظ کا یہ معنی ہے کہ وضو کے فوراً بعد آنحضرت ﷺ نے بیوی کو بوسہ دیا تھا۔

ثانیاً:- بخاری وغیرہ میں بیٹھ کر پیشاب کرنے کی حدیث کا ہم تفصیل سے جواب عرض کر چکے ہیں اور بفضلہ تعالیٰ ہم نے اس کا ثبوت بخاری سے ہی دے دیا ہے۔ باقی رہا یہ امر کہ کھڑے ہو کر پیشاب کرنا گو فعل نبوی ﷺ ہے مگر مسنون نہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ حنفیہ کے قول و اقوال کا جب اہل حدیث کی طرف سے بے سند ہونے کا دعویٰ کیا جاتا ہے تو انہیں بڑی تکلیف ہوتی ہے اور اس تکلیف کا انہوں نے سد باب یہ کیا ہے کہ سنت کو مذاق کر کے اپنے کلیجہ کو ٹھنڈا کر لیا جائے ان قبیح کاموں سے دل ماؤف کو تسکین دیتے ہیں۔

قارئین کرام! یہ ہمارے ساتھ مذاق نہیں بلکہ فعل رسول ﷺ کے ساتھ مذاق ہے اور انشاء اللہ اس کے بارے ان سے قیامت کے روز سوال ہوگا۔

عزیز بھائیو! اس حدیث کی شرح میں محدثین کرام اور فقہائے احناف نے متعدد توجیہات کی ہیں۔ آپ بھی سن لیجئے۔ مولانا محمد تقی عثمانی فرماتے ہیں: لیکن یہ تمام توجیہات ضعیف اور بعید ہیں۔ صرف دو توجیہات بہتر ہیں، ایک یہ کہ آپ کے گھٹنے میں اس وقت تکلیف تھی، جس کی وجہ سے بیٹھنا مشکل تھا اس کی تائید حاکم اور بیہقی کی ایک روایت سے ہوتی ہے..... یہ روایت اگرچہ سناضعیف ہے۔ دوسری توجیہ یہ ہے کہ آپ نے بیان جواز کے لئے قائم (کھڑے) پیشاب کیا ہو۔ (درس ترمذی ص 201 ج 1)

اس عبارت میں انہوں نے ان دو کو بہتر قرار دے کر دوسری توجیہات کو رد کر دیا ہے۔ پھر پہلی توجیہ کی روایت کو خود ضعیف قرار دے کر اسے معلول کہہ دیا ہے، باقی رہی دوسری تو اس کی کوئی دلیل ہی نہیں لہذا رقم الحروف علی وجہ البصیرت کہتا ہے کہ کھڑے ہو کر عذر کی وجہ سے پیشاب کرنا بلا کراہت جائز ہے۔ کیونکہ کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کی ممانعت پر کوئی صحیح حدیث موجود نہیں۔ اس حقیقت کا اعتراف مولانا عثمانی نے درس ترمذی میں کیا ہے۔ اگر تھکنکوی صاحب یہ عذر بدتر کریں کہ حدیث میں عذر کا لفظ دکھائیں تو ہم اس مقلد اعلیٰ کو کہتے ہی ہیں کہ اسی حدیث میں صراحت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کھڑے ہو کر پیشاب روڑی پر کیا۔ (بخاری رقم الحدیث (244 و 225) الغرض عذر کے لئے روڑی ہونا قوی قرینہ ہے کیونکہ روڑی پر گندگی ہوتی ہے۔

حالات:- بچی کو اٹھا کر نماز پڑھنے کے بارے عرض ہے کہ صاحب درالمختار نے اس کو مکروہ کہا تھا اس پر تعاقب کرتے ہوئے ابن عابدین فرماتے ہیں کہ ”یہ مکروہ کیسے ہو جب بچی کو اٹھا کر نماز پڑھنے کی حدیث بخاری و مسلم میں موجود ہے۔ اس کا جواب عجیب و غریب دیا گیا ہے کہ یہ حدیث منسوخ ہے اور یہ دعویٰ مردود ہے کیونکہ جس حدیث سے نسخ کا دعویٰ کیا جا رہا ہے وہ تو ہجرت سے پہلے کی ہے اور بچی اٹھا کر نماز ادا کرنے کی حدیث ہجرت کے بعد کی ہے اور

البدائع میں ہے کہ یہ مکروہ نہیں کیونکہ آنحضرت ﷺ اس سلسلہ میں محتاج تھے۔ امامت رضی اللہ عنہا کی حفاظت کرنے والا کوئی نہ تھا یا یہ فعل آنحضرت ﷺ نے بیان جواز کی تشریح کے لئے کیا تھا اور اسی طرح کا فعل ہمارے زمانے میں بھی مکروہ نہیں اگر کوئی ہم میں سے اس کا محتاج ہو، اور بغیر حاجت کے مکروہ ہے اور اس پر مفصل بحث ابن امیر الحاج نے حلیہ میں کی ہے پھر کہا ہے کہ یہ فعل نبوی بیان جواز کی تشریح کے لیے تھا اور یہی درست اور اعتدال پسندی (افراط و تفریط سے محفوظ) ہے جیسا کہ نووی نے کہا ہے۔ (فتاویٰ شامی ص 653 ج 1)

الغرض آنحضرت ﷺ کا یہ فعل ایک ضرورت کے تحت تھا اور ضرورت کے تحت آج بھی سنت ہے۔ آپ کے مقلد بھائی مولوی غلام رسول سعیدی حنفی بریلوی شارح صحیح مسلم فرماتے ہی کہ: جن حالات میں نبی علیہ السلام سے یہ فعل منقول ہے انہیں حالات کی روشنی میں یہ فعل سنت ہے۔ (شرح صحیح مسلم ۱۱۴/۲)

باقی رہا آپ کا یہ کہنا کہ اہل حدیث بچوں کو مسجد میں ساتھ نہیں لاتے، بھائی ہم تو لاتے ہیں اور بوقت ضرورت ان کو گود وغیرہ میں بھی لے لیتے ہیں مگر ذرا اپنے گھر کی خبر تو لیجئے آپ کی معتمد علیہ کتاب در مختار میں لکھا ہے کہ: ((لا یفسد ماء البئر ولا الثوب بانتنفاضه ولا بعضه ما لم یر یقہ ولا صلاة حاملہ ولو کبیرا))

(اگر کتا) کنوئیں میں گر گیا تو اس کا پانی نجس نہیں ہوگا اور نہ ہی کپڑے کی طہارت زائل ہوگی، اس کی چھینٹوں سے جب تک اس کا لعاب نہ لگے اور اس (کتے کو) اٹھا کر ناز پڑھنے سے نماز فاسد نہ ہوگی۔ (کتا) خواہ بڑا ہی ہو۔

(در مختار مع رد المحتار ص 208 ج 1)

ابن ہمام ہدایہ کی شرح میں تحریر کرتے ہیں کہ: ((لو صلی حامل فارة

حیة جازت)

(فتح القدر ص 74 ج 1)

یعنی اگر زندہ چوہے کو اٹھا کر نماز ادا کی جائے تو جائز ہے۔ ہم تو مسجد میں آتے ہوئے اسوۂ رسول کی پیروی میں اپنے ساتھ بچوں کو لاتے ہیں تو کیا تم جب مسجد میں آتے ہو تو اپنے اس فقہی مسئلے کو اپنانے کیلئے انگریز کی سنت پر عمل کرتے ہوئے چوہوں اور کتوں کو ساتھ لاتے ہو؟

نظر اپنی اپنی پسند اپنی اپنی

نسیب اپنا اپنا پسند اپنی اپنی

رہا نماز کی حالت میں کنڈی کھولنے کا جواب تو عرض ہے کہ اسی حدیث میں ہی حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ((ان الباب فی القبلة)) یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے کا دروازہ قبلہ کی جانب تھا۔ ابو داؤد مع عون ص 346 ج 1 اور نسائی کی روایت میں صراحت ہے کہ ((بصلی تطوعاً)) یعنی آپ نفل نماز ادا فرما رہے تھے۔ نسائی 131/ اباب المشی امام القبلة۔۔۔ ان حالات میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے دستک دی تو آنحضرت ﷺ نے کنڈی کھول دی واضح رہے کہ حضرت عائشہ کا حجرہ تنگ تھا۔ مولانا عثمانی فرماتے ہیں کہ: حضرت عائشہ کا حجرہ بھی چھوٹا سا تھا اور اس میں پے در پے مٹی (چلنا) بظاہر ممکن ہی نہ تھا۔ اس لئے ظاہر یہی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک ڈیڑھ قدم چل کر دروازہ کھول دیا ہو گا اور پھر اپنے مقام پر آگئے ہوں گے اور اتنی مٹی (چلنا) منافی صلوة نہیں۔

(درس ترمذی ص 388 ج 2)

حجرے کے تنگ ہونے کی دلیل بخاری کی اس حدیث سے بھی واضح ہوتی ہے کہ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نماز تہجد ادا فرماتے تو میں ان کے آگے بستر پر آرام کر رہی ہوتی جب وہ سجدہ کرتے تو میرے پاؤں کو دباتے تو میں انہیں سمیٹ لیتی۔

(بخاری المحدث 514)

ظاہر ہے کہ اس کی ضرورت حجرے کے تنگ ہونے کی وجہ سے ہی پیش آتی تھی۔ الغرض اگر آج بھی کوئی تنگ مکان میں نماز نفل ادا کر رہا ہو اور اس کی بیوی وغیرہ

دستک دے تو ایک آدھا قدم قبلہ کی جانب چل کر کنڈی کھول دینا مسنون ہے۔ مگر فقہات کے ان ٹھیکے داروں کو یہ سیدھی سی بات بھی سمجھ نہیں آرہی اور اسے ترچھی آنکھ سے دیکھتے ہوئے اہل حدیث پر معترض ہیں۔

ننگے سر نماز ادا کرنے کا ثبوت

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک روز وہ ایک کپڑے کو جسم پر لپیٹے نماز پڑھ رہے تھے۔ جبکہ دوسرا کپڑا قریب رکھا ہوا تھا۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو کسی نے کہا آپ ایک ہی کپڑے میں نماز ادا کر رہے ہیں، جبکہ دوسرا کپڑا آپ کے پاس موجود ہے۔ انہوں نے کہا میں چاہتا ہوں کہ تمہارے جیسے جاہل و احمق مجھے دیکھ لیں۔ ((رایت النبی ﷺ یصلی کذا)) میں نے نبی ﷺ کو اسی طرح نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔

(بخاری رقم الحدیث 370 کتاب الصلوٰۃ باب الصلوٰۃ بغیر رداء)

حضرت عمر بن سلمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ((انہ رای النبی ﷺ یصلی فی ثوب و احد فی بیت ام سلمة قد القی طرفہ علی عاتقیہ)) یعنی انہوں نے نبی ﷺ کو دیکھا وہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر ایک کپڑے میں نماز ادا فرما رہے تھے اور کپڑے کے دونوں کناروں کو آپ نے کندھوں پر ڈال رکھا تھا۔

(بخاری باب الصلوٰۃ فی الثوب الواحد.....)

صحیح مسلم ص 198 ج 1 میں متوشعہ کے الفاظ بھی ہیں جن کا مقصود یہ ہے کہ کندھوں پر چادر کے مخالف کنارے ڈال رکھے تھے۔

حنفی: بھائی! اس حدیث سے سر ننگا ثابت کرنا سینہ زوری ہے، ننگے سر کا لفظ دکھاؤ ضروری نہیں ایک کپڑا ہو تو سر ضرور ننگا ہو جائے۔ ایک بڑی چادر کے اندر آدمی اچھی طرح لپٹ جائے تو سر بھی ڈھک جاتا ہے اور بدن بھی۔ (ص 39)

محمدی: میں نہ مانوں گا تو علاج ہمارے پاس نہیں ہے۔ بھائی! اس حدیث سے سر کا ننگا ہونا تو

واضح ہے مگر آپ انکاری ہیں پھر دلیل یہ دیتے ہو کہ بڑی چادر..... الخ۔ حدیث میں جس طرح ایک چادر کا ذکر ہے اسی طرح اس کو لپیٹنے کی کیفیت بھی بیان کر دی گئی ہے کہ اس کے کناروں کو مخالف سمت سے کندھوں پر ڈال رکھا تھا۔ پھر بخاری باب عقدہ الازار علی التقفاء..... میں ہے حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھی۔

((قد عقدہ من قبل قفاه وثبابہ موضوعة علی المشجب)) یعنی یہ بند کو گدی پر باندھ رکھا تھا۔

اب اس کیفیت اور وضع سے کپڑے کو بدن پر ڈالیں پھر سر پر ڈال کر دکھائیں؟ یہی وجہ ہے کہ آپ کا ضمیر بھی مذکورہ تحریر لکھتے وقت ملامت کر رہا تھا جس کا واضح ثبوت آپ کے الفاظ ضروری نہیں کے ہیں۔ ان الفاظ میں آپ کو سرنگا ہونے کے احتمال کا اقرار ہے۔ حنفی: بھائی! اگر اور کپڑے نہ ہوں تو ایک کپڑے میں نماز ادا کر سکتے ہیں، یہ کام حضور علیہ السلام نے بیان جواز کے لیے کیا تھا۔

محمدی: پہلے تو آپ کو انکار تھا اب بیان جواز کا عذر کرتے ہو۔

راقم الحروف عرض کرتا ہے جس عمل کو اللہ کے رسول ﷺ اپنے فعل سے جائز قرار دیں تم کون ہو؟ اس کے رد میں کتاب لکھنے والے اور تمہارے فقہاء اس کو مکروہ کہنے والے؟ جیسا کہ مستملی ص 348 میں ہے کہ ننگے سر نماز پڑھنا مکروہ ہے۔

حنفی: بھائی! پہلے آپ مان چکے ہیں کہ ایک آدھ دفعہ کیا ہو اکام سنت نہیں ہوتا۔ سنت دوامی ہوتی ہے نہ کہ ہنگامی اگر ایک کپڑے میں نماز سنت ہے تو آپ کی مساجد میں یہ سنت ذبح ہو رہی ہے۔ آج ہی آپ اعلان فرمائیے کہ چھ کپڑے پہن کے نماز جو بھی پڑھتا ہے وہ بدعتی ہے۔ کیونکہ آپ نے ایک کپڑے میں نماز پڑھی ہے۔

محمدی: میرا حافظہ تو ماشاء اللہ ٹھیک ہے مگر آپ کو جھوٹ بولنے کی کثرت سے عادت ہے میں نے کب آپ سے کہا تھا کہ ایک بار کیا ہوا فعل سنت نہیں ہوتا۔ رہا آپ کا اسے ہنگامی کہہ کر دل کے بوجھ کو ہلکا کرنا تو یہ بھی فضول ہے حدیث میں کس لفظ کا معنی ہنگامی ہے؟

رہا آپ کا یہ کہنا کہ ہماری مساجد میں اس سنت کو ذبح کیا جا رہا ہے، تو اس پر ہم لعنت اللہ علی الکاذبین کے سوا اور کیا کہہ سکتے ہیں۔ اس نادان دل میں کون یہ بات ڈالے کہ اس حدیث میں شرائط لباس میں سے سب سے کم کا بیان ہے نا کہ زیادہ کا، اس بات کو ملحوظ رکھیے اور ہماری بات کو بخوبی سن لیجئے کہ ایک کپڑے میں نماز کو ناجائز کہنے والا بدعتی ہے۔ بھائی! آپ کے فقہاء نے ننگے سر نماز پڑھنے کو مکروہ لکھا ہے اس مکروہ پر آپ کے پاس کوئی شرعی دلیل موجود ہے؟

جنفی: نبی کریم ﷺ تو ننگے سر آدمی کے سلام کا جواب تک نہیں دیتے (مشکوٰۃ) جب مسح فرماتے ہیں تو ایک ہاتھ سے عمامہ مبارک کو معمولی اوپر اٹھاتے ہیں اور ایک ہاتھ سے مسح فرماتے ہیں۔ اتنی دیر تک بھی ننگے سر رہنا پسند نہیں فرماتے کہ عمامہ کو اتار کر نیچے رکھ دیں اور مسح فرمائیں اور امتی ہمیشہ ننگے سر نماز پڑھے۔ اکثر گلیوں بازاروں میں ننگے سر پھریں اور کہلائیں اہل حدیث۔ اپنے علاوہ باقی سب کو مرتد فاسق کہیں (لعنت اللہ علی الکاذبین) اس کو حضور علیہ السلام کس طرح پسند فرمائیں گے۔

رسول اللہ ﷺ پر افتراء

محمدی: اولاً:- مشکوٰۃ کو ہم نے دیکھ لیا ہے اس میں کوئی ایسی حدیث نہیں ہے۔ جو آپ نے ذکر کی ہے دوسری حدیث جو آپ نے ذکر کی ہے اس کے متعلق عرض ہے کہ اس کا حوالہ دو کیونکہ ہمیں ایسی کوئی حدیث نہیں ملی۔ میرا غالب گمان یہ ہے کہ یہ بھی آپ نے جھوٹ بولا ہے۔ الغرض آپ نے یہ کذبات بول کر اکاذیب آل دیوبند میں مزید دو افتراء علی الرسول ﷺ کا اضافہ کیا ہے تو بہ کر لو قبر میں آپ نے اکیلے ہی جانا ہے۔

ثانیاً:- مشکوٰۃ کتاب اللباس میں ترمذی اور ابو داؤد کے حوالے سے ایک روایت ہے کہ ((مر رجل وعلیہ ثوبان احمران فسلم علی النبی ﷺ فلم یرد علیہ)) یعنی ایک آدمی گزرا اور اس کے اوپر دو سرخ رنگ کے کپڑے تھے اس نے آنحضرت ﷺ کو سلام کیا تو آپ علیہ

السلام نے اس کے سلام کا جواب نہ دیا۔

(مشکوٰۃ ص 1247 ج 2 الحدیث 4353)

دیکھئے اس حدیث میں ترک سلام سرخ لباس پہننے کی وجہ سے بیان کیا گیا ہے۔ مگر مؤلف تحفہ اہل حدیث کو جھوٹ کی اتنی کثرت سے عادت پڑ چکی ہے کہ اس نے اس روایت میں بھی تقلیدی آری چلا کر متن روایت میں رد و بدل کر دیا ہے۔ ہیں تو ماشاء اللہ عالم دین مگر دل گرا ہی سے لبریز ہے، نام اسلام کا لیتا ہے مگر جھوٹ رسول اللہ ﷺ پر باندھتے ہوئے بھی اس کا ضمیر اسے ملامت نہیں کرتا۔ الغرض یہ رسول اللہ ﷺ کی طرف کذب منسوب کیا گیا ہے اللہ اس سے تجھے توبہ کی توفیق دے۔

تالیلاً: اس حدیث کو علامہ البانی رحمۃ اللہ علیہ نے تحقیق مشکوٰۃ ص 1247 ج 2 میں ضعیف کہا ہے اور حافظ ابن حجر نے اس کی فتح الباری میں تضعیف کی ہے۔ (کذا فی تنقیح الرواۃ ص 230 ج 3)

وجہ ضعف یہ ہے کہ اس کی سند میں ابویحییٰ القاتات راوی ہے۔ (ابوداؤد ص 207 ج 2)

اور یہ لین الحدیث ہے۔ (تقریب ص 432)

کیا ننگے سر نماز نہیں ہوتی؟

فقہاء حنفیہ نے ننگے سر نماز کو مکروہ بھی لکھا ہے، مگر اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی صراحت کی ہے کہ اگر کوئی شخص عاجزی سے ننگے سر نماز ادا کرتا ہے تو اس کی نماز ہو جاتی ہے۔ علامہ حلبی شرح معیہ میں فرماتے ہیں کہ (ولا باس به اذا فعله تذلا و خشوعاً) اگر عاجزی اور خشوع کی وجہ سے ہو تو پھر (ہو جاتی ہے) مکروہ نہیں۔

(مستملی ص 349 و شرح نقایہ ص 195 ج 1 و نماز مسنون ص 504)

یہی بات صاحب در مختار نے کہی ہے اور اس کی شرح میں ابن عابدین فرماتے ہیں

:وہو حسن یعنی یہ بات خوب اچھی ہے۔ (فتاویٰ شامی ص 164 ج 1)

اسی پر کنزالدقائق کے شارح علامہ ابن نجیم حنفی نے اعتماد کیا ہے۔ (المحررات ص 25 ج 2)

علمائے اہل حدیث کی تحقیق

اہل حدیث علماء کی تحقیق کے عنوان سے ہم نے الگ اور جدا مضمون اس لئے لکھنے کی ضرورت محسوس کی ہے کہ ہمارے معاصر نے 'فتاویٰ علمائے حدیث' ص 286 تا 291 ج 4 سے مولانا اسماعیل سلفی رحمہ اللہ کے ایک فتویٰ کو نقل کیا ہے۔ ہمیں اعتراف ہے کہ مولانا رحمہ اللہ کی یہی تحقیق تھی کہ ننگے سر نماز بطور عادت یا فیشن ادا نہ کرنی چاہئے، مگر انہوں نے اسی مفصل فتویٰ کی ابتدا میں ہی اعتراف کیا ہے کہ سر چونکہ بالاتفاق اعضاء ستر میں نہیں اس لئے اگر کسی وقت ننگے سر نماز پڑھی جائے تو نماز بالاتفاق جائز ہوگی۔

(فتاویٰ علماء حدیث ص 486 ج 4)

کیا ہمارے دوست کو ان کی اس تحقیق سے اتفاق ہے؟ اگر نہیں یقیناً نہیں کیونکہ حنفیہ اس کو مکروہ کہتے ہیں، جس کی اجازت فقط مجبوری کی وجہ سے دی جاسکتی ہے۔ جیسا کہ خود مؤلف 'تحفہ اہل حدیث' نے لکھا ہے کہ: آپ کے سوال کی شق اول کا جواب دیتے ہیں کہ نماز ہو جاتی ہے یا نہیں۔ عرض یہ ہے اگر کوئی آدمی بامر مجبوری ننگے سر نماز پڑھتا ہے یعنی اس کے پاس کپڑا نہ ہو یا سر میں کوئی تکلیف ہو تو نماز ہو جائے گی۔ (تحفہ اہل حدیث ص 14)

اب دیکھیے مولانا سلفی مرحوم تو مطلق جواز کا فتویٰ دیتے ہیں، کسی مجبوری کی قید نہیں لگاتے جب کہ مؤلف 'تحفہ اہل حدیث' مجبوری کی قید لگاتے ہیں، حالانکہ مجبوری کی وجہ سے تو بیٹھ کر نماز بھی جائز ہے، بلکہ لیٹ کر پڑھنے کی بھی اجازت ہے، بلا وضو تیمم کر کے انسان نماز ادا کر سکتا ہے۔ الغرض عام حالات اور مجبوری کے فتویٰ میں زمین و آسمان کا فرق ہے لیکن ہمارے مہربان مولانا سلفی مرحوم کا فتویٰ اپنی تائید میں پیش کر رہے ہیں۔ افسوس پندرہویں صدی میں ایسے فاضل بھی مصنف بن بیٹھے ہیں، جو مطلق اور مقید کے فرق کو

نہیں جانتے اور مقابلہ کے لیے لٹکار رہے ہیں اہل حدیث کو واضح رہے کہ ہم متعدد اہل علم کے ننگے سر نماز کے جواز پر فتاویٰ پیش کر سکتے ہیں مگر یہ ہمارے موضوع سے خارج ہے اور نہ ہی فریق ثانی پہ حجت ہو سکتے ہیں۔ ہاں جس فتویٰ کو انہوں نے نقل کیا ہے ان کا تصدیق شدہ ہونے کی وجہ سے ان پر حجت ضرور ہے۔ امید ہے کہ مکروہ سے رجوع کر کے جواز کا فتویٰ دے دیں گے۔

ایک سوال اہل تقلید سے

فقہاء احناف نے ننگے سر نماز کو مکروہ لکھا ہے جیسا کہ تفصیل عرض کر دی گئی ہے۔ اصول فقہ میں مرقوم ہے کہ مکروہ وہ چیز ہوتی ہے جو لایزال ظنی سے ثابت ہو یعنی حدیث صحیح مرفوع متصل سے اس کا ثبوت ہو مگر کتاب اللہ میں اس کی ممانعت نہ ہو۔ اس اصول کی روشنی میں نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ ننگے سر نماز ادا کرنے کی ممانعت پر کوئی آیت قرآنی تو موجود نہیں البتہ حدیث موجود ہے۔

سوال یہ ہے کہ وہ حدیث کس صحابی سے مروی ہے اور حدیث کی کس کتاب میں اس کا وجود ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ننگے سر نماز ادا کرنے سے منع فرمایا ہے؟ یقیناً جانے کہ پوری دنیا کے دیوبندی علماء مل کر سر توڑ کوشش کرنے کے باوجود ہمیں کوئی ایسی صحیح مرفوع متصل حدیث نہیں دکھا سکتے اگر یہ دکھادیں تو راقم اللہ تعالیٰ کو گواہ بنا کر کہتا ہے بغیر کسی حیل و حجت سے ہم اس کو اپنا لائحہ عمل بنائیں گے اور ننگے سر نماز ادا کرنے سے منع کریں گے۔ انشاء اللہ۔۔۔۔

آخر خاموشی کیوں ہے؟

کتنی سیدھی سی بات ہے کہ ننگے سر نماز ادا کرنے کو آپ حضرات مکروہ کہتے ہیں اور مجبوری کی صورت کے علاوہ اس کے جواز کے قائل ہی نہیں۔ جیسا کہ مؤلف تحفہ اہل حدیث بھی اس پر کوئی صحیح مرفوع حدیث پیش نہیں کر سکا تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر آپ

حضرات وہ حدیث کیوں پیش نہیں کرتے جس کا صاف مطلب یہ ہو کہ آپ کے پاس کوئی دلیل موجود ہی نہیں۔ ہاں مؤلف تحفہ اہل حدیث نے یہ کر دیا کہ اپنی طرف سے ایک حدیث بنا کر رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کر دی۔ آپ کا یہ بدترین فعل ہی اس بات کی دلیل ہے کہ آپ اس پر کوئی دلیل نہیں رکھتے۔ ورنہ تم کو حدیث گھڑنے کی ضرورت پیش نہ آتی۔

مؤلف تحفہ اہل حدیث کی قرآن میں معنوی تحریف

فرماتے ہیں کہ اگر سستی سے سر نہ تھکا رہتا ہے تو اس میں یہودیوں سے مشابہت ہے۔ قرآن میں آتا ہے یہود کے بارے میں کہ جب نماز کے لیے کھڑے ہوئے سستی کے ساتھ کھڑے ہوئے ((اذا قاموا الى الصلوة قاموا كسالى)) (تحفہ اہل حدیث ص 14)

الجواب :- اولاً :- بات کو آگے لے جانے سے قبل آئیے پہلے الفاظ قرآن اور ان کا ترجمہ ملاحظہ کریں۔ ارشاد ربانی ہے کہ ﴿ان المنافقين يخذعون الله وهو خادعهم واذا قاموا الى الصلوة قاموا كسالى يراءون الناس ولا يذكرون الله الا قليلاً﴾ (سورہ النساء آیت 142)

مولانا محمود حسن دیوبندی ان الفاظ ربانی کا معنی کرتے ہیں۔

البتہ منافق دعا بازی کرتے ہیں اللہ سے اور وہی ان کو دعادے گا اور جب کھڑے ہوں نماز کو تو کھڑے ہوں ہارے۔ جی سے لوگوں کو دکھانے کو اور یاد نہ کریں اللہ کو مگر تھوڑا سا قارئین کرام آپ اس ترجمہ سے ہی بخوبی جان گئے ہونگے کہ یہاں پر منافقین کا ذکر ہو رہا ہے مگر ہمارے تھنکوئی صاحب قرآنی علوم سے اس قدر جاہل ہیں کہ وہ اسے یہود کے بارے میں باور کر رہے ہیں۔ گویا منافقین کے لفظ کو یہود سے بدلنا ان کا اللہ تعالیٰ پر افتراء اور قرآن کی معنوی تحریف ہے؟

ثانیاً :- امام راغب نے مفردات میں کسل کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ کابلی اور

بوجھل ہونا ایسے معاملہ میں جس میں سستی مناسب نہیں۔ (المفردات ص 431)

اس معنی کو ملحوظ رکھا جائے تو الفاظ قرآنی کا یہ مفہوم بنتا ہے کہ منافقین جو نماز پڑھنے کے لیے آتے ہیں تو ان کی غرض صرف دھوکہ دینا ہے تاکہ عوام الناس انہیں مسلمان خیال کریں کہ یہ بھی ہمارے مسلمان بھائی ہیں حالانکہ ان کی نماز بوجھ کے طور پر چند رکعات کا ادا کر لینا ہی ہے۔ جس میں بے رغبتی اور بے دلی کی وجہ سے وہ اللہ کا ذکر بہت تھوڑا کرتے ہیں۔ بتائیے اس کیفیت کو ننگے سر نماز ادا کرنے سے کوئی تعلق ہے؟

کجا طبیعت کا بھاری پن کی وجہ سے ذکر کم کرنا جس کا تعلق قلب اور زبان سے ہے، کجا ننگے سر نماز ادا کرنا جس کا تعلق انسانی بدن سے ہے نہ کہ زبان سے مگر یہ سیدھی سی بات تھنکوئی صاحب کے غیر فقہی دماغ میں کون اتارے۔

حالات:- بالفرض اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ یہاں ننگے سر نماز ادا کرنے کی ممانعت کا ذکر ہے اور یہ فعل یہود کا ہے تو بتائیے جن فقہائے احناف نے عاجزی سے ننگے سر نماز ادا کرنے کا فتویٰ دیا ہے ان کا یہود کے ساتھ کیا رشتہ تھا؟

کیا ننگے سر عبادت کرنا عیسائیت کا شعار ہے؟

فرماتے ہیں عیسائیوں سے مشابہت لازم آتی ہے۔ عیسائیوں کو عبادت کرتے ہوئے

آپ نے دیکھا ہو گا سارے ننگے سر عبادت کرتے ہیں۔ (تحفہ اہل حدیث 13)

الجواب:- اولاً:- ہماری تو عیسائیت کے ساتھ کوئی یاری نہیں یاری والوں کو معلوم ہو گا کہ وہ عبادت کس طرح کرتے ہیں۔ ہمارے گاؤں میں گر جا گھر ہے مگر کبھی ان کی عبادت دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا، کبھی بڑے دن پر وہ عبادت کرتے ہیں تو آواز سے پتہ چلتا ہے کہ وہ تو موسیقی کے ساتھ کرتے ہیں۔ جیسے بعض بقلم خود مسلمان رقص و سرود کی محفل کے ساتھ عبادت کرتے ہیں۔ جو لوگ بر صغیر میں موسیقی کے ساتھ عبادت کرتے ہیں (قوالی وغیرہ) ان کا رشتہ حنفیت کے ساتھ ہے بلکہ وہ اپنے کو حق بنڈ حنفی کہتے ہیں اور آپ حضرات

کو حقیقت کے خلاف سازش سے تعبیر کرتے ہیں الغرض اپنی آنکھ کا شہتیر تو نظر نہیں آ رہا مگر غیر کی آنکھ میں تینکا بھی آپ کو کھٹکتا ہے۔

ثانیاً:- بعض جزوی مشابہت سے تشبہ بالکفار لازم نہیں آتا۔ جیسے لفظ عبادت کے اشتراک سے تشبہ کا کوئی بھی قائل نہیں۔

ثالثاً:- فریق ثانی پر لازم ہے وہ دلائل و براہین سے ثابت کرے کہ ننگے سر عبادت کرنا کفار کا شعار ہے۔

رابعاً:- اس کی بھی وضاحت کر دیجئے کہ جن فقہاء نے ننگے سر نماز کو جائز کہا ہے وہ تشبہ بالکفار کے زمرہ میں آتے ہیں کہ نہیں؟



فصل سوم

پاؤں کو کشادہ رکھنے کا مسئلہ

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

((عن النبی ﷺ قال اقيموا صفوفكم فاني اراكم من وراء ظهري و كان احدنا يلزق منكبه بمنكب صاحبه وقد مه بقدمه)) یعنی نبی ﷺ نے فرمایا کہ صفیں برابر کر لو میں تمہیں اپنے پیچھے سے بھی دیکھتا رہتا ہوں اور ہم میں سے ہر شخص یہ کرتا کہ (صاف) میں اپنا کندھا اپنے ساتھی کے کندھے سے اور اپنا قدم اس کے قدم سے ملا دیتا تھا۔ (بخاری کتاب الصلوٰۃ بالذوق المنکب بالمنکب والتقدم بالقدم))

اس حدیث میں دو باتوں کا ذکر ہے 'اولاً' ارشاد نبی کی تعمیل میں صحابہ کا کندھے

سے کندھا اور قدم سے قدم ملانا۔

ثانیاً: آنحضرت ﷺ کا صحابہ کرام کے عمل کو دیکھنا۔

پہلی بات سے معلوم ہوا کہ اقامت صفوف کا معنی کندھے سے کندھا اور قدم سے

قدم ملانا ہے۔ دوسری بات سے ثابت ہوا کہ یہی معنی درست ہے کیونکہ اس معنی کی تصدیق

آنحضرت ﷺ نے اپنی دید سے کی ہے جب کندھے سے کندھا اور قدم سے قدم ملایا جائے

تو قدموں کا درمیانی فاصلہ نکل آتا ہے کیونکہ انگوٹھا زری اپنے قدموں کو کشادہ کر کے نہ رکھے

تو پاؤں مل ہی نہیں سکتے۔ پاؤں تب ہی مل سکتے ہیں جب نمازی کندھوں جتنا فاصلہ قدموں

میں بھی رکھے یہ سیدھی سی بات ہمارے معاصر کے اعلیٰ دماغ میں نہیں آتی۔

جس کی وجہ سے لکھتا ہے کہ: اگر آپ صحیح حدیث شریف میں دکھلا دیں جس کا ترجمہ یہ ہو کہ

پاؤں کو اتنے چوڑے رکھو کہ اپنے کندھوں کے برابر ہو جائیں۔ (تحفہ اہل حدیث ص 21)

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ کیا آپ کے نزدیک کسی حدیث کا مفہوم قابل

حجت نہیں اور کیا فقہ حنفی کے اصول میں اشارۃ النص کو مستقل دلیل کے طور پر قبول نہیں کیا

گیا؟ اگر کیا گیا ہے یقیناً کیا گیا ہے تو پھر آپ اس حدیث پر عمل کر کے دکھائیں کہ کندھے سے کندھا اور قدم سے قدم تو مل جائے مگر کندھوں کے برابر پاؤں چوڑے نہ ہوں۔

یقین جانئے کہ پوری دنیا کے منکرین سنت کو شش کے باوجود ایسا کر کے دکھا نہیں سکتے، معلوم ہوا کہ مھنگوی صاحب نے مذکورہ بات سنت خیر الانام ﷺ کے بغض میں اور الحمدیث سے تعصب کی وجہ سے لکھ دی ہے ورنہ اس پر حدیث موجود ہے۔ پھر بخاری شریف کے مذکورہ باب میں تعلیقاہام بخاری حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کا اثر لائے ہیں کہ: ((رایت الرجل منا يلزق كعبه بكعب صاحبه)) یعنی میں نے دیکھا کہ ایک شخص ہم (صحابہ کرامؓ) میں سے دوسرے کے کندھے سے کندھا ملاتا تھا۔

حنفی پیارے! اس روایت کی سند نہیں ہے۔ (تحفہ اہل حدیث ص 23)

محمدی: گویا آپ بغیر سند کے کوئی بات قبول نہیں کرتے اس بات پر قائم رہنا تو جب بات ہے کیونکہ فقہ حنفی میں مروی اکثر اقوال بلا سند ہیں تو پھر آپ اس کو ترک کیوں نہیں کر دیتے۔

آپ پر واضح ہو کہ اس کی سند بھی موجود ہے۔ چنانچہ یہ حدیث مسند احمد ص 276 ج 4 و ابو داؤد ص 97 ج 1 و دار قطنی ص 283 - 282 ج 1 و تھقی ص 100-101 ج 3 اور صحیح ابن حبان رقم الحدیث 2173) میں باسند موجود ہے۔

حنفی: مگر اس کی سند میں زکریا بن ابی زائدہ راوی مدلس ہے اور عن سے روایت کرتا ہے۔

(تحفہ اہل حدیث ص 30)

محمدی: پہلے تو آپ نے اس کی سند کے وجود سے انکار کیا جب دکھائی گئی تو پہلی بات سے مکر گئے اور سند پر اعتراض کر دیا۔ میرے عزیز بھائی! سنن دار قطنی میں تحدیث کی صراحت ہے جس کی وجہ سے تدلیس کا اعتراض کرنا ہی فضول ہے حافظ ابن حجر نے بخاری کی شرح میں لکھا ہے کہ اس حدیث کو ابن خزیمہ نے صحیح کہا ہے۔

(فتح الباری ص 167 ج 2)

اور خود حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ واسنادہ حسن، تغلیق التعلیق ص 303 ج 2 یعنی اس کی سند

حسن درجہ کی ہے'

حنفی = حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ المراد بذلك المبالغة فی تعدیل الصف و سد خللہ یعنی اس حکم سے مقصود صفوں کی درستگی اور درمیانی جگہ کو پر کرنے میں مبالغہ کرنا ہے۔

محمدی: بالآخر آپ نے حقیقت کو قبول ہی کر لیا بھائی! مبالغہ کا یہ مفہوم تو ہو نہیں سکتا کہ پاؤں کے درمیان میں بالشت بھر جگہ کو چھوڑ چھوڑ کر نمازی گھڑے ہوں کیونکہ کسی چیز میں تکلف کو مبالغہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ چنانچہ علامہ فتنی حنفی مبالغہ کا معنی کرتے ہیں ”اذا اجتهد فی الامر“ یعنی جب کسی کام میں کوشش کی جائے تو اسے مبالغہ کہتے ہیں۔ (مجمع بحار الانوار ص 219 ج 1)

یہی معنی علامہ ابن منظور افریقی نے (لسان العرب ص 420 ج 8) میں اور علامہ محمد مرتضیٰ زبیدی حنفی نے (تاج العروس ص 5 ج 6) میں کیے ہیں۔ آپ کی مسلمہ شرح کی رو سے حدیث کا معنی یہ ہوا کہ کندھے اور ٹخنوں کو خوب ملایا جائے۔ مگر افسوس آپ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے کلام کو غلط معنی دے کر اہل حدیث کو لٹکار رہے ہیں پھر اس غلط بیانی پر آپ کو شرم ہے نہ حیا۔

حنفی: چلو ان پر عمل کر کے دیکھ لیتے ہیں کہ یہ چاروں چیزیں آدمی ملا بھی سکتا ہے یا نہیں۔ گردن سے گردن کندھے سے کندھا، گھٹنے سے گھٹنا، ٹخنے سے ٹخنہ، یہ چاروں تو مل نہیں سکتیں۔

محمدی: یہ بات مقلدا عمی نے ابو داؤد کی حدیث نعمان رضی اللہ عنہ کے جواب میں تحریر کی ہے حالانکہ حدیث نعمان بن بشیر میں گردن ملانے کا قطعاً ذکر نہیں۔ ہم قارئین کرام کی تسلی کے لئے اصل متن حدیث نقل کرتے ہیں۔

((اقبل رسول اللہ ﷺ علی الناس بوجهه فقال اقيموا صفوفكم ثلاثا والله لتقيمن صفوفكم اوليخا لئن الله بين قلوبكم قال فرايت الرجل يلزق منكبه بمنكب صاحبه

ور کبتہ بر کبتہ صاحبہ و کعبہ بکعبہ))

(سنن ابی داؤد ص 1797 باب تسویۃ الصوف)

(اس کا معنی مولوی انوار خورشید حنفی دیوبندی سے نقل کیا جاتا ہے) رسول اللہ ﷺ لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور تین بار فرمایا کہ اپنی صفوں کو سیدھا کرو۔ اللہ کی قسم تم لوگ ضرور اپنی صفوں کو سیدھا کر لو ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں میں پھوٹ ڈال دیں گے۔ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ (اس کے بعد) میں نے دیکھا کہ ایک شخص دوسرے شخص کے کندھے سے کندھا گھٹنے سے گھٹنے اور ٹخنے سے ٹخنہ ملا کر کھڑا ہوا تھا۔

(حدیث اور اہل حدیث ص 511)

اب دیکھیے جناب ابو بلال بھنگوی صاحب نے متن حدیث کو بگاڑتے ہوئے اپنی طرف سے گردن ملانے کا اضافہ و لاحقہ بھی کر دیا ہے۔ پھر اس بددیانتی کو جان بوجھ کر کیا گیا ہے، مزید قابل افسوس بات یہ ہے کہ اس عیاری و مکاری اور بے ایمانی کو بنیاد بنا کر سنت کا مذاق اڑایا گیا ہے کہ آپ حضرات گردن نہیں ملاتے۔

(تحفہ اہل حدیث ص 25)

حنفی: ابو داؤد کا ص 1797 ہے اس میں پورا باب ہے اس میں ایک حدیث تو ابن عمر سے مروی ہے کہ شیطان کے لئے درمیان میں فاصلہ نہ چھوڑو۔ دوسری روایت میں آیا ہے کہ نبی علیہ السلام ہماری صفوں میں آکر صفیں درست فرماتے ہمارے کندھوں اور سینوں کو ہاتھ لگا کر برابر کرتے۔ تیسری حدیث میں آیا ہے (قاربوا بینہما و حاذوا بالاعناق) قریب قریب ہو جاؤ اور گردنوں کو برابر رکھو۔ چوتھی روایت میں (حاذوا بین المناکب) کندھوں کو برابر کرو ہے۔ ان روایات میں اعناق اور مناکب کے ساتھ لفظ حاذوا آیا ہے جس کا معنی ہے برابر رکھو محاذات کا معنی چمٹاؤ کوئی بھی نہیں کرتا اگر حاذوا بین المناکب کا ترجمہ کندھے سے کندھا ملانا کرو گے تو پھر یقیناً یہ روایت نمبر 3 میں حاذوا بین الاعناق میں بھی یہی ترجمہ کرنا پڑے گا۔ کہ گردنیں ملاؤ پھر اس پر عمل غیر مقلدین بھی نہیں کرتے جہاں کندھے ملاتے

ہیں گرد نہیں بھی ملائیں ذرا میرے ساتھ کھڑے ہو جائیں اور گردن کے ساتھ گردن ملا کر دکھائیں۔ (تحدیث الحدیث ص 24)

محمدی اولاد:- بات کو سمجھنے کے لئے بہتر یہ ہے کہ پہلے ابو داؤد کی احادیث کو ہم نقل کریں پھر آپ کی فضولیات پر تبصرہ کریں۔

(۱) عن ابن عمر ان رسول الله ﷺ قال اقيموا الصفوف وحاذوا بين المناكب و سدوا الخلل ولينوا بايدي اخوانكم ولا تذروا فرحات للشيطان ومن وصل صفا وصله الله ومن قطع صفا قطعه الله ((

یعنی حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا صفوں کو قائم کرو کندھوں کو برابر کرو خالی جگہوں کو بند کرو اور اپنے بھائیوں کے ہاتھوں میں نرم ہو جاؤ۔ شیطان کے لیے صف میں خالی جگہ نہ چھوڑو جس نے صف کو ملایا اللہ سے ملائیں گے اور جس نے صف کو کاٹا اللہ سے کاٹ دیں گے۔

(ترجمہ از حدیث اور اہل حدیث ص 508)

(۲) عن البراء بن عازب قال كان رسول الله ﷺ يتخلل الصف من ناحية الى ناحية يمسح صدورنا و مناكبنا ويقول لا تختلفوا فتختلف قلوبكم و كان يقول ان الله عز وجل و ملائكته يصلون على الصفوف الاول (((سنن ابی داؤد ص 97)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ صف کے اندر آتے تھے ادھر ادھر سے اور ہمارے سینوں اور کندھوں کو برابر کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ آگے پیچھے مت ہو ورنہ تمہارے دل مختلف ہو جائیں گے اور فرماتے تھے اللہ جل جلالہ اپنی رحمت بھیجتے ہیں اور فرشتے دعا رحمت کرتے ہیں پہلی صف والوں کے لئے۔ (ترجمہ الاحادیث

اور اہل حدیث ص 509)

(۳) عن انس بن مالك عن رسول الله ﷺ قال رصوا صفوفكم وقاربوا بينها وحاذوا بالاعناق. فالذي نفسى يده انى لارى الشيطان يدخل من خلل الصف كانها

(الحذف) (سنن ابی داؤد ص 1797)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ حضور علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا اپنی صفوں کو ملاؤ اور انہیں نزدیک رکھو اور گردنوں کو برابر رکھو۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے میں شیطان کو دیکھتا ہوں کہ وہ صف کی خالی جگہوں سے گھس آتا ہے گویا کہ وہ بھیڑ کا چھوٹا سا بچہ ہے۔

(ترجمہ از حدیث اور اہل حدیث ص 510)

قارئین کرام! باقی باتیں تو بعد میں ہو گئی پہلے ہم یہ عرض کر دینا مناسب خیال کرتے ہیں کہ مؤلف حدیث اور اہل حدیث نے آخری حدیث میں لفظ ”بیدہ“ کا معنی جس کے قبضہ قدرت میں کیا ہے، اور یہ الفاظ نبوی میں تحریف ہے کیونکہ بید کا معنی ہاتھ ہوتا ہے کسی لغت کی کتاب میں بید کا یہ معنی نہیں لکھا جو اس حنفی نے حقیقت کی وکالت میں کیا ہے۔

دوسری بات یہ کہ مؤلف تحفہ اہل حدیث نے جو نمبر 1 اور نمبر 3 میں علیحدہ علیحدہ

حدیث بیان کی ہے وہ دراصل ایک ہی حدیث ہے جس کو ہم نے اول نمبر پر درج کیا ہے لہذا جھٹکوی صاحب کا اسے دو احادیث جدا جدا باور کرنا جہالت اور تقلیدی ہاتھ کی صفائی ہی کہہ سکتے ہیں۔

ثانیاً:- اب ترتیب داران کا جواب سنئے کہ پہلی حدیث میں حاذوا بین المناکب (جسے مؤلف تحفہ اہل حدیث نے چوتھے نمبر پر ذکر کیا ہے) سے مراد یہ ہے کہ صف بناتے وقت آگے پیچھے کھڑے نہ ہوں بلکہ صف کو تیر کی طرح سیدھا رکھا جائے چنانچہ علامہ محمد طاہر القفنی حنفی المتوفی 986ھ ’حدو‘ کا معنی کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں کہ ((ای بجنبہ سواء ای مساویا لا يتقدم ولا يتاخر)) یعنی ایک طرف برابر پہ کھڑا ہونا یعنی مساوی ہونا نہ آگے ہونا اور نہ ہی پیچھے۔ (مجمع بحار الانوار ص 465 ج 17)

عرب لوگ بولتے ہیں (وداری حدوة دارك) یعنی میرا گھرتیرے گھر کے برابر

واقع ہے۔

(لسان العرب ص 171 ج 14)

الغرض اس حدیث کا مفہوم تو یہ ہے کہ مقتدی آگے پیچھے کھڑے نہ ہوں بلکہ برابر صف بنائیں۔

یہ حکم وار شاد ایک الگ اور جدا مسئلہ ہے اور پاؤں سے پاؤں کا ملانا اور کندھے سے کندھے کو ملانے کا الگ مسئلہ ہے اور آپ کی پیش کردہ تیسری حدیث جسے ہم نے نمبر 3 میں پورا نقل کیا ہے، میں الفاظ 'حاذوا بالاعناق' سے بھی آپ کو غلطی لگی ہے۔ یا پھر مغالطہ دیا ہے۔ کیونکہ آپ جو بات سمجھا رہے ہیں وہ غلط ہے آپ کی ساری تحریر کا ماحصل یہ ہے جس طرح دو نمازیوں کی گردنیں ملانا ممکن ہے اسی طرح حاذوا بالمناکب میں بھی فاصلہ ہونا چاہئے۔ حالانکہ نہ وہاں ملانے کے متعلق ہے اور نہ ہی یہاں ملانے کا بیان۔ وہاں بھی بمعنی برابر اور یہاں بھی بمعنی برابر مستعمل ہے، البتہ ان میں ایک جوہری فرق ہے جسے آپ علم حدیث میں نالائق ہونے کی وجہ سے سمجھ نہیں پائے وہ یہ کہ پہلی حدیث میں لمبائی اور اس میں اونچائی مراد ہے۔

ملا علی قاری المحضی الموتوفی 1014ھ اس حدیث کی شرح میں تحریر کرتے ہیں کہ ((بان لا ینترفع بعضکم علی بعض بان یقف فی مکان ارفع من مکان الاخر)) (مرقاۃ ص 371)

یعنی اس حدیث میں حاذوا بالاعناق کا معنی ہے کہ یعنی بعض تمہارے بعض سے بلند جگہ پر کھڑے نہ ہوں۔

الغرض ان الفاظ میں جس چیز کی تلقین کی گئی ہے وہ ہموار جگہ پر کھڑے ہونے کی ہے یعنی اس طرح صف میں قیام نہ ہو کہ زید کی دائیں طرف بکر ایک فٹ اونچا ہو اور بائیں طرف قاسم ایک فٹ نیچے کھڑا ہو اور یہ چیز محل نزاع سے خارج ہے۔

پھر اسی حدیث میں قاربوا بینہما کے مفہوم کو بھی آپ نے تحریف کی حد تک بگاڑ دیا ہے کہ قریب قریب ہونا مراد ہے نہ کہ مل کر کھڑے ہونے کا ذکر ہے۔ حالانکہ ان الفاظ

میں دو نمازیوں کو قریب کرنا مقصود نہیں بلکہ دو صفوں کو قریب قریب کرنا مراد ہے۔

ملا علی القاری اس حدیث کی شرح میں ان الفاظ کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں

کہ: ((ای بین الصفوف بحيث لا یسع بین صفین صف آخر فیصیر تقارب اشباحکم سببا لتعاضد ارواحکم ولا یقدر الشیطان ان یمر بین یدیکم)) یعنی دو صفوں کے درمیان زیادہ کشادگی نہ ہو بلکہ ایک صف دوسری سے قریب تر ہو جس سے تمہارے قرب میں اختلاط ہو جائے یہ اس وجہ سے ہے کہ تمہاری ارواح کی آپس میں معاونت ہو اور شیطان تمہارے آگے سے گزر نہ سکے۔ (مرقاۃ ص 71 ج 3)

یہی معنی شیخ عبدالحق محدث دہلوی حنفی نے (شرح مشکوٰۃ اشعۃ اللمعات

ص 506 ج 1) میں اور محدث مبارکپوری نے (مرعاۃ ص 14 ج 4) میں علامہ سندھی نے

(حاشیہ سنن نسائی) میں کیے ہیں۔ بحوالہ التعلیقات السلفیہ 93 ج 1)

اور اس معنی کا قرینہ بینہا کا لفظ ہے جسے آپ نے مؤلف حدیث اور اہل حدیث (ص 509) کی اندھی تقلید میں بینہما بنا دیا ہے حالانکہ یہ روایت ابو داؤد کے علاوہ سنن نسائی ص 93 ج 1، تہذیب ص 100 ج 3 ابن خزیمہ رقم الحدیث 1545) میں آتی ہے ان سب میں بینہا کا لفظ ہے مگر آپ نے شرم و حیا کو خیر باد کہتے ہوئے کمال عیاری و مکاری سے بینہما بنا دیا ہے۔ اس پر ہم اس کے سوا اور کیا کہہ سکتے ہیں اللہ آپ کو راہ راست پر لائے اور ان عیاریوں سے توبہ کی توفیق عطا کرے۔ ویسے ہمارا مخلصانہ مشورہ ہے کہ توبہ کر لیں کیونکہ اگر قیامت کے روز ان چیزوں کے بارے میں آپ سے سوال ہوا تو آپ سے کچھ جواب نہیں بن پڑے گا۔ آخر حسرت و مایوسی سے ”یلتیتی کنت توابا“ کہو گے۔

تالیف:۔ آپ کی نقل کردہ احادیث میں پہلی حدیث ابن عمر میں الفاظ و سدو الخلل (خالی جگہوں کو بند کرو) اور ’ولا تزروا فرحان‘ (صف میں خالی جگہ نہ چھوڑو) کا تعلق زیر بحث مسئلہ سے تھا جن کی طرف آپ نے خیرت اشارہ نہ کیا اسے بے ایمانی کہیں یا آپ کے روایتی طریقہ واردات سے تعبیر کریں۔ پھر آخری حدیث انس میں ((رصوا صفو

نکم) کا بھی قدرے زیر بحث مسئلہ سے واسطہ تھا اسے بھی آپ نے ترک کر دیا۔

ملا علی القاری ان الفاظ کا معنی کرتے ہیں کہ ((سو وہا وضموا بعضکم الی بعض حتی لا یکون بینکم فرجة)) یعنی ایسے برابر ہو جاؤ کہ تم ایک دوسرے میں ضم ہو جاؤ یہاں تک تمہارے درمیان کوئی خالی جگہ نہ رہے۔ (مرقاۃ ص 71 ج 3)

علامہ فتنی حنفی 'رصوا' کا معنی کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں کہ ((ای تلاصقوا حتی لا یکون بینکم فرج مجمع بحار الانوار ص 334 ج 2)) یعنی ایسے مل کر کھڑے ہو کہ تمہارے درمیان کوئی خالی جگہ نہ رہے۔

اب ایمان سے کہنا (اگر ایمان باقی ہے) کیا ان احادیث میں آپ کے ہاں عمل ہوتا ہے۔ نہیں یقیناً نہیں کیونکہ آپ کی مساجد میں نمازی درمیان میں تقریباً بالشت بھر جگہ چھوڑ کر کھڑے ہوتے ہیں۔

حنفیہ کا موقف

آل دیوبند کے سرخیل مولانا رشید احمد گنگوہی فرماتے ہیں کہ: درمیان دونوں قدموں مصلیٰ (نمازی) کے فاصلہ بقدر چہار انگشت چاہیے۔ (فتاویٰ رشیدیہ 291)

اس صورت میں دو نمازیوں کے درمیان ایک خاصہ فرجہ رہ جاتا ہے۔ حالانکہ فرجہ ملانے کی آنحضرت ﷺ نے تلقین فرمائی ہے پھر اپنے قدموں کے درمیان میں چار انگلیوں کی مقدار کے برابر فاصلہ رکھنے پر کوئی دلیل قرآن و سنت سے موجود نہیں ورنہ مولانا گنگوہی اسے نقل کرتے اور ہمارے معاصر جناب ابوبلال صاحب اس پر نمک مرچ لگا کر خوب اس کی تشہیر کرتے۔ مگر ان دونوں میں سے کسی نے بھی اپنے موقف پر کوئی دلیل قائم نہیں کی اور ہمارا پوری دنیا کے منکرین سنت کو چیلنج ہے کہ وہ اپنے لاؤ لشکر سمیت مل کر سر توڑ کوشش کرنے کے باوجود اس پر کوئی دلیل نہیں دے سکتے۔

حنفیہ کی تاویل یا تحریف

دیوبندیوں کے ایک سرگرم رکن مولانا انوار خورشید فرماتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں جو یہ مذکور ہے کہ ہم میں سے ہر ایک اپنا قدم اپنے ساتھی کے قدم سے ملا دیتا تھا اس سے آپ کا مقصد صف بندی اور درمیان سے خلاء کو پر کرنے میں انتہائی اہتمام بتلانا ہے نہ کہ حقیقتاً قدم سے قدم ملانا۔

(حدیث اور اہل حدیث ص 514)

اولاً:- راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ مؤلف کا یہاں الذاق کو مجازی معنی پر محمول کرنا قرینہ قویہ کا محتاج ہے اور اس تفسیر پر کوئی معتبر دلیل ہونی چاہئے جو خیر سے ان کے پاس نہ عقلی اور نہ ہی نقلی دلیل موجود ہے اور نہ یہاں قدم سے قدم ملانے کو مجاز پر محمول کرنے پر کوئی ضعیف قرینہ ہے اس مقلد نے اپنی اختراع سے اس سنت کو بدعت میں بدل دیا ہے کیونکہ خالی جگہ رکھنا قدم سے قدم نہ ملانا بدعت ہے۔

ثانیاً:- ہمارے پاس صرف لفظ الزاق (قدم سے قدم اور کندھے سے کندھا ملانے کا) ہی نہیں بلکہ سد الخلل، تراصوا، اور 'ولا تذروا فرجات' کے الفاظ بھی ہیں جو الزاق کے معنی حقیقی پر دلالت کرتے ہیں کیونکہ تراصوا پر عمل ممکن ہی نہیں جتنی دیر تک کندھے سے کندھا اور قدم سے قدم نہ ملایا جائے۔

علمائے اہل حدیث کا فتویٰ

حدیث صحیح صریح کی موجودگی میں ہمیں کسی عالم کا فتویٰ پیش کرنے کی ضرورت تو نہیں لیکن ہمارے بھائی نے جس طرح اقوال رسول ﷺ کا حلیہ بگاڑا ہے اسی طرح علمائے اہل حدیث کے فتاویٰ نقل کرنے میں بھی تقلیدی ہاتھ کی صفائی دکھائی ہے، جس کی وجہ سے ہم ضرورت محسوس کر رہے ہیں۔ شارح سنن ابی داؤد حضرت مولانا محمد شمس الحق محدث عظیم آبادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ((فہذہ الاحادیث فیہا دلالة واضحة علی اہتمام تسویة الصفوف وانہا من اتمام الصلاة وعلی انہ لا یتاخر بعض

علی بعض ولا يتقدم بعض علی بعض وعلی انه يلزق منكبه بمنكب صاحبه وقدمه بقدمه وركبته بركبته لكن اليوم تركت هذه السنة ولو فعلت نبيوم لنفر الناس كالحمر الوحشية فاننا لله وانا اليه راجعون)) یعنی ان احادیث میں صفوں کو برابر کرنے کا واضح بیان ہے اور یہ اتمام نماز سے ہے اور اس کی کیفیت یہ ہے کہ ایک دوسرے سے آگے یا پیچھے نمازی کھڑا نہ ہو اور کندھے سے کندھا، قدم سے قدم اور گھٹنے سے گھٹنا ملا یا جائے۔ لیکن آج اس سنت کو ترک کر دیا گیا ہے اگر کوئی آج اس سنت پر عمل کرے تو لوگ اس سے ایسے بھاگتے ہیں جیسے جنگلی گدھا بھاگتا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ (التعلیق المغنی ص 284 ج 1 و عون المعبود ص 250 ج 1)

شراح سنن ترمذی حضرت مولانا محمد عبدالرحمن محدث مبارکپوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ((فظہر ان الزاق المنكب بالمنكب والقدم بالقدم فی الصوف سنة قد عمل بها الصحابة رضی اللہ عنہم خلف النبی ﷺ وهو المراد باقامة الصف وتسويته علی ما قال الحافظ. لكن قال معمر احد رواة حديث انس فی روايته لو فعلت. ذلك باحدہم اليوم لنفر كانہ بغل شمس قلت هكذ احال اكثر الناس فی هذا الزمان فانہ لو فعل بهم ذلك لنفروا كانہم حمر وحش وصارت هذه السنة عندہم كانها بدعة عیاذ اللہ فہداهم اللہ تعالیٰ واذاقہم حلاوة السنة))

یعنی ان احادیث سے ظاہر ہوا کہ صفوں میں کندھے سے کندھا اور قدم سے قدم ملا سنت ہے اور اسی پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی ﷺ کی اقتدا (نماز میں) عمل کیا ہے اور صفوں کو درست اور برابر کرنے سے یہی مراد ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں کہا ہے لیکن حدیث کے راویوں میں سے امام معمر کہتے ہیں کہ اگر میں آج کسی کے ساتھ اس طرح کروں تو وہ اس سے بھاگتا ہے جیسے وحشی گھوڑا ہوتا ہے۔ (محدث مبارکپوری فرماتے ہیں) کہ میں کہتا ہوں کہ اس زمانے میں بھی اکثر لوگوں کا حال اسی طرح ہے کہ اگر ان کے ساتھ آج بھی

اسی طرح صف میں کیا جائے تو وہ اس سے ایسے بھاگتے ہیں جیسے جنگلی گدھا بھاگتا ہے اور ان کے نزدیک یہ سنت ایسے ہو گئی ہے جیسے بدعت ہوتی ہے اللہ محفوظ رکھے اور ان لوگوں کو ہدایت دے اور سنت سے محبت کا ذائقہ انہیں چکھائے۔

(ابکار المؤمنین فی تنقید آثار السنن ص 245)

اکابر علماء الہدایت کی تحریرات کا استعیاب مقصود نہیں ورنہ ہم اس پر مقدمین اور متاخرین کی بیسیوں عبارات پیش کر سکتے ہیں ان دو بزرگ عالموں کا انتخاب ہم نے اس وجہ سے کیا ہے کہ برصغیر میں ان کا شمار الہدایت کے اکابر علماء میں سے ہوتا ہے اور ان سے اختلاف کے باوجود فریق ثانی بھی ان کے علم و فضل کا لوہا مانتا ہے اور حضرات متقدمین سے عدم نقل کی وجہ یہ ہے کہ فریق ثانی ہمیشہ کی طرح یہاں بھی کہہ دیتا کہ یہ شافعی ہیں یا حنبلی۔

کیا اہل حدیث کی مساجد میں اس پر عمل نہیں ہوتا ہے؟

ہمارے معاصر نے تحفہ اہل حدیث کے صفحہ ۲۵ پر یہ مغالطہ دیا ہے کہ اہل حدیث

کی مساجد میں بھی اس پر عمل نہیں ہوتا۔

بھائی اگر اس پر عمل ہی متروک ہو گیا ہے تو پھر آپ کو اس کے رد کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ آپ کے رد کرنے سے ہی یہ ثابت ہوتا ہے کہ بفضلہ تعالیٰ اس سنت پر اہل حدیث کی مساجد میں عمل ہوتا ہے۔

ویسے ہمارا مخلصانہ مشورہ ہے کہ آپ کذب و افتراء سے لبریز تصنیف کی بجائے پہلی فرصت میں کسی اہل حدیث معسکر میں طریقہ نماز کی تعلیم ضرور حاصل کریں اگر آپ سنت سے محبت کے جذبہ میں تیار ہوں تو اخراجات راقم برداشت کرے گا۔ انشاء اللہ



حصہ سوم، فصل اول

مسئلہ تقلید

تقلید کی لغوی تعریف: لغت میں تقلید معنی گلے میں کسی چیز کو لٹکانا ہے جیسا کہ علامہ زحسری حنفی نے لکھا ہے۔ (اساس البلاغہ ص 375)

لیکن جب اس کا استعمال دین کے مفہوم میں آئے تو اس وقت اس کا معنی کسی کی بات کو بغیر دلیل اور غور و فکر کے قبول کر لینا ہے۔ جیسا کہ (لسان العرب ص 367 ج 3) وغیرہ معتبر کتب لغت میں ہے۔

مولانا سرفراز خاں صفدر فرماتے ہیں کہ: لغت کی جدید اور معروف کتاب (مصباح اللغات ص 764) میں ہے قلدہ فی کذا اس نے اس کی فلاں بات میں بغیر غور و فکر کے پیروی کی۔ (الکلام المفید ص 30)

اصطلاحی تعریف: علماء اصول نے تقلید کی تعریف یوں کی ہے:

((التقلید العمل بقول الغير من غير حجة)) (مسلم الثبوت ص 350 ج 2)

یعنی تقلید ایسے عمل کا نام ہے جو کسی کی بات پر بغیر دلیل کے کیا جائے۔ یہی تعریف علامہ آمدی متوفی 613ھ نے (الاحکام ص 168, 167 ج 3 طبع مصر 1347ھ) میں بحر العلوم عبد العلی نے 'فوائد الرموت ص 400 ج 2 طبع مصر 1324ھ میں علامہ نووی نے (تہذیب الاسماء واللغات ص 101 ج 4 طبع بیروت) میں ابن حاجب نے (مختصر 231) میں حضری نے (اصول فقہ ص 457) میں مفتی احمد یار گجراتی نے (جاء الحق ص 15 ج 1) میں اور مولوی غلام رسول سعیدی حنفی بریلوی نے شرح صحیح مسلم ص 329 ج 3) میں کی ہے۔

مولانا سرفراز خاں صفدر حنفی دیوبندی فرماتے ہیں کہ: اصطلاحی طور پر تقلید کا یہ

مطلب ہے کہ جس کا قول حجت نہیں اس کے قول پر عمل کرنا۔ (الکلام المفید ص 35)

اس تعریف سے ثابت ہوا کہ تقلید بلا دلیل اطاعت و اقتداء کا نام ہے جس میں علم و استدلال نظر و فکر کی جگہ حسن ظن کو دی گئی ہے۔ یہ بات کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ انسان میں علم و تحقیق اور جستجو کو ودیعت کیا گیا ہے بلا سوچے سمجھے کسی کے پیچھے محض حسن ظن سے لگنا کوئی بھی پسند نہیں کرتا۔ ٹھیک اسی طرح غیر معلوم مسائل میں علماء کی طرف رجوع کرنا کوئی بھی معیوب نہیں سمجھتا۔

ظاہر ہے کہ امت سے کسی انسان کو واجب الاتباع اور کامل ترین نمونہ قرار دینا اور اس کی بات کو حرف آخر کہنا عملاً اس کی بات کو من و عن قبول کرنا اس سے انحراف کو گمراہی و لادینی وغیرہ جیسے کلمات سے تعبیر کرنا بلکہ اس سے علمی اختلاف کرنے والے کو لامذہب سے مخاطب کرنا شرک ہے۔ کیونکہ واجب الاتباع صرف اور صرف اللہ کی ذات ہے اور انبیاء کی اتباع و پیروی درحقیقت اللہ ہی کی اطاعت و فرمان برداری ہے۔ جیسا کہ خالق ارض و سماء کہتا ہے:

﴿مَنْ يَطْعُ الرَّسُولَ فَقَدْ اطَاعَ اللَّهَ﴾ (سورۃ النساء: 80)

یعنی جس نے اللہ کے رسول کی اطاعت کی اس نے گویا اللہ کی اطاعت کی۔

ہماری اس تمہیدی بات سے ہمارے معاصر کی اس غلط فہمی کا بھی ازالہ ہو گیا کہ

تقلید شرک نہیں ہے۔ (مفہوم تحفہ اہل حدیث ص 32)

کیا تقلید شرک نہیں؟

اس کی تفصیل تو ہم آخر میں درج کریں گے سرے دست مولف تحفہ اہل حدیث کے استاذ محترم کا حوالہ درج کر دیتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ: کوئی بد بخت اور ضدی مقلد دل میں یہ ٹھان لے کہ میرے امام کے قول کے خلاف اگر قرآن و حدیث سے بھی کوئی دلیل قائم ہو جائے تو میں اپنے مذہب کو نہیں چھوڑوں گا تو وہ مشرک ہے ہم بھی کہتے ہیں۔ لا شک فیہ (اس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں) (الکلام المفید ص 310) مزید صفحہ

298 میں دیکھئے

حنفی:- اس حقیقت سے انحراف کے لیے ابولبال نے ایک چور دروازہ بھی کھولا ہے۔ کہتا ہے یہ تعریف آپ نے کس حدیث شریف سے اخذ کی ہے۔ (تحفہ اہل حدیث ص 31)

محمدی:- کتنے افسوس کی بات ہے کہ جرم تو آپ کریں اور دلیل ہم سے طلب کریں۔ عزیز بھائی یہ تعریف آپ کے مقلد علماء اصول نے کی ہے، اگر تقلید کوئی حکم شرعی ہوتا اور ہم اس پر عمل بھی کرتے تو تب تو آپ کا سوال درست تھا، لیکن ہم تو اسے دین میں بدعت کہتے ہیں جو شرک فی الاطاعت ہے۔ مگر آپ بھولے پن سے اس تعریف پر ہم سے حدیث کا سوال کر رہے ہیں آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ دین میں بدعات کی تعریف مبتدعین کی ہی مسلم ہوتی ہے۔

یہ بات یاد رکھئے کہ ہمارے نزدیک احکام شرعیہ میں قرآن و حدیث ہی کافی ہے۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ ہر فعل میں قرآن و حدیث ہی کافی ہے۔ مثلاً اگر کوئی جاٹ یہ کہہ دے کہ قرآن و حدیث سے یہ دکھائیے کہ دھان کی فصل کب کاشت کرنی چاہیے؟ یا آپ سے کوئی یہ کہہ دے کہ گندم کو کب کاشت کرنا چاہیے۔ اس کی دلیل قول امام سے عنایت کیجئے تو یقیناً آپ بھی ایسے سوال کرنے والے کو جواب کی بجائے دماغی آپریشن کا مشورہ دیں گے۔ ہاں اگر ہم آپ سے یہ سوال کریں کہ آپ کے نزدیک تقلید حکم شرعی ہے اور آپ امام ابوحنیفہ کے مقلد بھی ہیں تو جو تقلید کی تعریف آپ نے بیان کی ہے وہ امام صاحب کے قول سے دکھائیے؟ مگر آپ کوشش کے باوجود اس کا جواب قیامت تک نہیں دے سکتے۔

تقلید اور اتباع میں فرق

مذکورہ سطور میں آپ نے پڑھ لیا ہے کسی کی دلیل کے بغیر پیروی کرنے کو تقلید کہتے ہیں جبکہ اتباع بادل ہوتی ہے جس کی وجہ سے آنحضرت ﷺ کی پیروی کو تقلید نہیں کہہ سکتے کیونکہ یہ دلیل کی پیروی ہے۔

امام ابن قیم نے اعلام الموقعین میں اس پر بڑا اچھا تبصرہ کیا ہے۔ فرماتے ہیں:
والاتباع ما ثبت علیہ حجة ص 137 ج 2، یعنی تقلید بغیر دلیل کے ہوتی ہے اور اتباع
بادلیل، مولانا غلام رسول سعیدی حنفی بریلوی فرماتے ہیں کہ: تقلید کے معنی ہیں دلائل سے
قطع نظر کر کے کسی امام کے قول پر عمل کرنا اور اتباع سے یہ مراد ہے کہ کسی امام کے قول کو
کتاب و سنت کے موافق پا کر اور دلائل شرعیہ سے ثابت جان کر اس قول کو اختیار کرنا۔
(شرح صحیح مسلم ص 63 ج 5)

مؤلف تحفہ اہل حدیث کے استاذ مکرم مولانا سر فراز خاں فرماتے ہیں کہ: یہ طے
شدہ بات ہے کہ اقتداء و اتباع اور چیز ہے اور تقلید اور ہے۔ (راہ سنت ص 35)
اس سے واضح ہو گیا کہ عالمی کا عالم کی طرف بوقت ضرورت رجوع کرنا تقلید
نہیں کیونکہ عالم اپنے فتویٰ میں قرآن و حدیث درج کرے گا۔ جس کو ماننا مستفتی پر پہلے سے
ہی فرض تھا۔ پس عالم نے اسے قرآن و حدیث سے مسئلہ سمجھایا ہے۔
فاضل قذھاری نے اور ملا حسن شرنبلالی نے عقد الفرید میں یہی کہا ہے کہ عالمی کا
مفتی کی طرف رجوع کرنا تقلید نہیں۔ (بحوالہ معیار الحق ص 66)

رد تقلید

قرآن کریم سے: قرآن کریم میں متعدد آیات سے تقلید کی نفی ہوتی ہے ہم اختصار
سے قارئین کرام کو چند آیات کی نشان دہی کراتے ہیں۔ سورہ زخرف میں ارشاد ہوتا ہے کہ:
﴿فاستمسك بالذی اوحی الیک انک علی صراط مستقیم﴾ (زخرف: 43 پ 25)
جو کلام تیری طرف بذریعہ وحی بھیجا گیا ہے اس کو مضبوطی سے پکڑے رہ اس میں شک نہیں
کہ تو سیدھی راہ پر ہے (ثانی)
سورہ مائدہ میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿لا حکم بینہم بما انزل اللہ ولا تتبعہم اہواءہم﴾ (المائدہ 48)

پس تو ان میں خدا کے اتارے ہوئے حکموں سے فیصلہ کیجیے۔ اور جو تیرے پاس سچی تعلیم آئی ہے اسے چھوڑ کر ان کی خواہشات کے پیچھے نہ چلیے۔ (ثانی: 5-48)

ان آیات میں اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ پیروی صرف اور صرف وحی کی کیجئے اور وحی کی موجودگی میں احواء و خواہشات کی پیروی نہ کرنا۔
سورہ النحل میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَلَا تَقُولُوا لِمَا تَصِفُ السُّنُكُمُ الْكُذْبَ هَذَا حَلَالٌ وَ هَذَا حَرَامٌ لَتَفْتُرُوا عَلَى اللَّهِ الْكُذْبَ إِنَّ الَّذِينَ يَفْتُرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكُذْبَ لَا يَفْلِحُونَ مَتَاعٌ قَلِيلٌ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ (سورہ النحل: 116 تا 117)

اور اپنی زبانوں کے جھوٹ بیان سے نہ کہا کرو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام کہ تم اللہ پر جھوٹ کے بہتان باندھنے لگو جو لوگ اللہ پر جھوٹے افترا کرتے ہیں ہرگز نہ با مراد ہوں گے ان کے لئے تھوڑا سا گزارہ ہے اور ان کے لئے دکھ کا عذاب ہے۔ (ثانی)

آیت اپنے مقصد میں بالکل واضح ہے کہ کسی چیز کو حلال و حرام قرار دینا اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے اور یہ کہ اپنی طرف سے کسی چیز کو حلال و حرام کہنا مالکِ حقیقی پر بہتان باندھنا ہے اس بات کا رب رحمن نے سورہ یونس آیت ۵۹ میں بھی بیان کیا ہے۔ الغرض کسی چیز کی حلت و حرمت کا تعلق اللہ کی ذات سے خاص ہے اب جو شخص امام ابو حنیفہ کی تقلید کو حلال قرار دے کر اسے فرض و واجب کہتا ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ اللہ کی طرف جھوٹ منسوب کرتا ہے کیونکہ اللہ نے کسی جگہ بھی امام ابو حنیفہ کی تقلید کرنے کا حکم و ارشاد نہیں فرمایا۔ اس آیت سے ایک اور بات بھی معلوم ہوئی وہ یہ کہ جب کوئی شخص کسی چیز کو حلال و حرام کہتا ہے تو اس کی حلت و حرمت کی کوئی دلیل قرآن و سنت سے دینا اس پر لازم ہے ورنہ وہ افترا علی اللہ ہو گا اور اس سے بھی بڑھ کر وہ شخص نادان و جاہل اور اللہ کی صفت میں شریک ٹھہرانے والا ہو گا جو انسان اس حلت و حرمت کے فتویٰ کو بلا چون و چرا قبول کر لیتا ہے اور اسے تمام واجبات سے زیادہ اہمیت دیتا ہے بلکہ اس کی طرف دعوت دیتا ہے اور اس سے انحراف اسلام سے بغاوت کے

مترادف قرار دیتا ہے اور اس بے دلیل فتویٰ کے منکرین کو گمراہ و ضال اور مبتدعین میں شمار کرتا ہے۔

ہمارے معاصر نے تحفہ الہمدیث میں فقہ کی کتاب در مختار کی بڑی دھوم دھام سے تعریف کی ہے اور اسے مدینہ کی تصنیف قرار دیا ہے۔ (صفحہ 79)

ہم نے خاص اسی کتاب سے جو ہم فصل ہفتم میں چند فقہ حنفیہ کے مسائل نقل کیے ہیں اور ان کا مفتی بہ ہونا بھی نقل کیا ہے اور دیگر کتب فقہ حنفیہ سے اس کی تائیدات بھی نقل کی ہیں اگر ان میں اخلاقی جرأت ہے تو ان تمام مسائل کو قرآن و سنت سے ثابت کریں ورنہ تسلیم کر لیں کہ در مختار کی طرف ہماری دعوت مذکورہ آیت میں بتائی گئی و عید شدید کے زمرہ میں آتی ہے۔

تقلید کی رسم اہل کتاب میں تھی؟

اصل میں تقلید اہل کتاب اور مشرکین عرب کی رسم بد ہے اس کا دین اسلام سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ ارشاد بانی ہے:

﴿اتخذوا احبارہم و رهبانہم اربابا من دون اللہ و المسیح ابن مریم و ما امروا

الا لیعبدوا الہا و احدا لا الہ الا هو سبحنہ عما یشرکون﴾ (التوبہ: 31)

انہوں نے اپنے پادریوں اور درویشوں اور مسیح ابن مریم کو اللہ کے سوا معبود بنا رکھا ہے حالانکہ حکم صرف یہی تھا کہ اکیلے معبود کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں عبادت کریں وہ ان کے شرک سے پاک ہے۔ (ثانی: ص 31 ج 9)

اس آیت کی تفسیر نبی کریم ﷺ نے خود فرمائی ہے، جسے حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے یہ آیت رسول اللہ ﷺ کو تلاوت کرتے ہو سنا تو میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ ہم نے ان کی کبھی بھی عبادت نہیں کی اور نہ ہم مولویوں اور درویشوں کو رب مانتے تھے تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ:

((اما انہم لم یکنوا یعبدونہم ولكن ہم اذا اہلوا اللہ شیئاً استحلواہ و اذا حرما علیہم شیئاً حرماہ))

وہ اپنے علماء کی عبادت نہیں کرتے تھے جب ان کے علماء کسی چیز کو حلال کہہ دیتے تو وہ اسے حلال کر لیتے اور جب وہ کسی چیز کو حرام قرار دیتے تو وہ بھی اسے حرام تسلیم کر لیتے۔ (سنن ترمذی مع تحفہ الاحوذی ص 117 ج 4)

اس آیت کی تفسیر میں علماء دیوبند کا بھی یہی موقف ہے کہ اہل کتاب کا معاملہ ایسے ہی تھا چنانچہ مولانا اشرف علی تھانوی فرماتے ہیں کہ: یہود و نصاریٰ نے خدا کی توحید فی الطاعت کو چھوڑ کر اپنے علماء اور مشائخ کو باعتبار اطاعت کے رب بنا رکھا ہے کہ ان کی اطاعت تحلیل اور تحریم میں مثل اطاعت خدا کے کرتے ہیں کہ نص پر ان کے قول کو ترجیح دیتے ہیں اور ایسی اطاعت بالکل عبادت ہے۔ (بیان القرآن ص 107 ج 4 منزل نمبر 2 طبع.....)

اسی صفحہ کے حاشیہ میں مسائل السلوک کے عنوان کے تحت فرماتے ہیں کہ اس میں نصوص کے مقابلہ میں تقلید کرنے کی مذمت ہے جیسے جاہلوں کی عادت ہے کہ جب رسوم منکرہ سے منع کیا جائے تو اپنے مشائخ سے تمسک کرتے ہیں۔

(حاشیہ بیان القرآن ص 107 ج 4)

مولانا تھانوی نے اس اقتباس میں یہ بات تسلیم کی ہے کہ نصوص کے بالمقابل تقلید اصل میں علماء و مشائخ کی عبادت ہے اس میں مزید یہ بات بھی داخل کر لیں کہ مقلدین حضرات جب تقلید کرتے ہیں وہ امام کی بعض مسائل میں تقلید کرتے ہیں یا تمام مسائل میں اگر وہ تمام مسائل میں تقلید کرتے ہیں یقیناً کرتے ہیں تو کیا وہ نصوص اور اپنے امام کے تقلیدی مسائل کا تقابل کرتے ہیں؟ اس کا جواب یقیناً نفی میں ملے گا کیونکہ جب امام نئے مسائل پر عدم اعتماد ہو گیا اور ان کے مسائل کی تحقیق کرنی جائے تو یہ تقلید نہیں رہے گی کیونکہ تقلید تو کہتے ہی کسی کی بات کو بغیر دلیل کے ماننا جیسا کہ پہلے عرض کر دیا گیا ہے۔ مزید سنئے کہ حافظ ابن حجر بخاری کی شرح میں علامہ آمدی سے تقلید کی تعریف نقل کرتے ہیں

کہ: ((بان المراد بالتقليد اخذ قول الغير بغير حجة ومن قامت عليه حجة لم يكن مقلد لانه لم ياخذ بقول غيره بغير حجة))

یعنی تقلید سے مراد غیر کے قول کو بغیر دلیل کے قبول کرنا ہے۔ (فتح الباری ص 299 ج 13)

اور جس پر دلیل قائم ہوگی وہ مقلد نہیں اس لیے کہ اس نے غیر کے قول کو دلیل کے بغیر قبول نہیں کیا۔ باب ما جاء في دعا النبي ﷺ أمته الى توحيد الله تبارك و تعالی الغرض مذکورہ آیت میں علماء و مشائخ کے اقوال کو دلیل کے بغیر قبول کرنے کو عبادت سے تعبیر کیا گیا ہے اور اسی کا ہی دوسرا نام تقلید ہے اور جب ان کے اقوال کو نصوص کے ساتھ تقابل کیا جائے تو اس کا نام ترک تقلید ہے۔

تھوڑا عرصہ قبل دیوبندی مکتب فکر کی طرف سے 'دفاع امام ابو حنیفہ' کے نام سے مولانا عبدالحق حقانی نے کتاب تصنیف کر کے شائع کی ہے اس کے مقدمہ میں قاضی محمد زاہد الحسینی فرماتے ہیں: (حنفی) مسلمان فقہ حنفی سے اس قدر غافل ہو رہے ہیں کہ ان کو حنفیت کا احساس تک نہیں رہا اسی طرح اپنے وطن عزیز پاکستان میں بعض وہ لوہارے اور طبقات جن کو حنفیت کے فروغ اور تحفظ کے لیے محنت کرنی چاہیے تھی بالارادہ یا بلا ارادہ اس سے غفلت برت رہے ہیں۔ دینی مدارس میں فقہی نصاب کو مختصر سے مختصر کیا جا رہا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ملک میں مفتی حضرات کا فقدان ہے۔ استدلال کے بجائے فقہ حنفی کے لیے قرآن و حدیث کا مطالعہ زوروں پر ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ بارہ سو سال سے مرتب شدہ مسائل میں مویشگافیاں کی جا رہی ہیں۔ کتب حدیث کا اردو زبان میں صرف ترجمہ کر کے عدم تقلید کا دروازہ کھولا جا رہا ہے اس کے نتیجے میں علماء راہنہ کی جگہ صرف اردو خوان اور اردو دان طبقہ لے کر مارقیت (خارجیت) کی اشاعت کر رہا ہے حالانکہ ہر مقلد کے لئے آخری دلیل مجتہد کا قول ہے جیسا کہ مسلم الثبوت میں ہے اما المقلد فمسئدہ قول المجتہد)) یعنی مقلد کو صرف مجتہد کا قول کافی ہوتا ہے۔

لیجئے قاضی صاحب نے تمام فیصلے کر دیئے کہ مقلد کے لئے صرف اس کے امام کا قول ہی حجت ہے اور جو شخص قرآن و حدیث کو پڑھتا پڑھاتا اور اس کی نشر و اشاعت کرتا ہے وہ ترک تقلید کا دروازہ کھولتا ہے جس کا نتیجہ خارجیوں کے مسلک کی نشر و اشاعت ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

مزید یہ کہ اپنے امام کے قول کی دلیل دریافت کرنے کی غرض سے قرآن و حدیث کو پڑھنا بھی ترک تقلید اور اپنے امام کے مسائل میں موٹا گناہیاں ہیں جب کہ مقلد کے لیے مجتہد کا قول ہی کافی ہوتا ہے اور یہی کچھ اہل کتاب کرتے تھے ان کے لیے دلیل علماء و مشائخ کے اقوال ہی تھے اور اسی موقف و نظریہ کی تردید قرآن کریم نے کی ہے۔

مقلدین کا طرز عمل

اسی بات کا شکوہ کرتے ہوئے امام رازی نے تفسیر کبیر میں سورہ توبہ کی آیت ۳۱ کے تحت لکھا ہے کہ:

((قال شيخنا ومولانا خاتمة المحققين و المجتهدين رضی اللہ عنہ قد شاهدت جماعة من مقلدة الفقهاء قرأت عليهم آيات كثيرة من كتاب الله تعالى في بعض مسائل و كانت و مذاہبم بخلاف تلك الآيات ولم يقبلوا تلك الآيات ولم يلتفتوا إليها و بقوا ينظرون إلى كالمتعجب یعنی كيف يمكن العمل بظواهر هذه الآيات مع ان رواية سلفنا وردت على خلافها ولو تأملت حق لاتامل و جدت هذا الداء ساريا في عروق الاكثرين من اهل الدنيا))

یعنی ہمارے شیخ اور خاتم المحققین و المجتہدین فرماتے ہیں کہ میں نے فقہاء مقلدین کے ایک گروہ کا مشاہدہ کیا ہے کہ میں نے انہیں کتاب اللہ کی متعدد ایسی آیات پڑھ کر سنائیں جو ان کے اسلاف کے خلاف تھیں تو انہوں نے صرف ان کے قبول کرنے سے منہ سچی موڑا! بلکہ سرے سے کوئی توجہ ہی نہیں دی اور مجھے تعجب خیز نظروں سے دیکھنے لگے کہ ان

آیات کے ظاہر پر عمل کیسے ہو سکتا ہے جب کہ ہمارے اکابر ان کے خلاف کہہ گئے ہیں امام رازی فرماتے ہیں اے مخاطب! اگر تو ٹھیک ٹھیک طور پر غور و فکر کرے تو یہ بیماری اکثر مقلدین میں گھسی ہوئی پائے گا جو اہل دنیا سے ہیں۔

(بحوالہ حاشیہ تفسیر جامع البیان ص 166 طبع دہلی 1344ھ)

حکیم الامت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ:

(فان شئت ان تبدی اموزج اليهود فانظر الی علماء السوء من الذین یطلبون
الدنیا وقد اعتادوا تقلید السلف واعرضوا عن نصوص الكتاب والسنة)
(وتمسکوا بتعمق عالم و تشددہ واستحسانہ فاعرضوا عن کلام الشارح
المعصوم و تمسکو باحدیث موضوعة و تاویلات فاسدة کانت سبب
هلاکهم))

یعنی اگر تم یہودیوں کا نمونہ دیکھنا چاہو تو ان علماء سوء کو دیکھ لو جو دنیا طلبی میں مشغول ہیں جن میں تقلید کی بیماری گھر کر گئی ہے جنہوں نے کتاب و سنت سے منہ موڑ لیا ہے اور ایک ہی امام کے پیچھے لگ گئے ہیں اور معصوم شارح علیہ السلام کے کلام (حدیث کو ترک کر رکھا ہے اور اقوال امام کو) من گھڑت روایات اور فضول تاویلوں سے خوب مضبوط بنا کر اسی سے تمسک کیے بیٹھے ہیں۔ بس یہی روش (یہود و نصاریٰ) کی ہلاکت کا سبب بنی۔ (الفوز الکبیر علی حاشیہ جامع البیان ص 54) اس سے ملتے جلتے الفاظ میں انہوں نے قہیمات میں کہا ہے جس کی ضروری تفصیل صراط مستقیم ص 49 میں حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ نے خوب کی ہے اس سلسلہ میں قاضی ابن ابی العز شارح عقیدہ طحاویہ، علامہ محمد حیات سندھی، امام عبد الرحمن بن اسماعیل، علامہ شعرانی، علامہ صالح القلانی اور علامہ لکھنوی رحمہم اللہ وغیرہ حضرات نے بھی بعض مقلدین کے اسی طرز عمل کی نشان دہی کی ہے کہ وہ تقلید میں نصوص کی قطعاً کوئی پرواہ نہیں کرتے اور امام کے اقوال کی ایسی پابندی کرتے ہیں جیسے نبی ﷺ کے فرمودات کی پابندی ہوتی ہے مولانا اشرف علی تھانوی حنفی دیوبندی اپنے ایک مکتوب میں

فرماتے ہیں کہ اکثر مقلد عوام بلکہ خواص اس قدر جاہل ہوتے ہیں کہ اگر قول مجتہد کے خلاف کوئی آیت یا حدیث بھی کان میں پڑتی ہے تو ان کے قلب میں انشراح و انبساط نہیں رہتا بلکہ اول استنکار قلب پیدا ہوتا ہے، پھر تاویل کی فکر ہوتی ہے، خواہ کتنی ہی بعید کیوں نہ ہو، خواہ دوسری دلیل قوی اس کے معارض ہو بلکہ مجتہد کی دلیل اس مسئلہ میں بجز قیاس کے کچھ بھی نہ ہو بلکہ خود دل میں اس تاویل کی وقعت نہ ہو مگر نصرت مذہب (حنفیہ) کے لیے تاویل ضروری سمجھتے ہیں، دل یہ نہیں مانتا کہ قول مجتہد کو چھوڑ کر حدیث صحیحہ صریحہ پر عمل کریں۔

(تذکرۃ الرشید ص 130, 131 ج 1)

مزید فرماتے ہیں کہ

بعض مقلدین نے اپنے امام کو معصوم عن الخطا و مصیب وجوباً مفروض الاطاعة تصور کر کے عزم بالجزم کیا کہ خواہ کیسی ہی حدیث صحیحہ مخالف قول امام کے ہو اور مستند قول امام کا بجز قیاس امر دیگر نہ ہو پھر بھی بہت سے علل اور خلل حدیث میں پیدا کر کے یا اس کی تاویل بعید کر کے حدیث کو رد کر دیں گے، ایسی تقلید حرام اور مصداق قولہ تعالیٰ،

﴿اتخذوا احبارہم الخ﴾ اور خلاف وصیت ائمہ مرحومین ہے۔

(امداد الفتاویٰ ص 88 ج 4 طبع قدیم و ایضاً ص 297 ج 5 طبع جدید کراچی)

مولانا تھانوی کی اس وضاحت کے بعد ضرورت تو نہیں کہ مقلدین کے اس انداز فکر کی شہادتیں پیش کی جائیں، تاہم اس بات کی نشان دہی کرنا ہم ضروری خیال کرتے ہیں کہ مقلدین نے بطور اصول لکھا ہے کہ اگر صحیح حدیث کے مخالف بھی قول امام ہو گا تب بھی مقلد پر تقلید اس پر عمل کرنا جائز نہیں، چنانچہ دیوبندی مکتب فکر کے، افضل الفضلاء، مولوی ارشاد الحسن رامپوری محدث دہلوی رحمہ اللہ کی تالیف ”مسیار حق“ کے جواہر میں مجدد الف ثانی سے نقل کرتے ہیں کہ

ہم مقلدوں کو چھوڑنا مذہب اپنے (امام) کا ظاہر احادیث کے جائز نہیں۔

(انصار الحق ص 255)

ان اقوال سے مؤلف ”تحفہ اہل حدیث“ کے اس وہم کا بھی ازالہ ہو جاتا ہے کہ میرے بھائی! آپ نے ہم پر دوسرا الزام لگا دیا کہ ہم حدیث رسول ﷺ کو چھوڑ کر فقہ کو مانتے ہیں، آپ نے احناف کا موقف اور مقصد ہی نہیں سمجھا، اگر سمجھ لیتے تو ہرگز یہ اعتراض نہ کرتے۔ (ص 34)

بھائی اگر یہ الزام ہے تو لگانے والے ہم نہیں بلکہ اکابر احناف ہیں، جس میں خیر سے آپ کے حکیم الامت، بھی شامل ہیں۔ اگر حکیم صاحب بھی مقصد نہیں سمجھے تو آپ جیسے تقلیدی بیماروں نے خاک سمجھنا ہے، حقیقت وہی ہے جو ہم عرض کر چکے ہیں، آپ کا انکار فقط جھوٹ اور دفع الوقتی ہے۔

مقلد کے اصول

پیارے! ہمارے یعنی احناف کے ہاں سب سے پہلے قرآن کو دیکھا جاتا ہے، اگر مسئلہ قرآن شریف میں مل جائے تو الحمد للہ ورنہ حدیث رسول کو دیکھتے ہیں، اگر مل جائے تو ٹھیک ورنہ اجماع میں دیکھتے ہیں، اگر اجماع میں بھی نہ ملے تو پھر فقہ سے یعنی قیاس شرعی سے مسئلہ حل کیا جاتا ہے۔ فقہ کا تو چوتھا نمبر ہے۔ ہمارے ہاں تو حدیث ضعیف بھی ہوتی ہے اولیت اور فوقیت حدیث کو ہی ہوگی، قیاس کو نہیں ہوگی۔ (تحفہ اہل حدیث ص 34)

الجواب: اولاً:- قارئین کرام! یہ اتنا بڑا جھوٹا مذہب کے نام پر بولا گیا ہے جس کی مثال تلاش کرنے کے باوجود نہیں ملے گی، اور بولنے والے بھی ماشاء اللہ دین کے واحد ٹھیکے دار اور ایمان کامل کا دعویٰ کرنے والے ہیں، مسیحی فقہ حنفی کے اصول میں لکھا ہے، ”ادلہ اربعہ سے فقط مجتہد ہی فوائد حاصل کر سکتا ہے، مقلد کو تو صرف قول امام کی ضرورت ہوتی ہے۔“

حنفیوں کے صدر الشریعہ فرماتے ہیں کہ

(فالادلة الاربعة انما يتوصل بها المجتهد لا المقلد فاما المقلد فالدليل عنده قول المجتهد فالمقلد يقول هذا الحكم واقع عندى لانه اوى اليه راي ابى

حنيفة وكل ماوى اليه رايه فهو واقع عندى)

(التوضیح مع التلویح ص 44 طبع نول کشور 1292ھ)

یعنی اولہ اربعہ (قرآن و حدیث، اجماع اور قیاس) سے صرف مجتہد ہی کچھ حاصل کر سکتا ہے، مقلد نہیں، کیونکہ مقلد کے نزدیک تو دلیل صرف اس کے امام مجتہد کا قول ہوتا ہے، مقلد تو فقط یہی کہے کہ میرے نزدیک اس مسئلہ کا یہی حکم ہے اس واسطے کہ میرے امام ابوحنیفہ کی رائے یہی ہے اور جس حکم تک بھی مجھے ان کی رائے نے پہنچایا ہے بس میرے نزدیک وہی صحیح ہے (اتمی)

یہ عبارت کسی حاشیہ آرائی کی محتاج نہیں، بلکہ اپنی تفسیر آپ ہے کہ اولہ اربعہ کی طرف رجوع مجتہد کا کام ہے اور مقلد کی دلیل قول امام ہے،
ثانیاً:- یہ بھی آپ کی غلط بیانی ہے کہ مقلدین کے نزدیک ضعیف حدیث بھی قیاس پر مقدم ہے، ملا جیون اصولی حنفی لکھتا ہے کہ

(وان عرف بالعدالة والضبط دون الفقة كانس و ابى هريرة ان وافق حديثه القياس عمل به و هو ان خالفه لم يترك الا بالضرورة وهى انه لو عمل بالحديث لانسد باب الراى)

یعنی اگر راوی عادل و ضابط ہو لیکن فقیہ نہ ہو، جیسے انس بن مالک اور ابو ہریرہؓ تو اگر ان کی روایت کردہ حدیث قیاس کے مطابق ہے تو عمل کر لیا جائے گا اور اگر قیاس کے خلاف ہے تو بالضرورة چھوڑ دی جائے گی، اس لیے کہ اگر (خلاف قیاس) حدیث پر عمل کر لیا جائے تو قیاس کا دروازہ بند ہو جائے گا۔

(نور الانور ص 179)

مولانا محمد تقی عثمانی حنفی دیوبندی فرماتے ہیں کہ ہر حال میں تقلید ہی واجب ہے اور اپنے امام یا مفتی کے قول سے خروج جائز نہیں، خواہ اس کا کوئی قول ان کو بظاہر حدیث کے خلاف ہی معلوم ہوتا ہو۔

(درس ترمذی ص 122 ج 1)

کیوں جناب اب تو معاملہ صاف ہے کہ قیاس کے خلاف حدیث پر عمل کرنا جائز نہیں اور یہ کہ اگر امام کا قول گو حدیث کے خلاف بھی ہو تب بھی قول امام پر ہی عمل کرنا واجب ہے۔

حالیہ:- اگر واقعی آپ پہلے قرآن و سنت میں مسئلہ دیکھتے ہیں، تو آپ مبارک باد کے مستحق ہیں اللہ آپ کے اس فعل میں برکت ڈالے۔ آمین

مگر میرے عزیز بھائی یہ تقلید نہیں بلکہ ترک تقلید ہے، جیسا کہ ہم مقدمہ دفاع امام ابو حنیفہ کے حوالے سے ایک معتبر حنفی دیوبندی عالم کا اعتراف نقل کر چکے ہیں مزید ملاحظہ کیجیے دیوبندیوں کے مفتی اعظم اور فقیہ العصر مولوی رشید احمد صاحب فرماتے ہیں کہ رجوع الی الحدیث مقلد کا وظیفہ نہیں۔ (احسن الفتاویٰ ص 55 ج 3)

احناف کے معروف علامہ قاضی محبت اللہ بہاری فرماتے ہیں کہ

(واما المقلد فمستندہ قول مجتہدہ لاطنہ ولاطنہ) (مسلم الثبوت ص 9)

یعنی مقلد کی دلیل صرف اس کے امام مجتہد کا قول ہوتا ہے، نہ تو وہ خود تحقیق کر سکتا ہے اور نہ اپنے امام کی تحقیق پر نظر ڈال سکتا ہے۔

منکرین حدیث کے نقش قدم پر کون ہے؟

ہمارے معاصر پہلے اہل حدیث کی طرف سے بن بنائے وکیل صفائی یہ اعتراض نقل کرتے ہیں کہ اگر قرآن و حدیث فقہ کے بغیر مکمل ہیں تو فقہ کی ضرورت کیا ہے، پھر اس سوال کا جواب رقم کرتے ہیں کہ یہ سوال منکرین حدیث کا سوال ہے، جو انہوں نے حدیث پاک کے متعلق مسلمانوں پر کیا تھا کہ کیا قرآن، حدیث شریف کے بغیر مکمل ہے یا نامکمل؟ اگر قرآن مکمل ہے تو حدیث مخلوق کا کلام ہے اور لاریب بھی نہیں اور حفاظت کا ذمہ بھی اللہ تعالیٰ نے نہیں لیا تو فرمان خدا کے، ہوتے ہوئے فرمان مصطفیٰ کیونکر مانا جائے؟ خالق

کے کلام کے ہوتے ہوئے مخلوق کی بات کیوں مانی جائے؟ لاریب کتاب کے ہوتے ہوئے
 حنفی حدیث خبر واحد کیوں مانی جائے؟ محفوظ کلام کے ہوتے ہوئے غیر محفوظ حدیث جو
 آپ ﷺ سے صدیوں بعد لکھی گئی ہے، اسے کیوں مانا جائے؟

(تحفہ اہل حدیث ص 35)

الجواب:- اولاً:- اچھا اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ جو بھی یہ کہے کہ دین اسلام کامل واکمل ہے،
 اس کا یہ دعویٰ منکرین حدیث سے کشید کیا ہوا ہے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مگر یہی خلطِ مبحث
 علماء کی شان نہیں، کاش آپ نے قرآن پڑھا ہوتا، تو آپ کو معلوم ہوتا کہ تکمیل دین کا
 دعویٰ تو قرآن میں خالق کائنات نے کیا ہے، ارشاد ہوتا ہے

(الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَاتَّمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا)
 (سورہ المائدہ: 3)

یعنی آج کے دن میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا، اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی
 اور اسلام کو تمہارے لیے بطور دین پسند کیا۔ (3-5)

امام راغب، مفردات میں فرماتے ہیں کہ

(تمام الشيء انتھاؤہ الی حد لا یحتاج الی شیء خارج عنہ والنقص ما
 یحتاج الی شیء خارج عنہ)

یعنی کسی چیز کا تمام اس کا اس حد تک پہنچ جانا ہے کہ وہ اپنے سے خارج کسی چیز کی محتاج نہ رہے
 اور وہ چیز جو اپنے سے خارج کسی چیز کی محتاج ہو اسے ناقص کہا جاتا ہے۔ (المفردات فی غریب

القرآن ص 75)

دین عبارت ہے قرآن و حدیث سے، اور اس کی تکمیل کا دعویٰ رب تعالیٰ نے کیا
 ہے، اب اگر آپ قرآن و حدیث کو خارج میں فقہ حنفی کا محتاج جانتے ہیں تو گویا آپ نے
 دوسرے لفظوں میں قرآن و حدیث کو ناقص قرار دے دیا ہے، اس سوال کا جواب دینا آپ
 کا اخلاقی فرض تھا، مگر آپ نے عوام کو خلطِ مبحث میں الجھا کر اپنا الوسیدھا کیا ہے، اور غالباً آپ

نے اسی میں ہی اپنی عافیت جانی ہے۔

ثانیاً:- منکرین حدیث دین کی تشریح کا حق عملاً عبداللہ چکڑالوی، غلام احمد پرویز وغیرہ کو دیتے ہیں، آپ فقہ حنفی کو، فرق کیا رہا؟ وہ سرے سے حدیث کا انکار کرتے ہیں آپ مجتہد کے اقوال کی آڑ میں منکر ہیں، غور کیجیے آپ میں کتنا گہرا رشتہ ہے۔

مولانا محمود حسن خاں سابقہ شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند، حدیث، البیعان بالخیار مالم یفرقا (بخاری ص 283 ج 1 و مسلم ص 206) یعنی بائع اور مشتری دونوں کو (بیع بحال رکھنے اور فسخ کر دینے کا) اختیار رہتا ہے جب تک وہ جدا نہیں ہوتے) کے بارے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے اپنی املائی تقریر میں فرماتے ہیں کہ

(فالحاصل ان مسئلة الخیار من مهمات المسائل وخالف ابوحنيفة فيه الجمهور وكثير من الناس من المتقدمين والمتأخرين صنفوا رسائل في ترويج مذهب في هذه المسئلة ورجع مولانا الشاه ولي الله المحدث دهلوی قدس سره في رسائل مذهب الشافعي من جهة الاحاديث والنصوص وكذلك قال شيخنا مدظله يترجع مذهب و قال الحق والانصاف ان الترجيح للشافعي في هذه المسئلة ونحن مقلدون يجب علينا تقليد امامنا ابى حنيفة)

(التقریر الترمذی ص 650)

یعنی حاصل کلام یہ ہے کہ بیع بالخیار اہم ترین مسائل میں سے ہے، اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہ نے جمہور علماء کرام کی مخالفت کی ہے۔ اور اکثر متقدمین اور متاخرین علماء کرام نے اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہ کے مذہب کی ترویج میں رسائل تصنیف فرمائے ہیں اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے امام شافعی کے مذہب کو احادیث اور نصوص کی رو سے ترجیح دی ہے۔ اور ہمارے شیخ محمود حسن خان صاحب فرماتے ہیں کہ حق وانصاف کا تقاضا بھی یہی ہے کہ امام شافعی کے مذہب کو اس مسئلہ میں ترجیح حاصل ہے اور ہم چونکہ امام ابوحنیفہ کے مقلد ہیں

اس لیے ہم پر ہمارے امام ابو حنیفہ کی تقلید واجب ہے (اعتمیٰ)

باقی جو آپ کے ہاں حدیث کا دورہ کروایا جاتا ہے تو اس کا مطلب سنت سے لگاؤ نہیں بلکہ تاویل و تحریفات کر کے فقہ کے لیے دلائل جمع کرنے ہوتے ہیں، جس کا اعتراف کھلے لفظوں میں مولانا محمد رسول خاں حنفی دیوبندی نے ایک بار، انجمن خدام الملت دیوبند کے سالانہ جلسہ میں تقلید کے موضوع پر خطاب کرتے ہوئے کیا تھا، جو بعد میں رسالہ قاسم العلوم دیوبند میں شائع ہوا ان کے الفاظ ہیں کہ اہل حدیث اور ہم اتنے امر میں شریک ہیں کہ وہ بھی قرآن و حدیث پڑھتے ہیں اور ہم بھی، مگر فرق یہ ہے کہ ہم حدیث اس وجہ سے پڑھتے ہیں کہ امام کے جن اقوال کا منشاء ہمیں معلوم نہیں معلوم ہو جائے یعنی ہم فقہاء کے اقوال کی تائید کے لیے حدیث کا استعمال کرتے ہیں۔

(بحوالہ آئینہ ان کو دکھایا تو برامان گئے ص 18)

جالباً:- چکڑالوی توحیدیت کا سرے سے انکار کرتے ہیں، اور ہمارے ہاں حدیث کا منکر کافر اور کم از کم گمراہ و بے دین ہے اور اس کا مذاق اڑانے والا پکا کافر ہے۔ کیونکہ حدیث کے بغیر دین ہی ادھورا رہ جاتا ہے۔ قرآن کی صحیح تفہیم ہی حدیث سے ہوتی ہے اور یہ منصب اللہ تعالیٰ نے خود حضرت محمد ﷺ کو عطا کیا ہے۔ آپ مولانا عبدالرحمن مرحوم کیلانی کی ”آئینہ پرویزیت“ مولانا عبدالرؤف جھنڈنگری کی ”صیاب الحدیث“ اور مولانا اسماعیل سلفی رحمہم اللہ الجمعین کی ”حجیت حدیث“ کا مطالعہ کریں۔ انشاء اللہ الرحمن منکرین حدیث کے جو شبہات آپ کے دل میں گھر کر چکے ہیں وہ کافور ہو جائیں گے۔

ہمارا ”الدین نصیحتہ“ کے تحت مشورہ ہے کہ اپ پہلے اسلامی علوم میں دسترس حاصل کریں پھر مبتدعین کی کتب کا مطالعہ کریں تاکہ آپ بے راہ روی کا شکار نہ ہوں، یہاں آپ کے اوہام کے ازالہ کے لیے مختصر عرض ہے کہ آیت قرآنی (اناللہ لحافظون) بھی تو ہم کو انہی واسطوں سے پہنچی ہے جو بقول آپ کے غیر محفوظ ہیں، تو اس کی کیا دلیل ہے کہ یہ آیت کسی نے اپنی طرف سے بڑھانہ دی ہو، پھر اس آیت میں قرآن کی حفاظت کا ذمہ لیا گیا

ہے، اور قرآن بالاتفاق اصولیین نام ہے، نظم اور معنی دونوں کا، اس لیے یہ آیت الفاظ قرآن اور معانی فرقان کی حفاظت کا بھی ذمہ لیتی ہے۔ (دیکھیے تفسیر عثمانی ص 347)

اور معانی قرآن کی حفاظت حدیث میں ہوئی ہے۔ باقی جو آپ نے حدیث کو علی الاطلاق مخلوق کا کلام کہا ہے یہ بھی آپ کی بھول ہے کیونکہ احادیث میں کلام ربانی بھی ہے جسے اصطلاحاً حدیث قدسی کے نام سے تعبیر کیا گیا ہے اور جو آنحضرت ﷺ کا کلام ہے وہ گو الفاظ نبوی ہیں مگر ان کی تفہیم اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوئی تھی ارشاد ربانی ہے کہ

﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۗ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ﴾ (سورہ النجم: 4، 3)

یعنی وہ پیغمبر اپنی خواہش سے کوئی بات نہیں کرتا، مگر وہی جو اس کی طرف وحی کیا جاتا ہے۔ (463-53)

مولانا عثمانی (جو کہ آپ کے معتمد مفسر قرآن ہیں) تحفہ اہل حدیث ص 84) اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ آپ جو کچھ دین کے باب میں فرماتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی وحی اور اس کے حکم کے مطابق ہوتا ہے اس میں وحی متلو کو قرآن اور غیر متلو کو حدیث کہا جاتا ہے۔ (تفسیر عثمانی ص 698)

رہا آپ کا حدیث کو ظنی کہنا یہ بھی آپ کے بھولے پن کی دلیل ہے۔ لفظ ظن عربی اور اردو میں مستعمل ہے۔ لیکن اردو میں اس کا استعمال شک، وہم کے مفہوم میں آتا ہے اور یہی استعمال ہمارے معاصر کے لیے لغزش کا سبب بنا ہے، ورنہ عربی زبان میں یہ لفظ بلا قرینہ اس معنی میں استعمال ہی نہیں ہوا۔ امام راغب فرماتے ہیں کہ

(الظن اسم لما يحمل عن امارة ومتى قويت ادت الى العلم ومتى ضعفت جداً لم يتجاوز حد التوهم)

یعنی کسی چیز کی علامات سے جو نتیجہ حاصل ہوتا ہے اسے ظن کہتے ہیں۔ جب یہ علامات قوی ہوں تو ان سے علم کا درجہ حاصل ہوتا ہے، مگر جب بہت کمزور ہوں تو وہ نتیجہ وہم کی حد سے آگے تجاوز نہیں کرتا۔ (المفردات ص 317)

یہی وجہ ہے کہ جب نتیجہ قوی ہو تو اس کا معنی علم و یقین ہوتا ہے۔
ارشادِ ربانی ہے کہ

(الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ آيَاتِنَا لِيُخْرِجَهُمْ مِّنْ دَارِ عَذَابٍ كَثِيرَةٍ ۖ سَاءَ لِمَن يَصْنَعُ الْآيَاتِ) (سورہ البقرہ: 46)

یعنی جو یقین کیے ہوئے ہیں کہ وہ اپنے پروردگار سے ملنے والے ہیں۔

امامِ راغب نے اس کے علاوہ تقریباً آٹھ دس آیات کو نقل کیا ہے جس میں ”ظن“ کا لفظ علم و یقین کے معنی میں استعمال ہوا ہے، مگر ہمارے مہربان اس کو لاریب کے بالمقابل لا کر شک و وہم کے معنی میں باور کرا کر حدیث کو اوہام کا دفتر قرار دینے پر تلے ہوئے ہیں۔ پھر اس جہالت بھرے بیان کو تحفہ کے نام سے شائع کر کے اہل حدیث کو بطور گفٹ پیش کر کے دعوتِ فکر دی جا رہی ہے۔ آخر میں منکرینِ حدیث کی وکالت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

حدیث صدیوں بعد لکھی گئی، معلوم نہیں اس فقرہ سے مولانا کی کیا مراد ہے؟ اگر اس سے مقصود یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے عہد مبارک میں حدیث سرے سے لکھی ہی نہیں گئی تو یہ اتنا بڑا جھوٹ ہے کہ کسی دین دار سے اس کا صدور ممکن نہیں، کیونکہ عہد رسالت میں احادیث کو بھی قلم بند کیا جاتا تھا۔ (بخاری ص 22 ج 1)

تفصیل کے لیے مولانا تقی عثمانی کی (درس ترمذی ص 36 ج 1) کا مطالعہ کریں

اگر اس فقرہ سے آپ کا مقصد ’مرتب و ترتیب ہے تو بھائی یہ تو آج بھی علماء دین کرتے ہیں۔ کیا ماضی قریب میں صرف دیوبندی مکتب فکر کی طرف سے ہی ”اعلاء السنن“ اور ”امار السنن“ کے نام سے احادیث کے دو جدید مجموعے شائع نہیں ہوئے؟ تو کیا کسی کو ان کے تاخر زامانی کی وجہ سے ہی بے کار و فضول کہنے کا حق مل گیا ہے، عقل کے ناخن لو کیا کہہ رہے ہو، صحابہ کرام کے آثار، تابعین کے اقوال، امت مرحومہ کی فتوحات، دینی خدمات تمام کی تمام بعد میں مرتب ہوئیں۔ تو کیا ان سب سے انکار کر دیا جائے گا کہ یہ بعد کی پیداوار ہیں، خیر القرون کے تعامل کو یکسر نظر انداز کر کے آپ کون سی دین و ملت کی خدمت کر سکتے

ہیں؟ آپ پہ واضح ہو کہ منکرین حدیث 'سرے سے حجیت حدیث کے ہی منکر ہیں۔ اس مؤقف کے بعد سند اور تدوین حدیث کی مباحث کا نفس مسئلہ سے کوئی جوڑ ہی نہیں، یا زیادہ سے زیادہ یہ ایک ثانوی بحث ہے۔

حضرت مولانا محمد اسماعیل سلفی مرحوم اسی چیز کا شکوہ کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں کہ مخالفین حدیث کے پورے کیمپ سے ہمیں یہ شکوہ ہے کہ ان حضرات نے ہمیشہ خطبہ اور خلط بحث کی کوشش کی، ان کا دعویٰ تو یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے اقوال، افعال، اجتہادات شرعاً حجت نہیں، وہ خدا کا پیغام (قرآن) تو دے سکتے ہیں لیکن اس کی وضاحت کا ان کو حق نہیں اور اگر وہ اس پر عمل کریں تو وہ عمل اُمت کے لیے حجت نہیں، ان کی صوابدید ان کی ذات تک محدود ہے، ہم ان کی تعمیل کے مکلف نہیں، ظاہر ہے کہ اس میں سند کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، جو لوگ آنحضرت ﷺ سے بالمشافہ گفتگو فرماتے تھے ان پر بھی شرعاً اسے قبول کرنا ضروری نہ تھا، لہذا اگر یہ احادیث کے ذخائر تو اتر نقل سے بھی ہم تک پہنچ جائیں تو بھی بلحاظ اقوال رسول یہ حجیت شرعی نہیں ہیں۔ حجیت شرعی صرف پیغام کے الفاظ یعنی قرآن ہے، اور اسی طرح اگر آنحضرت ﷺ اپنی زندگی میں احادیث کا مجموعہ لکھوادیتے اور وہ مجموعہ آج قرآن کی طرح ہمارے ہاتھوں میں ہوتا پھر جب تک وہ قرآن کے موافق نہ ہوتا ہم اسے قطعاً شرعی حجیت نہ سمجھتے بلکہ اگر ہماری سمجھ اور ہمارے علم کی رو سے قرآن کے موافق اس کا مفہوم نہ ہوتا تو بھی ہم قرآن کو ترجیح دیتے اور وہ مفہوم جسے ہماری عقل قرآن تصور کرتی ہے اس کو حدیث کے اس مسلم الثبوت مجموعہ پر ترجیح ہوتی، اس عقیدہ کے بعد سند یا تدوین حدیث کے اوقات یا حفظ حدیث کے ظرف کی بحث بالکل بے فائدہ ہے۔ یا کم از کم یہ ایک ثانوی بحث ہے۔ جس پر ایک ضمنی دلیل کے طور پر تو بحث کی جاسکتی ہے لیکن انکار حدیث کے لیے اسے مستقل دلیل کا مرتبہ نہیں دیا جاسکتا۔

دین میں فقہ کا مقام

فرماتے ہیں جس طرح منکرین حدیث کا اعتراض حدیث کے خلاف غلط ہے اسی طرح آپ کا سوال فقہ کے خلاف غلط ہے۔ کیونکہ جس طرح حدیث قرآن مقدس کی تشریح ہے بعینہ اسی طرح فقہ قرآن و حدیث کی تشریح و توضیح کا نام ہے، قرآن کی وضاحت جب پیغمبر ﷺ اپنے لفظوں میں بیان فرماتے ہیں اسے حدیث کہا جاتا ہے اور جب امام فقیہ، مجتہد قرآن و حدیث کو اپنے الفاظ میں بیان فرماتے ہیں تو اسے فقہ کہتے ہیں، فقہ قرآن و حدیث سے ہٹ کر کوئی نئی چیز نہیں ہے۔ (تحفہ اہل حدیث ص 36)

الجواب :- اولاً :- ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ نبی ﷺ دین کے معاملات میں جو کچھ بھی کہتے یا عمل کرتے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی کے ذریعہ سے ہوتا تھا جسے وحی غیر متلو کے نام سے تعبیر کیا گیا ہے۔

مزید سنیے ارشاد ربانی ہے کہ

﴿لَا تَحْرُوكَ بِهِ لِسَانِكَ لِتُعَجَلَ بِهِ ☆ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ ☆ فَاِذَا قَرَأَهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ ☆ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ ☆﴾ (سورہ القیمۃ: 19-16)

تم اس کے ساتھ اپنی زبان نہ ہلایا کرو تاکہ اسے جلدی یاد کرو، اس کا جمع کر دینا اور اس کو پڑھا دینا ہمارے ذمہ ہے، پس جب ہم پڑھیں تو اس کی قرأت کی پیروی کیا کرو پھر بیان کر دینا ہمارے ذمے ہے،

یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت محمد ﷺ کو قرآن کے علوم و معارف سکھانے کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے لیا تھا، مزید سنیے

﴿وَ اَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَّلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ﴾

(سورہ النحل: 44)

یعنی ہم نے آپ پر یہ ذکر (قرآن) اتارا تاکہ تم لوگوں کے سامنے اسے کھول دیں جو ان کی

طرف نازل کیا گیا ہے، تاکہ وہ غور و فکر کریں۔

اس آیت سے بھی معلوم ہوا کہ قرآن کی تشریح و توضیح کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت محمد ﷺ کو حق دیا گیا اور نزول قرآن کے وقت امت مرحومہ کے لیے مشکل اور مجمل مقامات کا حل بھی رسول اللہ ﷺ بیان کرنے کے مکلف تھے۔ جیسا کہ الفاظ لعین، کا مقصد ہے۔

اب آپ نے امام و مجتہد کی فقہ کو بعینہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث کی طرح قرار دیا ہے کہ نبی ﷺ وحی کی تفسیر کریں تو حدیث ہوتی ہے، اور امام قرآن و حدیث کی تفسیر کرے تو فقہ ہوتی ہے، راقم عرض کرتا ہے کیا مجتہدین پر وحی نازل ہوتی تھی کہ آپ ان کی تفسیر کو بعینہ نبوی تفسیر کی طرح کہہ رہے ہیں، تو پھر مرزا غلام احمد قادیانی کا قصور کیا ہے، جب آپ مجتہدین کی طرف ہی وحی کے قائل ہو گئے۔ ثانیاً نبی کی توضیح و تشریح بالفاظ دیگر اس کا قول و فعل اور فتویٰ غیر مشروط ہوتا ہے، غیر مشروط سے مراد یہ ہے کہ دین کے معاملہ میں نبوی تفسیر و توضیح حق ہی حق ہوتا ہے جس میں غلطی کا امکان نہیں ہوتا، جس کی وجہ سے نبی کے تمام اقوال و افعال کو قبول کرنا لازم و ضروری اور تمام فرائض سے اہم فریضہ ہے، اس سے انحراف دین و ملت سے بغاوت اور کفر محض ہے۔ جبکہ مجتہدین کے اقوال و اجتہادات میں حنفیہ خود بھی صواب و خطا دونوں احتمال کو تسلیم کرتے ہیں، جبکہ نبی دین کی تبلیغ، اس کی نشر و اشاعت بلکہ تمام دینی امور میں معصوم ہوتا ہے، تو پھر نبوی تفسیر اور مجتہد کی تشریح ایک کیسے ہوئی؟

آپ کے استاذ محترم مولانا سرفراز خاں صاحب صفدر فرماتے ہیں کسی ایک خاص مجتہد کی ایسی تقلید کہ اس کے قول کو حق و صواب سمجھا جائے اور اس سے خطا اور غلطی کو ناممکن تصور کیا جائے،..... ایسی تقلید مفضی الی الشریک ہے۔ (الکلام المفید ص 310)

حالیاً:- اگر مجتہد کی تفسیر بعینہ تفسیر نبوی کی طرح ہے، تو آپ حضرات عقائد اور اصول میں تقلید کیوں نہیں کرتے؟ جیسا کہ آپ کے استاذ محترم نے صراحت کی ہے کہ ہم اصول اور

عقائد میں تقلید کو جائز و درست نہیں سمجھتے۔

(الکلام المفید ص 172، 235)

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا آپ احوال رسول اور اسوۂ حبیب ﷺ کو بھی اصول و عقائد میں غیر معتبر جانتے ہیں؟ اگر نہیں یقیناً نہیں، تو پھر یہ بعینہ ایک کس طرح ہوئے، معلوم ہوا کہ آپ بے راہ روی کا شکار ہوئے اور عوام کو گمراہ کرنے کا سبب بنے، اس سے توبہ کر لیں، ہمارا برادرانہ مشورہ ہے۔

تشریح کسے کہتے ہیں؟

فرماتے ہیں، جیسے ہر ہر حدیث قرآن کی آیت سے ثابت نہ ہو سکنے کے باوجود قرآن کی تفسیر بن سکتی ہے، اسی طرح فقہ کی ہر ہر جزئی بھی قرآن و حدیث سے صراحتاً ثابت نہ ہونے کے باوجود ان کی تشریح بن سکتی ہے۔ تشریح ہمیشہ اس سے زائد ہوتی جس کی تشریح کی جائے۔ مثلاً کوئی پوچھے کہ قرآن کیا ہے؟ ذرا سوال پر غور فرمائیں کہ قرآن کیا ہے؟ تو سمجھانے والا اس طرح تشریح کرے گا کہ یہ ایک کتاب ہے جو حضرت محمد ﷺ پر اللہ تعالیٰ نے نازل کی ہے، یہ کتاب لاشک و لاریب ہے، تو دیکھئے جس چیز کی تشریح کی گئی وہ لفظ قرآن ہے اور اس کی تشریح میں بہت سے الفاظ مخض بات سمجھانے کے لیے بڑھائے گئے ہیں۔ اور بسا اوقات مزید توضیح کے لیے مثال بھی دینا پڑتی ہے، اگر کوئی یہ کہے کہ تشریح کا ہر ہر لفظ مجھے وہاں دکھاؤ جس کی تشریح کی گئی ہے، تو یہ کم عقلی ہوگی، اس لیے جس طرح ہر ہر حدیث کا ثبوت قرآن سے مانگنا کم عقلی ہے، بعینہ اسی طرح ہر ہر فقہی جزئی کا ثبوت حدیث سے مانگنا عقل کا قحط عظیم ہے۔ (تحفہ اہل حدیث ص 37)

الجواب :- اولاً :- تشریح کا مفہوم یہ ہے کہ بات کو کھول کر سمجھانا، دیکھنے علمی اردو لغت ص 316، امام راغب فرماتے ہیں کہ

(شرح المشکل من الکلام بسطۃ و اظہار مایخفی من معانیہ)

یعنی تشریح کہتے ہیں کلام کے مشکل مقامات کی تفصیل اور مخفی معانی کے اظہار کو۔

(المفردات القرآن ص 258)

ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ اس چیز کا دین کے معاملہ میں حق اللہ نے محمد ﷺ کو دیا ہے، اگر آپ کے پاس کوئی ایسی آیت یا صحیح حدیث ہے جس میں اللہ نے دین کی تشریح و توضیح کا حق امام ابو حنیفہ کو دیا ہے تو وہ پیش کیجیے،

ثانیاً:- اوپر معلوم ہو گیا کہ تشریح زائد چیز کا نام نہیں بلکہ مخفی چیز کے اظہار کو شرح کہتے ہیں، پھر آپ نے اپنے موقف پر جو دلیل قائم کی ہے وہ نری جہالت ہے، بھائی، ہم پہلے سورہ النحل کی آیت 44 نقل کر چکے ہیں اس میں محمد عربی ﷺ پر نزول قرآن کا ذکر ہے، اور اس کے لاریب ہونے کے لیے کلام الہی سے سورہ بقرہ کی آیت 1 کا مطالعہ کریں، الغرض یہ چیزیں تو قرآن سے ثابت ہیں مگر آپ ان کو زائد کہتے ہیں، واہ رے تیری قرآن دانی اور حدیث فہمی،

ثالثاً:- رہا آپ کا یہ کہنا کہ تمام احادیث قرآن سے ثابت نہیں، راقم عرض کرتا ہے آپ منکرین حدیث کی طرح پہلے وحی غیر متلو کا انکار کریں پھر یہ اعتراض کریں۔ اگر آپ محمد رسول اللہ ﷺ پر قرآن کے علاوہ بھی وحی کے قائل ہیں یقیناً ہیں تو پھر آپ اہل حدیث سے بغض میں اس حد تک نہ جائیں کہ شریعت کے حقائق کا بھی انکار کرتے جائیں۔

آپ ہماری مخالفت ضرور کریں، یہ آپ کا حق ہے، جو آپ سے چھیننا نہیں جاسکتا مگر خدا را ہمارے ساتھ بغض و تعصب میں آپ دین کا حلیہ مت بگاڑیئے، اس کے سبب سے عوام گمراہ ہوتے ہیں اور قیامت کے روز آپ کو ذلت اٹھانی پڑے گی، اللہ آپ کو عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

رابعاً:- جو چیزیں حدیث میں زیادہ علی کتاب اللہ ہیں، ان کا تسلیم کرنا اور ان پر عمل کرنا اطاعت رسول میں داخل ہے کہ نہیں! اگر داخل ہے یقیناً ہے، تو پھر یہ اطاعت دراصل اللہ کی اطاعت ہوئی، ارشاد بانی ہے

(مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ) (النساء: 80)

یعنی جس نے اللہ کے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی

تو کیا آپ قرآن سے کوئی آیت دکھا سکتے ہیں جس میں یہ بیان ہو کہ امام ابوحنیفہ کی ایسے امور میں اطاعت کرنا لازمی و ضروری ہے جس کا ثبوت قرآن و حدیث میں نہیں اور اس سے انحراف کفر ہے کیونکہ یہ اطاعت الہی سے بغاوت ہے؟ اگر آپ کے پاس اس کا کوئی ثبوت نہیں یقیناً نہیں تو پھر آپ کی مذکورہ تمام تحریر باطل و مردود ہے۔

اہل حدیث کا فقہ سے ناراضگی کا سبب

پہلے اہل حدیث کی طرف سے اعتراض نقل کرتے ہیں کہ فقہ میں چونکہ اختلاف ہے جس کی وجہ سے یہ لائق عمل نہیں پھر اس کا جواب رقم کرتے ہیں کہ میرے بھائی! آپ نے شاید چوری کا ٹھیکہ لے رکھا ہے یہ سوال منکرین حدیث کا ہے انہوں نے کہا تھا کہ ہم حدیث کو اس لیے نہیں مانتے کہ حدیث میں اختلاف ہے شیعہ کا کہنا ہے کہ ہم صحابہ کو نہیں مانتے کیونکہ صحابہ میں اختلاف ہے پادری فائدر کا کہنا تھا کہ ہم قرآن کو نہیں مانتے کیونکہ قرآن کی قرأتوں میں اختلاف ہے اور جناب! آپ کا فرمان ہے کہ فقہ کو اس واسطے نہیں مانتے کہ اس کے مسائل میں اختلاف ہے تو یہ آپ کا کوئی نیا شگوفہ نہیں ہے بلکہ یہی اعتراض پادریوں کا قرآن پر پر ویزوں کا حدیث پر شیعہ کا صحابہ کرام پر اور منکرین فقہ کا فقہ پر ہے بلکہ میں تو آپ سے ایک بات اور بھی کہوں گا کہ صحیح حدیث کی تعریف میں بھی اختلاف ہے تو آپ صحیح کو کیوں نہیں چھوڑ دیتے اگر کسی چیز میں اختلاف اس کو چھوڑنے کی وجہ ہو سکتی ہے تو پھر قرآن و حدیث اور صحابہ کو چھوڑنے والوں پر بھی کوئی ملامت نہیں۔

(تحفہ اہل حدیث ص 37, 38)

الجواب: اولاً:- عیسائی آنحضرت ﷺ کو اپنے دعویٰ میں صادق نہیں جانتے منکرین حدیث احوال الرسول کو حجت نہیں جانتے اور شیعہ عام صحابہ کے ارتداد کے قائل ہیں ان

چیزوں میں اختلاف کے سبب وہ منکر نہیں، جیسا کہ مؤلف باور کرانا چاہتا ہے، بلکہ اس کی ان مذاہب کے بارہ میں نادانی اور جہالت کا واضح ثبوت ہے۔

ثانیاً:- مؤلف تحفہ اہل حدیث کا حق تھا وہ پہلے اختلاف کی تعریف کرتا، پھر ان میں اختلاف ثابت کرتا، تو ہم ان کا جواب بھی ضرور تحریر کرتے مگر مؤلف تحفہ اہل حدیث نے اسی میں ہی عافیت جانی کہ اصل بحث کو ادھر ادھر کی باتوں میں الجھا کر خلط بحث کر کے اپنا مقصود حاصل کیا جائے۔ یقین جانئے کہ مؤلف نام تو پادریوں اور منکرین حدیث کا لیتا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ اس کے اپنے دلی خیالات ہی ان پر اگندہ افکار و نظریات پر مبنی ہیں، آگے چل کر خود اپنی ذمہ داری سے لکھتا ہے کہ ”احادیث مقدسہ میں کافی اختلاف ہے۔“ (تحفہ اہل حدیث ص 57)

ہمیں چوری کا طعنہ دینے والو! خود اپنی حالت پر غور کرو کہ تمہارا حسب و نسب کن لوگوں سے ملتا ہے، بہر حال آئیے تحقق اختلاف کی تحقیق سنیے، کسی کلام میں تناقض کے لیے آٹھ باتوں میں اتحاد ضروری ہے۔

(۱) موضوع (۲) محمول (۳) مکان (۴) شرط (۵) زمانہ (۶) اضافت (۷) جزو کل (۸) بالقوہ وبالفعل کے لحاظ سے اگر دو قضیے متفق ہوں مگر ان میں ایجاب و سلب یعنی ہے اور نہیں حکم کے لحاظ سے نیز قضیہ موجدہ میں کیفیت اور محصورہ میں کسیت کا اختلاف ہو تو وہ تناقض کہلائیں گے، اہل منطق کا معروف مقولہ ہے۔

در تناقض ہشت و حدت شرط داں

وحدت موضوع و محمول و مکان

وحدت شرط و اضافت جزو کل

قوت و فعل است در آخر زماں

ان شرائط کو ملحوظ رکھیے اور پوری ذریت دیوبندیت کو ساتھ ملا لیجیے اور منکرین حدیث اور پادریوں کی خدمات بھی حاصل کر لیجیے اور شیعیت کی بھی قے خوری کر لیں، اور قرآن

وحدیث میں ڈھونڈ ڈھونڈ کر تناقض کی نشان دہی کیجئے یہ راقم اپنی بے بضاعتی اور قصور علم کے باوجود یہ ثابت کر دے گا کہ ان دونوں میں قطعاً اختلاف نہیں ہے۔ ان شاء اللہ الرحمن مخصر یہاں عرض ہے کہ قرآن کا دعویٰ ہے کہ

(وَلَوْ كَانِ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا) (النساء: 82)

یعنی اگر یہ قرآن غیر اللہ کی طرف سے ہوتا تو اس میں کثرت سے اختلاف پایا جاتا۔ اب جو شخص قرآن و حدیث میں اختلاف کا قائل ہے، وہ یقیناً اس آیت فرقانی کا مکذب ہے یا دین اسلام کو غیر اللہ کی طرف سے جانتا ہے۔

مثلاً:- آپ کا یہ کہنا کہ فقہاء و مجتہدین اور فقہ حنفیہ میں قطعاً اختلاف نہیں، یہ آپ کی جہالت کا منہ بولتا ثبوت ہے، اور کتب فقہ سے کم آگاہی کا نتیجہ ہے، اہل الرائے نے تو اپنے اختلافات پر پردہ ڈالنے کے لیے ایک روایت بھی وضع کی ہے کہ (اختلاف امتی رحمة) یعنی میری امت کا اختلاف رحمت ہے، دیکھیے سبیل الرشاد مندرجہ مجموعہ رسائل گنگوہی ص 30 و فتاویٰ شامی ص 1768)

حالانکہ یہ روایت کذب و افتراء ہے، اس کی کوئی صحیح سند تو کجا ضعیف بلکہ من گھڑت بھی موجود نہیں۔

(تفصیل سلسلہ احادیث الضعیفہ نمبر 57 میں دیکھیے)

افسوس روایت گھڑنے والوں کو اتنا شعور بھی نہ تھا کہ اگر امت میں اختلاف رحمت الہی ہے تو کیا اتفاق غضب الہی کا سبب ہے، اناللہ وانا الیہ راجعون الغرض فقہ اور مجتہدین حنفیہ میں زبردست اختلاف ہے، اختصار کے پیش نظر ہم مؤلف ”تحفہ اہل حدیث“ کے مستند عالم مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی کا حوالہ عرض کرتے ہیں فرماتے ہیں کہ

قول غیر مقلدین کا کہ فقہ میں بہت اختلاف ہے اور حدیث میں نہیں یہ بالکل غلط ہے، شاید ان لوگوں نے مشکوٰۃ بھی نہیں دیکھی محض نام حدیث کا سن لیا ہے، احادیث میں

اس قدر تعارض ہے کہ دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے، یہ کلام محض دھوکہ دہی (نہیں) ہے۔ جس کا دل چاہے دیکھ لیوے کہ احادیث بخاری کی خود باہم متعارض ہیں اور یہی سبب اختلاف فقہاء و مجتہدین کا ہوا ہے۔ اللہ اکبر کیا غلط قول ہے کہ آفتاب پر خاک ڈالنا اس کو ہی کہتے ہیں، پس معلوم ہوا کہ فقہاء کا اختلاف بسبب اختلاف احادیث کے ہوا ہے۔

(سبیل الرشاد مندرجہ مجموعہ رسائل گنگوہی ص 41 طبع گوجرانوالہ)

لیجیے جناب آپ کے امام ربانی فرماتے ہیں کہ احادیث میں زبردست اختلاف ہے، اسے پادریوں سے سرقہ کہیں یا منکرین حدیث کے ادھار سے تعبیر کریں یا خالص شیعیت کا نام دیں۔ یہ آپ کی صواب دید پر ہے، ہم عرض کریں گے تو شکایت ہوگی، بہر حال امام ربانی نے احادیث میں اختلاف کی نوعیت کو بتاتے ہوئے اس بات کا بھی کھلے لفظوں میں اعتراف کیا ہے کہ فقہاء احناف میں مسائل کا اختلاف ہے، پھر عذر لنگ پیش کیا ہے کہ چونکہ احادیث میں اختلاف ہے۔ اس لئے فقہاء میں بھی اختلاف ہے یعنی احادیث فقہاء کے اختلاف کا سبب بنی ہیں معنی یہ ہوا کہ کلام رسول میں تناقض ہے۔

حالانکہ فقہاء و مجتہدین کے اختلاف کا سبب نصوص کا اختلاف نہیں بلکہ صحیح حدیث کا نہ ملنا، منسوخ کا علم نہ ہونا وغیرہ اسباب ہیں، نہ کہ فی نفسہ نصوص میں ہی اختلاف ہے۔

قارئین کرام آپ تقلید پر لکھی ہوئی کوئی بھی کتاب پڑھ لیجیے مقلدین حضرات جب تقلید کے فوائد بیان کرتے ہیں تو ان میں ایک فائدہ یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ چونکہ قرآن میں بعض آیات محکم و متشابہ ہیں، بعض ناسخ و منسوخ ہیں اور اس طرح احادیث میں زبردست اختلاف ہے، لہذا کسی امام و مجتہد کا دامن پکڑ لیجیے وہ آپ کو ان تمام چیزوں سے بے نیاز کر دے گا اس کے لئے ہمیں باہر سے دلیل لانے کی ضرورت ہی نہیں خود مؤلف ”تحفہ اہل حدیث“ اپنے پر آگندہ دل سے چند احادیث میں بزعم خود تناقض ثابت کرنے کے بعد کہتا ہے کہ

”اس قسم کی سینکڑوں احادیث پیش کی جاسکتی ہیں، جن میں کافی تعارض و متخالف

موجود ہے۔ پھر آگے رفع تعارض کے لیے امام ابو حنیفہ کی تقلید کی دعوت دی ہے۔“ (تحفہ

اہل حدیث ص 57-59)

اب انصاف سے کہنا کہ احادیث میں تعارض بتانا منکرین حدیث کا فعل ہے؟ یا اس کی ابتداء اہل الرائے نے کی تھی؟ اور منکرین حدیث کے لیے سیزھی تو آپ نے فراہم کی ہے ورنہ پرویزی حضرات تو علم حدیث سے اتنا ہی واقف ہیں جتنا ایک جاہل حروف ابجد سے شناسا ہوتا ہے۔

مولانا اسماعیل سلفی مرحوم فرماتے ہیں کہ

”یہ تمام حضرات عموماً اسلامی علوم کو انسانی کلو پیڈیا سے حاصل کرنے کے عادی ہیں۔ یہ قرآن کی تاریخ اور پیغمبر اسلام علیہ السلام کی سیرت کو مسٹر نکلس سے سیکھنا انتہائی تحقیقات تصور کرتے ہیں۔ ان کی اکثریت ایسی ہے جنہوں نے اسلامی علوم کو اسلامی ماخذ سے حاصل نہیں کیا بلکہ اسلامی علوم کو یورپین مستشرقین اور انگریزی زبان کے توسط سے سیکھا ہے۔ ترجمہ قرآن عزیز میں جن حضرات کا مدار مسٹر ولیم میور پر ہے اگر وہ حدیث کا انکار کریں تو انہیں کون روکے اور کیونکر۔“ (حجیت حدیث ص 185)

الغرض مقلدین کے منتشر خیالات سے اس موقف نے جنم لیا اور اس کی وجہ اختلاف فقہ پر پردہ ڈالنا تھا اور عوام کو تقلید کی دعوت دینا تھا، مگر افسوس کہ مؤلف یہاں انکاری ہیں۔ مگر چند صفحات آگے چل کر اس کی پر زور تائید و حمایت کرتے ہیں اور عوام کو تقلید کی دعوت دیتے ہیں، لیکن یہاں اُلٹا چور کو توال کو ڈانٹنے ہم پر برس رہے ہیں کہ یہ سوال پادریوں، منکرین حدیث اور شیعہ کا ہے، اس سے بڑھ کر دنیا میں اور جھوٹ کیا ہو سکتا ہے۔ کتب فقہ حنیفہ دنیا سے غائب نہیں ہو گئیں، بلکہ موجود ہیں ان کی مراجعت کر لیجیے آپ مولانا گنگوہی کی حرف بحرف تائید پائیں گے۔ چند امثلہ پیش خدمت ہیں ملاحظہ کریں

(1) ہدایہ ص 22 ج 1 باب الماء الخ میں ہے کہ (عن ابی حنیفہ ہوطاھر) یعنی امام

ابو حنیفہ کے نزدیک وضو کا مستعمل پانی پاک ہے، پھر اسی صفحہ میں ہے کہ (وقال

ابو حنیفہ ہونجس) یعنی امام ابو حنیفہ کا فتویٰ ہے کہ وضو کا مستعمل پانی پلید ہے۔

(۲) ہدایہ ص 22 ج 1 باب الماء الخ میں ہے کہ (عن ابی حنیفہ نجاسة غلیظة) یعنی وضو کا مستعمل پانی پیشاب پاخانہ کی طرح نجاست غلیظہ ہے۔ اسی صفحہ میں ہے کہ (هو قوله نجاسة خفیفة) یعنی امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس کی نجاست غلیظہ نہیں ہے۔

(۳) ہدایہ ص 23 ج 1 باب الماء الخ میں ہے کہ (عند ابی حنیفہ کلاهما نجسان) یعنی اگر جنبی کنویں میں اترتا تو اس کا غسل نہیں اترتا، بلکہ کنواں اور جنبی دونوں ہی پلید ہیں، اسی صفحہ میں ہے کہ (ان الرجل طاهر) یعنی جنبی پاک ہو جاتا، جنبی کا غسل اتر جاتا ہے۔

(۴) ہدایہ ص 24 ج 1 باب المسح الخ میں ہے کہ (لا يجوز المسح علی الجوربین عند ابی حنیفہ) یعنی جرابوں پر مسح امام ابو حنیفہ کے نزدیک جائز نہیں، اسی صفحہ میں ہے (انه رجع الی قولهما) یعنی جرابوں پر مسح جائز ہے امام ابو حنیفہ کا یہی فتویٰ ہے۔

(۵) ہدایہ ص 56 ج 1 باب الانجاس الخ میں ہے کہ (فاذا جف علی الثوب اجزا فیہ الفرق) یعنی جب منی کپڑے پر سوکھ جائے تو کھرچنے سے کپڑا پاک ہو جاتا ہے۔ اسی صفحہ میں ہے کہ (وعن ابی حنیفہ انه لا یطهر) یعنی صورت مذکورہ میں کپڑا پاک نہیں ہوگا۔

(۶) ہدایہ ص 64 ج 1 باب الموایت میں ہے کہ (واخر وقتها عند ابی حنیفہ اذا صار ظل کل شیء مثلیہ) یعنی امام ابو حنیفہ کے نزدیک ظہر کا وقت ہر چیز کا سایہ دوگنا ہو جانے تک ہے، اسی صفحہ میں ہے کہ (اذا صار الظل مثله وهو رواية عن ابی حنیفہ) یعنی ایک روایت میں امام ابو حنیفہ کا قول ہے کہ ظہر کا آخری وقت ہر چیز کا سایہ برابر ہونے تک ہے۔

(۷) ہدایہ ص 64 باب المواقیت میں ہے کہ (واول وقت العصر الخ) یعنی جب سایہ دوگنا ہو جائے تب عصر کا وقت شروع ہوتا ہے۔ اسی صفحہ میں ہے کہ (واول وقت العصر) یعنی ایک گنا سایہ جب ہو جائے تب عصر کا وقت شروع ہوتا ہے۔

(۸) ہدایہ ص 66 باب المواقیت میں ہے کہ (ثم الشفق هو البياض الذي في الافق بعد الحمرة عند ابى حنيفة) یعنی امام ابو حنیفہ کے نزدیک جب تک شفق غائب نہ ہو، مغرب کا وقت ہے، اور شفق کہتے ہیں اس سفیدی کو جو آسمان کے کناروں پر سرخی غائب ہونے کے بعد ظاہر ہوتی ہے۔ اسی صفحہ میں ہے کہ (هو الحمرة وهو رواية عن ابى حنيفة) یعنی شفق سرخی کو ہی کہتے ہیں۔

(۹) ہدایہ ص 74 ج 1 باب الاذان میں ہے کہ (يكره ان يقيم على غير وضوء) یعنی وضو کے بغیر اقامت کہنا مکروہ ہے، اسی صفحہ میں ہے کہ (يروى انه لا تکره الاقامة ايضاً) یعنی وضو کے بغیر اقامت کہنا مکروہ نہیں۔

(۱۰) ہدایہ ص 90 باب صفة الصلوة میں ہے کہ (فان اقتصر على احدهما جاز عند ابى حنيفة) یعنی اگر سجدہ میں صرف ناک زمین پر ٹکائے، پیشانی نہ لگائے تو بھی جائز ہے۔ اسی صفحہ میں ہے (لايجوز) ایسا کرنا جائز نہیں۔ تلك عشرة كاملة

یہ دس مسائل ہم نے فقہ حنفی کی معتبر کتاب ہدایہ (جس کے بارے میں مقدمہ ہدایہ اذعلا لکھنوی میں لکھا ہے کہ یہ قرآن کی طرح ہے) نقل کیے ہیں اور ان تمام اقوال کو کہنے والے امام ابو حنیفہ ہیں اب ایمان سے کہنا کہ ان میں تقاض ہے کہ نہیں۔

کیا فقہ کا اختلاف قرأت قرآن کی طرح ہے؟

فرماتے ہیں کہ

فقہ میں حقیقتاً کوئی اختلاف نہیں، صرف آپ کو نظر آتا ہے، جیسے قرآن پاک کی قرأتیں دو قسم کی ہیں، شاذ اور متواتر، شاذ قرأتوں کو قرآن نہیں کہا جاتا بلکہ متواتر قرأتوں کا نام

قرآن ہے پادری لوگ قرآن پاک کی شاذ قرأتوں پر ہمیشہ اعتراض کرتے ہیں اور ہم یہی جواب دیا کرتے ہیں کہ جو آپ پیش کرتے ہیں وہ شاذ قرأتیں ہیں قرآن نہیں۔ اسی طرح احادیث بھی دو قسم کی ہیں، صحیح اور غیر صحیح، دونوں قسم کی روایتیں کتابوں میں درج ہیں، منکرین حدیث غیر صحیح احادیث اٹھا کر مسلمانوں پر اعتراضات کرتے ہیں، تو ان کا جواب ہم یوں دیتے ہیں کہ صحیح حدیث پر اعتراض کرو۔ جس پر تم اعتراض کر رہے ہو وہ تو حضور ﷺ کا فرمان ہی نہیں ہے۔ غیر صحیح احادیث کو صحیح احادیث کے ساتھ ملا کر کہنا کہ نبی ﷺ کے فرمان میں تضاد و اختلاف ہے یا ناخ و منسوخ کا علم نہ ہونے کی وجہ سے دو حدیثوں کا آپس میں تضاد بنا غلط ہے۔

اسی طرح فقہ حنفی کے اقوال بھی دو قسم کے ہیں مفتی بہ اقوال اور غیر مفتی بہ اقوال، مفتی بہ اقوال کا نام فقہ حنفی ہے، ان کے اندر کوئی اختلاف اور تضاد نہیں ہے، یہ تضاد اسی طرح ہے جس طرح پادری کو قرآن میں اور منکرین حدیث کو احادیث میں نظر آتا ہے، آپ کو فقہ میں نظر آتا ہے۔ (تحفہ اہل حدیث ص 38, 39)

الجواب: اولاً:- بلاشبہ قرأت شاذ اور ضعیف حدیث حجیت شرعی نہیں ہے، کیونکہ شاذ قرأت نہ قرآن ہے اور ضعیف احادیث فرمان مصطفیٰ نہیں ہے اب اس بات پر قائم رہنا، کیونکہ آپ کو مکر نے کی عادت ہے۔

ثانیاً:- ہم متعدد بار عرض کر چکے ہیں کہ پادری اور منکرین حدیث سرے سے قرآن و حدیث کے منکر ہیں، ورنہ پادری اسلام قبول کر لیں اور منکرین حدیث صحیح احادیث کو اپنا لائحہ عمل بنا لیں، مگر ہم نہ توفیق کی افادیت کے منکر ہیں، نہ اس کو کلی طور پر باطل کہتے ہیں، ہاں البتہ ہمارے اور آپ کے نزدیک فقہ کے تعین میں اختلاف ہے، آپ حضرات کتب فقہ حنفیہ کے ابواب الحلیل وغیرہ کو فقہ کہتے ہیں اور ہم قرآن و حدیث اور دین میں سمجھ کا نام فقہ رکھتے ہیں، محدثین کرام قرآن و حدیث اور آثار صحابہ کرام سے مسائل استنباط کرتے تھے اور ہیں، جبکہ مقلدین کا گروہ اپنے امام کے قواعد و کلیہ سے تخریج مسائل کرتے تھے اور

ہیں، تفصیل (حجۃ اللہ کے باب الفرق بین اہل الحدیث واصحاب الرای) میں موجود ہے۔

حالیاً:- آپ کا مفتی بہ اور غیر مفتی بہ کی تقسیم کر کے فقہ کے اختلاف کو مٹانے کا دعویٰ ہی سرے سے باطل ہے کیونکہ جن اقوال کو آپ غیر مفتی بہ کہتے ہیں وہ بہر حال فقہائے احناف کے مجتہدین فی المذہب یا ارباب ترجیح وغیرہ کے فتاویٰ ہیں جو بہر حال ان کے نزدیک مفتی بہ ہیں، اس سے انکار محض ضد ہے۔ علاوہ ازیں کسی مجتہد فی المذہب کے قول کو محض غیر مفتی بہ کہہ کر رد کر دینا عقل و شعور کا قحط ہے، کیا انہوں نے امام ابو حنیفہ کے قواعد و اصول سے اس مسئلہ کو استنباط نہیں کیا تھا، تو پھر وہ مجتہد فی المذہب کیا ہوئے آپ کی طرح رطب و یابس کو جمع کرنے والے اور مقلد اعلیٰ ہوئے۔

فقہ حنفیہ میں کچی اور پکی باتیں

فرماتے ہیں کہ مفتی بہ کا لفظ فتی سے بنا ہے، جس کا معنی ہے مضبوط طاقتور نوجوان، تو مفتی بہ اقوال کا معنی ہو گا مضبوط باتیں، پکی باتیں، غیر مفتی بہ کچی باتیں ہو گی، میرے دوست! آپ جب بھی اعتراض کرتے ہیں، کچی باتوں پر اعتراض کرتے ہیں اور انہیں کے پیچھے پڑے رہتے ہیں، یہ بات تو اللہ تعالیٰ نے بھی فرمائی ہے کہ میرے کلام پاک میں دو قسم کی آیات ہیں، محکمات اور تشابہات، فرمایا محکمات کی اتباع کرو اور تشابہات کے پیچھے نہ پڑو، فرمایا جس کا دل ٹیزھا ہو گا وہ ان کے پیچھے پڑے گا، میرے بھائی! آپ کو بھی اعتراض کے لیے صرف شاذ اقوال اور غیر مفتی بہ اقوال ملے ہیں، جن کو ہم فقہ حنفی ہی نہیں مانتے اعتراض کرنا ہے، تو فقہ حنفی پر کر کے دیکھو۔ (تحفہ اہل حدیث ص 40)

الجواب:- اولاً:- آپ نے جو غیر مفتی بہ کی وضاحت کی ہے کچی باتیں، پھر قرآن کی تشابہات آیات سے مثال دے کر آپ نے کہا ہے کہ ہم غیر مفتی بہ اقوال کو فقہ حنفی تسلیم نہیں کرتے، تو کیا آپ تشابہ آیات قرآن کو کلام الہی اور قرآنی آیات بھی تسلیم کرتے ہیں یا نہیں؟ اگر آپ تشابہات آیات کو قرآن تسلیم نہیں کرتے، تو یہ اتنا بڑا کلمہ کفر ہے، اگر بغیر

توبہ مرگئے تو بغیر حساب و کتاب کے سیدھے جہنم میں جاؤ گے۔ اگر آپ متشابہ آیات کو قرآن تسلیم کرتے ہیں؟ تو مثال کے چہ معنی!

ثانیاً:- آپ نے جو مفتی بہ کے لفظ کی تشریح کی ہے وہ غالباً ماسٹر امین کی تقلید میں کی ہے، دیکھئے تجلیات صفحہ ص 102 ج 1 حالانکہ یہ تعریف غلط ہے۔ علامہ شامی فرماتے ہیں کہ

(مشتقہ من الفتی وهو الشاب القوی وسمیت به لان المفتی یقوی السائل بحواب حادثته)

یعنی فتویٰ کا لفظ فتی سے مشتق ہے، اور وہ مضبوط جوان کو کہتے ہیں اور اس کا فتویٰ نام اس لیے رکھا گیا ہے کہ مفتی مسائل کے جواب میں اسے طاقت دیتا ہے جو اسے حادثہ پیش آگیا ہو۔ (فتاویٰ شامی ص 72 ج 1)

اس تعریف کو ملحوظ رکھیے تو مفتی بہ کا معنی صاف ہو جاتا ہے کہ مفتی کے فتویٰ کو مفتی بہ کہتے ہیں، یہ الگ بات ہے کہ اس کا فتویٰ غلط ہے یا صحیح، ہمارے اس موقف کی تائید حنفیہ کے طبقات مسائل سے بھی ہوتی ہے، ان کا کہنا ہے کہ فتویٰ مطلق قول امام پر ہوگا، پھر قاضی ابویوسف، پھر امام محمد، پھر زفر اور حسن کے قول پر فتویٰ ہوگا اگر امام ابوحنیفہ ایک طرف ہوں اور دوسری طرف قاضی ابویوسف اور امام محمد ہوں تو مجتہد فی المذہب کو اختیار ہے کہ جس پر چاہے فتویٰ دے دے۔ (فتاویٰ شامی ص 70 ج 1)

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب آپ مطلق قول امام پر فتویٰ دیں گے تو باقی مجتہدین بالخصوص امام محمد اور قاضی ابویوسف کی باتیں کچی ہوگی اور جب امام محمد اور قاضی ابویوسف کے فتاویٰ پر مفتی فتویٰ دے گا تو امام ابوحنیفہ کی باتیں کچی قرار پائیں گی، جنہیں آپ نے غیر معتبر کہہ کر باطل قرار دے دیا ہے، جب آپ کے آئمہ ثلاثہ کے بعض اقوال ہی باطل قرار پائے تو آپ حضرات ان کے اقوال کی نشر و اشاعت اور اس کی طرف دعوت کیوں دیتے ہیں جس میں باطل کی آمیزش ہو چکی ہے۔

ثالثاً:- آپ کا یہ کہنا کہ اہل حدیث ہمیشہ غیر مفتی بہ اقوال پر ہی اعتراض کرتے ہیں، جو بتقول

آپ کے وہ سرے سے فقہ حنفی ہی نہیں، بھائی غصہ تھوک دیکھیے ذرا ٹھنڈے دل سے غور کیجیے کہ جب ہمارے اعتراضات ہی فقہ حنفی پر نہیں تو آپ جو اب کس بات کا لکھ رہے ہیں، علاوہ ازیں حنفیہ کے لیے حقیقت الفقہ از حد تکلیف دہ کتاب ہے، اس پر آپ کو صرف یہ

اعتراض ہے کہ اس میں فلاں فلاں حوالہ غلط ہے۔ (تحفہ اہل حدیث ص 95)

(جن کی حقیقت آگے آرہی ہے) مگر آپ کو یہ کہنے کی جرأت و ہمت نہیں ہوئی کہ اس میں فلاں فلاں قول مفتی بہ نہیں آپ کی یہ روش بتا رہی ہے کہ آپ نے محض دفعہ الوقتی سے کام لے کر پلہ چھڑانے کی کوشش کی ہے ورنہ اہل حدیث کے اعتراضات اپنے اندر وزن رکھتے ہیں، جن کے جوابات آپ کے پاس بہر حال نہیں ہیں۔

رابعا:- حنفیہ نے لکھا ہے کہ کتب فقہ حنفیہ میں سے حسب ذیل کتب غیر معتبر ہیں، جن میں رطب دیابس اور ضعیف اقوال ہیں۔ مثلاً (۱) جامع الرموز (۲) شرح مختصر الوقلیلابی الکارم (۳) فتاویٰ ابراہیم شاہی (۴) کتب نجم الدین زاہدی (۵) السراج الوہاج شرح مختصر قدوری (۶) الاحکام لفقہ الدین رومی (۷) فتاویٰ صوفیہ (۸) فتاویٰ ابن نجم الدین (۹) فتاویٰ طور (۱۰) خلاصہ کیدانی) مقدمہ عمدۃ الرعاۃ ص 12، پوری کوشش اور ہمت سے جستجو کر کے ہمیں بتائیے کہ ان کتب سے کس اہل حدیث نے اقوال چن چن کر حنفیہ کا رد کیا ہے۔ راقم پورے جزم و یقین کے ساتھ کہتا ہے کہ آپ اس کی ایک مثال بھی نہیں دے سکتے، ہماری طرف سے جب بھی اعتراض ہوا آپ کی معتبر کتب فقہ اور ان کے مندرجہ اقوال پر ہوا، اگر ان معتبر کتب میں بھی غیر معتبر روایات ہیں تو بتائیے پھر آپ کی معتبر کتب میں مفتی بہ اقوال کے معتبر ہونے کی کیا دلیل ہے۔

مفتی بہ اور غیر مفتی بہ قول میں امتیاز کا کس کو حق ہے، کیا ان میں احناف ائمہ ثلاثہ نے تمیز کی ہے یا بعد والوں نے، اگر خود ائمہ ثلاثہ نے تمیز کی تھی تو ان مردود اقوال کو جمع کیوں کیا گیا، اور اگر یہ تمیز بعد والوں نے کی ہے تو وہ تمہارے ائمہ ثلاثہ سے بڑے مجتہد ہوئے جنہوں نے اپنی ذہنی صلاحیتوں سے اکابر ائمہ کے اقوال میں تمیز کی ہے کہ فلاں امام کا یہ قول

مفتی بہ ہے اور فلاں کا یہ قول غیر مفتی بہ ہے تو پھر تم اکابر کو چھوڑ کر ان متاخرین کی تقلید کیوں نہیں کر لیتے ہو۔

در اصل مفتی بہ اور غیر مفتی بہ متاخرین حضرات کی اصطلاح ہے جنہوں نے اپنے ائمہ کے فتوؤں میں من مرضی کرنے کے لئے یہ اصول وضع کیا۔

خامساً:- آپ کی اس بات کو اگر تسلیم بھی کر لیا جائے؟ تو توبہ بھی مضائقہ نہیں، کیونکہ آگے ہم نے بفضلہ تعالیٰ فقہ حنفی پر ایک طائرانہ نظر ڈالی ہے اور ہر ہر قول و فتویٰ کے ساتھ اس کا مفتی بہ ہونا بھی نقل کیا ہے۔ کہیے ان کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟

شریعت میں نسخ کس طرح ہوتا ہے

فرماتے ہیں جس طرح جو نوٹ منسوخ ہو جائے، اس پر ہرگز نہیں لکھا جاتا کہ یہ سو روپے کا نوٹ منسوخ ہو گیا ہے، اس کے منسوخ ہونے کی علامت یہ ہے کہ بازار میں نہیں چلتا، حدیث منسوخ ہونے کی علامت بھی خلفاء راشدین کے دور سے معلوم ہوگی، اگر خیر القرون میں اس پر عمل ہوا ہے تو وہ حدیث صحیح اور قابل عمل ہوگی اور اگر خیر القرون میں اس پر عمل نہ ہوا تو وہ روایت منسوخ سمجھی جائے گی۔ (تحفہ اہل حدیث ص 41)

الجواب:- اولاً:- آپ کا کرنسی سے احکام شریعت کی مثال دینے سے ثابت ہو گیا ہے کہ آپ کو اسلامی علوم میں دسترس نہیں ہے، کیونکہ جب حکومت کی طرف سے کرنسی تبدیل ہوتی ہے تو وہ ایک مدت تک مارکیٹ میں چلتی رہتی ہے، حتیٰ کہ بتدریج وہ کرنسی اسٹیٹ بینک میں واپس چلی جاتی ہے، جہاں اسے جلا کر ضائع کر دیا جاتا ہے، جبکہ نسخ نخت میں کسی چیز کے ابطال کو کہتے ہیں اور اصطلاح میں شریعت کے کسی حکم کا انتہا بتانا ہے۔

(مرقاۃ ص 362 ج 1 و کتاب التعلیقات ص 106 للبحر جانی)

ارشاد ربانی ہے کہ

(فَيَنْسَخُ اللَّهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطَانُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللَّهُ آيَاتِهِ) (الحج: 52)

یعنی اللہ شیطان کے القا کو مٹا دیتا ہے اور اپنی آیات کو مضبوط کرتا ہے۔

اس تعریف کو ملحوظ رکھتے ہوئے یہ بات واضح ہوئی کہ شریعت کا جب کوئی حکم منسوخ ہوتا ہے تو وہ فی الفور منسوخ ہو جاتا ہے اور اس کی جگہ دوسرا حکم لے لیتا ہے، اس کی واضح مثال کتب حدیث میں تحویل قبلہ کا واقعہ ہے۔ کہ آنحضرت ﷺ نماز کی حالت میں تھے جب بیت المقدس کی بجائے کعبہ کی طرف منہ کرنے کا حکم ہوا تو آپ علیہ السلام نے نماز کی حالت میں ہی منہ بیت اللہ کی طرف کر لیا، جس کی حکمت بھی اللہ تعالیٰ نے سورہ بقرہ میں بیان کر دی کہ خاص نماز کی حالت میں اس حکم کا نزول اتباع رسول کی پرکھ تھی کہ کون کرتا ہے اور کون نہیں کرتا؟

جاننا:۔ کرنسی حکومت کی طرف سے جاری ہوتی ہے اسے منسوخ کرنے کا حق بھی حکومت کے پاس ہوتا ہے، اسے مارکیٹ منسوخ نہیں کرتی، جیسے آپ مجھ بیٹھے ہیں، اسی طرح دین میں احکام بھی اللہ کی طرف سے نافذ ہوتے ہیں (خواہ وہ قرآن سے یا نبی ﷺ کی مبارک زبان سے) اور انہیں منسوخ کرنے کا حق بھی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے پاس ہے کوئی مارکیٹ اسے منسوخ نہیں کر سکتی۔

بالفاظ:۔ اگر آپ کا دورِ خلافت راشدہ سے یہ مقصود ہے کہ کوئی بھی منسوخ حکم پر عمل نہ کرتا ہو، تو یہ پہلے سے بھی بڑھ کر آپ کی لاعلمی ہے، کیونکہ متعدد صحابہ کرام بعض منسوخ حکم پر مدت تک عمل کرتے رہے۔ مثلاً حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو رکوع میں تطہیق کے نسخ کا علم نہ تھا، ابن عباسؓ ایک مدت تک متعہ کے قائل رہے۔

(بخاری و مسلم)

اگر آپ کی اس سے یہ مراد ہے کہ کسی حکم شرعی کے بارے میں خلفاء راشدین کے دور میں اس وجہ سے عمل نہ ہو، کہ وہ منسوخ ہو چکا تھا، اس میں تفصیل ہے۔
(۱) وہ مسئلہ دورِ خلفاء میں پیش آیا ہو، اور انہوں نے منسوخ ہونے کی وجہ سے نسخ پر عمل کیا ہو۔ اور وہ بلا تکثیر نافذ ہو گیا ہو۔

(۲) اگر کسی مسئلہ کی دور خلفاء میں ضرورت ہی پیش نہیں آئی اور قرآن وحدیث سے وہ حکم منسوخ ثابت نہیں ہوتا، تو وہ منسوخ نہیں، بلکہ وہ دستور شریعت اور آئین اسلام ہے۔ اور اسے بعد کے فقہاء کے اقوال منسوخ نہیں کر سکتے۔ مگر آپ ایسی ایک مثال بھی ہمارے خلاف نہیں دے سکتے، یہی وجہ ہے کہ آپ نے ابتدائاً نام تو دور خلفاء راشدین کا لیا مگر آخر میں اس میں 'خیر القرون' کو بھی شامل کر لیا، اور ہو سکتا ہے کہ اس سے آپ کا مقصود امام ابوحنیفہ ہوں کہ وہ جس کو چاہیں منسوخ کر دیں، مگر تازے والے بھی قیامت کی نظر رکھتے ہیں، میرے بھائی! ان عیاروں سے مسائل کا حل آپ تلاش کر رہے ہیں، مسائل کا حل قرآن وحدیث میں ہے، اس کی اتباع کیجیے اللہ توفیق عطا فرمائے۔

رابعاً:- کیا آپ دور خلافت راشدہ بلکہ پورے خیر القرون کے زمانہ میں ایک بھی مثال دے سکتے ہیں کہ محض کسی کے فتویٰ وقول کی بنا پر شریعت کے حکم کو امت مرحومہ نے بلائیکیر منسوخ تسلیم کر لیا ہو، حالانکہ قرآن وحدیث میں اس کے نسخ کوئی بھی دلیل نہ تھی، ہماری طرف سے دنیا بھر کے مبتدعین دیانہ کو کھلا چیلنج ہے کہ وہ اس کی ایک ہی مثال پیش کر دیں، مگر یاد رکھو پوری دنیا سے کوئی اہل الرائے اس کی ایک مثال بھی نہیں دے سکتا۔ ان شاء اللہ

تقلید امام میں اتباع رسول اللہ ﷺ

فرماتے ہیں کہ امتی کی بات اگر نبی سے ٹکرا رہی ہو تو بات نبی ہی کی مانی جائے گی، اگر امتی کی بات پیغمبر سے ٹکرا رہی ہو، بلکہ ٹکراؤ محض فرض کر لیا جائے تو اس کا علاج آپ خود ہی متعین کر لیں، اس کی وضاحت شاہ ولی اللہ نے فرمائی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں

(ماقتدینا باماننا الالعلمنا انه اعلم منا بكتاب الله وسنة رسوله) (حجۃ البالغۃ)
ہم تو اپنے امام کی اقتداء محض اس لیے کرتے ہیں کہ وہ ہم سے زیادہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کو جانتے ہیں۔

منکرین حدیث نے خالق اور مخلوق کا چکر دے کر حدیث رسول ﷺ چھوڑ دی، آپ

نے نبی و امتی کا چکر دے کر فقہاء کی فقہ چھوڑوادی، آپ اپنے آپ کو اہل حدیث کہتے ہیں اور منکر حدیث اپنے آپ کو اہل قرآن کہتے ہیں۔ (تحفہ اہل حدیث ص 23)

الجواب: اولاً:- منکرین حدیث کی مشابہت کا تفصیل سے ہم جواب عرض کر چکے ہیں کہ وہ تمہارے ہی اقوال کی روشنی میں مرض وجود میں آئے ہیں، علاوہ ازیں اگر فقہ چھڑوانے سے منکرین حدیث سے تشبیہ ہے تو اس میں ماشاء اللہ آپ بھی شریک ہیں۔ کیونکہ مخالفت احادیث کی صورت میں ترک فقہ حنفیہ کا آپ نے بھی اعتراف کر لیا ہے، یہی اہل حدیث کا مؤقف ہے۔

مولانا محمد اسماعیل سلفی مرحوم حسن البیان کے مقدمہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ ”اس قسم کی سینکڑوں جزئیات مروجہ فقہ کے دفاتر میں موجود ہیں، جو عقل و نقل و شعور کے دامن کو بڑے زور سے جھنجھوڑتی ہیں، بجز تقلید اور عصبيت کے ان کے قبول کے لیے ذہن آمادہ نہیں ہوتا“۔

ان گزارشات کا یہ مطلب نہیں کہ فقہ حنفیہ کے سارے مسائل سطحی اور عدم احتیاط پر مبنی ہیں بلکہ بعض مقامات میں انتہائی تفقہ اور گہرائی سے کام لیا ہے، اور بڑی محتاط روش اختیار فرمائی گئی ہے۔ اس لیے دوراندیش اور محقق علماء کی رائے ہے کہ ان مروجہ مسالک سے کسی مسلک کے ساتھ کلی وابستگی نہیں رکھنی چاہیے۔ ”خذ ما صفا دع ما کدر“ پر عمل ہونا چاہیے۔ (مقدمہ حسن البیان ص 17)

ثانیاً:- آپ نے ”حجۃ اللہ البالغۃ“ سے جو حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کا کلام نقل کیا ہے، اسے ہم نے ”حجۃ اللہ“ کے متعلقہ مباحث، تقلید میں دیکھ لیا ہے، ہمیں نہیں ملا، اسے کذب و افترا کہنا تو آپ کی شان میں گستاخی ہوگی غالباً آپ نے کسی رسالہ سے نقل کر دیا ہے اور مراجعت نہیں کی ورنہ یہ غلطی نہ ہوتی، بالفرض اگر اس عبارت کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو خود امام ابوحنیفہ نے اپنے سے علم امام مالک کی تقلید کیوں نہ کی، امام شافعی کے ساتھ مناظرہ میں امام محمد نے تسلیم کر لیا تھا کہ قرآن و حدیث اور آثار صحابہ کا علم امام مالک کے پاس امام

ابو حنیفہ سے زیادہ تھا جس پر امام شافعی رحمہ اللہ نے امام محمد کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا کہ
(قال الشافعی فلم یبق الا القیاس والقیاس لایکون الاعلیٰ هذه الاشیاء
فعلی ای شی نقیس)

(تاریخ ابن خلکان ترجمہ امام مالک)

امام شافعیؒ نے کہا کہ اب رہ گیا قیاس، اور قیاس تو انہیں چیزوں پر ہوتا ہے تو اب کس بات میں
دونوں کا مقابلہ کرو گے،

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ نے امام شافعیؒ سے اس طرح نقل کیا ہے کہ

(ما بقی بیننا و بینکم الا القیاس ونحن نقول بالقیاس ولكن من كان
بالاصول اعلم كان قیاسه اصح) (صحیح ذہب اہل المدینہ ص 36)

یعنی اب ہمارے اور تمہارے درمیان رہ گئی قیاس، جس کے ہم بھی قائل ہیں، لیکن جو اصول
(قرآن و حدیث آثار صحابہ) کو زیادہ جانتا ہو گا اسی کی قیاس بھی بہتر ہوگی۔

مثلاً:- رہا آپ کا یہ کہنا کہ ٹکراؤ محض فرض کر لیا جائے الخ اس عبارت سے غالباً آپ یہ باور
کرانا چاہتے ہیں کہ فقہ حنفی کے جس قدر قرآن و حدیث کے خلاف مسائل ہیں وہ صرف
فرضی داستان ہے حالانکہ یہ کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ آئمہ اربعہ میں سے سب سے زیادہ
قرآن و سنت کی مخالفت فقہ حنفی میں پائی جاتی ہے۔

مولانا ابوالکلام آزاد فرماتے ہیں کہ

”نا قابل انکار دلائل سے ثابت کیا جاسکتا ہے کہ فقہ حنفی جس قدر اسرار شریعت
کے خلاف ہے کوئی فقہ نہیں۔“ (حواشی ابوالکلام آزاد ص 275)
یہ اس شخص کی گواہی ہے جس کو دیوبندی حنفی قرار دیتے ہیں۔

(قادیانی بنالوی گٹھ جوڑ ص 81)

خود حضرت امام کے شاگردوں نے ایک ٹکٹ مسائل میں ان سے اختلاف کیا ہے،
جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔ تو کیا یہ ساری فرضی داستانیں ہیں، علاوہ ازیں راقم الحروف

نے آگے ایک مستقل باب باندھا ہے، حنفی فقہ کے مفتی بہ اقوال نقل کیے ہیں، اگر آپ میں ہمت ہے تو ہر مسئلہ کو قرآن و سنت سے ثابت کیجیے ورنہ ارباب عقل و خرد آپ کے اس دعویٰ کو محض دیوانہ بیکار خویش ہشیار تصور کریں گے۔

کیا تقلید پیش امام کی اقتداء کی طرح ہے؟

فرماتے ہیں ہم اتباع و اطاعت تو نبی ﷺ ہی کی کرتے ہیں لیکن امام اعظم ابو حنیفہ کی راہنمائی میں اس کی مثال اس طرح ہے کہ نماز باجماعت میں ایک امام ہوتا ہے باقی مقتدی، امام تکبیر تحریمہ کہتا ہے مقتدی بھی کہتا ہے، لیکن امام کے بعد اور امام کی اتباع میں امام و مقتدی دونوں کی تحریمہ اللہ کے لیے ہوتی ہے، امام قیام کرتا ہے، مقتدی بھی قیام کرتا ہے، مگر دونوں کا قیام اللہ کے لیے ہوتا ہے، لیکن مقتدی کا قیام امام کی اتباع میں ہوتا ہے، امام رکوع کرتا ہے، مقتدی بھی رکوع کرتا ہے، دونوں کا رکوع اللہ کے لیے ہوتا ہے، لیکن مقتدی کا رکوع امام کی اتباع میں ہوتا ہے۔ امام سجدہ کرتا ہے، مقتدی بھی سجدہ کرتا ہے، دونوں کا سجدہ اللہ کے لیے ہے لیکن مقتدی کا سجدہ امام کے پیچھے پیچھے ہوتا ہے اور امام کی اتباع میں ہوتا ہے۔ امام رکوع و سجدہ سے سر اٹھاتا ہے، مقتدی بھی اٹھاتا ہے، لیکن امام کے بعد اور اتباع امام میں اسی طرح تشہد بھی، الغرض نماز باجماعت میں امام ارکان نماز ادا کرتا ہے مقتدی بھی کرتا ہے لیکن مقتدی ہر محل میں امام کے پیچھے رہتا ہے، آگے نہیں بڑھتا، اگر آگے بڑھے گا تو حدیث کے مطابق گدھا ہوگا۔ اب اگر کوئی غیر مسلم کہے کہ

امام کی تحریمہ اللہ کے لیے..... مقتدی کی امام کے لیے، امام کا قیام اللہ کے لیے..... مقتدی کا قیام امام کے لیے۔ امام کا رکوع اللہ کے لیے..... مقتدی کا رکوع امام کے لیے۔ امام کا سجدہ اللہ کے لیے..... مقتدی کا سجدہ امام کے لیے۔ امام کا قیام اللہ کے لیے..... مقتدی کا قیام امام کے لیے۔ امام کا رکوع اللہ کے لیے..... مقتدی کا رکوع امام کے لیے۔ امام کا سجدہ اللہ کے لیے..... مقتدی کا سجدہ امام کے لیے۔ امام کا سلام اللہ کے لیے..... اور مقتدی کا سلام امام کے لیے۔ (تحفہ اہل حدیث ص 44، 45)

الجواب :- اولاً :- ہمارے بھائی کو یہ وہم اس لیے ہوا ہے کہ وہ تقلید شخصی اور اقتداء امام کو مترادف الفاظ سمجھ بیٹھا ہے۔ حالانکہ ان الفاظ کے معانی میں بعد المشرقین ہے، تقلید کا معنی پہلے عرض کیا جا چکا ہے۔ (تقلید ایسے عمل کا نام ہے جو کسی کی بات پر بغیر دلیل کے عمل کیا جائے) جبکہ لفظ اقتداء بمعنی کسی کی پیروی میں اس جیسا کام کرنا آتا ہے۔ (المصباح المنیر ص 494)

ارشاد ربانی ہے کہ

(أُولَئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فَبِهِدَاهُمْ . اٰفِيْدَهُ) (الانعام: 90)

یعنی یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت دی تھی تو تم ان کی ہدایت کی پیروی کرو۔ آئمہ لغت نے صراحت کی ہے کہ لفظ اقتداء بمعنی ”اسوہ“ استعمال ہوتا ہے۔

(تاج العروس ص 289 ج 10 ولسان العرب ص 171 ج 15)

اس معنی کو ملحوظ رکھیے تو آپ کی دلیل کا واضح مقصود یہ ہے کہ جیسے امام ابو حنیفہ نے اجتہاد کیا ویسے ہی تم بھی اجتہاد کرو، جیسے انہوں نے کسی کی تقلید نہیں کی ویسے ہی آپ کسی کی تقلید نہ کریں۔

ثانیاً :- تقلید شخصی میں آپ حضرات کا یہ دعویٰ ہے کہ صرف ایک ہی امام کی لازم و ضروری بلکہ واجب ہے۔ کبھی کسی کی اور کبھی کسی کی تقلید کی تو گمراہ ہو جائے گا اور دین ایک کھلونا بن جائے گا۔

(دیکھئے درس ترمذی ص 120 ج 1 مللعمثانی)

مولانا محمد اسماعیل سنہلی حنفی دیوبندی ذرا سنبھل کر فرماتے ہیں کہ

”اس بے دینی، کم عقلی اور نفس پرستی کے دور میں تقلید شخصی ضروری اور واجب ہے“

(تقلید آئمہ اور مقام ابو حنیفہ ص 42)

قارئین کرام جب اس بات کو اچھی طرح آپ سمجھ گئے ہیں، تو اب سوال یہ ہے کہ کیا مقلدین پیش امام کے بارے میں بھی یہی موقف رکھتے ہیں کہ صرف ایک ہی امام کے

چھپے نماز ادا کرنی چاہیے اور اس کی اقتداء سے الگ ہو کر دوسرے کی اقتداء میں نماز ادا کرنا بے دینی و گمراہی ہے، اگر دیوبندی یہی موقف رکھتے ہیں کہ صرف ایک ہی امام کی اقتداء میں نماز ادا کرنی چاہیے تو پھر سن لیجئے کہ آپ حضرات سے بڑھ کر دنیا میں کوئی ناخواندہ و اجد نہیں، اگر آپ پیش امام کی اقتداء کے متعلق ایسا نظریہ نہیں رکھتے یقیناً نہیں رکھتے، تو پھر یہ تقلید شخصی کی دلیل کیسے ہوئی الغرض یہ دلیل آپ کے دعویٰ پر تقریب تام نہیں۔

ملاحظہ:- حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے عبدالرحمن بن عوف کی اقتداء میں نماز ادا کی ہے۔
 کتاب الصلاة باب تعظیم الجملۃ من یصلی بھم اذا تاخذ الامام، الحدیث (۱۰۵/۱۰۴)
 صحیح حدیث سے ثابت ہوا کہ فاضل مفضول کی اقتداء میں نماز ادا کر سکتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں سمجھئے کہ مجتہد ایک عامی کے چھپے نماز ادا کر سکتا ہے۔ میرے بھائی جب آپ کے نزدیک اقتداء نماز اور تقلید ایک ہی چیز کا نام ہے تو کیا مجتہد ایک جاہل و اجد کی بھی تقلید کر سکتا ہے؟

رابعاً:- پیش امام کی اقتداء کا حکم رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ

(انما جعل الامام لیؤتم بہ)

(صحیح مسلم ص 177 ج 1 عن انس بن مالک رضی اللہ عنہ)

یعنی امام اس لیے مقرر کیا گیا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے،

مہربانی فرما کر ایسی ہی حدیث آپ بھی پڑھ دیجئے کہ جس کا یہ معنی ہو کہ امام ابوحنیفہ اس لیے پیدا کیے گئے ہیں کہ تم ان کی تقلید کرتے رہو، اگر آپ ایسی کوئی حدیث صحیح مرفوع متصل دکھادیں تو ہم ماننے کو تیار ہیں، اگر نہیں دکھا سکتے تو اس بیمار قیاس کو اپنے پاس ہی رہنے دیں، اہل حدیث ایسے فضول تحفوں کو قبول نہیں کرتے۔

خاصاً:- بعض ضعیف احادیث سے ہر فاسق و فاجر کی اقتداء میں نماز پڑھنے کی اجازت ہے۔

(ابوداؤد ص 343 ج 1 و دارقطنی ص 56 ج 2 و بیہقی ص 121 ج 3 نصب الراہ ص 26 ج 2)

یہ روایات ضعیف ہونے کی وجہ سے ہمارا موقف نہیں مگر حنفیہ اسی کے قائل ہیں، جس کی وضاحت حاشیہ ابوداؤد ص 343 ج 1 نمبر 6 میں مولانا فخر الحسن گنگوہی نے فرمائی ہے، ابن

ہام فرماتے ہیں کہ گویہ روایت منقطع ہے مگر ہمارے نزدیک یہ مقبول اور درجہ حسن کی روایت ہے۔ (فتح القدیر ص 305 ج 1)

الغرض حنفیہ کے نزدیک فاسق و فاجر کی اقتداء جائز ہے۔

(ہدایہ مع فتح ص 304 ج 1 و فتاویٰ شامی ص 561 ج 1 و البحر الرائق ص 349 ج 1 و فتاویٰ عالمگیری ص 84 ج 1)

سوال یہ ہے کہ آپ کے نزدیک فاسق و فاجر اور بدعتی کی تقلید بھی جائز ہے؟ اگر جائز ہے تو مبارک ہو شاید اسی دلیل کے پیش نظر مولانا اشرف علی تھانوی نے ”احکام اسلام عقل کی نظر میں“ میں مرزا غلام احمد قادیانی کی تقلید کرتے ہوئے اس کی تالیف اسلامی اصول کی فلاسفی سے احکام کا فلسفہ اخذ کیا، بلکہ مرزا قادیانی کی ایک درجن سے زائد کتب میں سے صفحات کے صفحات نقل کئے جس کی تفصیل ہمارے شیخ مولانا محمد یحییٰ گوندلوی حفظہ اللہ نے اپنی ایک نادر تالیف ’مطرة الحدید‘ میں درج کی ہے، اور آپ کے استاذ المکرم مولانا سرفراز خاں صاحب صفدر نے تھانوی صاحب کی اندھی عقیدت (تقلید) میں تھانوی صاحب کے واسطہ سے مرزا غلام احمد قادیانی کی عبارات کو عقیدہ حیاة النبی ﷺ کے اثبات میں پیش کیا، ہم یہاں قارئین کی دلچسپی کے لیے دونوں کی عبارات کو نقل کرتے ہیں۔

مولانا صفدر صاحب کی عبارت:

پس یہ امر کہ ارواح کا قبور کے ساتھ تعلق ہوتا ہے، اس چشم سے لینا چاہیے جس کو کسی قدر کشفی آنکھ نے بھی بتلایا ہے کہ اس تودہ خاک سے ارواح کا ایک تعلق ہوتا ہے اور السلام علیکم یا اهل القبور کہنے سے جواب ملتا ہے، جو آدمی ان قوی سے کام لے جن سے کشف قبور ہوتا ہے تو وہ ان تعلقات کو دیکھ سکتا ہے..... غرض روح کا تعلق قبر کے ساتھ ضروری ہوتا ہے، انسان میت سے کلام کر سکتا ہے۔ ارواح کا تعلق آسمان سے بھی ہوتا ہے، جہاں اس کے لیے ایک مقام ملتا ہے، اور یہ ایک ایسی مسلم بات ہے کہ ہندوؤں کی کتابوں میں بھی اس کی گواہی موجود ہے۔ پس یہ مسئلہ عام طور پر مسلمہ مسئلہ ہے بجز اس گمراہ فرقے کے جو نفی

(تسکین الصدور ص 98 طبع 1986ء)

بقائے روح کرتا ہے۔

مرزا غلام احمد قادیانی کی عبارت:

تو یہ امر کہ ارواح کا قبور کے ساتھ تعلق ہوتا ہے، اسی چشم سے دیکھنا چاہیے اور کشفی آنکھ نے بتلایا ہے کہ اس تودہ خاک سے روح کا ایک تعلق ہے اور السلام علیکم یا اہل القبور کہنے سے جواب ملتا ہے، پس جو آدمی ان قوی سے کام لے جن سے کشف قبور ہو سکتا ہے..... (غرض روح کا تعلق قبر کے ساتھ ضرور ہوتا ہے، انسان میت سے کلام کر سکتا ہے، روح کا تعلق آسمان سے بھی ہوتا ہے جہاں اس کے لیے ایک مقام ملتا ہے میں پھر کہتا ہوں کہ یہ ایک ثابت شدہ صداقت ہے، ہندوؤں کی کتابوں میں بھی اس کی گواہی موجود ہے۔ یہ مسئلہ عام طور پر مسلمہ مسئلہ ہے، بجز اس فرقہ کے جو نفی بقائے روح کرتا ہے۔

(مرزائی اخبار الحکم جلد 3 شماره 3 مورخہ 23 جنوری 1899ء ص 2، 3 ملفوظات مرزا ص 191 ج 1، طبع جدید)

ان دونوں عبارات کو پڑھیے یہ 'کا' کی، کے علاوہ من و عن ہیں۔ حضرت نے نقل بھی اسے عقیدہ کے اثبات میں کیا ہے، معلوم یوں ہوتا ہے کہ دیوبندی کتب فکر میں 'حیاة النبی ﷺ کا عقیدہ مرزا غلام احمد قادیانی کی تقلید سے آیا ہے، یہ تمام تقلیدی آفات ہیں جن سے اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو محفوظ رکھے۔ آمین یا الہ العالمین

سادسا:- باقی رہا غیر مسلم کا جواب تو جب غیر مسلم اعتراض کرے گا تو ہم خود ہی اسے جواب دے لیں گے، آپ نے نہ کبھی پہلے اس سلسلہ میں کوئی قابل ذکر خدمت کی ہے اور نہ ہی اب آپ کو تکلیف دی جائے گی، یا پھر ان سے وکالت نامہ لے آئیے کہ اس کی ہار ہماری ہار، اور اس کی جیت ہماری جیت ہوگی۔ تو پھر دیکھیے کہ آپ کو کیسے لٹاڑا جاتا ہے۔

تقلید اور راہنمائی کا فرق

فرماتے ہیں کہ ہم سنت حضور ﷺ کی مانتے ہیں، لیکن امام کی اتباع و راہنمائی میں،

ہم شریعت حضور ﷺ کی مانتے ہیں مگر امام کی راہنمائی میں، ہم طریقہ نماز حضور ﷺ کا لیتے ہیں لیکن امام کی اتباع و راہنمائی میں۔ (تحفہ اہل حدیث ص 45)

الجواب:- اولاً:- عربی زبان میں راہنمائی کے لیے تحت 'قیادة' بالارشاد، وغیرہ الفاظ آتے ہیں (قاموس الجدید ص 522) مؤلف مولوی وحید الزمان قاسمی کیرانوالی حنفی دیوبندی، مؤلف کا حق تھا کہ وہ لغت عرب سے تقلید بمعنی تحت قیادة (راہنمائی) ثابت کرتا، پھر یہ دعویٰ کرتا، مگر یہ کام مشکل بلکہ ناممکن تھا، تو مؤلف نے بدون دلیل ہی دعویٰ کر دیا، اور اسی میں ہی ان کی عافیت تھی،

ثانیاً:- اگر آپ کا مقصود سنت، شریعت اور طریقہ نماز کو ہی معلوم کرنا تھا تو ان کے متعلق جن بھی معتبر ذرائع سے معلومات حاصل ہوتیں آپ انہیں تسلیم کرتے مگر آپ نے ایسا نہیں کیا بلکہ ایک ہی کی تخصیص کر لی، خاص کرنے پر آپ کے پاس دلیل تو ہے نہیں۔

ثالثاً:- جب آپ نے ایک کو خاص کر لیا اور باقی معتبر ذرائع سے منہ پھیر لیا بلکہ انہیں عملاً غیر معتبر قرار دے کر شریعت کے بعض احکام کی تحریف کی حد تک تاویل کی، بعض سنن کا انکار کر دیا، ملت اسلامیہ میں گروہ بندی کر کے قرآن کے ارشاد کو عملاً ترک کر دیا کہ

(وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا) (آل عمران: 103)

یعنی اللہ کی رسی (قرآن و سنت) کو مضبوطی سے پکڑ لو اور آپس میں فرقہ فرقہ نہ بنو!

مگر آپ نے حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی وغیرہ گروہ بندی کر کے جس طرح اس فرمان الہی کا مذاق اڑایا ہے وہ ہر باشعور آدمی پر واضح ہے۔

رابعاً:- بالفرض اگر آپ کی بات کو درست تسلیم کر لیا جائے تو آپ سے سوال یہ ہے کہ آپ عقائد میں تقلید کو کیوں حرام کہتے ہیں؟ مثلاً مقلدین اللہ کو مانتے ہیں مگر امام کی راہنمائی میں۔ انبیاء کو مانتے ہیں مگر امام کی راہنمائی میں۔ مقلدین قرآن کو مانتے ہیں، مگر امام کی راہنمائی میں وغیرہ ایسی ہم بیسیوں مثالیں عرض کر سکتے ہیں۔ مگر ہمارا مقصود صرف عوام کو سمجھانا ہے شمار کرانا نہیں۔

الغرض آپ حضرات عقائد میں تقلید جائز نہیں جانتے یہی وجہ ہے کہ حنیفہ عقائد میں ماتریدی ہیں، جس سے یہ بات ہمارے سامنے کھل کر آجاتی ہے کہ آپ سنت اسے مانتے ہیں جسے ابوحنیفہ سنت کہے، شریعت وہ مانتے ہیں، جسے امام ابوحنیفہ شریعت کہیں، طریقہ نماز آپ کو وہ قبول ہے جو ابوحنیفہ بتلائے، اس کے علاوہ آپ کسی کی بات کو قبول نہیں کرتے، خواہ اس کے خلاف قرآن ہو یا حدیث، اجماع امت ہو یا تعامل اہل مدینہ یا دور خلفاء راشدین کا دستور ہو، آپ قرآن کا ترجمہ کرنا اور کتب احادیث کے تراجم تک کو مارقیت سے تعبیر کرتے ہیں، جیسا کہ ہم دفاع امام ابوحنیفہ ص 26 کے حوالے سے عرض کر چکے ہیں بلکہ امام کے قول پر نظر ثانی کرنے والے کو بے دینی قرار دیتے ہیں، اسی کا ہی دوسرے لفظوں میں نام تقلید ہے، ایمان سے کہنا کہ اس کا ”راہنمائی“ سے کیا تعلق، مثلاً ایک شخص نے کراچی جانا ہے، وہ کراچی جانے کے لیے اور وہاں کے معروف مقامات کے متعلق راہنمائی کا محتاج ہے، اسے تو معلومات درکار ہیں خواہ کوئی بھی جاننے والا بتا دے، اس کا یہ سرے سے مطلب ہی نہیں کہ میں تو صرف ابو بلال سے ہی پوچھوں گا خواہ وہ صحیح بتائے یا غلط، اسی پر ہی عمل کرونگا اور اس کے خلاف کوئی بادل لیل بات بھی قبول نہیں کرونگا۔ پہلا طریقہ راہنمائی ہے، دوسرا طریقہ تقلید ہے، جسے کوئی عقل مند قبول کرنے کے لیے تیار نہیں۔

خامساً:- آپ کے استاذ المکترم فرماتے ہیں کہ

”تقلید تو ان پیش آمدہ مسائل میں جائز ہے جو نہ قرآن کریم سے صراحتاً ثابت ہوں اور نہ احادیث صحیحہ صریحہ سے اور نہ اقوال حضرات صحابہ کرام سے۔“ (الکلام المفید ص 235)

جبکہ آپ نے تقلید کا نام راہنمائی رکھ کر سنت، شریعت اور طریقہ نماز وغیرہ کی مثالیں دی ہیں، بتائیے یہ پیش آمدہ مسائل ہیں یا ان پر قرآن و سنت اور اقوال صحابہ سے روشنی پڑتی ہے؟ اگر یہ پیش آمدہ نہیں یقیناً نہیں، تو بتائیے آپ کاذب ہیں یا آپ کے استاد؟

اسناد حدیث اور تقلید

فرماتے ہیں، محدثین بھی تو امتی تھے، محدثین کون سے نبی تھے، بات پھر پھر اگر پھر امت شمس پر آگئی، لیکن بخاری شریف یا حنفی بھی حدیث کی کتب ہیں، ان میں ہر حدیث سے پہلے سند موجود ہے، یہ ناموں کی قطار اسے سند کہتے ہیں، اور سند میں سارے امتی ہوتے ہیں، امتی کو واسطہ بنانا پڑتا ہے، پھر پیغمبر کی حدیث ملتی ہے۔

(تحفہ اہل حدیث ص 46)

الجواب :- اولاً:- سند گواہی کے زمرے میں آتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب راوی ثقہ نہ ہو بلکہ ضعیف و متروک ہو، نیشان کا مریض ہو، لقمہ قبول کر لیتا ہو، سند اور متن میں گڑ بڑ کرتا ہو، تو اس کی گواہی غیر معتبر ہو کر روایت ضعیف ہو جاتی ہے، معتبر کی گواہی کو قبول کرنا اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا حکم ہے، خود رسول اللہ ﷺ نے گواہی کی بنا پر فیصلے صادر فرمائے، جس سے ثابت ہو کہ گواہ کی گواہی کو ہم نے قرآن و سنت کی اتباع میں قبول کیا، کہ یہ جو کچھ اپنا چشم دید واقعہ بیان کر رہا ہے یہ سچا ہے۔ جبکہ تقلید کہتے ہیں کہ مجتہد کے اجتہاد کو بغیر دلیل کے قبول کرنے کو جبکہ گواہی میں دلیل ہوتی ہے کہ وقوع اور کلام کو میں نے دیکھا ہے یا فلاں کی گفت و شنید کو سنا ہے۔

ثانیاً:- گواہ کی گواہی کے لیے مجتہد ہونا شرط نہیں، تو کیا تقلید غیر مجتہد کی بھی جائز ہے؟ جواب یقیناً نفی میں ہے، تو پھر یہ تقلید کی دلیل کیسے بن گئی؟

ثالثاً:- مقلد صرف ایک ہی مجتہد کی تقلید کرتا ہے، تو کیا یہ بھی درست ہے کہ قاضی (جج) بھی صرف ایک ہی گواہی پر فیصلہ صادر کر دے، علاوہ ازیں اگر قاضی کہے کہ میں فقط فلاں شخص کی ہی گواہی قبول کروں گا، اس کے علاوہ تمام لوگوں کی گواہی غیر معتبر ہے، یا ایک شخص کہے کہ روایت مجھے وہی قبول ہے جو فلاں شخص سے مروی ہے تو کیا ایسا جج اور انسان قابل مذمت ہے، اگر قابل مذمت ہے تو پھر یہ تقلید کی دلیل کس طرح بن گئی؟

رابعاً:- تقلید میں مجتہد کے قول کو بطور دلیل قبول کیا جاتا ہے، جبکہ گواہی میں اور سند حدیث میں راوی کی خبر کو قبول کیا جاتا ہے، ظاہر ہے کہ ان دونوں میں فرق واضح ہے۔ کیونکہ تقلید میں امام کے اجتہاد کو بغیر دلیل کے قبول کیا جاتا ہے۔ جبکہ حدیث کی سند میں راوی اپنا حس ظاہر کرتا ہے کہ میں نے آنحضرت ﷺ کو ایسے کرتے دیکھا۔

کیا اہل حدیث بھی تقلید کی دعوت دیتے ہیں؟

مقلدین حضرات کا موقف و نظریہ ہے کہ ابتداء میں صرف تقلید مطلق ہی تھی، جو کوئی جس کی چاہتا تقلید کر لیتا تھا، آخر اس میں قباحتوں نے جنم لینا شروع کیا یا اس کا خدشہ تھا کہ اگر مطلق تقلید کی اجازت بدستور رہی تو اس میں قباحتیں پیدا ہو گئی، ان کے سدباب کے لیے بقول مولانا عثمانی علماء نے چوتھی صدی ہجری میں تقلید شخصی کو واجب قرار دے دیا۔ (درس ترمذی ص 121 ج 1)

پھر مولانا عثمانی اس کو واجب قرار دینے پر دلائل بھی نقل کرتے ہیں، مگر یہ دلائل تمام کے تمام نفس مسئلہ سے سرے سے تعلق ہی نہیں رکھتے جس کی وجہ سے بالآخر یہ کہنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ ”تقلید شخصی کا وجوب کوئی شرعی حکم نہیں بلکہ ایک انتظامی فتویٰ ہے“۔ (درس ترمذی ص 121 ج 1)

الغرض مولانا کی تحریر الجھی ہوئی ہے، اسے واجب بھی قرار دینے پر مصر ہیں، مگر خود ہی اسے انتظامی فتویٰ کہہ کر تردید بھی کر رہے ہیں، بہر حال اگر مولانا اور دیگر مقلدین کے ان پریشان خیالات کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو تب بھی تقلید شخصی ہوئے نفس کو روکنے میں بری طرح ناکام ہوئی ہے، کیونکہ حنفیہ میں سے ہی، مسئلہ خلقِ قرآن نے جنم لیا، اعتراض نے بھی یہاں سے نشوونما پائی، حنفیہ سے ایک کثیر گروہ قبر پرستی اور بدعات کا دلدادہ ہو گیا، بلکہ فقہ حنفی کی تقلید کرنے والوں میں اکثریت بے دین اور نماز جیسے اہم رکنِ اسلامی تک کے تارک ہیں، اس خداداد مملکتِ اسلامیہ پاکستان میں، سینما وغیرہ کے مالک عموماً حنفی حضرات

ہیں؛ اگر تقلید ہی ہو اپرستی کا علاج تھا تو آج ہو اپرستوں کے یہ کام ہر جگہ کیوں موجود ہیں؟ پورا ملک ہو اپرستی کا شکار ہے، اگر تقلید شخصی ہی ان امراض کا علاج اور نسخہ شفا تھا تو ظاہر ہے کہ یہ مفید ثابت نہیں ہوا، اور خود ہی، انتظامی فتویٰ، انتظام میں غیر مؤثر ثابت ہونے کی وجہ سے بے کار ہو گیا۔ لیکن پوری حقیقت آج بھی ان فوائد کو گنوا تی تھکتی نہیں، اور پورے زور و شور سے اس کا پرچار کرتی ہے۔ پھر تقلید شخصی میں بھی ان لوگوں نے آئمہ اربعہ کو مخصوص کر لیا کہ ان کے علاوہ اب کسی اور کی تقلید جائز نہیں۔“ (دیکھیے الکلام المفید ص 116)

پھر ان آئمہ اربعہ میں سے بھی کسی ایک کو ترجیح دیکر منتخب کرنا ہے، ظاہر ہے کہ ان چاروں میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنا اجتہاد ہے، تقلید نہیں، (اور اجتہاد قرآن و حدیث میں ہوتا ہے جس کے لیے ان کا علم ہونا ضروری ہے) اور بقول مقلدین اجتہاد فقط مجتہد کا کام ہے۔ اور مجتہد کے لیے تقلید جائز نہیں، تحفہ اہل حدیث ص 163 اور اگر آئمہ اربعہ میں سے کسی کا انتخاب (تقلید آگیا ہے) ہے تو ظاہر ہے کہ اصول میں تقلید ہے اور اصول میں تقلید خود مقلدین کے نزدیک جائز نہیں، جیسا کہ ہم الکلام المفید ص 235 کے حوالے سے عرض کر چکے ہیں۔

یہ بات مؤلف تحفہ اہل حدیث کے دل میں بھی اضطراب کا باعث بنی تو اہل حدیث کے موقف کو نہایت بھونڈے پن سے نقل کرتے ہیں کہ ”آپ امام ابو حنیفہ کی بات کو کیوں لیتے ہیں، دوسرے آئمہ کی بات کو کیوں نہیں لیتے“ پھر ادھر ادھر کی باتوں میں الجھا کر اپنے راگ کی تان اس پر توڑتے ہیں کہ ”اگر امام ابو حنیفہ کی تقلید شرک ہے، تو چاروں کی تقلید تو بہت بڑا بلکہ چار گنا بڑا شرک بنے گا، مجھے شرک سے نکالتے نکالتے بڑے شرک میں پھنسا رہے ہو، اگر ایک بت کو سجدہ حرام ہے تو چار بتوں کو سجدہ کیسے توحید بن گئی، واہ آپ کی منطق صرف ایک امام کی تقلید تو شرک ہے، لیکن چاروں کی تقلید توحید ہو گئی ہے۔“ (بلفظ تحفہ اہل حدیث ص 47)

ذرا سوال پر غور کیجیے پھر ہمارے بھائی کے جواب کو دیکھئے ان دونوں میں کونسی مناسبت ہے، سوال تو امام ابو حنیفہ کی تقلید کو اختیار کرنے میں وجہ ترجیح کے بارے ہے، جواب نفسِ تقلید کے بارے ہے۔ یہ جواب تو تب درست تھا کہ جب ہماری طرف سے صرف امام ابو حنیفہ کی تقلید کو شرک کہا جاتا اور باقی کو عین توحید قرار دیا جاتا، مگر ہمارا دامن اس سے پاک ہے، ہمارے نزدیک تمام مجتہدین کی تقلید کا حکم ایک ہی ہے، ہم امام ابو حنیفہ کی تقلید ترک کروا کر ائمہ ثلاثہ (امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل) میں سے کسی ایک کی تقلید کے نہ داعی و مبلغ ہیں اور نہ ہی ہمارا یہ موقف ہے، خلطِ بحثِ علماء کی شان نہیں، لہذا آپ اصل سوال پر غور کریں پھر اس کا کوئی جواب عنایت کریں۔

امام ابو حنیفہ کی تقلید میں وجہ ترجیح

مولانا فرماتے ہیں کہ ”میرے بھائی اس واسطے کہ امام اعظم ابو حنیفہ بہ نسبت دوسرے ائمہ کے نبی ﷺ کے زیادہ قریب ہیں، زمانہ کے اعتبار سے نبی علیہ السلام نے فرمایا: (خیر امتی قرنی ثم الذی یلونہم ثم الذین یلونہم) بہترین میرا زمانہ ہے اس کے بعد تابعین کا اور اگلے بعد تبع تابعین کا“

تو نبی علیہ السلام سے قریب ترین زمانے میں امام صاحب ہوئے ہیں، ہم ان کی بات کو ترجیح دیتے ہیں۔ (تحفہ اہل حدیث ص 47)

الجواب :- اولاً :- معلوم یوں ہوتا ہے کہ مولف تحفہ اہل حدیث اس دلیل کو تحریر کرتے ہوئے گھبراہٹ کا شکار تھا، اس کی بے قراری، اضطراب اور بدحواسی کی یہ دلیل ہے کہ لفظ قرنی کے بعد ثم الذی، نقل کیے ہیں، حالانکہ درست الفاظ ثم الذین کے ہیں۔

(بخاری ص 1751 ج 1 و مسلم ص 309 ج 2)

ثانیاً :- اس فضیلت میں کیا امام ابو حنیفہ منفرد ہیں؟ یا خیر القرون کی پوری امت مرحومہ بھی اس میں داخل ہے؟ یقیناً داخل ہے۔ تو پھر یہ وجہ ترجیح کیسے ہو گئی؟ اگر کہو کہ آئمہ اربعہ میں

سے یہ عظمت صرف امام ابو حنیفہ کو ملی ہے، تو یہ بات دروغ گوئی پر مبنی ہے کیونکہ آپ نے خود تسلیم کیا ہے کہ تبع تابعین تک خیر القرون کا زمانہ ہے، اور تبع تابعین کا زمانہ 220ھ میں ختم ہوتا ہے، جیسا کہ شارحین حدیث نے صراحت کی ہے۔ (دیکھئے فتح الباری ص 474)

مولانا رشید احمد گنگوہی فرماتے ہیں کہ

”اس حدیث خیر القرون میں تابعی اور تبع تابعین دونوں داخل ہیں اور تبع تابعین کا عہد دو سو سال کے بعد تک رہا۔“ (سہیل الرشاد مندرجہ مجموعہ رسائل گنگوہی ص 30)

اس بات کو ملحوظ رکھیں تو آئمہ ثلاثہ اس فضیلت میں داخل ہیں۔ امام مالک ولادت 85ھ وفات 179ھ

امام شافعیؒ ولادت 150ھ وفات 204ھ، امام احمد بن حنبلؒ ولادت 164ھ وفات 241ھ، زمانہ کے اعتبار سے امام احمد بن حنبل بھی اس میں داخل ہیں گو آپ کی کسی تابعی سے ملاقات ثابت نہیں، تو پھر بھی کچھ مضائقہ نہیں کیونکہ امام مالک اور امام شافعیؒ کو بہر حال یہ عظمت و بزرگی حاصل ہے۔

تقلید کے فوائد اور ان کی حقیقت

مولانا فرماتے ہیں کہ آئمہ کرام نے کوئی الگ دین نہیں بنا لیا، امام اعظم ابو حنیفہ جو خیر القرون کے امام ہیں، نبی علیہ السلام نے ان کے بارے میں خوشخبری سنائی تھی کہ ایک شخص فارس سے اٹھے گا اگر ایمان ثریا ستارے تک بھی پہنچ چکا ہو گا وہاں سے بھی لا کر لوگوں کے سامنے پیش کر دے گا۔

احادیث مقدسہ میں کافی اختلاف ہے، وجہ اختلاف یہ ہے کہ بعض جگہ حضور علیہ السلام ایک حکم صادر فرماتے تھے کچھ مدت کے بعد دوسرا حکم صادر فرماتے، اب حدیثیں دونوں ہوتی ہیں ایک کام کے کرنے والی اور دوسری نہ کرنے والی، پندرہویں صدی میں ان کے نسخ و منسوخ کا فیصلہ کس طرح کر سکتے ہیں، دیکھو صحابہ نے آپ کے سامنے گوہ کھائی

ہے، اور ابوداؤد میں حدیث آتی ہے کہ آپ نے منع فرمایا، آگ پر پکی ہوئی چیز سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ (حدیث) آپ کا عمل اس کے خلاف بھی ہے۔ (حدیث) صحابہ کرام کا شراب پینا ایک وقت میں حدیث سے ثابت ہے۔ بعد میں منع فرمانا بھی حدیث سے ثابت ہے۔ سر کا مسح ایک مرتبہ کرنا، سر کا مسح تین مرتبہ کرنا، عصر کے بعد آپ نوافل پڑھتے تھے۔ (حدیث) منع فرماتے تھے کہ عصر کے بعد نفل نہ پڑھو۔ (حدیث) کلی کرنا ناک میں پانی کا ایک ایک مرتبہ کی حدیث ہے۔ تین تین مرتبہ والی حدیث بھی آتی ہے۔ صبح کی نماز روشنی میں پڑھنا، اندھیرے میں پڑھنا دونوں حدیثیں آئی ہیں۔

دیکھیں یہ مختلف قسم کی احادیث آرہی ہیں اس قسم کی سینکڑوں احادیث پیش کی جاسکتی ہیں، جن میں کافی تعارض و تخالف موجود ہے۔ اب ان متعارض روایات میں سے کس حدیث پر عمل جاری رہا کس پر ختم ہو گیا، کونسا آپ ﷺ کا عمل آخری ہے، اور کونسا پہلے زمانے کا، اس تعارض کو وہی ختم کر سکتا ہے جو ماہر شریعت بھی ہو ساتھ ساتھ صحابہ کرام کا ہم عصر بھی ہو، تو امام ابو حنیفہ تابعی ہیں اور اپنے دور کے امام مسلم ہیں، ہم ان سے مسائل لیتے ہیں، وہ ایسی روایات میں رفع تعارض کر کے ہمیں حضور علیہ السلام کے آخری عمل پر لگاتے ہیں۔ وہ حدیث کے خلاف اپنی بات منوانے پر بضد نہیں ہیں۔

(تحفہ اہل حدیث ص 59-57)

الجواب:- اولاً:- ان احادیث کا جن میں آپ کو تعارض نظر آرہا ہے ان کا جواب اپنے مقام پر تفصیل سے موجود ہے، اسے وہاں ہی ملاحظہ کریں، سرے دست آپ امام ابو حنیفہ سے صحیح سند کے ساتھ ثابت کریں کہ انہوں نے (جو بقول آپ کے متعارض ہیں) ان تخالف و تناقض کو دور کیا ہے، مجھے میری زندگی کے مالک کی قسم ہے کہ مؤلف تحفہ اہل حدیث اگر ساری زندگی بھی اپنے حواریوں کو ساتھ ملا کر کوشش کرے تب بھی اس کا ثبوت نہیں دے سکتا، ان تعارض کو دور کرنا تو کجا کسی صحیح و معتبر اسناد سے یہ بھی ثابت نہیں کیا جاسکتا کہ ان روایات کا امام ابو حنیفہ کو علم بھی تھا اور واقعی ان کو یہ صحیح اسناد کے ساتھ مل بھی گئی تھیں۔

ثانیاً:- آپ کا ناخ و منسوخ کو بھی متعارض قرار دینا، کوتاہ علم کا نتیجہ ہے، آج تک کسی اصولی نے ان کو متعارض قرار نہیں دیا، یہ دعویٰ صرف اہل حدیث کی عداوت میں، نصرۃ العلوم، کا تربیت یافتہ کر رہا ہے جسے عقل ہے نہ موت یہ عقل کا دشمن اگر شعور سے ”حجۃ اللہ البالغہ ص 138 ج 1“ کا ہی مطالعہ کر لیتا تو اہل علم کی محفل میں اس پر استہزاء نہ ہوتا مگر اسے محدثین کی عداوت نے اندھا کر دیا ہے۔

ثالثاً:- امام صاحب کے تابعی ہونے پر محترم نے کوئی دلیل نقل نہیں کی ورنہ ہم اس کا تفصیلی جائزہ لیتے۔ لیکن پھر بھی مختصر عرض ہے کہ امام صاحب کا تابعی ہونا آپ نے تقلید کہا ہے یا خود تحقیق کی ہے، اگر تقلید کہا ہے تو یہ دعویٰ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مخالف و معارض ہے کیونکہ آپ سے صحیح سند کے ساتھ مروی ہے کہ

(يقول ما رايت فيمن رايت افضل من عطاء ولا لقيت فيمن لقيت اكذب من جابر الجعفي)

(کتاب القراءۃ للبیہقی ص 134)

یعنی امام ابو حنیفہ فرمایا کرتے تھے کہ جنہیں میں نے دیکھا ہے ان میں سے عطاء بن ابی رباح سے بڑھ کر کسی کو افضل نہیں دیکھا اور جابر جعفی سے بڑھ کر کسی کو جھوٹا نہیں دیکھا۔

امام صاحب کے اس ارشاد سے ثابت ہوا کہ ان کی ملاقات کسی صحابی سے نہیں ہوئی ورنہ وہ اسے ذکر کرتے اور امام عطاء بن ابی رباح غیر صحابی (جو کہ تابعی ہیں) کو ملاقات والوں میں بہتر قرار نہ دیتے کیونکہ صحابی بہر حال تابعی سے افضل ہے، مگر مؤلف ”تحفہ اہل حدیث“ اپنے امام کے اس قول پر عدم اعتماد کا اظہار کر رہا ہے جو کہ ترک تقلید ہے، جسے ہمارا مہربان گمراہی سے تعبیر کرتا ہے۔

(تحفہ اہل حدیث ص 88)

اب اس بات کا فیصلہ تو ہم ان پر چھوڑتے ہیں کہ یہاں انہوں نے تقلید کو ترک کر کے، گمراہی، کو اختیار کیا ہے یا ترک تقلید کے باوجود راہ ہدایت پر ہیں؟ اگر آپ نے ترک تقلید میں امام صاحب کو تابعی قرار دے ہی لیا ہے تو اس کی کوئی دلیل تو وہ آپ کے پاس

نہیں، بھائی بغیر دلیل کے ہم لوگ ”تحفہ“ قبول نہیں کرتے یہ مقلدین کا شیوہ و شعار ہے کہ وہ ہر بے دلیل بات پر ڈب ڈب جاتے ہیں، اور اگر آپ کے باطن میں کوئی دلیل ہے بھی تو وہ بھی فضول و بے کار اور دلیل بننے کے قابل نہیں۔ علامہ محمد طاہر فتنی حنفی مرحوم فرماتے ہیں:

(وكان في ايامه اربعة صحابة انس وعبدالله بن ابي اوفى وسهل بن سعد وابوالطفيل ولم يلق احدا منهم ولا اخذمنه واصحابه يقولون انه لقي جماعة من الصحابة وروى عنهم ولا يثبت عندها نقل)

یعنی امام ابو حنیفہ کے دور میں حضرت انسؓ، حضرت عبداللہؓ بن ابی اوفی، حضرت سہلؓ، اور حضرت ابوالطفیلؓ چار صحابہ کرام (زندہ) موجود تھے، مگر آپ کی کسی سے ملاقات اور کسب علم ثابت نہیں، اور امام ابو حنیفہ کے مقلدین کہتے ہیں کہ آپ نے صحابہ کرام کی ایک جماعت سے ملاقات کی ہے اور ان سے حدیث روایت کی ہے مگر محققین کے نزدیک ان میں سے کوئی چیز بھی ثابت نہیں۔ (مجمع بحار الانوار ص 300-301 ج 5)

یہ ایک معتبر حنفی مقلد کی شہادت ہے، جس کے بعد ہم اس پر مزید کچھ لکھنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے، ہاں اگر ضرورت پیش آئی اور ہم مجبور کر دیئے گئے تو اس پر تفصیل سے بھی عرض کر دیں گے۔

رابعاً:- مؤلف تحفہ اہل حدیث نے جس حدیث سے امام ابو حنیفہ کی منقبت ثابت کرنے کی بے سود کوشش کی ہے اس کے متعلق مختصر عرض ہے کہ مؤلف کا حق تھا کہ پہلے امام ابو حنیفہ کو فارسی، ثابت کرتے اس کے بعد امام کی عظمت ثابت کرتے تو ایک بات تھی۔ مگر ہمارے بھائی نے قسم کھا رکھی ہے کہ سارے کام فقط دعوے ہی دعوے سے چلاؤں گا کوئی ان پر دلیل قائم کرنے کی زحمت گوارا نہ کروں گا، چونکہ یہ خود مقلد اعلیٰ ہے، جس کی وجہ یہ مخاطب کو بھی دلیں کا غیر محتاج اور بن دلیل فقط باتوں سے قائل اور راضی کرنے پہ ادھار کھائے بیٹھا، جیسے ساون کے اندھے کو ہر اہی ہر انظر آتا ہے ایسے ہی اسے اہل حدیث بھی اپنی طرح کے مقلد دکھائی دے رہے ہیں، جس کی وجہ سے یہ بے دلیل، تحفہ عنایت کر رہا ہے۔

(۱) بھائی اس حدیث میں ”رجال“ کا لفظ ہے، اور بخاری ص 272 ج 2 و مسلم ص 312 ج 2 نے اس لفظ کی تخریج پر اتفاق کیا ہے۔ اور الفاظ (اور رجل من هؤلاء) کہنے میں خود اس کے راوی، سلیمان کو شک ہے، اور عبدالعزیز کی روایت میں تردد نہیں جس کی وجہ سے رجال کے الفاظ معتبر ہیں، دیکھئے (فتح الباری ص 521 ج 8)

جب یہ بات متحقق ہو گئی تو واضح رہے کہ رجال جمع ہے رجل سے اور رجال کی پیشگوئی کا تعلق اہل فارس کے محدثین سے ہے نہ کہ کوفہ کے رہنے والے امام ابو حنیفہ کے بارے۔

(۲) یہ بات درست ہی نہیں کہ امام صاحب فارسی الاصل ہیں، جس کی تفصیل اللحات، جلد دوم میں دیکھی جاسکتی ہے، اگر بالفرض یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ امام ابو حنیفہ، فارسی الاصل تھے جیسا کہ مقلدین کا کہنا ہے، (مقام ابی حنیفہ ص 83) تو تب بھی اس سے امام صاحب کی منقبت ثابت نہیں ہوتی۔ کیونکہ حدیث میں فارسی الاصل کا ذکر نہیں بلکہ، فارسی کی بات ہے اور ان دونوں میں بعد المشرقین ہے، کیونکہ فارسی الاصل ہونے کا یہ مطلب ہے کہ امام صاحب کے آباؤ اجداد فارس سے ہجرت کر کے آئے تھے اور فارسی کا مفہوم یہ ہے کہ فارس میں جس کی رہائش ہو، جیسے پاکستانی، وغیرہ کا مفہوم ہے، اور فقہاء نے صراحت کی ہے جس جگہ پر انسان چار برس بود و باش اختیار کر لے، اس کا وہی وطن ہوتا ہے۔

(حدیث الغاشیہ ص 134)

(۳) اگر بالفرض حنیفہ کا دعویٰ تسلیم کر لیا جائے کہ اس سے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا شرف و بزرگی ثابت ہوتی ہے، تو تب بھی یہ تقلید شخصی کی دلیل نہیں، کیونکہ اس سے امام صاحب کا ایمان دار ہونا ثابت ہوتا ہے اور ہم ان کے مسلمان اور مؤمن کامل، عابد و زاہد ہونے کا کب انکار کرتے ہیں، انکار تو ان کی تقلید سے ہے جو اس حدیث سے ثابت نہیں ہوتی لہذا کوئی ایسی حدیث صحیح پیش کیجیے جس میں رسول اللہ ﷺ نے امام ابو حنیفہ کی تقلید کی تلقین کی ہو،

مؤلف تحفہ اہل حدیث کی گپ

امام صاحب نے بچپن جج کیے ہیں، صحابہ کرام میں جا کر نمازیں پڑھی ہیں، جو کام صحابہ کرام کو کرتے دیکھا ہے، وہ آپ کا آخری عمل سمجھ کر امام صاحب محفوظ فرما لیتے اور جو روایات خیر القرون میں صحابہ نے ترک کر دیں وہ امام صاحب نے بھی ترک کر دیں اگر وہ روایات قابل عمل ہوتی تو آپ کے یار ضرور عمل کرتے۔

(تحفہ اہل حدیث ص 59)

الجواب :- اولاً :- ہمارا پوری دنیا کے منکرین سنت کو کھلا چیلنج ہے کہ جس بات کا دعویٰ ابوبلال نے کیا ہے اس کا ثبوت کسی صحیح روایت سے ثابت کریں، یاد رکھیے پوری دنیا کے مقلدین سر توڑ کوشش کرنے کے باوجود کوئی ایسی روایت ثابت نہیں کر سکتے انشاء الرحمن پہلے حضرت امام ابوحنیفہ کا اقرار نقل کیا جا چکا ہے کہ جس میں ان کے تابعی ہونے کی نفی ہوتی ہے، اور علامہ فتنی کی عبارت بھی ہم نقل کر آئے ہیں کہ امام صاحب تابعی نہیں گوان کے مقلدین کا یہ دعویٰ ہے مگر ان کے دلائل محققین کے نزدیک غیر معتبر ہیں، لیکن مؤلف تحفہ اہل حدیث ان کی ملاقات ایک گروہ صحابہ سے باور کر رہا ہے جو سرے سے قابل التفات ہی نہیں۔

ثانیاً :- خود حضرت امام ابوحنیفہ کا اقرار ہے کہ میرا علم فقہ تمام تر قیاس و رائے پر۔

(وقد روی ابو یوسف والحسن بن زیاد كلاهما عن ابی حنیفة انه قال
علمنا هذا رأی وهو احسن ما قدرنا علیه)

یعنی قاضی ابو یوسف اور حسن بن زیاد کہتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ نے کہا کہ ہمارا پورے کا پورا علم فقہ و فتاویٰ سب رائے و قیاس ہی ہے۔ اپنی رائے و قیاس کے مطابق مقدور بھر ہم نے صحیح بات کہی ہے۔

(اعلام الموقعین ص 175 ج 1 و تاریخ بغداد ص 352 ج 13)

امام ابو حنیفہ کے اس قول سے ثابت ہوا کہ ان کا مرتب و مدون کردہ یا بیان کردہ سارا علم فقہ و علم کلام وغیرہ محض رائے و قیاس ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اہل الرای اور اہل الحدیث کا فرق بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں

(لم یکن عندهم من الاحادیث والاثار ما یقدرون به علی استناد الفقہ علی الاصول التی اختارها اهل الحدیث..... الخ)

یعنی اہل الرای کے پاس احادیث نبویہ اور آثار صحابہ کا اتنا علم نہیں تھا جس سے یہ لوگ اہل حدیث کے اختیار کردہ اصول پر فقہی مسائل استنباط کر سکتے اور نہ ان لوگوں کے دلوں میں اتنی وسعت و ہمت ہی تھی کہ وہ تمام علماء کے اقوال پر نظر کر سکتے اور نہ ان کے سینوں میں اتنی فراخی تھی کہ وہ اقوال اہل علم کو جمع کر کے ان پر بحث و نظر کرتے۔

(حجۃ اللہ البالغہ ص 152 ج 1)

پھر اہل الرای کے طریق کار پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

(بل المراد من اهل الرای قوم توجهوا بعد المسائل المجمع علیها بین المسلمین او بین جمهورهم الی التخریج علی اصل رجل من المتقدمین وکان اکثر امرهم حمل النظیر علی النظیر والرای اصل من الاصول دون تتبع الاحادیث والاثار الخ) (الانصاف فی بیان سبب الاختلاف ص 27)

یعنی اہل الرای سے مراد وہ لوگ ہیں جو متقدمین میں سے کسی آدمی کے وضع کردہ اصول کے مطابق مسائل کا استنباط و استخراج کرتے تھے انہیں احادیث و آثار کی تلاش و جستجو نہیں ہوتی۔ اتنی پھر خاص امام ابو حنیفہ کے طریق کار پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

(وکان ابوحنیفۃ الزمہم بمذہب ابراہیم واقرانہ لایجاوزہ الامشاء اللہ وکان عظیم الشان فی تخریج علی مذہبہ دقیق النظر فی وجوہ التخریجات مقبلاً علی الفروع اتم اقبال)

(حجتہ اللہ البالغہ ص 146 ج 1)

یعنی امام ابو حنیفہ ابراہیم نخعی اور ان کے ہم عصر علماء کے مذہب کو لازم پکڑتے تھے اور بہت ہی کم ان سے تجاوز کرتے اور امام نخعی کے مذہب کی تخریج میں بڑی شان رکھتے اور تخریج کی وجہ میں نئے فروع پر پوری توجہ اور اہتمام تھا۔ اتنی

حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کی ان تصریحات سے ثابت ہوا کہ اہل الرای کسی شخص کے وضع کردہ اصول پر مسائل کا استنباط قیاس و رائے سے کرتے تھے اور انہیں احادیث نبویہ اور آثار صحابہ کرام سے سرے سے کوئی سروکار ہی نہ تھا اور یہ کہ امام ابو حنیفہ امام ابراہیم نخعی کے اصول پر مسائل کا استنباط کرتے تھے۔

امام صاحب کی مجلس علمی پر تبصرہ کرتے ہوئے حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

(ماکان علی ظہر الارض مجلس احب الی من مجلس سفیان الثوری کنت اذا شئت ان تراہ مصلیا رایته واذا شئت ان تراہ فی ذکر اللہ عزوجل رایته وکنت اذا شئت ان تراہ فی الغامض من الفقہ رایته واما مجلس لاعلم انی شہدته صلی فیہ علی النبی ﷺ قط فمجلس ثم سکت ولم یذکر فقال یعنی مجلس ابی حنفیة)

یعنی میرے نزدیک کرہ ارض کے اوپر امام سفیان ثوری کی مجلس سے زیادہ محبوب اور کوئی مجلس نہیں، میں نے جب چاہا کہ ان کو نماز کی حالت میں دیکھوں تو میں نے انہیں دیکھا اور جب میں نے چاہا کہ انہیں اللہ کے ذکر میں مشغول پاؤں تو میں نے انہیں دیکھا اور جب میں نے انہیں فقہی مسائل میں غور و خوض کرتے دیکھنا چاہا تو دیکھا لیکن میں جب بھی امام ابو حنیفہ کی مجلس میں گیا تو میں نے وہاں نبی ﷺ پر درود و سلام پڑھتے نہیں سنا۔

(کتاب السنۃ ص 214 ج 1 لابن امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ)

اس روایت کی سند صحیح ہے اور کہنے والے بھی امام عبداللہ بن مبارک ہیں جنہیں مقلدین

Scanned By: Muhammad Shakir

truemaslak@inbox.com

حضرات حنفی باور کراتے ہیں۔ (طائفہ منصورہ ص 60)

مجلس امام ابو حنیفہ میں درود نہ پڑھا جانے کی صرف یہی وجہ ہو سکتی ہے کہ وہاں حدیث رسول کا کبھی ذکر ہی نہیں آیا اگر وہاں سنت مصطفیٰ ﷺ کا تذکرہ ہو اگر تا پھر اس کے ناخ و منسوخ سے بھی بحث ہوتی تو وہاں ذکر رسول اللہ ﷺ پر درود ضرور پڑھا جاتا یہ ناممکن ہے کہ امام صاحب جیسا عابد و زاہد ذکر رسول اللہ ﷺ پر درود نہ پڑھتا ہو الغرض امام عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ نے نہایت احسن انداز میں امام صاحب کی مجلس کا حال بیان کر دیا کہ وہاں زیادہ تر مسائل کا حل رائے اور قیاس سے ہوتا تھا۔

ملاحظہ:- مؤلف تحفہ اہل حدیث کا یہ دعویٰ کہ امام صاحب نے خیر القرون میں جو کام صحابہ کرام کو کرتے دیکھا تھا اسے آنحضرت ﷺ کا آخری عمل سمجھ کر محفوظ فرمایا، دعویٰ بلا دلیل ہے، اور بے دلیل دعویٰ سے آپ امام ابو حنیفہ کو پوری امت محمدیہ کا وارث اور متاع باور کرنا چاہتے ہیں، خاکسار راقم الحروف باواز بلند یہ دعویٰ کرتا ہے کہ آپ امام صاحب کی صرف ایک حدیث کسی بھی صحابی سے صحیح متصل سند کے ساتھ کتب حدیث سے ثابت کر دیں تو راقم آپ کو اپنی جیب خاص سے دس روپے حق محنت دے گا، ان شاء اللہ

ہماری طرف سے آپ کو کھلی چھٹی ہے کہ دیوبند سے مدد حاصل کریں یا بریلی سے مکم منگالیں یا قادیان سے تحقیقات چوری کر کے، المصالح العقلیہ کا نام دے لیں۔ مگر یاد رکھئے آپ پوری ذریت حنفیت کو بھی ساتھ ملا لیں تو تب بھی آپ کو یقیناً ناکامی و نامرادی ہی ہوگی۔ ان شاء اللہ

کیا فقہ حنفی خلفاء الراشدین سے ماخوذ ہے

مذکورہ گپ کے بعد اہل حدیث کی طرف سے بنائے وکیل سوال نقل کرتے ہیں کہ یہ کس طرح پتہ چلا کہ صحابہ کرام کا عمل ناخ و منسوخ کے درمیان امتیاز کر سکتا ہے؟ پھر اس کا جواب رقم کرتے ہیں کہ

”نبی علیہ السلام کا فرمان ہے میرے بعد بہت سارے اختلاف ہو گئے، تم نے میری اور میرے خلفائے راشدین کی سنت کو مضبوطی سے تھامنا ہے، جب آپ ﷺ نے خود فرمادیا کہ میری اور میرے خلفاء کی سنت کو تھام لینا، اب جتنا علم ناسخ و منسوخ کا خلفاء راشدین کو ہے ظاہر ہے کسی اور کو نہیں ہو سکتا، تو ان کا عمل ہمارے واسطے نبی علیہ السلام کا آخری عمل ہی شمار ہو گا اور یہی ضابطہ امام صاحب نے اپنایا ہے۔ اس واسطے ہم امام صاحب سے مسائل لیتے ہیں“۔ (تحفہ اہل حدیث ص 60)

الجواب:- اولاً:- ہم نقل کر آئے ہیں کہ امام ابو حنیفہ احادیث نبوی آثار صحابہ کرام سے مسائل استنباط نہیں کرتے تھے بلکہ ابراہیم نخعی کے اصول پر مسائل کا قیاس و رائے سے استخراج کرتے تھے، ان دلائل کی موجودگی میں آپ کی یہ بات کہ خلفاء راشدین کے نقش قدم پر چلے تھے، ایک دیوانے کی بڑ معلوم ہوتی ہے، لہذا آپ پہ لازم ہے کہ آپ کسی صحیح سند سے امام ابو حنیفہ سے یہ ثابت کریں کہ وہ سنت خلفاء راشدین سے مسائل کا استخراج کرتے تھے، مگر یاد رہے کہ اس پر آپ کوئی وزنی دلیل تو کجا کوئی لولی لنگڑی بھی پیش نہیں کر سکتے۔

ثانیاً:- امام ابو حنیفہ کی تقلید کر کے، سنت خلفاء راشدین کا نام کس منہ سے لیتے ہو، ان کا ہمیشہ طریق کار اسوہ رسول ﷺ کی پیروی تھا، حضرت میمون بن مہران راوی ہیں کہ (کان ابو بکر اذا ورد علیہ الخصم نظر فی کتاب اللہ، فان وجد فیہ ما یقضی بینہم قضی بہ، وان لم یکن فی الکتاب وعلم من رسول اللہ ﷺ فی ذلك الامر سنة قضی بہ فان اعیاء خرج فسأل المسلمین، وقال اتانی کذا وکذا فهل علمتم ان رسول اللہ ﷺ قضی فی ذلك بقضاء؟ فرما اجتمع الیہ النفر کلہم یدکر من رسول اللہ ﷺ فیہ قضا، فیقول ابو بکر الحمد لله الذی جعل فینا من یحفظ علی نبینا فان اعیاء ان یجد فیہ سنة من رسول اللہ ﷺ جمع رؤوس الناس وخیارہم فاستشارہم فاذا اجتمع رایہم علی امر قضی بہ)

(سنن دارمی ص 70 ج 1 باب التقیاد ما فیہ من الشدۃ)

یعنی جب حضرت ابو بکر صدیقؓ کے پاس کوئی مقدمہ آتا تو آپ سب سے پہلے اس کا حل اللہ کی کتاب سے تلاش کرتے، اگر اس کا حل کتاب اللہ سے مل جاتا تو اسی کے مطابق فیصلہ کرتے، ورنہ سنت رسول ﷺ کی طرف رجوع کرتے اگر اس کے متعلق خود کو علم نہ ہوتا تو گھر سے باہر آکر مسلمانوں سے سوال کرتے کہ میرے پاس ایسا ایسا مقدمہ پیش ہوا ہے اگر آپ کے علم میں ہو کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کے بارے میں کیا فیصلہ فرمایا ہے کبھی کبھار ایسا بھی ہوتا آپ کے پاس ایک گروہ جمع ہو جاتا، اور وہ تمام اس بارے میں رسول اللہ ﷺ کے فیصلہ کا ذکر کرتے، جس پر ابو بکر صدیقؓ فرماتے کہ اللہ کا شکر ہے کہ جس نے ہم میں ایسے لوگوں کو پیدا کیا ہے کہ جو اس کے دین کے محافظ ہیں، اور اگر سنت کا علم نہ ہوتا تو صحابہ کرام کو جمع کرتے اور جس امر پر وہ متفق ہو جاتے اس کے مطابق فیصلہ فرمادیتے۔

(دارمی حدیث نمبر 161)

یہی طریق کار دیگر خلفاء راشدین کا تھا، جس کی تفصیل امام ابن قیمؒ نے ”اعلام الموقعین“ میں درج کی ہے، اب بتائیے مقلد کا طریق کار ایسا ہی ہوتا ہے؟ جواب یقیناً نفی میں ملے گا، پھر غور کیجیے اور عقل و شعور سے کام لے کر اپنے دل سے سوال کیجیے کہ امام ابو حنیفہ کا طریقہ کار یہی تھا، نہیں یقیناً نہیں وہ تو ابراہیم نخعی کے اصول پر بلا سبب مسائل کا استنباط کرتے تھے، جبکہ خلفاء راشدین غیر پیش آمدہ مسائل میں غور و خوض کو جرم جانتے تھے۔

امام زید الممقری فرماتے ہیں کہ ایک شخص ابن عمرؓ کے پاس آیا اور سوال کیا! تو ابن عمر نے کہا جو مسئلہ ابھی پیش ہی نہیں آیا اس کے متعلق سوال نہ کر، میں نے اپنے والد سے سنا کہ

(یلعن من سال عما لم یکن) (سنن دارمی ص 62 ج 1)

آپ اس سائل پر لعنت کرتے تھے جو غیر پیش آمدہ مسئلہ کے بارے میں سوال کرے۔

الغرض خلفاء راشدین کا طریقہ، قرآن و سنت کی طرف رجوع کرنا تھا اور جب کوئی مسئلہ ان سے حل نہ ہوتا تو باہم مشورہ سے اسے طے کیا جاتا، مگر تقلید میں قرآن و سنت

کی طرف رجوع کیا جاتا ہے اور نہ ہی پیش آمدہ مسائل کا حل باہم مشورہ سے طے کیا جاتا ہے، زیادہ سے زیادہ اپنے امام کے اصول پر، نظائر کو نظائر پر محمول کر کے مسئلہ کا استخراج کیا جاتا ہے، اسے طریق خلفاء سے کیا نسبت؛

مثلاً:- اگر خلفاء راشدین کا کوئی فتویٰ و عمل قرآن و سنت کے خلاف ہوگا تو اسے بھی قبول نہیں کیا جائے گا، مثلاً حضرت عثمان غنیؓ نے سفر حج میں مکہ مکرمہ میں پوری نماز ادا کی ہے۔

(صحیح مسلم ص 243 ج 1)

حضرت عثمانؓ کا یہ عمل چونکہ سنت خیر الانام ﷺ اور خلفاء راشدین کے سرکردہ ابو بکر صدیقؓ اور فاروق اعظمؓ کے مخالف ہے جس کی وجہ سے ان کا یہ فتویٰ و عمل قابل قبول نہیں ہے، یہی حنفیہ کا بھی موقف ہے، اسی دلیل سے یہ بات بھی ثابت ہوئی کہ خلفاء کا عمل وہی سنت رسول میں داخل ہے، جو سنت مصطفیٰ ﷺ کے موافق ہے، خلفاء کا کوئی عمل سنت سے ہٹ کر سنت خیر الانام میں داخل نہیں، اس حدیث سے ایک اور بات بھی ثابت ہوئی کہ خلفاء راشدین کی سنت وہی ہے جس پر وہ متفق ہوں اور اس اتفاقی سنت سے آپ ایک مثال بھی پیش نہیں کر سکتے کہ فلاں صحیح صریح مرفوع متصل حدیث کا حنفیہ نے اس لیے انکار کیا ہے کہ وہ خلفاء اربعہ کے دستور کے مخالف ہونے کی وجہ سے منسوخ ہے۔

یہ ابوبلال کیا اگر پوری ذریت دیوبند بھی جمع ہو کر سر توڑ کوشش کرے تو بھی ایک ایسی مثال نہیں دے سکتے کہ فقہ حنفیہ کا فلاں مسئلہ حدیث کے مخالف اس لیے ہے کہ اس کی مخالفت خلفاء اربعہ سے بسند صحیح ثابت ہے۔ اگر یہ ثابت نہ کر سکے اور یقیناً ثابت نہیں کر سکیں گے تو پھر بھائیو! جان لو کہ ابوبلال نے خلفاء راشدین کا صرف نام استعمال کیا ہے تاکہ عوام فقہ حنفی کے بے کار و فضول بلکہ بعض لچر قسم کے فتاویٰ پر اندھا اعتماد کر لیں۔

کیا مترجم پر اعتماد اس کی تقلید ہے؟

پہلے سوال نقل کرتے ہیں کہ، مجھے کافی ساری احادیث آتی ہیں، میں نے احادیث

کا بہت مطالعہ کیا ہے کیا میں بھی تقلید کروں؟

اس کا جواب عنایت کرتے ہیں کہ کیا آپ کو عربی آتی ہے؟ نہیں ترجمے والی کتابیں دیکھتا ہوں؟ وہ ترجمے بھی تو کسی امتی کے کیے ہوئے ہیں۔ ان کے تراجم پر اعتماد کرنا یہ ان کی تقلید ہی تو ہے۔

(تحفہ اہل حدیث ص 60)

الجواب :- اولاً :- حنفیہ میں سے دیوبندی مکتب فکر کے علماء و مولانا محمود حسنؒ، مولانا اشرف علی تھانوی وغیرہ نے قرآن کے تراجم کیے ہیں جن پر دیوبندی علماء اعتماد کرتے ہیں تو کیا سارے دیوبندی امام ابو حنیفہ کی تقلید کو ترک کر کے محور الحسنؒ خاں اور اشرف علی تھانوی کے مقلد ہو گئے ہیں، جو اب یقیناً نفی میں ہے، اسی طرح حدیث اور کتب فقہ کے تراجم بھی موجود ہیں، جن پر علماء دیوبند اعتماد کرتے ہیں، تو کیا وہ ان مترجمین کے مقلد ہو گئے ہیں، عقل کے ناخن لو، کیا کہہ رہے ہو؟

ثانیاً :- معتبر مترجم پر اعتماد کرنا تقلید نہیں، آپ لغت سے تقلید اور اعتماد کے الفاظ کو مترادف ثابت کر دیں تو منہ مانگا انعام ورنہ ایسی کچی باتیں کر کے اپنے علم کا حدود اربعہ معلوم نہ کروائیں۔

خود رسول اللہ ﷺ نے ترجمان پر اعتماد کیا ہے صحیح بخاری میں ہے کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر کفار مکہ کے وکیل نے شرائط نامہ کی تحریر میں لفظ رسول اللہ ﷺ پر اعتراض کیا تھا کہ اسے کاٹ کر محمد بن عبد اللہ (ﷺ) لکھا جائے، مگر حضرت علیؓ نے بوجہ نہ کاٹا آخر حضرت علیؓ نے نشاندہی کی تو _____ آپ علیہ

السلام نے، رسول اللہ ﷺ کا لفظ اپنے دست مبارک سے کاٹ دیا۔

(المحدث بخاری صفحہ ۴۵۲ ج ۱ و مسلم صفحہ ۱۰۵ ج ۲)

صحیح بخاری ج ۱ صفحہ ۶۹
صحیح بخاری و مسلم کتاب الحدود میں اور کتب سیر میں معروف واقع منقول ہے کہ جب یہود نے شادی شدہ زانی کی حد میں رسول اللہ ﷺ کو منصف تسلیم کیا تو آپ علیہ السلام نے حکم فرمایا کہ تورات لے آئیں، ان کا ایک عالم اس جگہ سے تورات کو تلاوت کرنے لگا،

جہاں رجم کی آیت درج تھیں، مگر ان آیت پر اس نے اپنا ہاتھ رکھ لیا تاکہ کسی کی نظر اس پر نہ پڑے۔ حضرت عبداللہ بن سلامؓ بھی پاس بیٹھے ہوئے تھے اس صبر کی یہ حرکت دیکھ رہے تھے، صبر نہ کر سکے، اس کا ہاتھ پکڑ کر زور سے پرے پٹخ دیا اور بولے:

(هذه يابني الله اية الرجم يابني ان يتلوه اعليك)

یعنی اے اللہ کے نبی ﷺ یہ ہے رجم کی آیت یہ شخص اس کو پڑھنے سے انکار کر رہا ہے،

(سیرۃ النبویہ لابن ہشام ص 215 ج 2)

چنانچہ حکم تورات کے موافق آنحضرت ﷺ نے یہودی کو رجم کرنا حکم فرمایا، جسے مدینہ میں رجم کر دیا گیا۔ تورات تو سریانی زبان میں تھی جس کو رسول اللہ ﷺ نہ جانتے تھے، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ علیہ السلام کو حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے سریانی سے عربی میں ترجمہ کر کے آیت رجم کی نشان دہی کی تھی۔ حضرت زید بن ثابت بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ یہودیوں کی زبان سیکھنے کا اور فرمایا انی واللہ ما امن یہودی لی کتابی فتعلمته فلم یمر بی الا نصف شهر حتی حدقته فکنت اکتب له اذا کتب واقراء له اذا کتب الیہ

اللہ کی قسم مجھے یہودیوں پر بھروسہ نہیں کہ وہ میری طرف درست لکھتے ہوں (زید فرماتے کہ) نصف ماہ نہ گزرا تھا کہ میں نے ان کی تحریر زبان خوب سیکھ لی پھر جب آپ کچھ لکھوانا چاہتے تو میں لکھ دیتا اور جب کسی مقام سے کوئی تحریر آتی تو اسے پڑھ دیتا، مسند احمد ص 186 ج 5 و ابو داؤد 356/3 (3645) و ترمذی 392/3 (2715) و بیہقی ص 127 ج 10 و مستدرک حاکم ص 75 ج 1 امام ترمذی حاکم اور علامہ ذہبی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے اور یہ اپنے معنی و مفہوم میں بالکل واضح ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ترجمانی کیلئے سیدنا زید کو یہودیوں کی زبان سیکھنے کیلئے حکم فرمایا جو سیدنا زید رضی اللہ عنہ نے آدھے ماہ میں سیکھ بھی لی۔ جس کے بعد سیدنا زید نبی کریم ﷺ کے لئے بطور ترجمان کام کرتے رہے، انہیں چیزوں کو ملحوظ رکھ کر امام ترمذی نے اسے باب السریانیہ کے تحت لا کر یہ مسئلہ سمجھایا کہ ضرورت کے تحت کفار کی زبان سیکھنی بھی

جائز ہے۔ بلکہ امام حاکم نے بھی مستدرک کے کتاب الایمان باب جواز تعلم کتابہ الیہود میں درج کر کے بھی اسی طرف توجہ دلائی ہے۔ الغرض رسول اللہ ﷺ نے زید کی ترجمانی پر اعتماد فرمایا ہے۔

اب نصرۃ العلوم کا تربیت یافتہ ابو بلال (أجد) شاید اس کا نام ”تقلید“ رکھ کر رسول اللہ ﷺ کو نبی زینب بنت علیؓ اور رضی اللہ عنہم کا مقلد کہے گا۔ مگر کوئی صاحب علم اسے تقلید نہیں کہتا کیونکہ ترجمان یا مترجم اپنی بات نہیں کہتا بلکہ دوسرے شخص کی بات کا لغوی معنی کرتا ہے، لہذا جس کی ترجمانی کی جا رہی ہے یا جس شخصیت کے اقوال کو اپنی زبان میں ڈھال رہا ہے، اس کی شخصیت اگر دین میں حجت ہے تو یہ دلیل کی پیروی ہوگی، اگر حجت نہیں تو تقلید ہوگی، اس فرق کو ملحوظ رکھیں تو قرآن و حدیث کے تراجم کی طرف رجوع کرنا تقلید نہیں بلکہ دلیل کی طرف رجوع ہونے کی وجہ سے اتباع رسول اللہ ﷺ میں داخل ہے، اور کتب فقہ کے تراجم کی طرف رجوع کرنا، چونکہ دلیل کی پیروی نہیں بلکہ فقہ مرتب کرنے والے پر حسن ظن کی بنا پر اسے قبول کر لیا گیا ہے جس کی وجہ سے یہ تقلید ہے، کہیے کیا کہتے ہو۔

آنحضرت ﷺ خود دینی اور دنیاوی امور میں اعتماد فرماتے، جبریل امین علیہ السلام وحی لے کر آتے، اسے قبول کرتے، کتاب وحی صحابہ کرام سے قرآن کو ضبط تحریر میں کرواتے، بعض صحابہ کو حدیث و سنن لکھوا کر دیں، بادشاہوں کے نام خطوط تحریر کروائے، وغیرہ یہ تمام کام اعتماد کی بنا پر ہوتے تھے، مگر آج تک کسی نے اس کو تقلید کا نام نہیں دیا، اہل علم اس کو شہادت و گواہی کے زمرے میں لاتے ہیں کیونکہ معتبر پر اعتماد کر کے اس کی گواہی کو قبول کرنا دستور اسلام ہے۔ اسے تقلید کا نام صرف آپ نے دیا ہے، شاید آپ کو قرآن و حدیث کے علاوہ لغت پر بھی عبور نہیں اور اصول کی مبادی کتب بھی زیر مطالعہ نہیں، اور معتدین پر بھی آپ کو اعتماد نہیں، ورنہ ایسے بے کار دلائل آپ تقلید پر نہ دیتے، آپ دعویٰ تو تقلید کا کرتے ہیں مگر اس کی دلیل تجدیدی دیتے ہیں۔

کیا مؤلفین صحاح ستہ مقلد تھے؟

فرماتے ہیں کہ امام بخاری، امام مسلم، امام ترمذی، امام نسائی، امام ابن ماجہ، امام شافعی کے مقلد تھے اور امام ابو داؤد امام احمد بن حنبل کے مقلد تھے۔

(ملخصاً تحفہ اہل حدیث ص 61)

الجواب:- اولاً:- اگر آپ کے اس قول میں صداقت ہے تو ان آئمہ کرام سے ثابت کیجیے کہ ہم مقلد ہیں، ورنہ لعنۃ اللہ علی الکنذین کی وعید شدید سے ڈریئے اور خوف خدا کیجیے کہ آپ مذہب کے نام پر جھوٹ بولنے کے عادی ہو چکے ہیں۔

ثانیاً:- ہم التوضیح ص 44 کے حوالے سے ذکر کر آئے ہیں کہ اولاً اربعہ سے صرف مجتہد ہیں کچھ حاصل کر سکتا ہے، مقلد نہیں کیونکہ مقلد کے نزدیک تو دلیل صرف قول مجتہد ہوتا ہے، اس کے برعکس آپ صحاح ستہ کا مطالعہ کریں تو معلوم ہو گا کہ یہ تمام اپنی اپنی سنن اور صحاح میں باب باندھتے ہیں، پھر حدیث رسول نقل کرتے ہیں، آثار صحابہ کا تذکرہ کرتے ہیں، قرآنی آیات سے استدلال کرتے ہیں، فقہ الحدیث سمجھاتے ہیں، بعض مقام پر علماء امت کے اقوال کا تذکرہ بھی کرتے ہیں، بعض کی موافقت اور بعض کا رد تحریر کرتے ہیں، مثلاً امام بخاری کو ہی لیجیے انہوں نے بخاری ص 99 ج 1 و ص 194 ج 1 و ص 211 ج 1 و ص 248 ج 1 وغیرہ میں امام شافعی سے اختلاف کر کے حنفیہ کی موافقت کی ہے، امام ترمذی نے تو باب تاخیر الظہر فی شدۃ الحر میں امام شافعی کا نام لے کر تردید کی ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ

(وکان صاحب الحدیث ایضاً قد ینسب الی احد المذاهب لکثرة موافقتہ لہ

کالنسائی والبیہقی ینسبان الی الشافعی) (حجۃ اللہ ص 153 ج 1)

یعنی کبھی اہل حدیث کو کثرت موافقت کی وجہ سے کسی ایک مذہب کی طرف منسوب کر لیا جاتا ہے جیسے نسائی اور بیہقی کو شافعی کی طرف منسوب کیا گیا ہے، حالانکہ یہ مقلد نہ تھے

محدث مبارکپوری نے 'مقدمہ تحفہ الاحوذی ص 174 میں اس کی پرزور تردید کی ہے کہ مؤلفین صحاح مقلد تھے۔

آپ مقلدین حنفیہ کی احادیث پر لکھی ہوئی کتب کا طحاوی سے لے کر آثار السنن تک مطالعہ کریں پھر صحاح ستہ میں سے کوئی کتاب اٹھائیے اور ان کو گہری نظر سے بغض و تعصب اور خالی الذہن ہو کر مطالعہ کریں تو ان کے انداز فکر اور مقلدین کے طور طریقے کے درمیان زمین و آسمان کا فرق پائیں گے۔ امام محمد کی موطا یا طحاوی کی 'شرح معانی الآثار' ہو ان میں آپ دیکھیں گے کہ صحیح حدیث کو رد کرنے کے لیے کیسے بودے اور کمزور بلکہ لایعنی قسم کے فضول بہانے تلاش کیے گئے ہیں، امام کے اقوال کی نصرت میں توجیہات پہ توجیہات کرتے ہوئے تھکتے نہیں، اس کے برعکس مؤلفین صحاح، باب باندھ کر حدیث درج کرتے ہیں، بعض مقامات پر صحت حدیث اور معانی حدیث پر بھی بحث کرتے ہیں، اور ترمذی مذاہب کو بھی بیان کرتے ہیں۔ بعض کی موافقت کرتے ہیں تو بعض کی تردید کرتے ہیں، مگر طحاوی کی طرح صحیح حدیث کے رد کے لیے ضعیف و کمزور روایات کا سہارا نہیں لیتے۔ آپ اس کی ایک مثال بھی پیش نہیں کر سکتے۔

بالطبع:- باعتراف مؤلف تحفہ اہل حدیث ص 63 مجتہد مقلد نہیں ہوتا اور مؤلفین صحاح ستہ تمام کے تمام مجتہد تھے، تفصیل کے لیے مقدمہ تحفہ الاحوذی ص 174 کا مطالعہ کریں۔

ہم یہاں صرف امام بخاری رحمہ اللہ کے بارے میں کچھ عرض کرنا چاہتے ہیں۔ شیخ ابراہیم بن عبداللطیف حنفی مرحوم سندھی فرماتے ہیں کہ

(البخاری امام مجتہد براسہ کابی حنیفة والشافعی ومالك واحمد وسفيان الثوري ومحمد بن الحسن)

(مقدمہ لامع الدراری ص 68 ج 1 و ما تمس الیہ الحاجہ ص 26)

یعنی امام بخاری، امام ابو حنیفہ، امام شافعی، امام مالک، امام احمد بن حنبل، سفیان ثوری اور محمد کی طرح چوٹی کے مجتہد تھے۔

ملا علی القاری حنفی فرماتے ہیں کہ

(امیر المؤمنین فی الحدیث وناصر الاحادیث النبویة وناشرالمواریث المحمدیة قیل لم یر فی زمانه مثله من جهة حفظ الحدیث واتفقانه وفهم معانی کتاب الله وسنة رسوله ومن حیثیة حدة ذهنه ودقة نظره و وفور فقهه وکمال زهده وغایة ورعه وکثرة اطلاعه علی طرق الحدیث وعلله وقوة اجتهاده واستنباطه)
(مرقاة ص 13 ج 1)

یعنی امام بخاری حدیث میں امیر المؤمنین ہیں، احادیث نبویہ کے ناصر، اور وراثت محمدیہ کے ناشر ہیں، زمانے نے ان جیسا حافظ الحدیث نہیں دیکھا اور نہ ہی اتقاء میں اور نہ ہی قرآن کے معانی اور سنت رسول کے فہم میں، اور اس حیثیت سے بھی کہ ان جیسا زمانے نے پختہ ذہن اور باریک بین اور فقہ کی مضبوطی میں، بلکہ زہد و تقویٰ کے کمال میں ان جیسا کوئی نہ تھا، طرق حدیث اور اس کی علل کی معرفت اور اجتہاد و استنباط مسائل میں (اپنی نظیر آپ تھے) آگے چل کر فرماتے ہیں کہ

(کثر ثناء الائمة علیه حتی صنع عن احمد بن حنبل انه قال ما اخرجت خراسان مثله وقال غیر واحد هو فقیه هذه الامة وقال اسحاق بن راهویه یا معشر اصحاب الحدیث انظروا الی هذا الشاب واکتباوا عنه فانہ لوکان فی زمن الحسن البصری لاحتاج الیه لمعرفة بالحدیث وفقهه وقد فضله بعضهم فی الفقه والحدیث علی احمد واسحاق وقال ابن خزیمة ماتحت ادم السماء اعلم بالحدیث منه)
(مرقاة ص 15 ج 1)

یعنی کثرت سے آئمہ کرام نے آپ (بخاریؒ) کی تعریف و توصیف کی ہے یہاں تک کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے صحیح سند سے مروی ہے کہ خراسان میں ان جیسا کوئی پیدا ہی نہیں ہوا اور متعدد آئمہ نے انہیں اس امت مرحومہ کا فقیہ کہا ہے، اور امام اسحاق بن راہویہ فرماتے ہیں کہ اے جماعت اہل حدیث کے لوگو! اس نوجوان کی طرف دھیان کرو اور اس

سے احادیث لکھو، کیونکہ یہ اگر حسن بصری کے زمانہ میں بھی ہوتا تو وہ بھی اس کے محتاج ہوتے۔ احادیث کی معرفت اور فقہ کی وجہ سے اور بعض نے تو امام بخاری کو امام احمد بن حنبل اور اسحاق پر بھی فقہ و حدیث میں ترجیح دی ہے، امام ابن خزیمہ فرماتے ہیں کہ آسمان کے نیچے ان سے زیادہ کوئی حدیث کو جاننے والا نہیں (اتہمی)

اگر ہم ان اقوال کا استیعاب کریں جنہوں نے امام بخاری کو مجتہد کہا ہے، تو ایک کتابچہ تیار ہو سکتا ہے، مگر ہمارا مقصود ڈھیر سے مٹھی بھر کی نشان دہی کرنا ہے، اور آخری قول کو نقل کر کے ہم اس مضمون کو ختم کرتے ہیں ماضی قریب میں دیوبندی مکتب فکر کی طرف سے ”انوار الباری“ کے نام سے مولانا انور شاہ کشمیری شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند کے افادات کو ان کے شاگرد سید احمد رضا بجنوری نے شائع کیا ہے، اس میں فرماتے ہیں کہ

”امام بخاری چونکہ خود درجہ اجتہاد رکھتے تھے اس لیے انہوں نے جمع احادیث کا کام اپنے نقطہ نظر سے قائم کیے ہوئے تراجم و ابواب کے مطابق کیا۔“

(مقدمہ انوار الباری ص 31 ج 2)

غیر مقلد کی تعریف

فرماتے ہیں کہ، غیر مقلد تو وہ ہوتا ہے جو خود بھی اجتہاد نہ کر سکے اور مجتہد کی تقلید بھی نہ کرے، بلکہ فقہاء کو گالیاں دے اور ان کے مقلدین کو مشرک کہے۔

(تحفہ اہل حدیث ص 63)

الجواب:- اولاً:- آپ کی بیان کی ہوئی تعریف کی رو سے مقلد کی یہ تعریف ہوگی کہ جو مجتہد ہو کر تقلید کرے، حالانکہ مجتہد عالم ہوتا ہے اور اہل علم کا اتفاق ہے کہ مقلد کا شمار اہل علم میں نہیں ہوتا۔ (اعلام الموقعین ص 17 ج 1)

مولانا اشرف علی تھانوی حنفی دیوبندی فرماتے ہیں کہ ہم خود ایک غیر مقلد کے معتقد اور مقلد ہیں کیونکہ امام اعظم کا غیر مقلد ہونا یقینی ہے، مجالس حکیم الامت ص 345 مرتب

مفتی محمد شفیع صاحب مزید دیکھئے حاشیہ الطحطاوی علی الدر المختار ص 51 ج 1 جھنکوی صاحب اپنی بیان کردہ تعریف کی رو سے صراحت کریں کہ امام ابو حنیفہ مجتہد تھے یا نہیں؟ اور آیا وہ ائمہ دین اور بزرگان ملت کو گالیاں دیا کرتے تھے کہ نہیں؟

جاننا:۔ آپ نے جو غیر مقلد کی تعریف کی ہے یہ فقہ اور اصول فقہ حنفیہ کی کس کتاب میں درج ہے، بمع حوالہ صراحت کریں، ورنہ کذب و افتراء سے باز آجائیے قیامت کے روز ان کے متعلق سوال ہوگا۔

جاننا:۔ راقم الحروف نے آج تک اپنے کسی استاد سے بجز آئمہ کرام گالی نہیں سنی، اگر آپ کے قول میں صداقت ہے تو ثبوت دیجیے ورنہ لعنتہ اللہ علی الکذبین کی وعید سے ڈر جائیے، یہ لعنت کا طوق آپ کے گلے میں پڑ کر آپ کو ڈبو دے گا۔

ہم اللہ کو گواہ بنا کر حلفیہ کہتے ہیں کہ اہل حدیث تمام بزرگان دین، آئمہ کرام، فقہاء عظام کا دل سے احترام کرتے ہیں۔ ہاں البتہ ان کے قول و اقوال کو وحی آسمانی کی طرح نہیں جانتے کہ جس میں نظر ہانی کرنا کفر ہو، اور نہ ہی ان کو معصوم عن الخطا تصور کرتے ہیں، بلکہ ان کے قرآن و سنت کے خلاف اقوال کو ان کی بشری کمزوریاں اور بھول چوک سے تعبیر کرتے ہیں، اور ان کے درست اجتہادات کی قدر کرتے ہیں، پوری امت مرحومہ کے بزرگان سے ہماری خصوصی محبت ہے، ان سے عداوت کو سلب ایمان قرار دیتے ہیں اور گالیاں دینے والے کو بحکم رسول فاسق تصور کرتے ہیں۔

(سباب المسلم فسوق، الحدیث بخاری و مسلم بحوالہ مشکوٰۃ ص 411)

اس بات کا اظہار ہم نے صرف آج ہی نہیں کیا بلکہ آج سے کئی برس قبل ہم دین الحق ص 516 ج 1 میں کر چکے ہیں، مگر ابولبال شرم وحیا کو بالائے طاق رکھ کر جھوٹ و فریب کے ساتھ ساتھ ہماری غیبت بھی کر رہا ہے۔ جو بہر حال گالیاں دینے سے زیادہ گناہ ہے۔

رابعا:۔ ادب و احترام کی ٹھیکے داری کا دعویٰ کرنے والا! حنفیہ سے بڑھ کر کوئی گستاخ و بے

ادب نہیں۔ آپ کے اکابر نے ہر مخالف کی وہ خبر لی ہے کہ اللہ کی پناہ، اصول شاشی اور نور الانوار ص 179 میں حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت انسؓ کو غیر فقیہ لکھا ہے، اور اصول شاشی کے بین السطور میں حضرت عقبہ بن مالک رضی اللہ عنہ اور آس پاس کے دیہات کے تمام صحابہ کرام کو غیر فقیہ لکھا ہے، اردوزبان میں غیر فقیہ کا ٹھیک معنی بے وقوف کے ہوتے ہیں، آپ کے امام ابو حنیفہ نے حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی حدیث کو اعرابی (جنگلی و بدو) مسند ابو حنیفہ مترجم ص 88 کہہ کر ٹھکرا دی تھی۔ نور الانوار ص اور التوضیح ص 411 میں امام شافعی کو جاہل اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو بدعتی لکھا ہے۔

شاید آپ ان کو ادب و احترام اور بڑے اچھے القاب قرار دیتے ہوں تو ذرا ہمت کر کے جب نصرۃ العلوم کی تقریب بخاری کا اشتہار شائع کریں تو انہیں القاب سے اشتہار میں اپنے استاذ کا نام لکھنا کہ فلاں شیخ الحدیث، جو غیر فقیہ، اعرابی جاہل و بدعتی ہیں، کا بخاری کی آخری حدیث پر درس ہوگا، اٹھئیے اور ہمت کیجیے اور ان القاب سے ایک دیوبندی عالم کو مخاطب کیجیے پھر قدرت کا کرشمہ دیکھیے کہ چاروں اطراف سے آپ کے حق میں دیوبندی وہ دعا خیر کریں گے کہ آپ کو جان کے لالے پڑ جائیں گے۔

افسوس آپ اپنے اکابر کے لیے تو جاہل، بدعتی، غیر فقیہ اور اعرابی کا لفظ پسند نہیں کرتے مگر صحابہ کرام اور حامی سنت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق اسے بڑے شوق سے گوارا کرتے ہیں بلکہ اسے معرفت کا نام دیتے ہیں، یہ ہیں ادب کے واحد ٹھیکے دار۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون

تحریک اہل حدیث کا اصل قصور

ہمارے مخالفین، ہمیں وہابی، غیر مقلد، لامذہب، خارجی، حشوی، شیعہ کے مینی بھائی وغیرہ القاب سے نوازتے ہیں، تانیب الخطیب ص 21 وارشاد الشیعہ ص 149 وفتح المبین ص 442 و ص 455 و ص 453 وغیرہ

اس پروپیگنڈا کو اس قدر ہوا دی گئی ہے کہ آج غیر مقلد وہابی وغیرہ کا لفظ ایک گالی بن کر رہ گیا ہے آخر ہم لوگوں نے ان کا کیا بگاڑا ہے۔ کسی جاہل اور پر قبضہ کیا ہے یا عزت نفس مجروح کی ہے؟ نہیں ہرگز نہیں، تو پھر ہمارے ساتھ یہ امتیازی سلوک کیوں کیا جا رہا ہے، حالانکہ تعلیم قرآن ہے کہ

(وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَذُوقُونَ مِنْ ذُنُوبِ اللَّهِ) (الانعام: 108)

یعنی مشرکین کے معبودان باطلہ کو گالیاں مت دو۔

قابل غور بات ہے کہ کیا ہمارا اتنا ہی ناقابل معافی جرم ہے کہ ہمیں چڑانے کے لیے برے ناموں سے یاد کیا جاتا ہے، بعض فرقہ ضالہ کی طرف ہماری نسبت کی جاتی ہے، شہیت الہی کو بالائے طاق رکھ کر ہماری طرف وہ چیزیں منسوب کی جاتی ہیں، جن کو ہم بھی کفر و گمراہی سمجھتے ہیں، بزرگوں کے گستاخ، آئمہ دین کی توہین کرنے والے تو ہمیں عام کہا جاتا ہے، حالانکہ ہم بر ملا کہہ رہے ہیں کہ ہم امت مرحومہ میں سے کسی بھی بزرگ کی شان میں گستاخی کرنے والے نہیں، جن ناموں سے آپ ہمیں مخاطب کرتے ہیں ان کے ساتھ ہمارا سرے سے کوئی مذہبی رشتہ و تعلق ہی نہیں، مگر ان لوگوں کو ہماری قسمیں جھوٹی دکھائی دیتی ہیں، نمازیں ریا معلوم ہوتی ہیں، اتباع سنت کا جذبہ ان کو نمائش معلوم ہوتا ہے، قرآن و سنت کی خدمت کو یہ لوگ ہوائے نفس کا نام دیتے ہیں۔

خاکسار اقام الحروف نے متعدد بار غور کیا کہ آخر ہمارا جرم کیا ہے؟ جس کی اتنی سنگین سزا ہمیں سنائی جا رہی ہے۔ بھائیو جہاں تک میری عقل و فکر نے کام کیا تو مجھے یہ تصور نظر آیا کہ ہم نے تقلید کی بجائے اتباع رسول کو اوڑھنا بچھونا بنایا، ہدایہ کی بجائے قرآن کی طرف بلایا، کنز قدوری کی بجائے احادیث رسول پڑھنے کے لیے لوگوں کو تحفہ ذیہ تراجم فقہ کی بجائے قرآن و حدیث کے تراجم کیے۔ انگریز کی غلامی کی بجائے جہاد فی سبیل اللہ کو فروغ دیا، ملک میں فتاویٰ عالم گیری کی بجائے قرآن و سنت کے نفاذ کا مطالبہ کیا، بدعات کی بجائے سنت کی آبیاری کی شرک کی بجائے توحید کا درس دیا۔ یہی قصور ان لوگوں کی نگاہ میں ناقابل معافی

جرم بن گیا، جیسے ہمارے پیارے آقا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو صابی کہا گیا، اسی طرح ہمیں لاندہب کا لقب دیا گیا۔ جیسے آپ علیہ السلام کو مذمم کہا گیا، ویسے ہی ہمیں ضال کا لقب دیا گیا، جیسے آنحضرت ﷺ کو توحید کے درس پر معبودان باطلہ کا گستاخ کہا گیا، ویسے ہی ہمیں درس توحید پر اولیاء کا گستاخ قرار دیا گیا۔ جیسے صحابہ کرام کو اتباع رسول کی وجہ سے سہماء کہا گیا (سورہ البقرہ: 13) اسی طرح ہمیں بھی غیر فقہی کہا گیا، جیسے صحابہ کرام کو اسوۂ رسول کی پیروی کی وجہ سے صابی (شتر بے مہار) کہا گیا اسی طرح اتباع رسول کی وجہ سے ہمیں آوارہ (غیر مقلد کا لفظ انہیں معنوں میں یہ لوگ استعمال کرتے ہیں) کہا گیا، افسوس صد افسوس کہ اگر عامی کو ہدایہ پڑھنے کے لیے دیا جائے تو وہ راہ ہدایت پر رہے گا اگر قرآن اور بخاری دی جائے تو ضال گمراہ اور آوارہ ہو جائے گا اس زیادتی کی کوئی انتہا ہے۔

مگر کان کھول کر سن لو ان فتاویٰ کی اللہ کے ہاں پرکاش کی بھی حیثیت نہیں، دین تمہارے امام اور فقہاء کا نہیں، اللہ اور اس کے رسول کا ہے، ہمیں خوشی ہے کہ ہمیں ہمارے آقا کی طرح سب کچھ سننا پڑا اور ہم نے صبر کیا اللہ تعالیٰ ہمارے اسلاف اور ہمارے لئے ان چیزوں کو توشہ آخرت اور کفارہ سیات بنائے، اور اس عمل حسنہ کے وسیلہ سے ہمیں اپنے پیارے آقا و مولا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی شفاعت اور جنت میں رفاقت نصیب فرمائے، اور ان لوگوں کو ہدایت عطاء فرمائے۔ آمین یا رب العالمین خیر ان لوگوں کی ایسی حرکات سے علماء حق بددل نہ ہوئے، اور اپنے مشن کو جاری رکھا، جس کے نتیجے میں جلد ہی تقلید و غیرہ مسائل اہل علم کی محفل سے نکل کر عوامی بن گئے، اور فقہ حنفی کے بعض غلط اور قرآن و سنت کے خلاف فتاویٰ کا مذاق اڑایا جانے لگا، حنفیہ نے اپنے انداز فکر پر غور کیا اور اہل حدیث کو مطعون کرنے کے لیے نصوص پر حرف گیری اور تاویل و تحریف کا راستہ اختیار کیا، ان لوگوں میں سے بعض نام کے علامہ و فہامہ اور مناظرین نے سنت رسول پر مذاق کرنا اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیا، ہمارے معاصر نے بھی، کھڑے ہو کر پیشاب کرنا، دوران نماز بیچے کو اٹھانا، نماز میں کنڈی کھولنے کی احادیث کا مذاق اڑایا ہے۔ (دیکھیے تحفہ اہل حدیث ص 10)

اہل حدیث کی عداوت میں بخاری و مسلم کی روایات پر اعتراض ہوا، تو کبھی حجیت حدیث پر حرف گیری کی گئی، تو کبھی تدوین حدیث کے نام سے حدیث میں شکوک و شبہات پیش کیے، جب یہ اعتراضات مارکیٹ میں آئے، جبلاء اور بابوٹائپ لوگوں کو ان اعتراضات میں معقولیت نظر آئی، جس کا نتیجہ واضح تھا کہ انہوں نے سرے سے حجیت حدیث سے ہی انکار کر دیا اور ملت اسلامیہ کے اجتماعی موقف کے برعکس اطاعت رسول کا ہی انکار کر دیا۔

مؤلف تحفہ اہل حدیث کو کھلا چیلنج

ہماری طرف سے ابوبلال کو کھلا چیلنج ہے کہ وہ ہمارے اس موقف کی دلائل سے تردید کرے اور کم از کم منکرین حدیث کے دس ایسے اعتراضات کی نشان دہی کرے جس کے موجود فقط منکرین حدیث ہوں اور ان اعتراضات کو اہل حدیث کی عداوت میں علماء احناف نے ان سے پہلے ہم پر نہ کیے ہوں، مگر یاد رہے کہ دس تو کجا ان کا نصف بھی ثابت نہیں کیا جاسکتا، راقم یہ بات پورے وثوق سے کہتا ہے کہ اگر کسی حنفی یا ابوبلال نے بزعم خود ایسے اعتراضات کی نشان دہی کی تو یہ خاکسار دلائل سے ثابت کر دے گا کہ ان کے موجود اور علمی مواد فراہم کرنے والے برصغیر کے حنفی مولوی ہیں، انشاء الرحمن

یہاں سے ان لوگوں کے زہد و تقویٰ اور پارسی کا بھی پتہ لگ گیا کہ ان میں خشیت الہی ہوتی تو مشترک چیز (قرآن و حدیث) پر اعتراض نہ کرتے بلکہ متنازع فیہ تقلید اور فقہ حنفی کا دفاع ہی کرتے، مگر ان لوگوں نے ہماری عداوت اور بغض میں علال و حرام کا فرق ہی نہ رکھا سب کو ہی رگڑا دیا، انا للہ وانا الیہ راجعون

ائمہ اربعہ نے تقلید کیوں نہ کی؟

فرماتے ہیں، نہ معلوم آپ نے یہ جملہ کہاں سے سن رکھا ہے کہ ائمہ اربعہ غیر مقلد تھے، آپ کا سوال اسی طرح ہے جس طرح کوئی یوں کہے میں کسی امام کا مقتدی بن کر نماز نہیں پڑھوں گا، یہی رٹ لگا تا چلا جائے، ہم اس سے پوچھیں گے کیوں نہیں مقتدی بنتا

؟ وہ کہے پہلے دکھاؤ یہ امام کس کا مقتدی ہے؟ یا یوں کہے کہ میں کسی نبی کا امتی نہیں، اس لیے کہ ہمارے پیغمبر کسی کے امتی نہیں ہیں، پہلے حضور علیہ السلام کا امتی ہونا ثابت کرو میں بعد میں امتی بنوں گا۔ پہلے امام کا مقتدی ہونا دکھاؤ میں بعد میں مقتدی بنوں گا یا میں اس بادشاہ کی رعایا نہیں ہوں کیونکہ یہ بادشاہ کس کی رعایا ہے؟ میں مقلد نہیں ہوں کیونکہ ائمہ اربعہ کسی کے مقلد نہیں تھے۔ ہم بڑے پیار سے عرض کریں گے کہ امام امام ہی ہوتا ہے بادشاہ رعایا میں شمار نہیں ہوتا، رعایا بادشاہ نہیں ہوتی، پیغمبر امتی نہیں ہوتے، مجتہد تو مجتہد ہے وہ مقلد کیسے ہو، تقلید تو غیر مجتہد کرے گا جو درجہ اجتہاد پر فائز نہیں ہے۔ (تحفہ اہل حدیث ص 63)

الجواب :- اولاً :- بھائی اقتداء اور تقلید کا ہم فرق بیان کر چکے ہیں، اگر اس کا کوئی معقول جواب آپ کے پاس ہے تو وہ عنایت کیجیے۔

ثانیاً :- بھائی جان بادشاہ اور تقلید کا آپس میں کیا تعلق ہے؟ بادشاہ تو غیر مجتہد بھی ہو سکتا ہے، بلکہ دین سے بے بہرہ اور اجڈ بھی ہو سکتا ہے، غالباً آپ نے تاریخ کا مطالعہ نہیں کیا ورنہ ایسی حرکت نہ کرتے، کسی ایف اے یا بی اے کے طالب علم سے پوچھنا کہ اکبر کا دین الہی کیا چیز تھی، اور اس کا موجد بادشاہ تھا کہ نہیں؟ یہ بھی خوب کہا کہ بادشاہ رعایا نہیں الٰہ شاید آپ کو قرآن کا مطالعہ نہیں ارشاد ربانی ہے کہ

﴿قُلِ اللَّهُمَّ مَلِكُ الْمَلِكِ تُؤْتِي الْمَلِكَ مِنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمَلِكَ مِنْ تَشَاءُ﴾ (آل عمران: 26)

اے اللہ بادشاہی کے مالک تو جس کو چاہے بادشاہی دیتا ہے اور جس سے چاہے چھین لیتا ہے۔ لیجیے جناب اس آیت میں آپ کے دو مطالبے پورے ہوتے ہیں،

(۱) اللہ حکمرانی کو چھین بھی لیتا ہے، جب چھین لیتا ہے تو وہ بادشاہ نہیں رہتا اس کا شمار رعایا میں ہوتا ہے۔

(۲) بادشاہی کا مالک اللہ ہی ہے اور حقیقی شہنشاہ وہی ہے۔

علاوہ :- آپ نے لفظ کلمتہ پر غور نہیں کیا، جس کی وجہ سے آپ کو غلطی لگی ہے، یا جان بوجھ کر

مغالطہ دیا ہے، سنئے کہ امتہ بمعنی جماعت آتا ہے خواہ وہ انسانوں کی ہو یا جانوروں یا پرندوں کی، ارشاد ربانی ہے کہ

(وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا طَائِرٍ يَطِيرُ بِجَنَاحَيْهِ إِلَّا أُمَّمٌ أَمْثَالُكُمْ) (سورہ الانعام: 38)

یعنی زمین میں جو چلنے پھرنے والا (حیوان) یا دوپروں سے اڑنے والے جانور ہیں ان کی تمہاری ہی طرح جماعتیں ہیں۔

اور جب اس لفظ کا اطلاق انسانوں کے لیے ہو تو اس سے مراد ہم عقیدہ لوگ ہوتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

(كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً)

(2-213)

(پہلے تو سب لوگوں کا ایک ہی مذہب تھا۔

اور عرف عام میں امت ان ہم عقیدہ لوگوں کی جماعت کو کہتے ہیں، جسے کوئی نبی یا رسول تشکیل دیتا ہے، ارشاد ربانی ہے

(آل عمران: 110)

(كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ)

(مومنو!) جتنی امتیں بھی لوگوں کے لیے پیدا ہوئیں تم ان میں سے بہتر ہو۔

(متراذفات القرآن ص 390)

ان معانی کو ملحوظ رکھیے تو ایسا سوال کرنے والا (پہلے یہ بتایا جائے کہ نبی کس کا امتی ہے) جاہل و نادان ہی ہو سکتا ہے، کوئی ذی علم اور باشعور انسان نہیں ہو سکتا، جب کہ تقلید کا یہ معنی نہیں ہے، جس کی وجہ سے آپ کی توجہ ہی غلط اور مثال اغلط ہے، آپ جیسے لوگوں کی نادانیوں کی وجہ سے ہی منکرین حدیث کا گروہ پیدا ہوا ہے۔ اب بالفرض اگر کوئی جاہل و نادان اور علم دین سے کور اس کو پلے باندھ لے تو آپ کے لیے یہی ایصال گناہ کافی ہے، آپ ہمارے ساتھ اختلاف ضرور رکھیے بلکہ بغض و تعصب بھی ترک نہ کیجیے، مگر فرضی اعتراضات کو درمیان میں لا کر دین کا حلیہ مت بگاڑیے اور جہلاء کو دین سے برگشتہ نہ کیجیے،

اگر ان کی حالت کو سنوار نہیں سکتے تو مزید خراب بھی نہ کریں، پھر آپ پہ واضح ہونا چاہیے کہ اگر کوئی یوں کہے کہ ان کے موجد آپ ہی ہیں، ورنہ یہ الزامی جواب کہلانے کا سرے سے مستحق ہی نہیں، کیونکہ الزامی جواب میں فریق ثانی کا مسلم ہونا شرط ہوتا ہے۔ غیر مسلم کو آپ کے دل کی بھڑاس تو کہا جاسکتا ہے مگر اسے جواب کوئی دانا نہیں کہے گا، غور کیجیے کہ سوال تو آپ یہ نقل کرتے ہیں کہ ائمہ اربعہ نے کسی کی تقلید ہی نہیں کی، یہ سوال آپ کے مسلمات سے ہے، اس کا جواب آپ ہمیں غیر مسلم عنایت کرتے ہیں، بھائی ان چیزوں کی جہلا میں تو شاید قدر ہو مگر اہل علم کے نزدیک آپ کا یہ جواب کم از کم خلطِ بحث کی بدترین مثال ہے۔

رابعاً:- آپ کا یہ جواب کہ ائمہ اربعہ چونکہ مجتہد تھے اور مجتہد کے لیے تقلید جائز نہیں، یہ بھی سوال کا جواب نہیں! اس جواب پر متعدد اعتراض ہیں، بتایا جائے کہ ائمہ اربعہ پیدائشی مجتہد تھے یا ایک زمانہ تک انہوں نے کسب کیا جس کے نتیجے میں وہ درجہ اجتهاد کو پہنچ گئے۔ اگر آپ کہیں کہ وہ پیدائشی مجتہد تھے، تو اس کا ثبوت قرآن و حدیث سے دیجیے۔ اگر آپ ثبوت نہ دے سکتے تو ماننا پڑے گا کہ وہ ابتدائی زمانہ میں مجتہد نہ تھے، اور ایک مدت تک انہوں نے علم دین حاصل کیا، پھر درجہ اجتهاد پایا، لہذا آپ پہ لازم ہے کہ ثابت کریں کہ اجتهاد کا درجہ پانے سے پہلے انہوں نے کس کی تقلید کی؟ اگر آپ ان سے صحیح اسناد کے ساتھ یہ ثابت کر دیں کہ ہم پہلے تو فلاں فلاں کی تقلید کرتے تھے مگر اب چونکہ مجتہد ہو گئے ہیں لہذا ہم نے تقلید کو بھی ترک کر دیا ہے۔ اگر آپ یہ ثابت کر دیں تو ہم آپ کو منہ مانگا انعام دیں گے مگر یاد رکھیے پوری دنیا کے مقلدین سر توڑ کوشش کرنے کے باوجود اس میں بری طرح ناکام رہیں گے۔

ان شاء اللہ

بالفرض اگر آپ علماء دیوبند کی تقلید میں یہ کہہ دیں کہ اجتهاد کوئی اکتسابی چیز یا فن نہیں ہے جسے محنت سے حاصل کر لیا جائے بلکہ وہ ملکہ عطاءِ الہی ہے۔

تو اس کے جواب میں ہم عرض کرتے ہیں کہ اجتہاد کیا پورا دین کا علم بلکہ انسان کی ہر چیز عطاءِ الہی ہے، مگر کوئی چیز موہبت نازل نہیں ہوتی جب تک انسان کی طرف سے اس کے حصول کی کوشش اور کسب نہ کیا جائے ارشادِ باری ہے کہ

(يَهَبُ لِمَن يَشَاءُ اِنَاثًا وَيَهَبُ لِمَن يَشَاءُ الذَّكُوْرَ) (الشوریٰ: 50)

یعنی ہم جسے چاہتے ہیں لڑکے عطا کرتے ہیں اور جسے چاہتے ہیں لڑکیاں موہبت کرتے ہیں۔ اسی طرح سورہ مریم آیت 50 میں کہا ہم نے ابراہیم کو اسحاق اور یعقوب موہبت کیے، جس سے معلوم ہوا کہ اولاد اللہ کی عطا ہے تو کیا اس کا یہ معنی ہے کہ اولاد کے حصول کے لیے کسی انسانی عمل کی ضرورت نہیں۔

قرآن گواہ ہے کہ ساری دنیا کو رزق اللہ دیتا ہے۔ تو کیا اس کا یہ معنی ہے کہ حصول رزق کے لیے محنت کی ضرورت نہیں، یا یہ حدیث کہ تمام لوگ اللہ کی رحمت سے جنت میں جائیں گے۔ (بخاری کتاب الرقاق باب القصد والمداومة..... و مسلم کتاب صفات المنافقین باب لن يدخل احد الجنة بعمله) تو کیا اس کا یہ معنی ہے کہ اللہ کی رحمت کو حاصل کرنے کے لیے کسی عمل صالحہ کی ضرورت نہیں، الغرض اس ساری تقریر سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ گئی کہ ایک مدت تک ائمہ اربعہ غیر مجتہد تھے، لہذا اس دور میں ان سے تقلید ثابت کریں، ورنہ ہمارا یہ لاجواب اعتراض لاجواب ہی رہے گا۔ ان شاء اللہ

جب کوئی ثبوت ہی آپ کے پاس نہیں تو پھر اللہ کا خوف کیجیے خلطِ مجتہد علماء کی شان نہیں، علاوہ ازیں اگر تقلید شخصی واجب یا مستحسن فعل ہوتا یا امت مرحومہ پر ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک کی تقلید ضروری ہوتی تو یہ چاروں بزرگ اپنی تقلید سے منع نہ کرتے۔

(۱) امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ

(لا يحل لاحد ان ياخذ بقولي مالم يعلم من اين قلت ونهى من التقليد وندب

الى معرفة الدليل)

اس شخص کو میرا قول لینا حلال نہیں جو یہ نہیں جانتا کہ میں نے کس دلیل سے کہا ہے اور امام

صاحب نے تقلید سے منع کیا اور دلیل معلوم کرنے کی ترغیب دلائی۔

(مقدمہ ہدایہ ص 93 ج 1)

(۲) امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ

(انما انا بشر اخطی واصیب فانظروا فی رائی فکلما وافق الکتاب والسنة

فخذوه وکلما لم یوافق فاترکوه)

یعنی میں تو ایک انسان ہوں درست اور غلطی (اجتہاد میں) دونوں کرتا ہوں، آپ میری

رائے میں دیکھا کریں کہ جو بات قرآن و حدیث کے موافق ہو اس کو لے لو اور جو خلاف ہو

اسے چھوڑ دو۔

(جلب المنفعة ص 68 و اعلام الموقعین ص ج 2)

(۳) امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ

(نهی عن التقلیدہ و تقلید غیرہ) (حجۃ اللہ البالغہ ص 155 ج 1)

یعنی امام شافعی نے اپنی اور کسی اور کی تقلید سے منع کیا ہے۔

(۴) امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ

(لا تقلدونى ولا تقلدوا مالكا ولا الاوزاعى ولا النخعى ولا غيرهم وخذوا

الاحکام من حیث اخذوا من الکتاب والسنة) (حجۃ اللہ البالغہ ص 157 ج 1)

یعنی میری تقلید کرنا نہ ہی مالک و اوزاعی و نخعی وغیرہ کی کرنا اور احکام کو وہاں سے لینا جہاں سے

انہوں نے اخذ کیے ہیں یعنی قرآن و سنت سے۔

کیا اسلام میں فرقہ بندی جائز ہے؟

یہ ایک ایسا سوال ہے جس کا جواب قرآن سے نفی میں ملتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے کہ

(وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا) (آل عمران: 103)

اور سب مل کر اللہ تعالیٰ کی (ہدایت) رسی کو مضبوط پکڑ لے رہنا اور فرقوں میں تقسیم نہ ہو۔

﴿أَنْ أَتَقِيمُوا الْقِيَمَاتِ الَّذِينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا﴾ (الشوری: 13)

دین کو قائم رکھنا اور اس میں تفرقہ نہ ڈالنا۔

ان ارشادِ بانی کے باوجود مسلمانوں میں تفرقے قائم ہوئے، مگر ان گروہوں اور دھڑے بندیوں نے تکمیلِ دین کے بعد جنم لیا، کیونکہ جب تک ائمہ اربعہ پیدا نہیں ہوئے تھے، تب تک ان کے مقلدین کا وجود نہ تھا، اور فرقہ پرستی کی ابتداء نصوص سے اعراض اور تاویل سے ہوتی ہے، جیسا کہ ارشادِ بانی ہے کہ

﴿وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ﴾ (الہیبتہ: 4)

اور اہل کتاب جو فرقوں میں تقسیم ہوئے ہیں تو دلیل واضح کے آجانے کے بعد ہوئے ہیں۔ اس سے واضح ہے کہ اہل کتاب میں دلائل کے نزول (وحی) کے زمانہ میں اختلاف نہ تھا، اختلاف اس کے بعد ہوا جب انہوں نے خواہش و ہوائے نفس کی پیروی کی ارشادِ بانی ہے کہ

﴿فَاحْكُم بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوَىٰ فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ﴾ (ص: 26)

تو لوگوں کے درمیان انصاف کے فیصلے کیا کرو اور خواہش کی پیروی نہ کرنا کہ وہ تمہیں خدا کے رستے سے بھٹکادے گی۔

خواہش کی پیروی نہ کرنا، کیا مراد ہے؟ آیت کا مطلب واضح ہے کہ انسان اپنے دل میں پہلے سے ایک موقف ہاندھ لے پھر اس کی پیروی کرے اور قرآن و سنت سے دو اذکار دلائل کی تلاش کرے جیسے حنفیہ ہمیشہ قرآن و حدیث میں تاویل بلکہ تحریف تو کرتے ہیں مگر فرقہ حنفی میں تاویل نہیں کرتے، یہی خواہش کی پیروی ہے اور اسی چیز سے فرقہ جنم لیتا ہے، مگر ہمارے مہربان ان تمام چیزوں سے چشم پوشی اختیار کر کے کہتے ہیں کہ کیا یہ حنفی شافعی، اگر اسلام کی قسمیں نہیں تو کیا کفر کی اقسام ہیں؟ (تحفہ اہل حدیث ص 64)

الجواب :- اولاً :- کیا آپ کے نزدیک ناجائز و ممنوع صرف وہی اشیاء ہیں جو کفر کی اقسام میں سے ہیں، اگر نہیں یقیناً نہیں تو پھر اس سوال کی معقولیت پر مکرر غور کیجیے کہ آپ کیا ارشاد فرما

رہے ہیں۔

(۲) آپ نے جن مسائل پر گفتگو کی ہے یا جن مسائل میں آپ نے اہل حدیث میں اختلاف ثابت کرنے کی کوشش کی ہے تو کیا یہ کفر کی قسمیں ہیں، اگر نہیں یقیناً نہیں تو پھر آپ کے پاس اس کے رد کا کیا جواز ہے؟

(۳) ہم صاف اور دو ٹوک کہتے ہیں کہ تقلید دین اسلام میں ایک خطرناک بدعت ہے اور یہ چاروں طریق بدعی ہیں۔ اللہ اللہ خیر سلا

(۴) رہا آپ کا یہ کہنا کہ تقلید کے رد میں سعودیہ میں بھی ایک اشتہار الخ

بھائی اس کی ہمیں ضرورت نہیں کیونکہ تقلید کے رد میں متعدد عربی کتب ہیں جو شائع ہو چکی ہیں، اور خصوصاً سعودیہ میں بھی تقلید کا رد کرنے والے موجود ہیں، علاوہ ازیں آپ پہ واضح ہو کہ حنبلی مکتب فکر صرف تقلید کا نام ہی لیتا ہے مگر حقیقت میں یہ لوگ قرآن و سنت کو ترجیح دیتے ہیں اور اپنے امام کے اقوال کو نصوص کے تابع رکھتے ہیں، اگر اعتبار نہ ہو تو مولوی حسین احمد مدنی کی تالیف۔ شہاب ثاقب ص 62 کا مطالعہ کر لیں۔

الغرض مقلدین میں سے سب سے زیادہ سنت سے محبت حنبلی مکتب فکر کو ہے، وہ کسی نص میں نہ تاویل کرتے ہیں اور نہ ہی عقائد میں مؤول ہیں۔



فصل دوم

ہم اہل حدیث کیوں ہیں؟

اہل حدیث ایک وصفی نام ہے اور وصفی نام جو شریعت کی روح کے مطابق ہو رکھنا جائز ہے۔ جس کا ثبوت آنحضرت ﷺ سے ہے، حفاظ قرآن کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ:-

((يا اهل القران اوتروا فان الله وتر يحب الوتر))

”یعنی اے اہل قرآن وتر پڑھو، بلاشبہ اللہ تعالیٰ وتر ہے اور وتر کو پسند کرتا ہے۔“

(ابوداؤد مع عون ص 533 ج-1 وترمذی مع تحفہ ص 336 ج 1 و نسائی ص 199 ج 1 و ابن ماجہ ص 83 (1170) و ابن خزیمہ ص 137 ج 2 (1067) و بیہقی ص 468 ج 2 و مستدرک حاکم ص 300 ج 1)

اس حدیث میں جن لوگوں کو اہل القرآن کے لقب سے مخاطب کیا گیا ہے وہ مسلمان ہی تھے۔ انہیں لوگوں کے متعلق اللہ نے کہا ہے کہ

﴿هو سماكم المسلمين من قبل وفي هذا﴾

(الحج: آیت 78)

”یعنی اس نے تمہارا نام قرآن اور پہلی کتابوں میں مسلمان رکھا ہے۔“

لیکن رسول اللہ ﷺ نے ان مسلمان حفاظ کو اہل القرآن کے لقب سے مخاطب کیا، خود اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ کو اہل الکتاب کے نام سے خطاب فرمایا، عیسائیوں کو

﴿اهل الانجيل﴾ (المائدہ: 47)

کہا ہے، حالانکہ سورہ الحج کی مذکورہ آیت اور دیگر شرعی دلائل سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ ان لوگوں کا نام بھی مسلمان ہے۔ اہل کتاب، اہل انجیل، وغیرہ ان کے وصفی نام

جس سے ثابت ہوا کہ وصفی نام رکھنے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

اہل حدیث کی وجہ تسمیہ :- خیر القرون سے اہل بدعت کے مقابلہ میں اہل حدیث اور اہل سنت کا نام معروف تھا۔ ملحوظ رہے کہ اہل سنت اور اہل حدیث مترادف الفاظ ہیں 'البتہ اہل حدیث کا نام رکھنے کی ایک معقول وجہ یہ تھی کہ حدیث کا لفظ قرآن و حدیث پر مشترک بولا جاتا ہے، جیسا کہ متعدد مقامات پر اللہ نے قرآن کو حدیث کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے۔

سورہ الزمر آیت 23، سورہ الطور آیت 33، 34، سورہ القلم آیت 44، سورہ النجم آیت 59، 60، سورہ الاعراف آیت 185، سورہ الکہف آیت 6، وغیرہ آیات بینات کے علاوہ خود رسالت مآب علیہ السلام نے کتاب اللہ پر 'حدیث کا لفظ بولا ہے۔

(صحیح مسلم ص 284 ج 1)

اسی طرح نبی کریم ﷺ نے اپنے قول کو بھی "حدیث" کے لفظ سے بیان فرمایا ہے، ابن ماجہ ص 6، وابن حبان ص 236 ج 1، و ابوداؤد ص 515 ج 2، ان دلائل شرعی سے معلوم ہوا کہ اہل حدیث کا معنی ہے، قرآن اور فرمان نبوی پر عمل کرنے والا، ہمارے بھائی کو اس جگہ پر زبردست ٹھوکر لگی ہے، بھولے پن سے ارشاد فرماتے ہیں کہ حدیث صحیح بھی ہوتی ہے، ضعیف بھی، حسن بھی، مرسل بھی، معطل بھی، منقطع بھی، مرفوع بھی، موقوف بھی، مقطوع بھی، اس کے علاوہ اور بھی بہت سی اقسام ہیں، پتہ نہیں کس کو مانتے ہیں، صحیح اہل حدیث یا ضعیف اہل حدیث، مرسل اہل حدیث یا حسن اہل حدیث موقوف اہل حدیث ہیں یا مقطوع اہل حدیث۔

(تحفہ اہل حدیث ص 53)

بھائی غصہ تھوک دیجیے یہ انسان کو علم سے کورا کر کے خبطی کر دیتا ہے۔
ذرا ٹھنڈے دل سے غور کیجیے کہ جس قدر آپ نے مذکورہ اقسام بیان کی ہیں یہ فرمان نبوی

علیہ التحیۃ والسلام کی قسمیں ہیں، یا اسناد کی ہیں؟

اگر اسناد کی ہیں، یقیناً اسناد کی ہیں، تو آپ کا اعتراض ہی فضول اور تعصب کی پیدائش ہے جس کی جہالت نے آیاری کی ہے اور بغض نے کھودا ہے، نصرۃ العلوم نے کھاد کا کام دیا ہے اور حافظ ارشد نے بے علمی کی سپرے کر کے عوام الناس کو مغالطہ دیا ہے۔

خدا محفوظ رکھے ہر ملے، خصوصاً دیوبندیت کی ہوگا۔

شاید آپ کو یاد ہو کہ نہ ہو کہ ضعیف و مرسل وغیرہ آپ ہیں۔ کیونکہ مرسل آپ کے نزدیک حجت ہے جو ضعیف روایت کی ایک قسم ہے۔ بلکہ اگر مؤلف ”تحفہ اہل حدیث“ یہ دعویٰ کر دے کہ اصل اہل حدیث میں ہوں کیونکہ میں نے دو احادیث وضع کی ہیں تو ہم ان کا کیا بگاڑ سکتے ہیں؟

سلفی و اثری کی وجہ تسمیہ:- امام سمعانی نے اپنی معروف تصنیف ”کتاب الانساب“ میں مادہ ”الاثری“ کے تحت لکھا ہے کہ

هذه النسبة الى الاثر یعنی الحدیث واهله واتباعه وانتسب بهذه النسبة ابوبکر سعد بن عبدالله بن علی الاثری الطوفی المولود سنہ 413ھ المتوفی 490ھ۔

یعنی امام ابو بکر المتوفی 490ھ اپنے کو مذہب اہل حدیث کی طرف منسوب ہونے کی وجہ سے اثری کہلاتے تھے، کیونکہ اثری کا مفہوم یہ ہے کہ حدیث کی پیروی و اتباع کرنے والا۔ (الانساب سمعانی ص 114 ج 1)

اس سے ثابت ہوا کہ اہل الاثر اور اہل الحدیث دونوں ہم معنی الفاظ ہیں۔ اسی طرح علامہ سمعانی نے لفظ سلفی کے بارے میں بھی لکھا ہے کہ یہ مذہب سلف کی طرف منسوب ہے۔

(الانساب ص 167 ج 2)

شخصی نسبت:- مذکورہ دلائل سے یہ بات ثابت ہوئی کہ وصفی نام کتاب اللہ کی طرف

نسبت کر کے رکھنا جائز ہے مگر قرآن و سنت سے اس بات کا ثبوت نہیں ملتا کہ کسی امتی کی طرف نسبت کر کے وصفی نام رکھا جائے۔ حضرت عثمان غنیؓ کی المناک شہادت کے سائزہ کے بعد جب امت مرحومہ میں فتنہ و فساد اور گروپ بندی نے جنم لیا تو کسی نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے پوچھا کہ آپ علوی ہیں؟ یا عثمانی؟ تو حضرت ابن عباسؓ نے کہا کہ

((لست على ملة على ولا ملة عثمان بل انا على ملة رسول الله ﷺ))

یعنی میں نہ علیؓ کی ملت پر ہوں اور نہ ہی عثمانؓ کی ملت پر بلکہ میں رسول اللہ ﷺ کی ملت پر ہوں۔

(الاحکام فی اصول الاحکام ص 174 ج 4)

انہیں حقائق کی بنا پر اہل حدیث کسی شخصی نسبت کے قائل نہیں ہیں۔ کیونکہ قرآن و حدیث سے اس کی تائید نہیں ہوتی۔ ملا علی القاری حنفی فرماتے ہیں کہ

(ومن المعلوم ان الله تعالى ماكلف احدا ان يكون حنفيا او مالکيا او شافعيًا او حنبليًا بل كلفهم ان يعملوا بالسنة)

یعنی یہ ظاہر و باہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی کو یہ تکلیف نہیں دی کہ حنفی، شافعی، مالکی یا حنبلی بنے بلکہ سب بندوں کو اس کا مکلف بنایا ہے کہ وہ سنت نبویہ علیہ التحیۃ والسلام پر عمل کرے۔ (شرح عین العلم ص 326 طبع عامرہ استعمول و انتصار الحق ص 238)

اعتراض:- بعض صحابہ کرام علوی اور بعض صحابہ کرام عثمانی کہلاتے تھے۔ (بخاری ص 433 ج 1)۔

اگر حنفی شافعی نسبت غلط ہے اور غیر نبی کی طرف ہے تو حضرت علی اور حضرت عثمان جن کی طرف صحابہ نے نسبت کی ہے وہ بھی تو امتی تھے وہ کون سے نبی تھے تو وہ کیسے ٹھیک ہو گئی؟ (تحفہ اہل حدیث ص 56)

الجواب:- اولاً:- بخاری میں یہ قطعاً نہیں کہ بعض صحابہ علوی اور بعض عثمانی کہلاتے

تھے۔ یہ مؤلف کا افتراء ہے۔ اگر یہ بخاری سے دکھادیں تو انہیں ہم انعام میں بخاری کا ایک نسخہ دیں گے ان شاء اللہ۔

غالباً بخاری سمجھنے کی مؤلف میں لیاقت نہیں ورنہ ایسا دعویٰ نہ کرتے۔

ماتناً: جھنگوی صاحب بار بار یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہمارے نزدیک صحابہ کرام معیار حق ہیں، (تحفہ اہل حدیث ص 53) اگر بالفرض یہ بات تسلیم کر لی جائے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آپ حضرات 'معیار حق' کو ترک کر کے حنفی پھر دیوبندی کیوں بنے ہیں؟ عثمانی یا علوی کیوں نہیں کہلاتے؟

ماتلاً: آئیے ہم آپ کو بتاتے چلیں کہ بخاری میں کیا ہے اور مؤلف (تحفہ اہل حدیث) اس سے کیا مغالطہ دے رہا ہے۔ معروف تابعی سعد بن عبیدہ سلمی رحمۃ اللہ کہتے ہیں کہ

(عن ابی عبدالرحمن وکان عثمانیافقال لابن عطیة وکان علویا)

یعنی عبدالرحمن سلمیٰ جو عثمانی تھے انہوں نے ابن عطیہ علوی سے کہا (بخاری ص 433 ج 1) ان الفاظ کی شرح میں حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ

(کان عثمانیا یقدم عثمان علی علی فی الفضل وکان علویای یقدم علیافی الفضل علی عثمان)

یعنی عثمانی سے مراد یہ ہے کہ وہ عثمانؓ غنی کو علیؓ سے افضل جانتے تھے اور علوی سے مراد یہ ہے کہ وہ علیؓ کو عثمانؓ سے افضل جانتے تھے۔ (فتح الباری ص 143 ج 6)

علوی و عثمانی کا یہی مفہوم مولانا احمد علی سہارنوی نے بخاری کے حاشیہ بین السطور میں بیان کیا ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان دونوں کے اس عقیدہ کی وجہ سے بعض لوگ انہیں علوی و عثمانی کے نام سے پکارا کرتے تھے۔ مگر ہمارے مہربان اس سے یہ کشید کر رہے ہیں کہ وہ از خود اپنے کو علوی و عثمانی کہتے تھے 'انا للہ وانا الیہ راجعون'۔

اس سے بھی بڑھ کر یہ غلط بیانی کی کہ ان کو صحابہ باور کر لیا ہے۔

حالانکہ ابو عبدالرحمن سلمی (عبداللہ بن حبیب) صحابی نہیں بلکہ تابعی ہیں۔ تقریب

170 اور ابن عطیہ کا نام حبان بن عطیہ ہے۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ ان کا بخاری میں ذکر تو آیا ہے مگر ان کے حالات معلوم نہیں ہو سکے اور نہ ہی کوئی جرح یا تعدیل مل سکی ہے۔

(تحدیب ص 151 ج 2)

گویا موصوف مجہول الحال ہیں۔ مگر کتنے ہی ستم کی بات ہے کہ مؤلف ”تحفہ اہل حدیث“ ان مجہول اور تابعین کو صحابی کہتا ہے۔

غلط بیانی علماء کی شان نہیں۔ آپ اہل حدیث سے علمی اختلاف کا حق رکھتے ہیں یہ ہم آپ سے نہیں چھینتے، مگر اپنی تقلیدی نسبت پر دلائل دینے کے لیے ضروری تھا کہ یہ شائبہ جھوٹ سے مبرا اور صداقت و دیانت پر مبنی ہوتے، غالباً آپ اہل حدیث کی عداوت میں علمی حد سے گزر کر بغض و تعصب اور عداوت تک آچکے ہیں۔ یہ ایسے لاعلاج امراض ہیں کہ انسان سے قوت حیا کے علاوہ امانت و دیانت اور سچائی جیسی نعمتوں کو سلب کر کے اندھا بہر اہنا دیتا ہے۔ اللہ ہر مسلمان کو ان سے بچائے۔ آمین یا اللہ العلمین

رابعاً: ممکن ہے کہ مؤلف تحفہ اہل حدیث یہ جھوٹا بہانہ تلاش کر لے کہ چلو صحابہ نہ سہی تابعی ہی سہی، لیکن اس سے خیر القرون سے شخصی نسبت تو بہر حال ثابت ہوتی ہے۔ جو باعرض ہے کہ خیر القرون کا تعامل بھی صرف وہی حجت ہے جو بلا تکبر ہو جس پر اعتراض ہو چکا ہو وہ بہر حال لائق دلیل نہیں۔

قدامت اہل حدیث

فرماتے ہیں کہ انگریز کے دور سے پہلے منکر فقہ اہل حدیث نام کا فرقہ پوری کائنات میں نظر نہیں آتا، چلو کسی حدیث میں دکھادیں کہ منکر فقہ کو اہل حدیث کہا جاتا ہو۔

(تحفہ اہل حدیث ص 52)

الجواب: اولاً: بھائی فقہ سے آپ کی کیا مراد ہے؟ اگر توفیق حنفی کے ابواب الجلیل ہیں تو اس کے ہم یقیناً منکر ہیں۔ اگر فقہ سے مراد آپ کی ’دین کی سمجھ ہے‘ تو اس کے ہم قطعاً منکر نہیں۔

یہ آپ کی زیادتی ہے۔

ثانیاً: کیا آپ قرآن کی کسی آیت یا حدیث نبوی علیہ التحیۃ والسلام سے یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ اہل سنت امام ابو حنیفہ کے مقلدین کے گروہ حیاتی دیوبندیوں کو کہتے ہیں؟ اگر آپ ایسی حدیث دکھادیں تو ہم آپ کو منہ مانگا انعام دینے کے علاوہ یہ تسلیم کر لیں گے کہ حنفیوں کا حیاتی دیوبندی گروہ اہل سنت میں داخل ہے۔

اگر آپ یہ ثابت نہ کر سکیں تو جناب اپنے ہی بتائے ہوئے اصول سے ”اہل سنت“ سے خارج ٹھہرتے ہیں۔

صحابہ کرام اہل حدیث تھے:۔ یہ بات کسی دلیل کی محتاج نہیں کہ صحابہ کرام میں سے کوئی بھی مقلد نہ تھا۔ حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی وغیرہ سب ان کے بعد کی ایجادیں ہیں۔ حضرت ابو سعید خدریؓ کے پاس جب کوئی نوجوان طلب حدیث کے لیے جاتا تو فرماتے

(مرحبا بوضیة رسول اللہ ﷺ امرنا رسول اللہ ﷺ ان نوسع لكم في المجلس وان نفهمكم الحديث فانكم خلوفنا واهل الحديث بعدنا)

یعنی تمہیں رسول اللہ ﷺ کی وصیت مبارک ہو، ہمیں آنحضرت ﷺ نے حکم دے رکھا ہے کہ ہم تمہارے لیے اپنی مجالس میں کشادگی کریں اور تمہیں احادیث سمجھائیں۔ تم ہی ہمارے خلفاء ہو اور ہمارے بعد تم ہی اہل حدیث ہو۔

(شرف اصحاب الحدیث ص 12 سند ضعیف ہے۔)

حضرت ابو بکرؓ فرماتے ہیں کہ

(أية ارض تقبلني وای سماء تظلني ان قلت في كتاب الله برأبي)

اگر میں قرآن کی کسی آیت کی تفسیر اپنی رائے و قیاس سے کروں تو مجھے کوئی زمین اٹھائے گی اور کوئی آسمان سایہ کرے گا۔

(اعلام الموقعین ص 44 ج 1 والاحکام ص 42 ج 6)

حضرت عمر فاروقؓ فرماتے ہیں کہ

(اتقوا الراى فى دينكم)

یعنی دین حق میں رائے و قیاس کو دخل دینے سے بچو۔ (الاحکام ص 42 ج 6)

(ایاکم واصحاب الراى فانهم اعداء السنن ' اعیتهم الاحادیث ان یحفظوها
فقالوا بالراى فضلوا وأضلوا)

یعنی تم لوگ اہل الرائے سے بچ کر رہا کرو کیونکہ یہ لوگ سنت نبویہ کے دشمن ہوتے ہیں۔
اور اہل الراى حدیث نبویہ کو محفوظ رکھنے کی صلاحیت سے محروم ہونے کی وجہ سے رائے
و قیاس سے فتوے دیتے ہیں۔ جس کی وجہ سے یہ خود بھی گمراہ ہوتے ہیں اور لوگوں کو بھی
گمراہ کرتے ہیں۔

(الاحکام فی اصول الاحکام ص 42 ج 6، واعلام الموقعین ص 55 ج 1)

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

(لو كان الدين بالراى لكان اسفل الخف اولى بالمسح من اعلاه وقد رايت رسول
الله ﷺ يمسح على ظاهر خفيه)

یعنی اگر دین رائے سے ہوتا تو موزوں کے اوپر مسح کرنے کی بجائے نیچے مسح کرنا بہتر ہوتا
مگر میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ موزوں کے اوپر ہی مسح کرتے تھے۔

(ابوداؤد مع عون ص 63 ج 1)

تابعین بھی اہل حدیث تھے :- صحابہ کرام کے بعد امت مرحومہ کا امین گروہ تابعین
کرام بھی اہل حدیث ہی تھا۔ کوئی تابعی حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی نہ تھا، نہ ہی وہ کسی کی رائے
و قیاس کو قرآن و سنت سے بالا اور فائق جان کر اس کی تقلید کرتے تھے۔

خلیفہ ہشام بن عبدالملک نے حضرت امام زہری سے پوچھا

(این انتم اصحاب الحدیث)

اہل حدیثو تم کہاں تھے۔ (تذکرۃ الحفاظ ص 110 ج 1)

اما شععی نے اپنے شاگرد عامر کو ایک موقع پر کہا تھا کہ

(امض بنا نفر من اصحاب الحدیث)

اہل حدیث کا ایک گروہ بھی ہمارے ساتھ چلنا چاہیے۔ (ایضاً ص 87 ج 1)

امام ابن قتیبہ فرماتے ہیں کہ اعمش اور علاء بن عبد الرحمن اہل حدیث تھے۔

(المعارف ص 231, 230)

ابن عمار فرماتے ہیں کہ عبد الملک، عاصم الاحوال، عبید اللہ بن عمر اور یحییٰ بن سعید انصاری

کوفہ اور مدینہ کے اہل حدیث کے ترازو ہیں۔ (تاریخ بغداد ص 105 ج 14)

اتباع تابعین بھی اہل حدیث تھے۔ امام سفیان ثوری فرماتے ہیں کہ فرشتے آسمان

کے اور اہل حدیث زمین کے چوکیدار ہیں۔ (شرف اصحاب الحدیث ص 65)

امام مسلم فرماتے ہیں کہ

ایوب سختیانی، ابن عون، مالک بن انس، شعبہ، یحییٰ بن سعید قطان، عبد الرحمن بن مہدی

اور ان کے بعد آنے والے اہل حدیث تھے۔ (مقدمہ صحیح مسلم ص 23)

اتباع تابع تابعین

اتباع تابعین کے بعد کا دور تدوین حدیث کا اہم دور تھا۔ جس میں بڑے بڑے

آئمہ حدیث موجود تھے۔ مثلاً امام شافعی، امام علی بن مدینی، امام احمد بن حنبل، امام ابن معین

، امام بخاری، امام مسلم، امام ابو زرہ، امام ابو داؤد، امام داؤد ظاہری، امام ابو حاتم، امام ترمذی، امام

نسائی، امام ابن ماجہ، امام ابن خذیمہ، وغیرہ تمام کے تمام اہل حدیث تھے۔ اور اپنے اپنے دور

میں اہل حدیث کے امام و سردار تھے۔ یہ بزرگ ہستیاں اپنے اندر ایک مستقل جماعت

واجتمنا تھے۔ خالص کتاب و سنت کے پیروکار اور داعی تھے۔ وہ بلا شرکت غیر ان پر عمل

کرتے اور اس کی طرف دعوت دیتے تھے۔

ان کی تدوین کردہ کتب آج بھی مارکیٹ سے مل سکتی ہیں۔ بعض عربی میں ہیں تو بعض کے تراجم بھی چھپ چکے ہیں، ان کا مطالعہ کیجیے اور ان لوگوں کی سنت سے محبت و عقیدت کا اندازہ لگائیے۔ یہ پہلے ایک عنوان قائم کرتے ہیں۔ اس کے نیچے فرمان نبوی نقل کرتے جاتے ہیں کہیں آپ کو اقوال الرجال اور رائے قیاس کی بونہ آئے گی۔ کسی مقام پر یہ لوگ سنت سے الجھتے ہوئے دکھائی نہ دیں گے۔ ہاں وہ بشر تھے ممکن ہے کہ کسی جگہ وہ عنوان قائم کرنے میں غلطی کا شکار ہوئے ہوں مگر قاری کو پڑھنے اور عمل کے لیے جو نسخہ شفا دیتے ہیں وہ سنت سے دیتے ہیں۔

یہی اہل حدیث کا مذہب و موقف ہے۔

ایک مستقل مکتب فکر:- جھنگوی صاحب نے اس حقیقت پر پردہ ڈالتے ہوئے

تحریر کیا ہے کہ آپ کو زبردست ٹھوکر لگی ہے یا لگادی گئی ہے۔ کتابوں میں مؤرخین کے بارے میں اہل تاریخ کا لفظ استعمال ہوتا ہے، مفسرین کے لیے اہل تفسیر کا لفظ آتا ہے، اسی طرح محدثین کے لیے اہل حدیث کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ غیر مقلدین کے لیے نہیں۔ آپ کسی حدیث شریف میں یا شرح حدیث میں دکھادیں کہ

فقہ کے منکر کو اہل حدیث کہا گیا ہو۔ (تحفہ اہل حدیث ص 51)

پہلے تو آپ کا یہی جھوٹ ہے کہ کتب عقائد و فقہ میں جہاں شارحین حدیث اختلاف مذہب بیان کرتے ہیں، وہاں یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ اہل تاریخ کا یہ عقیدہ ہے یا اس مسئلہ شرعی میں اہل تفسیر کا یہ موقف ہے۔ آپ کسی مستند کتاب سے اس پر صرف ایک ہی حوالہ نقل کر دیں۔ مگر ایسا قطعاً ممکن نہیں۔ اس بات کی پر زور تردید تو آگے آرہی ہے۔ سرے دست ہم آپ پر اتمام حجت کے لیے ایک دیوبندی عالم مولانا مفتی رشید احمد صاحب کا قول عرض کرتے ہیں۔ مولانا فرماتے ہیں کہ

تقریباً دوسری تیسری صدی ہجری میں اہل حق میں فروغی اور جزوی مسائل کے

حل کرنے میں اختلاف انظار کے پیش نظر پانچ مکاتب فکر قائم ہو گئے۔ یعنی مذاہب اربعہ اور اہل حدیث۔ اس زمانے سے لے کر آج تک انہی پانچ طریقوں میں حق کو منحصر سمجھا جاتا رہا۔ (احسن الفتاویٰ ص 316 ج 1 و مودودی اور تحزیب اسلام ص 20) دیکھیے مولانا کنتی وسعت اور روشن خیالی سے حقیقت کا اعتراف کرتے ہیں۔ مگر آپ ہیں کہ انہیں اہل تاریخ اور اہل تفسیر کے ساتھ ملارہے ہیں۔

بھائی اگر اہل حدیث کا معنی یہ ہے جو حدیث بیان کرے تو اہل فقہ کا معنی یہ ہو گا کہ جو فقہ بیان کرے اور حنفی کا معنی ہو گا جو حنفی آئمہ کے اقوال تحریر تو کرے مگر اس پر عمل نہ کرے۔ سبحان اللہ آپ جیسے عالم دنیا میں مزید پیدا ہو گئے تو پھر قیامت قریب ہے۔ مزید دکھ کی بات یہ ہے کہ کہتے ہیں کہ کسی کتاب سے منکر فقہ کا نام اہل حدیث دکھا دو۔ حالانکہ ہم متعدد بار صراحت کر چکے ہیں کہ ہم فقہ کے قطعاً منکر نہیں، یہ آپ کی زیادتی ہے۔ آپ کا مطالبہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے آپ کو کہا جائے کہ منکر حدیث کا نام اہل فقہ ثابت کرو۔ آپ کے حکیم الامت مولانا شرف علی تھانوی فرماتے ہیں کہ

ان لوگوں کا طرز عمل یہ ہوا کہ اول کتاب اللہ دیکھتے اگر اس میں حکم نہ ملتا تو حدیث دیکھتے، اگر اس سے بھی اطمینان نہ ہوتا تو فتویٰ صحابہ و تابعین کا دیکھتے۔ اگر کہیں سے حکم نہ ملتا تو بنا چاری قیاس کرتے یہ ابتدا ہے اہل حدیث کی، ہر چند کہ اس وقت دو فریق ہو گئے تھے۔ اہل تخریج و اہل حدیث۔ لیکن ان میں کوئی معاندت یا مخالفت نہ تھی بلکہ اکثر اہل حدیث سے اہل تخریج کو کوئی حدیث اپنے مذہب کے مخالف پہنچتی اپنا مذہب ترک کرتے ایسے ہی اہل حدیث کو اگر کوئی اپنی رائے کا مخالف ہونا صحابہ یا تابعین کے ساتھ معلوم ہوتا وہ اس کو ترک کرتے، اور ایک دوسرے کے پیچھے اقتدا کرتا اور اپنے کام کو خدمت دین سمجھ کر انجام دیتے (امداد الفتاویٰ ص 296 ج 5) ملخصاً

دیکھیے مولانا تھانوی اہل حدیث کو ایک مستقل مکتب فکر تسلیم کرتے ہیں اور انہیں قائلین فقہ میں شمار کرتے ہیں۔ بلکہ اپنی رائے و قیاس پر صحابہ و تابعین کی رائے کو مقدم رکھنے کا اہل

حدیث کا دستور بیان کرتے ہیں۔

شارحین حدیث کی گواہی:

مقتدین کی کوئی بھی شرح حدیث کی کتاب کو اٹھا کر دیکھ لیجیے امت مرحومہ کے اختلاف کو بیان کرتے ہوئے اہل حدیث کا مؤقف بھی بیان کرتے ہیں۔ ہماری معلومات کی حد تک شروح حدیث میں امام ابن عبد البر کی 'التمہید لملافی الموطا من المعانی والاسانید' قدیم ترین کتابوں میں شمار کی جاتی ہے وہ تقریباً ہر مسئلہ میں اختلاف کا ذکر کرتے ہوئے اہل حدیث کا نقطہ نظر بیان کرتے ہیں۔

(۱) امام اگر نسیان وغیرہ سے بغیر طہارت کے نماز پڑھا دے تو مقتدیوں کی نماز ہو جائے گی یا نہ ہوگی۔ اس اختلاف کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

(وبهذا قال جمهور فقها الامصار واهل الحديث)

یعنی جمہور فقہاء اور اہل حدیث کا مؤقف ہے کہ مقتدیوں کو نماز لوٹانے کی ضرورت نہیں۔

(التمہید ص 183 ج 1)

(۲) حنفیہ کا مؤقف ہے کہ خمر فقط وہی ہے جو انگور کے شیرہ سے تیار کی جائے جبکہ جمہور امت کے نزدیک خمر (شراب) کی تعریف یہ ہے کہ جو عقل کو خراب کر دے اور یہ ہر مسکر شراب کا نام ہے خواہ انگور سے ہو یا کسی اور چیز سے اس اختلاف کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

(وقال اهل المدينة وسائر اهل الحجاز وعامة اهل حديث وأئمتهم ان كل مسكر خمر حکمہ حکم خمر العنب)

یعنی اہل مدینہ اور تمام حجازی علماء اور عام اہل حدیث اور ان کے آئمہ کے نزدیک ہر مسکر (شراب) خمر ہے اور اس کا حکم انگور کے شراب جیسا ہے۔ (التمہید ص 246 ج 1)

(۳) بلی کے جھوٹے پانی کی طہارت و نجاست پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ امام

مالک اور اہل مدینہ، امام لیث بن سعد اور اہل مصر سے ان کے موافقین، شام سے امام اوزاعی، اہل عراق سے سفیان ثوری، امام شافعی اور ان کے تلامذہ، امام احمد بن حنبل، امام اسحاق، امام ابو ثور، امام ابو عبیدہ و جماعت اصحاب الحدیث اور اہل حدیث کے نزدیک بلی کا جھوٹا پانی پاک ہے۔
(التمہید ص 325 ج 1)

(۴) مرسل کی حجیت پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اثر میں انقطاع کا ہونا اس پر وجوب عمل کی ممانعت پر علت ہے،

(وقال سائر اهل الفقه وجماعة اصحاب الحديث في كل الامصار فيما علمت)

یعنی تمام فقہاء اور جماعت اہل حدیث کے تمام لوگوں کا یہی مؤقف ہے۔ (التمہید ص 5 ج 1)

(۵) مجہول آدمی کی روایت کے عدم قبول کے مؤقف کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

(ومارایت احداً من اهل الحديث يخالف هذا المذهب)

یعنی میں نے مجہول آدمی کی روایت کو قبول نہ کرنے کے مخالف کسی ایک بھی اہل حدیث کو نہیں دیکھا۔
(التمہید ص 39 ج 1)

ہم نے صرف ایک ہی پہلی جلد سے نشان دہی کروائی ہے۔ اگر امام ابن عبد البر کے اس طرح کے اقوال کو جمع کیا جائے تو بات بہت لمبی ہو جائے گی۔ ہم صرف نیچے مختصر جلد و صفحات کی نشان دہی کرتے ہیں جہاں اختلاف مذاہب بیان کرتے ہوئے اہل حدیث کا مؤقف بھی بیان کیا ہے۔

جلد دوم ص 5'137'176'315'304'349

جلد سوم ص 40'53'104'188'237'275'64'75'163'264'154

جلد چہارم ص 314'109'162'37'251'289'336

جلد پنجم ص 115'239'210'11'42'268

جلد ششم ص 69'96'18'206'261'438'445'449'339'416'472'488

جلد ہفتم ص 13'33'172'51'148'83

جلد ہشتم ص 176'171'412'107'411'377

جلد نہم ص 161'165'79'243'252'164'170'184'238'229

249'216'213'110'220

جلد دہم ص 51'121'122'225'243'254'53'72'123

جلد نمبر یازدہم: ص 137'11'24'48'200'221

جلد نمبر دوازدہم: ص 127'72'129'251

جلد نمبر سیزدہم: ص 80'188'274'321'349'284

جلد نمبر چہار دہم: ص 58'14'301'13

جلد نمبر پنج دہم: ص 20'43'44

جلد نمبر شش دہم: ص 341'273'293'294

جلد نمبر ہفت دہم: ص 426

جلد نمبر ہشت دہم: ص 202'283'277

جلد نمبر نوزدہم: ص 37

جلد نمبر بیست و سہ: ص 258'338

جلد نمبر بیست و چہار: ص 242

مؤلف تحفہ اہل حدیث کو کھلا چیلنج

جو شخص مذاہب پر لکھی ہوئی کتب کا مطالعہ کرتا ہے یا فقہ اور شروح احادیث کو براہ راست پڑھتا ہے اس پر یہ بات مخفی نہیں کہ آئمہ دین اختلاف مذاہب بیان کرتے ہوئے اہل حدیث کا نقطہ نظر بھی بیان کرتے ہیں۔

ہم پوری ذمہ داری اور اپنے دین و ایمان کی محکمی سے یہ بات عرض کرتے ہیں کہ

جھنگوی صاحب دنیا میں کسی مسلمان محقق کی مثال پیش نہیں کر سکتے کہ جس نے اپنی تالیف میں اختلاف مذاہب کا التزام کیا ہو، وہ مسلک محدثین یعنی اہل حدیث کے مؤقف کو بیان نہ کرے۔ جھنگوی صاحب سر توڑ کوشش کر کے اور مبتدعین دہانہ کی رد اہل حدیث میں سرگرم پوری ٹیم کو ساتھ ملا کر کسی کتاب کی نشان دہی کریں۔ یہ راقم اپنے قصور علم کے باوجود ثابت کر دے گا کہ فلاں فلاں مقام پر اس نے اہل حدیث کا مذہب بیان کیا ہے۔

اس کے باوجود اگر جھنگوی صاحب انکار پر ہی اصرار کریں تو ایسے ضدی کا کوئی علاج نہیں۔

امام ابوحنیفہ کے شاگرد امام عبداللہ بن مبارک کی گواہی

حضرت امام عبداللہ بن مبارک متوفی 181ھ فرماتے ہیں کہ

الدين لاهل الحديث والكلام والحيل لاهل الراي والكذب للرافضة
یعنی دین (اسلام) اہل حدیث کے پاس ہے۔ باتیں بنانا اور حیلہ سازی کرنا اہل الرائے کی عادت ہے اور جھوٹ بولنا رافضیوں کا کام ہے۔

(المصنفی من منہاج الاعتدال ص 480)

اکابر احناف کی شہادت :-

فقہ حنفی کی کوئی بھی مبسوط کتاب اٹھا کر دیکھ لیجیے اس میں جگہ جگہ اس کا مصنف لکھتا ہے کہ یہ اہل حدیث کا مذہب ہے، یہ دعویٰ ہی دعویٰ نہیں بلکہ آئیے ہم آپ کو ڈھیر سے مٹھی بھر کی نشان دہی بھی کر اودیتے ہیں۔

علامہ تفتازانی متوفی 758ھ بحث اجماع میں ایک مسئلہ کی تحقیق میں فرماتے ہیں کہ

(وعليه عامة اهل الحديث والشافعية)

یعنی اس پر عام اہل حدیث اور شافعیہ بھی ہیں۔ (المختار ص 354 طبع نول کشور 1292ھ)

دوسری جگہ فرماتے ہیں کہ

وعند بعض اهل الحديث يوجب العلم لانه ولاعمل الا عن علم

یعنی عمل علم کی فرع ہے۔ جب علم ہی نہ ہو تو عمل کیسے ہوگا۔ اس لیے اہل حدیث کا مذہب یہ ہے کہ خبر واحد سے علم اور یقین حاصل ہوگا۔ (تلویح ص 304)

فخر الاسلام حنفی متوفی فرماتے ہیں کہ

قال بعض اهل الحديث يوجب علم اليقين لما ذكرنا انه ووجب العمل ولاعمل من غير علم وقد ورد الاحاد احكام الاخرة مثل عذاب القبر رؤية الله تعالى بالابصار ولا حظ لذلك الا العلم

یعنی بعض اہل حدیث نے کہا ہے کہ خبر واحد سے یقینی علم حاصل ہوتا ہے۔ کیونکہ جب عمل واجب ہے تو عمل علم کے بغیر کیسے ہو سکتا ہے۔ اور آحاد میں عذاب آخرت اور عذاب قبر اور رؤیت باری تعالیٰ کے متعلق جو کچھ وارد ہوا ہے اس کا مقصد علم اور اعتقاد ہی تو ہے۔ (اصول البزدوی ص 154 بحث خبر آحاد، طبع نور محمد کراچی)

اس کے تحت علامہ عبدالعزیز بخاری متوفی فرماتے ہیں کہ

ذهب اكثر اهل الحديث الى ان الاخبار التي حكم اهل الصنعة بصحتها توجب علم اليقين بطريق الضرورة وهو مذهب احمد بن حنبل

یعنی اہل حدیث اور امام احمد بن حنبل کا مذہب یہ ہے کہ جن احادیث کو آئمہ فن نے صحیح کہا ہے وہ یقین کا فائدہ دیتی ہیں۔ (کشف الاسرار ص 291 ج 2)

حاجی خلیفہ کاتب چلبی حنفی متوفی 1067ھ نے اصول فقہ کے تذکرہ میں امام علاؤ الدین حنفی کی کتاب 'میزان الاصول' سے نقل کیا ہے کہ

واكثر التصانيف في اصول الفقه لاهل الاعتزال المخالفين لنافي الاصول ولاهل الحديث المخالفين لنافي الفروع ولاعتماد على تصانيفهم

اکثر و بیشتر اصول فقہ پر کتابیں اہل حدیث اور معتزلہ کی ہیں۔ اہل حدیث فروع میں ہمارے مخالف ہیں اور معتزلہ اصول میں لہذا ان کی کتابوں پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔

(کشف الظنون ص 110 ج 1، وایجد العلوم ص 71 ج 2)

علامہ ابن ہمام شرح ہدایہ میں تحریر کرتے ہیں کہ

حکمہم عند جمهور الفقهاء و جمهور اهل الحديث حکم البغاة وعند مالک
يسفتابون فان تابوا والاقتلوا دفعا لفسادهم لا لكفرهم وذهب بعض اهل
الحديث الى أنهم مرتدون لهم حکم المرتدين

یعنی جمہور فقہاء اور اہل حدیث کے نزدیک خوارج باغی ہیں۔ امام مالکؒ کے
ز نزدیک ان لوگوں سے توبہ کروائی جائے۔ اگر توبہ کر لیں تو فبہا ورنہ انہیں فساد ختم کرنے کی
غرض سے قتل کر دیا جائے اور یہ قتل ان کے کفر کے سبب نہ ہوگا۔ اور بعض اہل حدیث
کا موقف ہے خوارج مرتد ہیں اور ان کے لیے مرتدین کا حکم ہے۔ (فتح القدیر ص 334 ج 5)
کتاب السیر باب البغاة یہی موقف علامہ ابن نجیم نے، کنز، کی شرح البحر الرائق ص 140 ج
5) میں اہل حدیث کا بتایا ہے۔ اور علامہ شامی نے فتاویٰ شامی ص 262 ج 4 میں نقل کیا ہے۔
علامہ قرشی حنفی متوفی 775ھ فرماتے ہیں کہ

(وقال كثير من اصحاب الحديث انه يقع على من لقي الرسول وسمع منه
شيئا ولو مرة)

اور بہت سے اہل حدیث نے کہا ہے کہ جسے ایک بار بھی لقاء و سماع نبوی علیہ التحیۃ والسلام
ہوا ہے وہ صحابی ہے۔ (الجواہر المفیہ ص 411 ج 2)

ملا علی القاری حنفی متوفی 1014ھ شرح فقہ اکبر میں ایمان کی بحث میں فرماتے ہیں کہ

قال ابو حنیفة وسفیان الثوری ومالک والاوزاعی والشافعی واحمد وعامة
الفقهاء واهل الحديث

یعنی اس مسئلہ میں امام ابو حنیفہ، امام سفیان ثوری، امام مالک، امام اوزاعی، امام شافعی، امام احمد اور
عام فقہاء اور اہل حدیث کا مسلک و فتویٰ یہی ہے۔ (شرح فقہ اکبر ص 143)

ڈھیر سے مٹھی بھر:- کی نشان دہی ہم نے کر دی ہے اگر اس سلسلہ کی اکابر احناف کی

عبارات کا استیعاب کیا جائے تو بات بہت لمبی ہو جائے گی۔ ہم نے مزید کئی چیزیں بھی بیان کرنی ہیں۔ اور کتاب ہمارے اندازے سے پہلے ہی چار گنا زیادہ ہو چکی ہے۔ لہذا ان ہی چند عبارات پر اکتفا کرتا ہوں۔ ہاں اگر ہم مجبور کر دیے گئے اور ضرورت پڑی تو اس سلسلہ کو ہم تفصیل سے بھی عرض کر دیں گے۔ ان شاء اللہ



فصل سوم

کیا اہل حدیث اہل سنت سے خارج ہیں؟

جھنگوی صاحب نے چند مسائل کی نشاندہی کر کے لکھا ہے کہ

ان کے علاوہ اور بہت سارے مسائل ہیں جن میں اہل سنت اور غیر مقلد اہل حدیث کا خاصا اختلاف ہے۔ اہل سنت اور اہل حدیث ایک چیز کا نام کیسے بن گیا جبکہ حدیث اور سنت ایک چیز نہیں ہے۔ جس طرح اشار تبا یا صراحتاً گزر چکا ہے تو اہل سنت اور اہل حدیث بھی ایک کیسے ہو سکتے ہیں۔ (تحفہ اہل حدیث ص 56)

الجواب:- اولاً:- اس عبارت سے واضح ہوتا ہے کہ جھنگوی صاحب حدیث اور سنت کو دو متضاد الفاظ جانتے ہیں۔ حالانکہ یہ بات درست نہیں۔

آئیے پہلے ان الفاظ کا معنی و مفہوم معلوم کر لیں۔

سنت کا لغوی معنی 'طریقہ'، 'راستہ'، 'خواہ اچھا ہو یا برا' (حلی کبیر ص 13)

اور شرعی اصطلاح میں سنت کا مطلب رسول اللہ ﷺ کا طریقہ ہے۔ حضرت انسؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ

((من رغب عن سنتی فلیس منی))

یعنی جس نے میرے طریقہ پر چلنے سے گریز کیا وہ مجھ سے نہیں۔ الحدیث:-

(بخاری ص 757 ج 2، مسلم ص 449 ج 1)

اس حدیث میں لفظ 'سنت' کا معنی مولانا سہارنپوری نے حاشیہ بخاری ص 758 میں طریقہ کیا ہے۔

قارئین کرام جب آپ نے سنت کے معنی کو جان لیا تو آئیے لفظ حدیث کا مفہوم بھی جان لیں۔ حدیث کا لغوی معنی بات ہوتا ہے۔ اور اصطلاح شرع میں اس کا اطلاق قرآن و حدیث پر ہوتا ہے۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے اصطلاح حدیث میں اس کا کیا معنی ہے

اس پر روشنی ڈالتے ہوئے مولانا عبدالرشید حنفی دیوبندی فرماتے ہیں کہ
نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اقوال، اعمال اور احوال کو حدیث سے تعبیر کرنا خود ساختہ اصطلاح
نہیں بلکہ خود قرآن کریم سے مستنبط ہے۔ امام ابن ماجہ اور علم حدیث ص 128)

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ حدیث میں سنت کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ گو حدیث
کا لفظ سنت کے لفظ سے زیادہ وسیع اور اپنے اندر پھیلاؤ رکھتا ہے۔ مثلاً تکبیر تحریمہ کو ہم
حدیث اور سنت کے دونوں الفاظ سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ جبکہ عذاب قبر کی احادیث وغیرہ
کو ہم سنت سے تعبیر نہیں کر سکتے۔ اسی طرح آنحضرت ﷺ کے سراپا کو حدیث تو کہہ سکتے
ہیں لیکن سنت سے تعبیر نہیں کر سکتے۔ روزہ افطار کرنے کی مسنون دعا کو ہم حدیث اور سنت
تو کہہ سکتے جبکہ احوال قیامت کے متعلق آنحضرت ﷺ کے ارشادات عالیہ کو حدیث کہیں
گے سنت سے تعبیر نہیں کر سکتے۔ خلاصہ کلام یہ کہ سنت سے حدیث کا لفظ زیادہ وسیع ہے
جو اپنے اندر سنت کا مفہوم بھی رکھتا ہے۔ مولانا محمد تقی عثمانی حنفی دیوبندی فرماتے ہیں کہ

سنت کے متعلق بعض کا خیال ہے کہ وہ آنحضرت ﷺ کے صرف عمل کا نام
ہے اور یہ احادیث ان میں شامل نہیں۔ لیکن جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ استعمال عام
میں حدیث اور سنت میں کوئی فرق نہیں، ملخصاً درس ترمذی ص 31 ج 1)

جب یہ ثابت ہو گیا کہ حدیث کے لفظ میں سنت کا مفہوم پایا جاتا ہے تو خود بخود اہل حدیث
کا اہل سنت ہونا ثابت ہو گیا۔

علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ

(قال القاضي عياض انما اراد احمد اهل السنة والجماعة ومن يعتقد مذهب
اهل الحديث)

یعنی قاضی عیاض نے کہا ہے کہ امام احمد بن حنبل کی مراد اہلسنت والجماعت سے وہ جماعت
مراد ہے جو (عملی اور) اعتقادی طور پر مذہب اہل حدیث پر گامزن ہے۔

(شرح مسلم ص 143 ج 2)

مولانا مفتی کفایت اللہ نئی دیوبندی فرماتے ہیں کہ

اہل حدیث مسلمان ہیں اور اہل سنت والجماعت میں داخل ہیں۔

(کفایت المفتی ص 325 ج 1)

غیر مقلدین جن کے خیالات سوال میں مذکور ہیں اصولاً تو اہل سنت والجماعت میں داخل

ہیں۔ (کفایت المفتی ص 324 ج 1)

ان عبارات سے ثابت ہو گیا کہ اہل حدیث اہل سنت میں داخل ہیں۔

مبتدعین و پابنہ کا اہل حدیث سے اختلاف

جھنگوی صاحب نے چند مسائل کی نشاندہی بھی کی ہے کہ اہل سنت ان کے قائل

ہیں۔ جبکہ اہل حدیث ان کے منکر ہیں۔ جو حسب ذیل ہیں۔

(۱) مسئلہ تقلید (۲) ایک مجلس کی تین طلاقیں (۳) احترام اولیاء (۴) صحابہ معیار حق ہیں (۵)

صحابہ کا فعل بھی سنت ہے (۶) جمعہ کی پہلی اذان (۷) نماز کے بعد اجتماعی دعا (۸) فقہ (۹)

عذاب قبر (۱۰) حیاۃ النبی ﷺ (۱۱) بیس اور آٹھ تراویح (۱۲) روضہ رسول کی زیارت

(۱۳) سماع عند القبر (۱۴) بھینس کی قربانی (۱۵) گھوڑے کی قربانی (۱۶) نماز میں مصحف سے

دیکھ کر تلاوت کرنا (۱۷) جنبی کا تلاوت کرنا (۱۸) خوشدامن سے بدکاری پر بیوی پر طلاق

کا واقعہ ہونا (۱۹) روضہ رسول کا محترم ہونا (۲۰) جنازہ کو آہستہ پڑھنا (۲۱) رکوع کی رکعت

کو شمار کرنا (۲۲) قومہ میں ہاتھ نہ باندھنا (۲۳) منسوخ احادیث پر عمل نہ کرنا (۲۴) مغرب

کی اذان کے بعد نوافل ادا نہ کرنا (۲۵) نماز میں عاجزی سے کھڑے ہونا (۲۶) مرد و عورت

کی نماز کا فرق (۲۷) نابالغ امام نہیں ہو سکتا (۲۸) فاتحہ قرآن میں شامل ہے (۲۹) تہجد

اور تراویح میں فرق ہے۔

جھنگوی صاحب کا یہ دعویٰ ہے کہ یہ اہل سنت کے مسائل ہیں جبکہ اہل حدیث کا موقف اس

کے برعکس ہے۔

الجواب :- اولاً:- بھائی ان میں بعض مسائل کو تو آپ نے ہماری طرف غلط منسوب کیا ہے مثلاً مسئلہ نمبر ۳، ۴، ۵، ۶، ۸، ۹، ۱۲، ۱۳، ۱۹، ۲۰، ۲۳، ۲۵، ۲۸ وغیرہ مسائل میں ہمارا وہ مؤقف نہیں جو آپ بیان کر رہے ہیں اور آپ نے لعنت اللہ علی الکاذبین کی وعید سے نڈر ہو کر یہ افتراء کیے ہیں۔

اسی طرح مسئلہ نمبر ۱، ۷، ۱۰، ۲۶ وغیرہ بدعات قبیحہ ہیں۔ اور بقایا مسائل میں سے بعض تو نصوص سے ثابت ہیں اور بعض میں امت مرحومہ کے علاوہ خود مبتدعین دیاہنہ میں اختلاف ہے۔ تفصیل آگے آرہی ہے۔

ثانیاً:- ان میں اکثر مسائل جزوی و فروعی ہیں۔ کیا جزوی و فروعی اختلاف کی بنا پر کسی گروہ یا شخص کو اہل سنت سے خارج قرار دیا جاسکتا ہے؟ نہیں ہرگز نہیں۔ یہ آپ کی زیادتی ہے! کیونکہ بعض جزوی مسائل میں صحابہ کرام میں بھی اختلاف رائے تھا۔ آپ کی کتاب کا انداز بتاتا ہے کہ آپ نے بعض اختلافی مسائل پر تحقیق تو ضرور کی ہے مگر علی الاطلاق دین اسلام کی تعلیم اور ان کے چشمہ قرآن و حدیث اور اس کے امین صحابہ کرام کے مقدس گروہ کے فتاویٰ کا مطالعہ نہیں کیا۔ ورنہ ان مسائل کو بیان کر کے آپ کسی کو اہل سنت سے خارج ہونے کا فتویٰ صادر نہ کرتے۔ بہر حال آئیے آپ کے بیان کردہ مسائل کا ہم تحقیقی جائزہ پیش کرتے ہیں۔ اللہ آپ کو حق بات قبول کرنے کی عادت صالحہ ڈال دے۔

کیا تقلید اہل سنت کی علامت ہے؟

مسئلہ تقلید کی تفصیل تو گزر چکی ہے اور وہاں ہی ہم نے صراحت کر دی ہے کہ تقلید کو صرف ہم نے ہی شرک قرار نہیں دیا بلکہ متعدد حنفی اہل علم بھی یہی کہتے ہیں۔ یہاں ہم صرف اس قدر بیان کرنا چاہتے ہیں کہ منکر تقلید اہل سنت سے خارج نہیں کیونکہ یہ چوتھی صدی کی بدعت ہے۔ ظاہر ہے کہ جو چیز تکمیل دین کے صدہا سال بعد ایجاد ہوئی ہو وہ دین کا جزو و حصہ اور ایمان میں داخل نہیں ہو سکتی۔

مولانا اشرف علی تھانوی صاحب فرماتے ہیں کہ
حنفی و شافعی ہونا جزو ایمان نہیں، ورنہ صحابہ و تابعین کا غیر مومن ہونا لازم آئے گا۔

(امداد الفتاویٰ ص 300 ج 5)

مولانا مفتی کفایت اللہ حنفی دیوبندی فرماتے ہیں کہ
محض ترک تقلید سے اسلام میں فرق نہیں پڑتا اور نہ اہل سنت والجماعت سے تارک تقلید
باہر ہوتا ہے۔

(کفایت المفتی ص 325 ج 1)

یہ بات ملحوظ رہے کہ اہل سنت کا مذہب تو آئمہ اربعہ سے قبل کا ہے لہذا ان کی
تقلید اہل سنت کی علامت و نشانی اور امتیازی مسئلہ کیسے بن گئی۔ امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ
(ومن اهل السنة والجماعة مذهب قديم معروف قبل ان يخلق الله ابا حنيفة
ومالكا والشافعي واحمد فانه مذهب الصحابة الذين تلقوه عن نبيهم ومن
خالف ذلك كان مبتدعا عند اهل السنة والجماعة)
یعنی اہل سنت والجماعت قدیم و معروف مذہب ہے جو امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام
احمد بن حنبل، وغیرہ کی پیدائش سے بھی پہلے صحابہ کرام کا مذہب تھا۔ انہوں نے وہ مذہب
نبی کریم ﷺ سے سیکھا تھا۔ اور جو شخص اس کے خلاف کرتا ہے وہ اہل سنت والجماعت کے
نزدیک بدعتی ہے۔

(منہاج السنۃ ص 256 ج 1 طبع مکتبہ سلفیہ لاہور 1976ء)

آخر میں ہم جھنگوی صاحب سے سوال کرتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ اہل سنت میں
داخل تھے کہ نہیں..... اگر آپ کہہ دیں کہ وہ اہل سنت میں داخل ہیں تو ہم کہتے ہیں کہ وہ
غیر مقلد تھے۔ اگر وہ تقلید نہ کرنے کے باوجود اہلسنت سے خارج نہیں تو اہل حدیث کیوں
خارج ہیں؟ وجہ فرق بین اور صاف بتائیں۔

کیا ایک مجلس کے تین طلاقوں کو تین تسلیم کرنا اہل سنت کی علامت ہے؟
 اولاً:- مبتدعین دیا نہ کو اعتراف ہے کہ ایک مجلس میں تین طلاقیں دینا حرام و بدعت ہے۔ یہ فتویٰ ان کی تمام متداول کتب فقہ میں موجود ہے۔ غالباً اس بات کا جھٹکنوی کو بھی اعتراف ہو گا لیکن ہم قارئین کرام کی تشفی و تسلی کے لیے چند عبارات نقل کیے دیتے ہیں تاکہ حق واضح ہو جائے۔

مولانا تقی عثمانی دیوبندی فرماتے ہیں کہ

بیک وقت تین طلاقیں واقع کرنا جائز ہے یا نہیں؟ امام ابو حنیفہ اور امام مالک کا مسلک یہ ہے کہ یہ حرام اور بدعت ہے۔
 (درس ترمذی ص 468 ج 3)

مبتدعین کے مفتی خیر المدارس فرماتے ہیں کہ

طلاق بدعی یہ ہے کہ ایک طہر میں یا ایک مجلس میں تین طلاقیں دینا۔

(خیر الفتاویٰ ص 331 ج 5)

ہدایہ میں ہے کہ

(وطلاق البدعة ان يطلقها ثلاثا بكلمة واحدة او ثلاثا في طهر واحد فاذا فعل ذلك وقع الطلاق وكان عاصياً)

اور طلاق بدعی یہ ہے کہ ایک ہی کلمہ سے (تین طلاقیں دے یا تین کو ایک طہر میں دے۔ جب کسی نے ایسا کر لیا تو گناہ گار ہو اور طلاق واقع ہو گئی۔) (ہدایہ مع فتح القدر ص 329 ج 3)
 جب آپ نے اس بات کو سمجھ لیا کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں بدعت ہیں تو اب سنیہ کہ بدعت اہل سنت کا مذہب نہیں۔

علامہ تفتازانی متوفی 758ھ فرماتے ہیں کہ

(اهل السنة والجماعة وهم الذين طريقتهم طريقة الرسول واصحابه دون

اهل البدع)

یعنی اہل سنت والجماعت وہ لوگ ہیں جن کا طریقہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام کے طریقہ کے موافق ہے نہ کہ اہل بدعت کے طریقہ کے مطابق۔

(الخلوت مع التوضیح ص 354)

حضرت علی مرتضیٰ فرماتے ہیں کہ

((اهل السنة المتمسكون بما سنه الله ورسوله وان قلوبا واما اهل البدعة فالمخالفون

لامر الله و كتابه ورسوله العاملون برايهم واهوائهم وان كثروا))

یعنی اہل سنت وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے مقرر کردہ طریقہ کو اختیار کرنے والے ہیں خواہ وہ تعداد میں کم ہی کیوں نہ ہوں۔ اور اہل بدعت وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کی کتاب اور اس کے رسول ﷺ کے مخالف اپنی رائے اور خواہش نفسی پر عمل کرنے والے ہیں۔ خواہ وہ تعداد میں زیادہ ہی کیوں نہ ہوں۔

(کنز العمال ص 77 ج 14، رقم الحدیث 44209 طبع نشر السنۃ ملتان)

ان تصریحات سے ثابت ہوا کہ کوئی جماعت یا شخص بدعت کے انکار کی وجہ سے

اہل سنت سے خارج نہیں ہوتا بلکہ اصلی اہل سنت ہی وہ ہے جو بدعت کا انکار کرتا ہے۔ پس اس اصول کے تحت آپ اہل سنت سے ہیں اور ہم بفضلہ تعالیٰ اصلی وخالص اور ٹھیکہ سنی ثابت ہوئے۔

ثانیاً:- حضرت ابن عباس بیان کرتے ہیں کہ

((كان الطلاق على عهد رسول الله ﷺ و ابى بكر وسنتين من خلافة عمر طلاق

الثالث و احدة الحديث))

یعنی حضرت رسول کریم ﷺ کے زمانہ مبارکہ اور حضرت ابو بکر صدیق کی پوری مدت خلافت اور حضرت عمر فاروق کی خلافت میں بھی دو سال تک تین طلاقیں ایک ہی شمار کی جاتی تھیں۔

(صحیح مسلم ص 477 ج 1)

اس صحیح مرفوع متصل حدیث کی بنا پر حضرت ابن عباس کا بھی یہی فتویٰ تھا کہ بیک وقت دی

گئی تین طلاقوں سے صرف ایک ہی پڑے گی۔ (ابوداؤد ص 299 ج 1)

امام عکرمہ (ابوداؤد مع عون ص 227 ج 2) امام طاؤس (عبدالرزاق ص 302 ج 6) امام عطاء بن ابی رباح (ایضاً ص 335 ج 6) امام عطاء بن یسار (موطا امام مالک ص 521) امام جابر بن زید (مصنف ابن ابی شیبہ ص 26 ج 5) امام عمرو بن دینار (فتح الباری ص 297 ج 9) ان کے علاوہ متعدد تابعین ایک مجلس کی تین طلاقوں کو ایک رجعی طلاق شمار کرتے ہیں۔

مولانا مفتی کفایت اللہ حنفی دیوبندی فرماتے ہیں کہ

بعض علماء اس کے قائل ضرور ہیں کہ ایک رجعی طلاق ہوتی ہے اور یہ مذہب اہل حدیث حضرات نے بھی اختیار کیا ہے اور حضرت ابن عباس، طاؤس، عکرمہ، ابن اسحاق سے منقول ہے پس کسی اہل حدیث کو اس حکم کی وجہ سے کافر کہنا درست نہیں اور نہ وہ قائل مقاطعہ اور مستحق خراج عن المسجد ہے۔ (کفایت المفتی ص 361 ج 6)

امام ابن تیمیہ، امام ابن قیم، علامہ رشید رضا مصری (تفسیر المنار ص 383) شیخ جمال الدین قاسمی مرحوم بھی اہل حدیث مؤقف کے حامی تھے۔

جھنگوی صاحب وضاحت فرمائیں کہ کیا یہ تمام لوگ اہل سنت سے خارج ہیں؟

کیا آئمہ کے اقوال معصوم عن الخطاء ہوتے ہیں؟

جھنگوی صاحب فرماتے ہیں کہ اہل سنت اولیاء کرام کا احترام کرتے ہیں جبکہ غیر مقلد آئمہ کرام اولیاء کرام کی بے جا خامیاں نکالتے ہیں۔ (تحفہ اہل حدیث ص 53)

الجواب:- اولاً:- خیر القرون سے لے کر تاحال اہل علم میں بعض جزوی مسائل میں اختلاف چلا آرہا ہے۔ فریقین ایک دوسرے کی ذلیل کا نقص واضح کرتے رہے ہیں۔ اور اپنی دلیل کو صحیح و درست اور حق کہتے رہے ہیں۔

یہ ایک ایسی بین حقیقت ہے جس کا انکار دوپہر کے وقت سورج کے وجود کا انکار ہے۔ کسی بھی مذہب کی فقہ کو اٹھا کر دیکھ لیجیے وہ اپنے دلائل دیتے ہوئے دیگر بزرگان دین کے اقوال کو نقل

کر کے ان پر علمی تبصرہ کرتے ہیں۔ یہ چیز ادب و احترام کے منافی نہیں، ورنہ یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ تمام آئمہ گستاخ تھے۔ کیونکہ انہوں نے اپنے سے ماقبل کے لوگوں سے اختلاف کیا، کسی سے کم کسی سے زیادہ۔ امام محمد اور قاضی ابو یوسف کے امام ابو حنیفہ سے اختلاف ایک بین حقیقت ہے جس کا انکار ممکن نہیں تو کیا یہ لوگ گستاخ اور بے ادب تھے نہیں۔ یقیناً نہیں۔ اس لیے کہ ہر شخص کا نہ علم برابر ہے اور نہ ہی عقل و فہم مساوی ہے۔

ہاں البتہ اختلاف رائے کرتے ہوئے آئمہ دین کے ادب و احترام کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہیے کیونکہ وہ ہمارے اسلاف ہیں، جو دین کے خادم اور سنت کے فدائی تھے اور ان کا سینہ علوم قرآن سے منور تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ تمام آئمہ کرام ہمارے محسن ہیں۔ ان کی علمی کاوشوں کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن اس کے باوجود آئمہ معصوم عن الخطا نہ تھے۔ آخر وہ بشر تھے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اور پیغمبر نہ تھے۔

یہی اہل حدیث کا مذہب ہے۔ اسی کی ہم دعوت دیتے ہیں۔ پورے جزم و یقین کے ساتھ یہ بات عرض کرتے ہیں کہ تمام محقق علماء اہل حدیث نے جب بھی کسی امام کے قول سے اختلاف کیا تو اسے علمی حد تک ہی رکھا۔ سب و شتم اور گالیاں نکال کر اپنے کلیجہ کو ٹھنڈا کرنا اہل بدعت اور گمراہ لوگوں کا کردار ہے۔ حسن اخلاق، زبان کی حفاظت مومن کی شان اور اہل علم کا شعار ہے۔ جھٹکوی صاحب بلا وجہ ہم سے ناراض اور بد ظنی کر رہے ہیں۔ ورنہ یقین جانیے کہ اہل حدیث کا دامن ان الزامات سے مبرا ہے۔ چنانچہ مفتی خیر المدارس (ملتان) اس حقیقت کا کھلے لفظوں میں اعتراف کرتا ہے کہ علماء اہل حدیث سلف صالحین اور آئمہ دین کے گستاخ نہیں۔ (خیر الفتاویٰ ص 402 ج 2)

حانیاء:- حقیقت یہ ہے کہ مبتدعین دینانہ اصل میں اولیاء اور بزرگوں کے گستاخ اور بے ادب ہیں۔ مولوی محمد حسن سنبلوی حنفی (جو مولانا قاسم علی نانوتوی کے شاگرد خاص ہیں) نے معروف درسی کتاب، شرح عقائد کا حاشیہ نظم الفرائد کے نام سے لکھا ہے۔ اس حاشیہ میں ایک مقام پر وہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ، امام ابن قیم، امام شوکانی، امام ابن حزم جیسے اساطین فن

اور مجتہدان ذی شان کا ذکر اس طرح کرتا ہے۔

و خلفاء هذه الملة اربعة ابن تيمية وابن القيم والشوكاني فيقولون ثلاثة رابعهم كلبهم واذا انضم اليهم ابن حزم وداؤد الظاهري بان صار واسته ويقولون خمسة سادسهم كلبهم رجما بالغيب وخاتم المكلمين مثله كمثل الكلب ان تحمل عليه يلهث وتتركه يلهث
(نظم الفرائد ص 102 طبع انوار محمدی لکھنؤ)

اس عبارت کا ترجمہ کرنے کی ہمت نہیں۔ بس اتنا جان لیں کہ امام ابن تیمیہ، امام ابن قیم، امام ابن حزم، امام داؤد امام شوکانی، اور ان کے عقیدت مندوں کو کتا کہا گیا ہے۔ اس قدر لچر زبان استعمال کرنے والے بھی ادب و احترام کے ٹھیکے دار ہیں؟

کیا صحابہ معیار حق نہیں؟

جھنگوی صاحب نے ایک شگوفہ نہ بھی چھوڑا ہے کہ غیر مقلدین صحابہ کو معیار حق نہیں سمجھتے۔ (تحفہ اہل حدیث ص 53)

حالانکہ یہ کذب و افتراء ہے۔ ارشادِ باری ہے۔

﴿امنوا كما امن الناس﴾ (الایۃ بقرہ آیت 13)

یعنی ایمان اس طرح لاؤ جس طرح لوگ (صحابہ) ایمان لائے (13-2)

اس آیت میں الناس سے مراد صحابہ کرام کی مقدس جماعت مراد ہے۔ حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ

ایمان کے لیے ایک معیار اور کسوٹی ہیں۔ اب ایمان انہی کا معتبر ہوگا جو صحابہ کرام ہی کی طرح ایمان لائیں گے۔ (تفسیر احسن البیان ص 10)

اس سے ثابت ہوا کہ عقائد و ایمان میں صحابہ سے اختلاف جائز نہیں۔ یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ ہمارے نزدیک صحابہ کرام نے نصوص کی جو تشریح کی ہے وہ بھی حجت ہے

حافظ ثناء اللہ زاہدی حفظہ اللہ فرماتے ہیں کہ

ولذلك اختار جمهور المحدثين ترجيع تفسير الصحابي للحديث على تفسير غيره من المتأخرين لانه شاهد موارد النصوص واجتهاده في فهم النصوص اصوب من اجتهاد المتأخرين من فقهاء التابعين ومن بعد هم كما

في تفسير ابن عمر البيعان بالخيار والحنفية خالفوا في هذه الصورة اور اسی وجہ سے جمہور محدثین کرام کے نزدیک صحابی کی تفسیر کو متاخرین کی تفسیر حدیث پر ترجیح ہے۔ کیونکہ صحابہ نصوص کے وارد ہونے کے عینی شاہد ہیں۔ اور فہم نصوص میں صحابہ کرام کا اجتہاد متاخرین فقہاء و تابعین اور ان سے بعد والے حضرات فقہاء سے زیادہ درست اور حق ہے۔ جیسا کہ حضرت ابن عمرؓ بیخ خیاب کی حدیث کی تفسیر کی ہے۔ اور حنفیہ نے اس صورت میں اختلاف کیا ہے۔ (حاشیہ خلاصۃ الافکار ص 214)

ہاں البتہ کسی مسئلہ میں جب صحابہ میں سے کسی کا قول مرفوع حدیث کے خلاف ہو تب صحابی کا قول حجت نہیں ہوتا۔ اور یہی حنفیہ کا اصول ہے۔ علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں کہ ان قول الصحابي حجة فيجب تقليده عندنا اذا لم ينفه شئ آخر من السنة یعنی ہمارے نزدیک صحابی کا قول حجت ہے جب تک سنت سے کوئی چیز اس کی نفی نہ کرے۔ (فتح القدير ص 37 ج 2 باب صلاة الجمعة)

ملا علی القاری نے مرقاة ص 269 ج 3 میں فتح القدير سے اس عبارت کو نقل کر کے سکوت کیا ہے۔

مولانا ظفر احمد تھانوی حنفی دیوبندی فرماتے ہیں کہ

قول الصحابي حجة عندنا اذا لم يخالفه مرفوع

یعنی صحابی کا قول ہمارے نزدیک حجت ہے جب مرفوع حدیث کے خلاف نہ ہو۔

(اعلاء السنن ص 126 ج 1)

اس کلیہ کا مولانا نے اعلاء السنن ص 140 ج 1 میں بھی ذکر کیا ہے ایک مقام پر فرماتے ہیں کہ
 ولا حجة في قول الصحابي في معارضة المرفوع لاسيما اذا كانت المسألة
 مختلفا فيها بين الصحابة

یعنی صحابی کا قول جب مرفوع حدیث کے معارض ہو تو حجت نہیں ہوتا بالخصوص جب وہ
 مسئلہ صحابہ کرام میں مختلف فیہ ہو۔ (اعلاء السنن ص 438 ج 1، باب آداب الاستیفاء)
 ان عبارات علماء دیوبند سے یہ بات ثابت ہوئی کہ جس مسئلہ میں صحابہ کرام
 مختلف فیہ ہوں یا جن مسائل میں صحابہ کرام کے فتاویٰ حدیث مرفوع کے مخالف و معارض
 ہوں ان میں صحابہ کرام کے اقوال حجت شرعیہ نہیں۔ باقی رہا صحابہ کرام کا اجماع تو وہ
 ہمارے نزدیک حجت ہے۔ تفصیل کے لیے علامہ ابن حزم کی کتاب الاحکام فی اصول الاحکام
 ص 47 ج 1 دیکھئے اس ساری تفصیل سے ثابت ہوا کہ جھٹکوی صاحب نے غلط بیانی کی ہے
 ۔ ورنہ اہل حدیث صحابہ کرام کو معیار حق جانتے اور سمجھتے ہیں۔

کیا جمعہ کی دوسری اذان بدعت عثمانی ہے؟

جھٹکوی صاحب نے ایک غلط بیانی یہ بھی کی ہے کہ اہل سنت کے نزدیک اقوال
 صحابہ سنت ہیں جبکہ اہل حدیث جمعہ کی دوسری اذان کو عثمانی بدعت کہتے ہیں۔

(تحفہ اہل حدیث ص 53)

الجواب:- اولاً:- قارئین کرام مسئلہ تقلید میں 'مؤلف تحفہ اہل حدیث کی گپ' کے زیر
 عنوان امام ابو حنیفہ سے یہ ثابت کر دیا ہے کہ ان کا تمام تر علم رائے و قیاس تھا۔ جبکہ اہل
 حدیث رائے و قیاس کی بجائے قرآن و سنت اور اقوال صحابہ کرام کو اپنی زندگی کا لائحہ عمل
 بناتے تھے۔ اور ان سے مسائل کا حل تلاش کرتے تھے اور کرتے ہیں۔ دریں صورت کس
 منہ سے جھٹکوی صاحب ہمیں مطعون کر رہے ہیں۔

ثانیاً:- اگر کوئی شخص عثمانی اذان کو بدعت کہنے سے اہل سنت سے خارج ہے تو جھٹکوی کان

کھول کر سن لے کہ اسے بدعت کہنے والے حضرت عبداللہ بن عمرؓ ہیں۔ مصنف ابن ابی شیبہ ص 140 ج 2 کتاب الصلوٰۃ باب الاذان یوم الجمعۃ، حافظ ابن حجر نے، فتح الباری ص 315 ج 2 میں اس روایت کو نقل کر کے سکوت کیا ہے۔

اور اکابر دینہ کو اعتراف ہے کہ فتح الباری میں حافظ ابن حجر کا سکوت روایت کے صحیح ہونے کی علامت ہے۔ دیکھئے

(معارف السنن ص 385 ج 1 ودرس ترمذی ص 74 ج 1 و قواعد فی علوم الحدیث ص 89) جھنکوئی صاحب ہمت کریں اور عبداللہ بن عمرؓ کے اہل سنت سے خارج ہونے کا اشتہار شائع کریں،

شاباش تیرے ہوئے تے جے دے

ثالثاً:- اوپر کی تقریر سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ یہ مسئلہ صحابہ کرام میں مختلف فیہ تھا۔ اور پہلے یہ عرض کر دیا گیا ہے کہ جس مسئلہ میں صحابہ کرام مختلف فیہ ہوں تو وہاں ان کے اقوال حجت نہیں۔ لہذا حضرت عثمانؓ کا قول حجت نہ رہا۔ مگر آپ حیران ہونگے حنفیوں نے اسے پھر بھی لائق عمل بنا لیا ہے۔ حالانکہ جس روایت میں حضرت عثمانؓ غنیؓ کا دوسری اذان دینا ثابت ہوتا ہے اسی حدیث میں اس امر کی صراحت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی زندگی مبارک سیدنا صدیق اکبرؓ اور عمر فاروقؓ کے دور خلافت میں ایک ہی اذان دی جاتی تھی۔

(بخاری (912) باب الاذان یوم الجمعۃ)

رابعاً:- اگر جھنکوئی یہ جھوٹا بہانہ تلاش کر لے کہ خلفاء الراشدین کا عمل سنت میں داخل ہے اور اس پر صحیح حدیث موجود ہے۔ اس کی تفصیل کا تو یہ موقع نہیں اہل علم تحفۃ الاحوذی ص 368 ج 1 کی مراجعت کریں، البتہ ہم یہاں پر جھنکوئی کا منہ بند کرنے کی غرض سے حضرت عثمانؓ غنیؓ کی ایک مثال عرض کرتے ہیں وہ یہ کہ حضرت عثمانؓ سے صحیح سند کے ساتھ یہ مروی ہے کہ انہوں نے سفر حج میں دو رکعت کی بجائے پوری نماز پڑھی ہے۔

(بخاری ص 147 ج 1، و مسلم ص 243 ج 1 و نسائی ص 170 ج 1)

لیکن احناف اس کے برعکس یہ کہتے ہیں کہ اگر مسافر جان بوجھ کر نماز قصر کی بجائے پوری ادا کرے تو اس کی نماز فاسد ہوگئی۔ اور اس پر واجب ہے کہ دوبارہ نماز پڑھے۔

(احسن الفتاویٰ ص 77 ج 4، وخیر الفتاویٰ ص 681 ج 2، ودرس ترمذی ص 325 ج 2، وفتح القدیر ص 5 ج 2 وبدائع الصنائع ص 91 ج 1، والبحر الرائق ص 130 ج 2، وفتاویٰ عالمگیری ص 139 ج 1، وفتاویٰ شامی ص 128 ج 1)

بھنگوی صاحب اگر اقوال صحابہ کو بھی سنت کہتے ہیں تو کیا وجہ ہے کہ اس عمل عثمانی کو فاسد کہتے ہیں؟

کیا نماز کے بعد اجتماعی دعا اہل سنت کی علامت ہے؟

بھنگوی صاحب لکھتے ہیں کہ اہل سنت نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرتے ہیں جبکہ غیر مقلدین اہل حدیث دعا نہیں کرتے بلکہ بدعت کہتے ہیں۔ (تحفہ اہل حدیث ص 53)

الجواب:- اولاً:- فرض نمازوں کے بعد اجتماعی طور پر پیش امام کا دعا مانگنا اور مقتدیوں کا آمین آمین کہنا کسی حدیث مرفوعہ و متصل سے ثابت نہیں ہے۔

دیوبندیوں کے محدث کبیر علامہ کا شمیری فرماتے ہیں کہ

وليعلم ان الدعاء المعمول في زماننا من الدعاء بعد الفريضة رافعین ايديهم على هيئة الكذائية لم تكن المواظبة عليه في عهده عليه السلام معلوم ہونا چاہیے کہ ہمارے زمانہ میں جو فرض نمازوں کے بعد دعا مروج ہے کہ امام و مقتدی مل کر ہاتھ اٹھا کر دعا کرتے اور آمین آمین کہتے ہیں یہ اس پر رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں مواظبت نہ تھی۔

(عرف الشذی ص 86 ج 1)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ

اما این دعائے کہ آئمہ مساجد بعد از سلام میکنند و مقتدیاں آمین آمین میگویند

چنانچہ الان در دیار عرب و عجم متعارف ہست از عادت پیغمبر خدا ﷺ

نہ بود و درین باب ہیچ حدیث ثابت نہ شدہ

آئمہ مساجد سلام پھیرنے کے بعد یہ جو دعا کرتے ہیں اور مقتدی آمین آمین کہتے ہیں جیسا کہ عرب و عجم کے ممالک میں رائج ہے یہ رسول اللہ ﷺ کی عادت نہ تھی۔ اور اس سلسلہ میں کوئی حدیث صحیح ثابت نہیں۔

(شرح سفر السعادت ص 90 طبع مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر 1398ھ)

مولانا عبدالحی لکھنوی فرماتے ہیں

یہ طریقہ جوئی زمانہ مروج ہے کہ امام سلام کے بعد رفع یدین (ہاتھ اٹھا کر) کے ساتھ دعا مانگتا ہے اور مقتدی آمین کہتے ہیں حضور ﷺ کے زمانے میں نہ تھا۔ جیسا کہ ابن قیم نے زاد المعاد میں اس کی تصریح کی ہے۔

(مجموعۃ الفتاویٰ ص 232 ج 1 طبع بیچ ایم سعید کراچی 1404ھ)

یہ تمام عبارات علماء دیوبند کی ہیں۔ جن سے ثابت ہوا کہ مروجہ دعا رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں۔ قارئین کرام جب آپ نے اس حقیقت کو بخوبی سمجھ لیا تو اب سنئے کہ دعا عبادت ہے اور عبادات اصل میں ممنوع الاصل ہیں۔ یعنی ان کی کیفیت وغیرہ اپنی طرف سے متعین نہیں کی جاسکتی۔ جس کی پوری تفصیل راقم نے دین الحق جلد دوم میں عرض کر دی ہے۔ اگر جھنگوی کو ہماری تحقیق پر اعتماد نہیں تو اپنے استاذ محترم مولانا سرفراز خاں صاحب صفدر کی تالیف ”راہ سنت“ کا مطالعہ کر لے۔ جس میں انہوں نے اس ضابطہ اور کلیہ کو بیان کیا ہے۔

ثانیاً:۔ اسے بدعت کہنے کی وجہ سے آپ ہمیں اہل سنت سے خارج کر رہے ہیں۔ حالانکہ اسے بدعت کہنے والے متعدد آئمہ کرام ہیں امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ

(امادعاء الامام والمأمومین جمیعا عقیب الصلاة فهو بدعة لم یکن علی

عهد النبی ﷺ)

یعنی نماز کے بعد امام اور مقتدیوں کا کٹھی دعا کرنا بدعت ہے۔ یہ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں نہ تھی۔ (مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ ص 519 ج 22)

دیوبندیوں کے فقیہ العصر مفتی اعظم حضرت مفتی رشید احمد صاحب فرماتے ہیں کہ امام کے ساتھ مل کر دعا کرنے کی رسم خواہ سرتا ہو یا جہر ابدعت ہے جو قلت علم و کثرت جہل سے پیدا ہوئی اور جہال کی افراط ہے۔

(زبدۃ الکلمات ص 9 مندرجہ احسن الفتاویٰ ص 67 ج 3)

علامہ محمد انور شاہ کاشمیری حنفی دیوبندی مرحوم نے النفائس المرغوبہ کی تقریظ ص 37 میں مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی نے رسالہ بدعت والنسۃ ص 19 میں اور مولانا ابوالقاسم رفیق دلاوی نے عماد الدین ص 397 میں فرض نمازوں کے بعد امام کا دعا مانگنا اور مقتدیوں کا مل کر آمین کہنے کو بدعت کہا ہے۔

جھنگوی ہمت کرے اور مذکورہ اکابر دیوبند کے اہل سنت سے خارج ہونے کا اشتہار شائع کرے۔ اگر جھنگوی صاحب تیار ہیں تو اشتہار کا مسودہ تیار کریں اشاعت کے لئے فنڈ ہم مہیا کرنے کے لئے تیار ہیں۔ ان شاء اللہ مگر قارئین کرام یاد رکھئے کہ جھنگوی اہل حدیث کو تو اس بدعت پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے خارج از اہل سنت کہتا ہے اور کتاب کی اشاعت کر کے ہمیں بطور تحفہ پیش کرتا ہے لیکن اپنے اکابر کو ایسا تحفہ قطعاً نہیں دے گا کیوں؟ آخر انصاف کا میزان یہی ہے کہ مخالف کو تو مطعون کیا جائے اور اپنے اکابر کی باری آئے تو خاموشی سادھ لی جائے۔

تف ہے ایسی دیانت پر تعجب ہے ایسی شہیت الہی پر اور کیا کہنے ہیں اس عیاری و مکاری اور بے ایمانی کے

کیا اہل حدیث فقہ کے منکر ہیں؟

جھنگوی صاحب فرماتے ہیں کہ اہل سنت فقہ کے قائل ہیں جبکہ غیر مقلدین اہل

حدیث فقہ کے منکر ہیں۔ (تحفہ اہل حدیث ص 53)

الجواب :- اولاً سب سے پہلے یہ بات معلوم کرنی ضروری ہے کہ فقہ کسے کہتے ہیں؟ ارباب لغت فرماتے ہیں کہ

(الفقه فهم الشئ قال ابن فارس وكل علم لشي فهُو فقه)

یعنی فقہ کسی چیز کے فہم کو کہتے ہیں۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ کسی بھی چیز کے علم کا نام فقہ ہے۔ (المصباح الممیر ص 479)

شریعت کی اصطلاح میں قرآن و سنت کو فقہ کہتے ہیں۔ حضرت زید بن ثابتؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ

((نضر الله امراسم مقاتلى فبلغها فرب حامل فقه غير فقيه ورب حامل فقه الى من هو افقه منه))

اللہ تعالیٰ اس شخص کو خوش و خرم رکھے جو میری بات کو سن کر دوسروں تک پہنچائے کیونکہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ فقہ کو اٹھانے والا فقیہ نہیں ہوتا اور بسا اوقات فقہ کو اٹھانے والے اپنے سے زیادہ فقیہ کے پاس لے جاتے ہیں۔

(ابن ماجہ (230) و ابوداؤد (3654) و ترمذی مع تحفہ ص 372 ج 3 و مسند احمد ص 183 ج 5 و سنن دارمی (229) و ابن حبان (67))

یہی حدیث حضرت جبیر بن مطعمؓ سے بھی مروی ہے۔

(ابن ماجہ (231) و مسند احمد ص 80 ج 4 و متدرک حاکم ص 87 ج 1 و سنن دارمی (227، 228) و طبرانی کبیر ص 127 ج 2 و ابویعلیٰ ص 456 ج 6)

اس حدیث پر غور کیجئے کہ اللہ کے رسول اللہ ﷺ نے اپنے ارشاد کو فقہ سے تعبیر کیا ہے۔ اصل میں قرآن و سنت اور ان کا فہم فقہ ہے۔ حضرت امیر معاویہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ

(من يرد الله به خيرا يفقهه في الدين)

یعنی اللہ جس سے بھلائی کا ارادہ کرتا ہے تو اسے دین کی سمجھ عطا کرتا ہے۔

(بخاری ص 16 ج 1 و مسلم ص 333 ج 1)

اس سے معلوم ہوا کہ فقہ دراصل دین کی سمجھ ہے جو کسی چیز نہیں بلکہ اللہ کی طرف سے عطا ہوتی ہے اور وہی قرآن و حدیث ہی ہے۔ اقوال الرجال تو علماء کی دماغ سوزی کا نتیجہ ہیں۔ لہذا ان کے فتاویٰ فقہ نہیں بلکہ آراء اور قیاسات ہیں۔

قارئین کرام جب آپ نے اس بات کو بخوبی سمجھ لیا تو اب غور کیجیے کہ اس کا کون کلمہ گو منکر ہے کہ اللہ تعالیٰ علماء کو دین کی سمجھ عطا کرتا ہے۔

ثانیاً:- غالباً جھنگوی صاحب کی فقہ سے مراد فقہ حنفی کی مروجہ کتب فقہ ہیں۔ حالانکہ اہل حدیث ان کا انکار فقہ ہونے کی وجہ سے نہیں کرتے بلکہ غیر معصوم امتوں کے اقوال کی بنا پر کرتے ہیں۔ جیسے حنفی حضرات فقہ جعفریہ، فقہ حنبلی، فقہ شافعی، فقہ مالکی وغیرہ کا انکار کرتے ہیں تو کیا ہم کہہ سکتے ہیں کہ حنفی فقہ کے منکر ہیں؟ کیونکہ یہ متعدد فقہاء کی فقہ کو نہیں مانتے۔

کیا اہل حدیث عذاب قبر کے منکر ہیں؟

جھنگوی صاحب فرماتے ہیں کہ اہل سنت قبر میں عذاب و ثواب کے قائل ہیں جبکہ موجودہ غیر مقلد اہل حدیث اس کے قائل نہیں ہیں۔ (تحفہ اہل حدیث ص 53)

الجواب:- اولاً:- میں حیران ہوں کہ اس کا جواب لکھوں تو کیا لکھوں؟ آخر جھنگوی نے کونسے دلائل دیئے ہیں۔ جن کو میں توڑوں؟ جب سارے معاملے کی بنیاد ہی بد ظنی سے دوہاتھ آگے کذب و افتراء اور غلط بیانی پر ہے تو اس کے جواب میں صرف لعنت اللہ علی الکاذبین ہی کافی تھا۔ عذاب قبر کے ثبوت پر متعدد آیات قرآن اور متواتر احادیث ہیں۔ بھلا کوئی اہل حدیث اس کا کب انکار کر سکتا ہے؟ جھنگوی صاحب پر واضح ہو کہ عذاب قبر کا منکر خبیث العقیدہ، بد بخت، بدترین بدعتی اور اہل سنت سے خارج ہے۔ جب تک اس

خبیث عقیدہ سے توبہ نہ کرے اس سے کوئی معاملہ بحیثیت مسلمان کرنا جائز نہیں۔ اور اگر مر جائے تو اس کا جنازہ پڑھنا جائز نہیں۔

مانیا:۔ جھنگوی کی تحریر گواہ ہے کہ وہ صرف موجودہ علماء اہل حدیث کے متعلق یہ عقیدہ بتاتا ہے۔ گذشتہ فوت شدہ جملہ اہل حدیث علماء کے بارے اسے اعتراف ہے کہ وہ عذاب قبر کے قائل تھے۔ اس لیے ہمیں جملہ محدثین کرام سے اس کے بارے دلائل دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ رہے موجودہ دور کے علماء اہل حدیث تو اس سلسلہ میں پہلی بات تو ہم قارئین کرام کو دعوت فکر دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ

وہ کسی بھی مقامی اہل حدیث کے اہل علم سے پوچھ کر تسلی کر سکتے ہیں۔ جھنگوی صاحب ہمارے استاذی المکرم حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب گوندلوی حفظہ اللہ کی تالیف ”عقیدہ اہل حدیث ص 341 کا مطالعہ کر لیں۔ ان شاء اللہ ان کے تمام شکوک و شبہات دور ہو جائیں گے۔ ہاں البتہ ضد لا علاج مرض ہے اس کے لیے جھنگوی صاحب کم از کم دس بار علی الصبح لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم کا وظیفہ کیا کریں۔ ان شاء اللہ اس اکسیری نسخہ سے شفا ہوگی۔

اگر کوئی کسر رہ گئی تو جھنگوی صاحب اذا حدث کذب (منافق جب بات کرتا ہے تو غلط بیانی کرتا ہے) کو بھی دن میں ایک آدھا بار یاد کر لیا کریں۔ اس سے ان شاء اللہ ضرور شفا ہوگی۔

کیا مبتدعین دیوبندیہ کی طرح اہل سنت حیات النبی ﷺ کے قائل ہیں؟ جھنگوی صاحب فرماتے ہیں کہ اہل سنت حیات النبی ﷺ کے قائل ہیں جبکہ غیر مقلد اس کے قائل نہیں۔ (تحفہ اہل حدیث ص 54)

الجواب:۔ اولاً:۔ پہلے مبتدعین دینانہ کا حیات النبی ﷺ کے سلسلہ میں موقف سمجھ لینا ضروری ہے تاکہ بات کو سمجھنے میں آسانی رہے۔ دیوبند کے شیخ الحدیث مولانا حسین احمد مدنی فرماتے ہیں کہ

آپ کی حیات نہ صرف روحانی ہے جو کہ عام شہداء کو حاصل ہے بلکہ جسمانی بھی ہے اور از قبیل حیات دنیوی بلکہ بہت وجہ سے اس سے قوی تر۔

(مکتوبات شیخ الاسلام ص 130 ج 1؛ تسکین الصدور ص 275 و خیر الفتاویٰ ص 113 ج 1)
مولانا قاسم علی نانوتوی فرماتے ہیں کہ
انبیاء علیہم السلام کو ابدان دنیا کے حساب سے زندہ سمجھیں گے۔

(لطائف قاسمیہ ص 4 و تسکین الصدور ص 275 و خیر الفتاویٰ ص 114 ج 1)

قرآن کی کسی آیت یا کسی حدیث صحیحہ منقولہ متصل اور صحابہ کرامؓ میں سے ایسی حیات کا عقیدہ قطعاً ثابت نہیں، یہ مبتدعین دیوبند کا بریلوی مسلک سے تاثر کی وجہ سے عقیدہ ہے ورنہ اس کی کوئی معتبر دلیل ثابت نہیں۔

ثانیاً:۔۔ آپ کے استاد محترم مولانا سرفراز خاں صاحب صفدر نے تسکین الصدور ص 264 میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ علمائے اہل حدیث حیات النبی ﷺ کے قائل ہیں۔ جھنگوی صاحب اس کی صراحت کریں کہ صفدر صاحب کاذب ہیں یا آپ؟

حیات انبیاء کا عقیدہ اور قرآن

موت کے بارہ میں عام اصول کے تحت انبیاء بھی اسی طرح شامل ہیں جیسا کہ عام انسان ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سوائے اپنی ذات کے کسی اور کو اس اصول سے مستثنیٰ قرار نہیں دیا۔

﴿کل من علیہا فان ویبقی وجہ ربک ذوالجلال والاکرام﴾

(سورۃ رحمن آیت 26، 27)

جو بھی اس پر ہے فانی ہے۔ اور تیرے رب بزرگی عزت والے کا چہرہ باقی رہے گا۔
حیاء جاوداں صرف اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے باقی تمام کو فنا ہے۔ علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ایک عام قاعدے کے تحت تمام انبیاء کی موت کا اعلان کیا ہے۔

عام اعلان:-

﴿ماالمسیح ابن مریم الا رسول قدخلت من قبله الرسل﴾

(المائدہ: 75)

یعنی مسیح تو صرف اللہ کے رسول تھے ان سے قبل رسول فوت ہو گئے۔

﴿وما محمد الا رسول قدخلت من قبله الرسل﴾

(آل عمران: 144)

محمد (ﷺ) صرف اللہ کے رسول ہیں ان سے پہلے رسول گزر چکے ہیں۔

ان دونوں آیات سے واضح ہوا کہ حضرت محمد (ﷺ) سے پہلے جتنے بھی رسول

آئے تھے وہ اپنی طبعی عمر گزار کر عدم کے مسافر ہوئے اور تمام نے موت کا پیالہ پی لیا۔ ہاں

البتہ مسیح آسمان کی طرف زندہ اٹھائے گئے تھے۔ قرب قیامت کے وقت ان کا اس دنیا میں

نزول ہو گا اور باقی ماندہ زندگی جب بسر کر لیں گے تو موت ان کو بھی آئے گی اور وہ بھی فوت

ہو جائیں گے۔ (مشکوٰۃ باب نزول عیسیٰ بن مریم فصل سوم)

بعض انبیاء کی موت کا تذکرہ:- اس عام اعلان کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کی

موت کا بالخصوص ذکر کیا ہے جیسا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ میں فرمایا

﴿ام کنتم شهداء اذ حضر یعقوب الموت﴾

(البقرہ: 133)

کیا تم اس وقت موجود تھے جب حضرت یعقوب کو موت آئی۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے بارہ میں فرمایا

﴿حتی اذا هلك﴾

(المؤمن: 34)

یعنی جب یوسف علیہ السلام فوت ہو گئے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے بارہ میں فرمایا

﴿فلما قضينا عليه الموت ما دلهم على موته الا دابة الارض﴾ (سورۃ السبا: 14)
جب ہم نے اس پر موت وارد کر دی تو جنوں کو اس کی موت کی خبر نہ ہوئی مگر زمین کے
کیڑوں نے

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں فرمایا کہ

﴿والسلام علی یوم ولدت ویوم اموت﴾ (مریم: 23)

مجھ پر سلامتی ہے جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن میں مروں گا

﴿وان من اهل الكتاب الا لیومنن به قبل موته﴾ (النساء: 159)

مسح کی موت سے پہلے ہر ایک اہل کتاب ان پر ایمان لائے گا

حضرت ابراہیم نے فرمایا کہ

﴿والذی یمیتی ثم یحییٰ﴾ (الشعراء: 81)

وہی اللہ ہے جو مجھے موت دے گا پھر زندہ کرے گا۔

خاتم النبیین سید المرسلین محمد ﷺ کی وفات:-

اللہ تعالیٰ نے عام انبیاء علیہ السلام کی وفات کے تذکرہ کے ساتھ رسول اکرم

ﷺ کا تذکرہ کیا ہے کہ وہ بھی وفات پا جانے والے ہیں۔

﴿وما جعلنا لبشر من قبلك الخلد افانئ مت فهم الخلد ون ☆ کل نفس ذائقة

الموت﴾ (الانبیاء: 34)

اور ہم نے آپ سے پہلے کسی بشر کے لیے ہیٹھلی نہیں بنائی۔ پس اگر آپ مرجائیں تو یہ ہمیشہ
رہیں گے ہر نفس نے موت کو چکھنا ہے۔

اس آیت میں آپ علیہ السلام اور تمام انسانوں کی موت کا تذکرہ یکجا کیا ہے کہ جیسے عام

انسانوں کو موت آتی ہے آپ کو بھی موت آجانی ہے۔ جس کی ضروری تفصیل ان الفاظ میں

بیان فرمادی کہ

﴿فَأَنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ عَلَىٰ عَقِبِهِ فُلن يُضْرَأَللہ
شیئا﴾

(آل عمران: 144)

کیا پس اگر آپ مرجائیں یا قتل کر دیے جائیں تو تم (مسلمانوں) اپنی ایزھیوں کے بل پھر
جاؤ گے اور جو شخص بھی اپنی ایزھیوں کے بل پھر جائے وہ اللہ کو کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا۔
﴿انک میت وانہم میتون﴾ (الزمر: 30)

بلاشبہ آپ (ﷺ) بھی فوت ہونے والے ہیں اور یہ بھی فوت ہونے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ
نے رسول اللہ ﷺ کی زبان اقدس سے یہ اعلان کروایا کہ
﴿قل ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی لله رب العلمین﴾

(الانعام: 163)

کہہ دو بلاشبہ میری نماز، میری قربانی، میری زندگی اور میرا امرنا اللہ کے لیے ہے جو تمام
جہانوں کا رب ہے۔

ان آیات نے رسول اللہ ﷺ کے بارہ میں واضح کر دیا کہ آپ ﷺ کو بھی موت آنے والی
ہے اور آپ ﷺ اس بارہ میں دوسرے انسانوں سے مستثنیٰ نہیں ہیں۔

موت آگئی

پھر وہ وقت آ گیا جب ان ارشاد ربانیہ کے عین مطابق آپ ﷺ پر بھی موت
کا وقت آ پہنچا۔ جس سے کسی بھی ذی روح کو مفر نہیں۔ آپ علیہ السلام کو حجۃ الوداع سے
واپس آئے ہوئے چند دن ہی گزرے تھے کہ طبیعت خراب رہنے لگی۔ علاج معالجہ کیا مگر
مرض بڑھتا گیا۔ غشی پر غشی طاری ہونے لگی اور بالآخر حیات مستعار کی آخری گھڑی آ پہنچی
جس کی تفصیل ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ

رسول اللہ ﷺ میری گود میں سر ٹپکائے ہوئے تھے قریب ہی پانی کا ایک پیالہ پڑا ہوا تھا آپ ﷺ پانی میں ہاتھ ڈالتے اور پھر اس ہاتھ کو چہرے پر پھرتے اور فرماتے جا رہے تھے۔

﴿لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ إِنْ لَمْ تُسْكِرْ﴾

بلاشبہ موت میں سختیاں ہیں۔ اسی حالت میں کہ آپ ﷺ ہاتھ کو اوپر اٹھایا ہوا تھا فرما رہے تھے۔

((فی الرقیق الاعلیٰ))

اسی اثناء میں آپ ﷺ کی روح مبارک قبض ہو گئی اور ہاتھ نیچے کو جھک گیا۔

(بخاری ص 640 ج 2)

چند لمحوں میں آپ ﷺ کی موت کی خبر پورے مدینہ میں پھیل گئی۔ جس سے شہر میں کہرام مچ گیا ایسے معلوم ہوتا تھا کہ پورے مدینہ کو تاریکی نے گھیرے میں لے لیا ہے۔ حضرت انسؓ اس منظر کی نقشہ کشی کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ کہ مدینہ شہر رسول اللہ ﷺ کی آمد کے دن روشن تھا مگر جس دن آپ ﷺ کی وفات ہوئی مدینہ کی ہر چیز تاریک تھی۔

(ترمذی ص 203 ج 2)

سیدنا ابو بکر صدیقؓ کا خطبہ اور صحابہ کا اجماع:- یہ سب صدے کی کیفیت تھی۔ عقیدت، محبت اور جذبات کے غلبے کا یہ عالم تھا کہ حضرت عمر فاروقؓ جیسے قوی دیہادر آدمی بھی کہنے لگے کہ جو شخص کہے گا کہ رسول اللہ ﷺ وفات پا گئے ہیں میں اس کی گردن اڑا دوں گا۔ (اللہ اکبر)

اسی اثناء میں حضرت ابو بکر صدیقؓ آپ ﷺ کی میت مبارک کے پاس پہنچے چہرہ انور سے چادر کو ہٹایا آنکھوں سے آنسوؤں کی بارش جاری ہے۔ چہرہ انور کی طرف جھکتے ہیں اور اسے بوسہ دیتے ہیں۔ درؤد فراق کا یہ عالم ہے اور فرماتے ہیں کہ

(لا یجمع اللہ علیک موتین ابدا اما الموتۃ التي کتب اللہ علیک فقدمتها)

اللہ تعالیٰ آپ ﷺ پر دو موتیں جمع نہیں کرے گا وہ موت اللہ نے جو آپ ﷺ پر لکھی تھی تو آپ ﷺ فوت ہو چکے ہیں۔

پھر حضرت عمر فاروقؓ ابھی صحابہ کرام سے باتیں کر رہے تھے کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے فرمایا عمر بیٹھ جائیے مگر حضرت عمر فاروقؓ نے بیٹھنے سے انکار کر دیا، تو حضرت ابو بکر صدیقؓ نے خطبہ دینا شروع کر دیا۔

صحابہ کرام حضرت عمر فاروقؓ کو چھوڑ کر حضرت ابو بکر صدیقؓ کی طرف آگئے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے فرمایا

﴿من كان منكم يعبد محمدًا فان محمداً اقدمت ومن كان يعبد الله عز وجل فان الله حي لا يموت قال الله عز وجل﴾

﴿و ما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل الى الشاكرين﴾

جو تم میں سے محمد رسول اللہ ﷺ کی عبادت کرتا ہے تو محمد ﷺ بلاشبہ فوت ہو چکے ہیں۔ اور جو اللہ کی عبادت کرتا ہے بلاشبہ اللہ تعالیٰ زندہ ہے۔ کبھی نہیں مرے گا پھر آپ نے یہ آیت پڑھی کہ نہیں محمد مگر اللہ کے رسول ان سے پہلے تمام رسول فوت ہو چکے ہیں۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے اس خطبہ کے بعد سب کو یقین ہو گیا کہ رسول اللہ ﷺ فوت ہو چکے ہیں۔ اور ہر ایک کی زبان پر

﴿و ما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل﴾

(ملخصاً بخاری ص 166 ج 1)

آیت تھی۔

کسی ایک صحابی نے بھی آپ ﷺ کی موت کا انکار نہیں کیا بلکہ تمام نے تسلیم کیا بلاشبہ تمام اکابر و اصغر صحابہ کرامؓ کا رسول اللہ ﷺ کی وفات پر اجماع تھا۔ منقول از عقیدہ اہل حدیث از حضرت استاذی المکرم

شان صدیق اکبر رضی اللہ عنہ:- حضرت ابو بکرؓ کا جگر کہاں سے لاؤں جنہوں نے آنحضرت ﷺ سے انتہائی عقیدت و محبت کے باوجود تمام صحابہ کرام کے سامنے بغیر کسی مصلحت

اور وقت کی نزاکت کے حقیقت کا اظہار کیا اور اپنی قوت ایمانی اور علوم نبویہ میں مہارت کی وجہ سے صحابہ کرام کا آنحضرت ﷺ کی وفات پر اجماع کرا دیا۔ بلاشبہ صدیق اکبرؓ نے جذبات و محبت اور فرط عقیدت کو قرآن و سنت کے تابع رکھا۔

حضرت صدیق اکبرؓ نے اللہ کی توفیق سے اس وقت امت مرحومہ کا حوصلہ بڑھایا جب صحابہ کرام اس دکھ کے پہاڑ کو سہنے سے عاجز آ گئے۔

حضرت صدیق اکبرؓ نے اس وقت امت مرحومہ کی راہنمائی فرمائی جب ان جیسے نڈر بے باک اور قرآن و سنت سے لبریز سینہ کی اشد ضرورت تھی۔ صدیق اکبرؓ نے عقیدہ حیاۃ النبی کو پاش پاش کر کے رکھ دیا؛ حضرت صدیق اکبرؓ نے وفات النبی ﷺ کے عقیدہ کو قرآن و سنت کی آہنی سلاخوں سے مضبوط و مستحکم کیا کہ تمام صحابہ کرام نے ان کی فراست ایمانی اور علوم نبوی کے امین ہونے کی گواہی دی اور آنے والے مبتدعین ان کے بیان کردہ دلائل کو توڑ نہ سکے، صدیق اکبرؓ نے اپنے مطاع ﷺ کے دین کی خوب آبیاری کی کہ کوئی کفر و شرک اور بدعت کی آندھی اس پودے کو اس کی جڑ سے اکھیڑ نہ سکی، وہ اپنے آقا ﷺ کے ساتھ جنت میں اسی طرح رہیں گے، جیسے وہ دنیا میں اپنے آقا ﷺ کے ساتھ تھے۔ اس سے بڑ کر ان کے لیے اور کوئی خوشی نہیں۔

حقیقت بدلنے کی کوشش:۔۔۔ قارئین کرام ان واضح نصوص اور اجماع صحابہ کرامؓ کو جھنگوی ٹولہ سدی جیسے کذاب و دجال راویوں کی من گھڑت روایات کے بل بوتے پر رد کرنے پر ادھار کھائے بیٹھا ہے۔ دعویٰ پوچھو تو اہل سنت ہے شرم ہے نہ حیا!

﴿اناللہ وانا الیہ راجعون﴾ دیوبند کا حیاتی ٹولہ خود کو حنفی باور کراتا ہے۔

مولانا اسماعیل سلفی مرحوم نے ایک بار انہیں مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا کہ ایسے اوہام کو عقیدہ کہنا بھی صحیح معلوم نہیں ہوتا۔ کتب عقائد (شرح عقائد نسفی) عقیدہ طاویہ، شرح العقیدہ الاصفہانیہ، عقیدہ صابونیہ وغیرہ) میں اس کا کوئی ذکر نہیں حالانکہ کتب عقائد کے سارے مشمولات کے مستقل عقیدہ کی حیثیت بھی محل نظر ہے۔ عقیدہ کے لیے

حسب تصریح متکلمین اور اشاعرہ و ماتریدہ قطعی دلائل کی ضرورت ہے۔ حیات انبیاء کی احادیث اسناد کے لحاظ سے اخبار احاد صحیح سے بھی فروتر ہیں۔ تحریک آزادی فکر ص 389 طبع مکتبہ نذیریہ لاہور)

کیا آٹھ رکعت تراویح اہل سنت کا مذہب نہیں؟

تھنگوی صاب فرماتے ہیں کہ اہل سنت میں تراویح سے کم کے قائل نہیں۔ جبکہ

غیر مقلد آٹھ کے قائل ہیں۔ (تحفہ اہل حدیث ص 54)

الجواب :- اولاً:- آٹھ رکعت نماز تراویح سنت صحیحہ سے ثابت ہے صحابہ کرام نے اسی پر عمل کیا ہے امام مالک نے اسے اختیار کیا ہے۔ متعدد حنفی بزرگوں نے آٹھ رکعت کو مسنون تسلیم کیا ہے۔ (جن کی تفصیل آگے آرہی ہے) تو کیا یہ تمام اہل سنت سے خارج ہیں؟ وضاحت کیجئے۔

ثانیاً:- احادیث صحیحہ سے آٹھ رکعت نماز تراویح ثابت ہے۔ امام ابو سلمہ رحمہ اللہ نے حضرت عائشہؓ سے سوال کیا کہ

(کیف كانت صلوة رسول الله ﷺ في رمضان فقالت ما كان يزيد في رمضان ولا في غيره على احدى عشرة ركعة)

(الحدیث)

یعنی رسول اللہ ﷺ کی رمضان المبارک میں نماز کیسی تھی؟ تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کہ آنحضرت ﷺ رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعات سے زیادہ نہ پڑھتے تھے۔ (الحدیث)

(بخاری ص 269 ج 1 و مسلم ص 254)

حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ

(صلی بئنا رسول الله ﷺ في شهر رمضان ثمان ركعات واوتر)

یعنی ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رمضان میں آٹھ رکعت نماز (تراویح) باجماعت پڑھی اور وتر بھی الحمدیث

(صحیح ابن حبان ص 564 ج 5 (رقم الحدیث 2406) وابن خزیمہ ص 138 ج 2 (رقم الحدیث 1070) و مسند یعلیٰ ص 326 ج 2 (رقم الحدیث 1796)

حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابی بن کعبؓ نبی ﷺ کے پاس آئے اور کہا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ آج رمضان کی رات میں میں نے ایک کام کیا ہے۔

(قال وماذاک یا ابی ؟ قال نسوة داری قلن انالانقرا القرآن فنصلی بصلاتک قال

فصلیت بہن ثمانی رکعات ثم اوترت قال فکان شبه الرضا ولم یقل شیئا)

نبی کریم ﷺ نے سوال کیا، تو حضرت ابی نے جواب دیا کہ گھر کی عورتوں نے کہا کہ ہم آج آپ (رضی اللہ عنہ) کا قرآن نماز (تراویح) میں سنیں گی۔ چنانچہ میں نے ان کو آٹھ رکعت (تراویح) پڑھائیں۔ اور وتر بھی یہ سن کر نبی ﷺ خاموش ہو گئے۔ اور کچھ نہ فرمایا۔ اور یہ آپ ﷺ کے راضی ہونے کی دلیل تھی۔

(صحیح ابن حبان ص 111 ج 5 (رقم الحدیث 2541) و مسند ابو یعلیٰ ص 326 ج 2 (رقم الحدیث 1795) و مسند احمد ص 115 ج 5 و طبرانی الاوسط ص 441 ج 4 (رقم الحدیث 3743)

علامہ حیشمی فرماتے ہیں کہ طبرانی کی سند حسن ہے۔ (مجمع الزوائد ص 77 ج 2)

اور تھنگوی صاحب کے استاد محترم مولانا سرفراز خاں صفدر فرماتے ہیں کہ

اگر علامہ حیشمی کو صحت اور سقم کی پرکھ نہیں تو اور کس کو تھی۔ (احسن الکلام ص 290 ج 1)

اس حدیث میں تقریری سنت کا بیان ہے اور آٹھ رکعت عدد کا بھی ذکر ہے۔

جاء:۔ مذکورہ مرفوع احادیث کے علاوہ اس پر حضرت عمر فاروقؓ کے دور خلافت میں عمل بھی

رہا۔ امام سائب بن یزید فرماتے ہیں کہ

(امر عمر بن الخطاب ابی بن کعب وتمیما الداری ان یقوم للناس باحدی عشرة رکعة)

یعنی حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت ابی بن کعب اور تمیم الداریؓ کو حکم دیا کہ لوگوں کو قیام رمضان کی گیارہ رکعات قیام (پڑھائیں) کرائیں۔ الحدیث (موطام مالک ص 98 و بیہقی ص 496 ج 2 و شرح معانی الآثار ص 202 علامہ نیوی مرحوم حنفی دیوبندی فرماتے ہیں کہ اس کی سند صحیح ہے۔ (آثار السنن ص 250) .

آٹھ رکعت تراویح کے مسنون ہونے پر علمائے احناف کی

شہادات

(۱) علامہ ابن ہمام حنفی المتوفی 681ھ فرماتے ہیں کہ

(فتحصل من هذا كله أن قيام رمضان سنة احدى عشر ركعة بالوتر في جماعة فعله عليه السلام ثم تركها)

یعنی اس تقریر سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ قیام رمضان جماعت کے ساتھ گیارہ رکعات سنت ہے وتر کے ساتھ اس قدر ہی رسول اللہ ﷺ نے رکعات پڑھیں پھر عذر کی وجہ سے ترک کر دیں (کہ کہیں فرض نہ ہو جائے)

(فتح القدیر ص 407 ج 1 طبع مکتبہ الرشیدیہ کوئٹہ)

اسی عبارت کو ملخصاً ابن نجیم نے البحر الرائق ص 67 ج 2 میں اور ابن عابدین نے منہ الخالق ص 67 ج 2 میں نقل کر کے سکوت کیا ہے۔

علامہ طحاوی فرماتے ہیں کہ

(ان النبي ﷺ لم يصلها عشرون بل ثمانيا)

یعنی رسول اللہ ﷺ نے بیس رکعات نماز تراویح نہیں پڑھی بلکہ آٹھ رکعت ادا فرمائی ہیں۔

(طحاوی علی در المختار ص 495 ج 1)

علامہ ابن عابدین فرماتے ہیں کہ

(ان مقتضی الدلیل کون المسنون منها ثمانية) یعنی دلیل کے اعتبار سے آٹھ رکعات نماز تراویح مسنون ہے اور باقی مستحب۔

(فتاویٰ شامی ص 45 ج 2)

ملا علی القاری حنفی فرماتے ہیں کہ

(ان التراویح فی الاصل احدی عشرة رکعة فعلة رسول الله ﷺ فيكون سنة فالعشرون مستحبا)

یعنی اصل میں نماز تراویح مع وتر گیارہ رکعات ہی مسنون ہے بیس رکعات مستحب ہیں۔

(حاشیہ مشکوٰۃ ص 115 واللفظ له ومرقاۃ ص 194 ج 3)

نواب قطب الدین حنفی فرماتے ہیں کہ

حضرت عمر کے عہد میں کبھی گیارہ یا بعضی راتوں میں قصد تہ (مشابہت) کا ساتھ حضرت ﷺ کے کیا ہو کہ حضرت سے گیارہ پڑھنی ثابت ہوئی ہیں۔

(مظاہر حق ص 421 ج 1 طبع نول کشور 1934ء)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی حنفی فرماتے ہیں کہ

(وكان بعض السلف في عهد عمر بن عبدالعزيز يصلون باحدى عشرة ركعة قصد التشبيه برسول الله ﷺ)

یعنی عمر بن عبدالعزیز کے عہد میں بعض سلف آنحضرت ﷺ کی مشابہت میں گیارہ رکعات نماز تراویح پڑھا کرتے تھے۔ (ماثبت بہ السنة ص 220)

علامہ عینی حنفی فرماتے ہیں کہ

(وقيل احدی وعشرة ركعة وهو اختيار مالك لنفسه واختيار ابوبكر بن العربي)

یعنی بعض کہتے ہیں کہ تراویح گیارہ رکعات ہے اور یہ امام مالک نے اپنے لیے اسی کو پسند کیا ہے

اور ابن العربی نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ (عمدة القاری ص 357 ج 5)

مفتی کفایت اللہ صاحب حنفی دیوبندی کے نائب مفتی جناب مولانا حبیب المرسلین حنفی دیوبندی فرماتے ہیں کہ

حدیث جابر رضی اللہ عنہ کی تراویح کے بارے میں صحیح ہے۔ لہذا آٹھ رکعت تراویح آنحضرت ﷺ کی سنت ہقیقہ ہے۔ (کفایت المفتی ص 352 ج 3)

نوٹ: مولانا نے بعد میں کسی مصلحت سے اس فتویٰ سے رجوع کر لیا تھا۔

حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ

اکثر روایتوں سے حضور کا آٹھ رکعتیں (تراویح) پڑھنا ثابت ہوتا ہے۔

(کفایت المفتی ص 363 ج 3)

مزید فرماتے ہیں کہ

حضرت ابی بن کعب اور تمیم داری کو حضرت عمرؓ نے گیارہ رکعت کا حکم دیا تھا۔

(ایضاً ص 351 ج 3)

جھنگوی صاحب صراحت کریں کہ آیا مذکورہ اشخاص اہل سنت میں داخل تھے یا نہیں؟ بالخصوص حضرت عمر فاروقؓ، جنہوں نے آٹھ رکعت پڑھانے کا حکم فرمایا۔ واضح رہے کہ حنفیہ کی طرف سے جو یہ روایت بیان کی جاتی ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ کے دور میں بیس رکعتیں پڑھی جاتی تھیں یہ روایت سنداً منقطع ہے۔ تفصیل کے لئے

(دین الحق ص 153 ج 1) کو کیجئے

کیا تراویح اور تہجد میں فرق ہے؟

جھنگوی صاحب فرماتے ہیں کہ

اہل سنت کے ہاں تہجد اور تراویح دو الگ الگ نمازیں ہیں۔ جبکہ غیر مقلدین اہل

حدیث کے ہاں تہجد اور تراویح ایک چیز ہے۔ (تحفہ اہل حدیث ص 56)

پہلے حدیث نقل کی جا چکی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے حضرت

ابو سلمہ نے سوال کیا کہ آنحضرت ﷺ کی نماز رمضان میں کیسی تھی۔ اس کے جواب میں حضرت عائشہؓ نے کہا کہ آنحضرت ﷺ رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعات سے زیادہ نہ پڑھتے۔

(بخاری ص 269 ج 1 و مسلم ص 254 ج 1)

حضرت عائشہؓ کے اس جواب سے ثابت ہوا کہ وہ تہجد اور تراویح کو ایک ہی قرار دیتی تھیں۔ ورنہ لازم آئے گا کہ حضرت عائشہؓ نے سائل کو جواب غلط دیا تھا۔ اور یہ باطل ہے علاوہ ازیں امام بخاری امام بیہقی (السنن الکبریٰ ص 495 ج 2) علامہ زیلعی حنفی (نصب الرایہ ص 153 ج 2) علامہ ابن ہمام حنفی (فتح القدیر ص 407 ج 1) علامہ حسن بن عمار الشرنبلالی حنفی (مراتی الفلاح ص 224) علامہ ابن نجیم حنفی نے (البحر الرائق ص 66, 67 ج 2) وغیرہ نے اس روایت کو تراویح کے ابواب میں ذکر کر کے یہ تسلیم کر لیا ہے کہ اس حدیث کا تعلق نماز تراویح کے ساتھ ہے اور حضرت عائشہؓ نے تہجد اور تراویح کو ایک قرار دیا ہے۔

مولانا انور شاہ کا شمیری مرحوم حنفی دیوبندی فرماتے ہیں کہ

یہ بات تسلیم کرنے کے سوا کوئی چارہ کار نہیں کہ نبی ﷺ کی تراویح آٹھ رکعت تھیں اور کسی ایک روایت سے بھی ثابت نہ ہو سکا کہ آپ ﷺ نے رمضان میں تہجد اور تراویح الگ الگ پڑھی ہوں۔ نبی ﷺ کے زمانہ میں تراویح اور تہجد کی رکعات میں کوئی فرق نہ تھا۔ بلکہ صفت اور وقت میں فرق تھا۔

(مترجماً العرف الشذی ص 282 ج 1)

اس بات کو حضرت شاہ صاحب نے فیض الباری ص 240 ج 2 میں مفصل طور پر لکھا ہے کہ تراویح اور تہجد ایک ہی چیز ہے۔ ان کی عبارت اور اس کی توضیح و تشریح کے لیے دین الحق ص 520 ج 1 کا مطالعہ کریں بلکہ حضرت مولانا عبدالحی لکھنوی نے مجموعۃ الفتاویٰ ص 329 ج 1 میں یہی موقف اختیار کیا ہے۔ جھنگوی ہمت کرے اور ان اکابر دیوبند کو اہل

سنت سے خارج ہونے کا اشتہار شائع کرے۔

کیا اہل حدیث قبر نبوی علیہ التحیۃ والسلام کی زیارت کو حرام سمجھتے ہیں؟

تھنگوی شرم و حیا کو بالائے طاق رکھ کر پورے جدم و یقین کے ساتھ غلط بیانی کرتے ہوئے تحریر کرتا ہے کہ اہل سنت حضور علیہ السلام کے روضہ کی زیارت کو ثواب سمجھتے ہیں جبکہ غیر مقلد اہل حدیث اسے حرام کہتے ہیں۔ (تحفہ اہل حدیث ص 54)

الجواب :- اولاً :- تھنگوی نے اہل حدیث کی طرف یہ منسوب کیا ہے کہ یہ روضہ اقدس کی زیارت کو حرام کہتے ہیں۔ ہم کہتے ہیں یہ غلط بیانی ہے تھنگوی اور اس کے رفقاء اور مشیر جنہوں نے اس کتاب کی تالیف میں بڑے بڑے قیمتی مشورے دیئے اور مصنف کی خوب پیٹھ ٹھونکی ہے وہ سب مل کر اور پوری کوشش کر کے اس انکشاف کا ثبوت دکھادیں ورنہ (لعنة الله على الكاذبين) کی وعید سے ڈر جائیں۔

امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ

(وان كان المسافر الى مسجده يزور قبره ﷺ بل هذا من افضل الاعمال الصالحة)

یعنی اگر مسافر مسجد نبوی کی طرف جائے تو آپ ﷺ کی قبر کی زیارت کرے بلکہ یہ افضل اعمال صالحہ سے ہے۔

(مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ ص 330 ج 27)

حانیاً :- ہاں البتہ اہل حدیث کے نزدیک خاص قبر اطہر کی زیارت کے لیے سفر جائز نہیں بلکہ سفر میں نیت مسجد نبوی کی زیارت کی کرنی چاہیے۔ اور وہاں جا کر قبر نبوی علیہ السلام کی زیارت کرنا مستحب اور عمل حسنہ ہے۔ اور اس پر متواتر احادیث ہیں۔ مثلاً حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ

(لا تشد الرحال الا الى ثلثة مساجد المسجد الحرام ومسجد الاقصیٰ ومسجدی
(الحديث

یعنی ثواب کی نیت سے سفر نہ کیا جائے مگر تین مساجد کی طرف 'بیت اللہ' مسجد اقصیٰ اور
میری مسجد (یعنی نبوی)

(بخاری ص 159 ج 1 و مسلم ص 433 ج 1)

اس حدیث کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عام ہی سمجھا ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ
طور سے واپس آئے تو لا تشد الرحال کی حدیث کے راوی حضرت بصرہ بن ابی بصرہ الغفاری
رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہاں سے آئے؟ تو حضرت ابو ہریرہؓ نے جب بتایا تو حضرت بصرہؓ کہنے
لگے کہ

(لولقتك من قبل ان تاتيه لم تاتيه لم تاتيه قلت له ولم؟ قال انى سمعت رسول الله ﷺ يقول
لا تعمل المطى الا الى ثلثة مساجد المسجد الحرام ومسجدى ومسجد بيت
المقدس) (الحديث)

اگر تم مجھ سے طور پر جانے سے پہلے ملتے تو وہاں نہ جاتے۔ میں (ابو ہریرہؓ) نے
کہا کیوں؟ انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے آپ علیہ السلام فرماتے تھے
نہ سفر اختیار کیا جائے مگر تین مساجد کی طرف ایک مسجد حرام، دوسری میری مسجد اور تیسری
مسجد بیت المقدس۔

(الحديث) (سنن نسائی (مجتبى) ص 168 ج 1) (رقم الحديث 1431) والسنن الكبرى
للنسائی ص 540 ج 1) (رقم الحديث 1754) و موطا امام مالک ص 92 و مسند احمد ص 7 ج
6 و مشکل الآثار للطحاوی ص 242 ج 1، طبع مجلس دار النظام ہند) و مسند ابو داؤد طیالسی
(1348, 2506) و طبرانی کبیر ص 276 ج 2 و طبرانی الاوسط ص 378 ج 3 و التمهيد لمبانی
الموطا من المعانی والاسانید ص 36 ج 23)

علامہ البانی نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے، ارواء الغلیل ص 228 ج 3

اس صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام نے حدیث 'لا تشد الرحال' کو عام سمجھا تھا جس سے ثابت ہے کہ ان تین مساجد کے علاوہ کسی اور مقام کی زیارت زیادتی ثواب کی غرض سے سفر کرنا جائز نہیں ہے۔ اس ساری تفصیل سے یہ بات ثابت ہوئی کہ اہل حدیث کے نزدیک روضہ نبوی ﷺ کی زیارت تو مستحب اور اعمال حسنہ سے ہے۔ البتہ سفر کرتے وقت مسجد نبوی کی زیارت کی نیت کرنی چاہیے اور وہاں جا کر جہاں مسجد نبوی کی زیارت کرنی چاہئے روضہ رسول کی بھی زیارت کر لینی چاہئے۔

امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ

حج سے پہلے یا بعد جب مدینہ میں داخل ہو تو مسجد نبوی میں آئے اور وہاں نماز پڑھے وہاں ایک نماز پڑھنے کا ثواب ایک ہزار نماز سے زیادہ ہے الحدیث اور تشد رحال نہ کرے مگر مسجد نبوی، مسجد حرام اور مسجد اقصیٰ کی طرف جیسا کہ بخاری ص 168 ج 1 و مسلم ص 1 میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے.....

پھر نبی ﷺ پر درود پڑھے اور ان کے صاحبین (ابو بکرؓ و عمرؓ) پر سلام کہے کیونکہ آپ علیہ السلام کا فرمان ہے کہ

جس شخص نے مجھ پر درود پڑھا تو اللہ تعالیٰ میری روح کو لوٹا دیتا ہے اور اسے جواب دیتا ہوں۔
- ابو داؤد

حضرت عبداللہ بن عمر جب مسجد نبوی میں داخل ہوتے تو فرماتے کہ

(السلام عليك يا رسول الله، السلام عليك يا ابا بكر، السلام عليك يا ابا بکر، السلام عليك يا ابا بکر):

پھر واپس پلٹ آتے اسی طرح تمام صحابہ کرام کرتے تھے۔

(مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ ص 146 ج 26)

مولانا محمد بشیر صاحب سہوانی مرحوم فرماتے ہیں کہ

(لانزاع فی نفس مشروعیة زیارة قبر نبینا ﷺ واما ما نسب الی شیخ

السلام ابن تیمیہ من القول بعدم مشروعیة زیارة قبر نبینا ﷺ فافتراء)

یعنی شرعی طریقہ پر آنحضرت ﷺ کی قبر اطہر کی زیارت کرنے میں قطعاً کوئی نزاع نہیں ہے اور اس بارہ میں علامہ ابن تیمیہ پر یہ محض جھوٹا بہتان ہے کہ قبر نبوی ﷺ کی زیارت کو ناجائز کہتے تھے۔

(صیۃ الانسان ص 3)

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ زیارت میں اختلاف نہیں بلکہ سفر کی نیت میں اختلاف ہے۔ مگر جھنگوی صاحب غلط بیانی کرتے ہوئے ذرا بھرجیا نہیں کرتے۔ ہم انہیں چیلنج کرتے ہیں کہ جو بات آپ نے لکھی ہے اس کا ثبوت دیں ورنہ یاد رکھے غلط بیانی کرنا مومن کی شایان شان نہیں بلکہ منافقت کی علامت ہے و اذا احدث کذب۔ اللہ سمجھ اور ہدایت عطا کرے۔ آمین

کیا فوت شدہ سنتے ہیں؟

جھنگوی صاحب فرماتے ہیں کہ اہل سنت نبی ﷺ کی سماع عند القبر ذرود و سلام

کے قائل ہیں جبکہ غیر مقلد منکر ہیں۔ (تحفہ اہل حدیث ص 64)

الجواب:- اولاً:- کتب عقائد وغیرہ سے یہ ثابت کیجیے اہل سنت کا مذہب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی قبر پر جو ذرود و سلام پڑھا جاتا ہے اسے آنحضرت ﷺ براہ راست اور بلا واسطہ کے سنتے ہیں؟ پھر قرآن کریم کی کوئی نص یا حدیث صحیح، صریح، مرفوع، متصل پیش کیجیے جس کا یہ معنی ہو کہ قبر نبوی پر جو ذرود پڑھا جاتا ہے اسے آنحضرت ﷺ عادتاً سنتے ہیں۔ اگر آپ ایسی کوئی آیت قرآن سے دکھادیں یا حدیث نبوی ثابت کر دیں تو ہم قبول کرنے کے لیے تیار ہیں ورنہ عقائد فاسدہ کو اہل سنت کا عقیدہ کہتے ہوئے اللہ کا خوف کیجیے۔

ثانیاً:- ارشاد ربانی ہے کہ

﴿ان الله يسمع من يشاء وما انت بمسمع من في القبور﴾

(سورۃ الفاطر: 24)

اللہ تعالیٰ جسے چاہے سناے اور آپ قبر والوں کو نہیں سنا سکتے۔ (22-35)

﴿انك لاتسمع الموتى ولا تسمع الصم الدعاء اذا ولوا مدبرين﴾

(النمل: 80)

آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے اور نہ بہروں کو جب پیٹھ موڑ کر جا رہے ہوں۔ (27-80)
اسی مضمون کی آیت سورت الروم (آیت 52) میں بھی موجود ہے۔
یہ آیات قرآن گواہ ہیں کہ جو شخص فوت ہو کر عالم برزخ میں جا چکا ہے وہ اہل دنیا کی کوئی بات سننے پر قادر نہیں ہے۔

مثلاً:۔۔ سماع موتی کا مسئلہ صحابہ کرام سے لے کر تاحال مختلف فیہ ہے جس کا اعتراف مولانا غلام اللہ صاحب نے 'جوہر القرآن' ص 902 ج 2 میں 'مفتی محمد شفیع صاحب نے معارف القرآن ص 602 ج 6 میں 'مولانا شبیر احمد عثمانی صاحب نے تفسیر عثمانی ص 545 میں اور مولانا اشرف علی تھانوی نے 'امداد الفتاویٰ ص 437 ج 5 میں کیا ہے اور اس بات پر متعدد دلائل بھی موجود ہیں 'سوال یہ ہے کہ

جس قدر صحابہ کرام سماع موتی کے منکر تھے؟ بالخصوص ام المومنین حضرت عائشہؓ (بخاری ص 567 ج 2) تو کیا یہ اہل سنت سے خارج تھے۔

جھٹکوی پورے وثوق سے اپنے (نصرة العلوم کے) ٹولہ سمیت اس کی وضاحت کرے۔
رابعاً:۔۔ علماء حنفیہ عدم سماع کے قائل ہیں۔ جیسا کہ فتح القدر اور فتاویٰ شامی میں صراحت ہے اگر عربی عبارت سمجھنے سے قاصر ہوں تو (کفایت المفتی ص 194 ج 1) کا مطالعہ کر لینا۔ جہاں حضرت مولانا کفایت اللہ صاحب نے سماع موتی کا انکار کر کے حنفیہ کا مسلک بھی یہی بتایا ہے اور فتاویٰ شامی سے عبارت بھی نقل کی ہے۔

مزید تسلی و تشفی کے لیے (جوہر القرآن ص 904 ج 2) کو بھی ایک نظر دیکھ لینا کہ شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خاں صاحب مرحوم دیوبندی نے یہ ثابت کیا ہے کہ مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی، مولانا محمد انور شاہ کاشمیری، مولانا شبیر احمد عثمانی، عدم سماع کے قائل تھے۔ جھٹکوی اہمیت کرے اور مذکورہ علمائے دیوبند کے اہل سنت سے خارج ہونے کا فتویٰ صادر

کرے اور اس فتویٰ کی تصدیق مولانا سرفراز خاں صاحب صدر سے بھی کرا دے تو ہم مان جائیں گے کہ واقعی مولانا کفایت اللہ صاحب، رشید احمد گنگوہی صاحب، انور شاہ کاشمیری، شبیر احمد عثمانی صاحب وغیرہ بوجہ سماع موتی کے انکار کے اہل سنت سے خارج اور فرقہ ضالہ میں داخل تھے۔

کیا بھینس اور گھوڑے کی قربانی جائز ہے؟

جھنگوی صاحب فرماتے ہیں کہ اہل سنت بھینس کی قربانی جائز سمجھتے ہیں جبکہ غیر مقلد اہل حدیث حرام سمجھتے ہیں۔ اہل سنت گھوڑے کی قربانی حرام سمجھتے ہیں جبکہ غیر مقلد اہل حدیث حلال سمجھتے ہیں۔

(تحفہ اہل حدیث ص 54)

الجواب :- اولاً :- بھینس کی قربانی پر اہل حدیث میں اختلاف کے ضمن میں، بھینس کی قربانی کے زیر عنوان تفصیل آرہی ہے اور گھوڑے کی حلت پر بحث مذہب اہل مدینہ اور اہل حدیث کے سلسلہ میں، گھوڑے کی حلت و حرمت کے عنوان سے آگے ان شاء اللہ آرہی ہے ان دونوں مسائل کو وہاں سے ہی دیکھ لیا جائے۔

ثانیاً :- ہم نے زندگی میں جھنگوی سے زیادہ کوئی کاذب نہیں دیکھا۔ غالباً جھنگوی اہل حدیث کے خلاف جھوٹ لکھنا جائز سمجھتا ہے۔ جس کی وجہ سے یہ کذب و افتراء اور غلط بیانی کرتے ہوئے کوئی شرم و حیا محسوس نہیں کرتا۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ کسی اہل حدیث نے گھوڑے کی قربانی کا فتویٰ نہیں دیا۔ اگر جھنگوی کے قول میں صداقت ہے تو وہ ہمت کرے اور اپنے رفقاء سمیت مل کر سر توڑ کوشش کر کے کسی اہل حدیث مفتی کا فتویٰ دکھائے ورنہ اللہ کا خوف کرے اور اپنے احوال کو درست کرے اور اہل حق کی مخالفت ترک کر دے۔

جھنگوی کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث

(نحرننا علی عهد رسول اللہ ﷺ فاكلناه)

(بخاری ص 829 ج 2 و مسلم ص 150 ج 2)

سے اشتہار ممکن تھا کہ گھوڑے کی قربانی جائز ہے۔ مگر تمام شارحین حدیث نے اس کا معنی ”الذبح“ کیا ہے۔ اگر آپ کو اعتبار نہ ہو تو علامہ شوکانی کی تالیف ’(نیل الاوطار ص 117 ج 8) اور (السراج الوہاج ص 278 ج 2 ملتو اب صدیق الحسن خاں محدث قزوچی کا مطالعہ کر لیں۔

علمائے اہل حدیث کا یہاں ”نحر“ کا معنی ”الذبح“ کرنا اس بات کی قوی دلیل ہے کہ علمائے اہل حدیث گھوڑے کی قربانی کو جائز نہیں جانتے۔ علمائے اہل حدیث میں سب سے کچا سلفی علامہ وحید الزمان ہے اس نے بھی اس کا معنی ذبح ہی کیا ہے۔

(تیسیر الباری ص 355 ج 5 طبع امجد اکیڈمی لاہور)

گزارشات کا مقصد یہ ہے کہ یہی مقام تھا کہ کسی سلفی کو وہم ہو سکتا تھا کہ گھوڑے کی قربانی جائز ہے مگر شارحین حدیث نے اس کا معنی ذبح کر کے اس احتمال کو رد کر دیا۔ مگر افسوس کہ جھٹکوی کو جھوٹ کا ایسا چرکا پڑا ہے کہ اس کی عادت مبارکہ بن چکی ہے۔ اللہ اسے سمجھ اور ہدایت دے اور کذب و افتراء کرنے کی عادت سیئہ کو ترک کرنے کی توفیق عنایت کرے۔ ہم تو فقیرانہ دعا ہی کر سکتے ہیں جھٹکوی کی بری عادت بدلنا ہمارے بس میں نہیں۔

نماز میں مصحف سے قراۃ قرآن کا مسئلہ

جھٹکوی صاحب ارشاد فرماتے ہیں کہ اہل سنت نماز میں قرآن شریف کو دیکھ کر پڑھنا ناجائز سمجھتے ہیں جبکہ غیر مقلد صحیح سمجھتے ہیں۔ (تحفہ اہل حدیث ص 54)

الجواب :- اولاً :- جھٹکوی صاحب نے تحفہ اہل حدیث کے صفحہ 53 پر لکھا ہے کہ اہل سنت صحابہ کرام کو معیار حق سمجھتے ہیں۔ انھیں بلفظہ اور زیر بحث مسئلہ پر ام المؤمنین حضرت عائشہ کا عمل تھا۔

(ان عائشہ كانت تقرأ فی المصحف وہی تصلى)

یعنی حضرت عائشہؓ نماز میں قراۃ مصحف (قرآن) سے دیکھ کر کرتی تھیں۔

(مصنف عبدالرزاق ص 420 ج 2) (رقم الحدیث 3930)

صحیح بخاری میں ہے کہ

(كانت عائشةؓ يومها عبدها ذكوان من المصحف)

یعنی حضرت عائشہؓ کا غلام ذکوان قرآن سے دیکھ کر ان کی امامت کراتا تھا۔

(صحیح بخاری ص 96 ج 1)

امام ابی بکر بن ابی ملیکہ فرماتے ہیں کہ

(ان عائشه اعتقت غلاما لها عن دبر فکان يؤمها فی رمضان فی المصحف)

یعنی حضرت عائشہؓ کا ایک غلام تھا جسے بعد ازاں آپؐ نے آزاد کر دیا تھا وہ حضرت عائشہؓ کی رمضان المبارک میں امامت کراتا تھا اور قراۃ قرآن مصحف (قرآن) سے دیکھ کر کراتا تھا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص 338 ج 2 وفتح الباری ص 147 ج 2 و کتاب المصاحف)

لابن ابی داؤد ص 192)

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ اس اثر کی سند صحیح ہے۔ (تغلیق التعلیق ص 291 ج 2)

امام ابن شہاب الزہری رحمہ اللہ سے سوال ہوا کہ قرآن میں دیکھ کر امامت کا کیا حکم ہے؟

(قال ما زالوا يفعلون ذلك منذ كان الاسلام كان خيارنا يقرؤن فی

المصاحف)

یعنی ابتداء اسلام سے ہی علماء قرآن مجید دیکھ کر (امامت) کراتے رہے جو ہمارے بہتر تھے۔

(قیام اللیل ص 168 طبع مکتبہ اثریہ)

امام سعد، امام سعید بن مسیب، امام حسن بصری، امام محمد بن سرین، امام یحییٰ بن

سعید انصاری، امام مالک، امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ عنہم تمام کے تمام اس کے جواز کے قائل

ہیں۔ تفصیل کے لیے دیکھیے

(قیام اللیل ص 168 و مصنف ابن ابی شیبہ ص 338 ج 2 و مصنف عبدالرزاق ص 420 ج 2)

تھنگوی صراحت کرے مذکورہ صحابہ و تابعین کا گروہ فقہاء مدینہ اور اخیار امت امام احمد بن حنبل اور امام مالک جیسے لوگ اہل سنت میں داخل ہیں یا خارج؟ اگر تھنگوی ان کو اساطین اہل سنت میں شمار کرتا ہے تو اہل حدیث کو کیوں خارج سمجھتا ہے؟

اس ساری تفصیل سے معلوم ہوا کہ مذکورہ مسئلہ میں اختلاف کی وجہ سے تھنگوی کا اہل حدیث کو اہل سنت سے خارج سمجھنا اس کی جہالت ہے۔

ثانیاً:- جیسے مختار بن عبید ثقفی نے محبت اہل بیت کی آڑ میں نبوت کا دعویٰ کیا۔ جس کی تفصیل علامہ شہرستانی نے (کتاب الملل والنحل ص 132 ج 1) میں بیان کی ہے۔ شیعہ نے محبت علی مرتضیٰ میں صحابہ کرام پر تبر اور سب و شتم کو اپنا شعار بنا لیا ہے، ایسے ہی حنفیہ نے نقاہت کی آڑ میں قرآن سے دشمنی کی ہے۔

دو عدد مثالیں ملاحظہ کریں علامہ زین بن نجیم حنفی المتوفی 971ھ لکھتا ہے کہ

(ولو نظر المصلی الی المصحف وقرأ منه فسدت صلاته لالی فرج امرأه
بشهوة لان الاول تعلیم وتعلم فیها لالثانی)

اور اگر کوئی نمازی قرآن دیکھ کر اس سے قرأت کرے تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی اور اگر کسی عورت کی شرمگاہ شہوت سے دیکھ لے تو نماز باطل نہ ہوگی کیونکہ قرأت تعلیم و تعلم کے متعلق ہے اور شرمگاہ دیکھنا تعلیم نہیں ہے۔

(الاشباہ والنظائر ص 224 طبع ایچ ایم سعید کراچی ومع شرح حموی ص 317 ج 2)

اس بدترین اور گندی مثال سے قارئین کرام خود ہی اندازہ لگائیں کہ فقہاء احناف کے دل میں قرآن کا ادب و احترام کس حد تک تھا۔

آداب و احترام کی ٹھیکے داری اور نقاہت کی علم برداری کا دعویٰ کرنے والے گروہ کے نزدیک عورت کی شرمگاہ شہوت سے دیکھنے سے نماز باطل نہیں ہوتی مگر مصحف سے تلاوت قرآن کو یہ حضرات ناجائز و حرام اور نماز کے باطل ہونے کا مؤقف رکھتے ہیں۔

اس سلسلہ میں دوسری حیا سوز اور فقہ حنفی کا بدترین مسئلہ بھی ملاحظہ کیجیے

فتاویٰ قاضی خاں میں لکھا ہے

(والذی رعت فلا یرقادمہ فاراد ان یکتب بدمہ علی جہتہ شیثا من القرآن قال ابو بکر الاسکاف یجوز قیل لو کتب بالبول قال لو کان فیہ شفاء لابس بہ)

یعنی اگر کسی کی تکمیر بند نہ ہوتی ہو تو اس نے اپنی جبین پر (تکمیر کے) خون سے قرآن میں سے کچھ لکھنا چاہا تو ابو بکر اسکاف نے کہا ہے یہ جائز ہے۔ اگر وہ پیشاب سے لکھے تو اس نے کہا اگر اس میں شفا ہو تو کوئی حرج نہیں۔

(فتاویٰ قاضی خاں علی حاشیہ فتاویٰ عالمگیری ص 404 ج 3 کتاب الحظر والاباحۃ) یہی فتویٰ فقہ حنفی کی معروف کتاب (فتاویٰ سراجیہ ص 75 والبحر الرائق ص 116 ج 1 وجمومی شرح الاشباہ والنظائر ص 108 ج 1 باب القاعدہ الخامسۃ الضرر لا یزال، وفتاویٰ شامی ص 210 ج 1 باب الحدای بالحرّم) وغیرہ کتب فقہ حنفی میں چوتھی صدی سے لے کر بارہویں صدی تک متداول رہا ہے بلکہ فتاویٰ عالمگیری میں لکھا ہے کہ

(فقد ثبت ذلك فی المشاہیر من غیر انکار)

یعنی مشاہیر میں یہ فتویٰ بلا انکار ثابت ہے۔ (فتاویٰ عالمگیری ص 356 ج 5 کتاب الکرہیۃ باب الحدای والمعالجات)

عالمگیری کی اس عبارت سے ثابت ہو کہ فقہا احناف کا یہ مفتی بہ فتویٰ ہے۔ بریلوی مکتب فکر کے معروف مترجم مولوی غلام رسول سعیدی نے کھل کر فقہاء کے ان فتاویٰ کی تردید کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

میں کہتا ہوں کہ خون یا پیشاب کے ساتھ سورہ فاتحہ لکھنے والے کا ایمان خطرہ میں ہے۔ اگر کسی آدمی کو روز روشن سے زیادہ یقین ہو کہ اس عمل سے اس کو شفا ہو جائے گی تب بھی اس کا مر جانا اس سے بہتر ہے کہ وہ خون یا پیشاب کے ساتھ سورہ فاتحہ لکھنے کی جرأت کرے۔ اللہ تعالیٰ ان فقہاء کو معاف کرے جو پال کی کھال نکالنے اور جزئیات مستبط کرنے کی

عادت کی وجہ سے ان سے یہ قول شنیع سرزد ہو گیا اور نہ ان کے دلوں میں قرآن مجید کی عزت و حرمت بہت زیادہ تھی۔

(شرح صحیح مسلم ص 557 ج 6 طبع فرید بک سٹال لاہور 1995ء)

سعیدی صاحب کی اس ہمت مردانہ اور جرأت رندانہ کی داد دیتے ہوئے عبدالحجید شر قپوری بر سٹل برطانیہ فرماتے ہیں کہ

فقہ کی ایک کتاب (نہیں بھائی تقریباً نصف درجن ابو صہیب) میں لکھا ہے کہ علاج کی غرض سے خون یا پیشاب کے ساتھ سورہ فاتحہ کو لکھنا جائز ہے۔ راقم الحروف نے اکثر علماء سے اس کے متعلق پوچھا مگر چونکہ یہ بات بڑے بڑے فقہاء نے لکھی ہے اس لیے سب نے اس مسئلہ پر سکوت اختیار کیا ہے۔ علامہ سعیدی نے پہلی بار اس جمود کو توڑا۔

(شرح صحیح مسلم بعنوان تاثرات صفحہ 66 جلد اول الطبع الخا مس 1995ء)

یہی ہم نماز میں مصحف سے دیکھ کر قرآء کے سلسلہ میں عرض کرتے ہیں کہ بھائی شرم گاہ تو ایک انسانی عضو ہے قرآن اللہ کا کلام ہے لہذا اس باطل و مردود فتویٰ کی تردید کرتے ہوئے نماز کو فاسد و باطل کہنے سے توبہ کر لیجئے اور صحابہ کرام کو معیار حق تسلیم کرتے ہوئے نماز میں مصحف سے قرأت کے جواز کو تسلیم کر لیجئے اور فقہاء کو معصوم عن الخطاء جان کر منہ اٹھا کر ان کے پیچھے نہ لگ جائیے ان کی صحیح بات کو قبول کیجئے اور غلط بات کی تردید کر دیجئے۔

الغرض جیسے سعیدی صاحب نے مذکورہ جمود کو توڑتے ہوئے حق بات کہہ دی ہے آپ بھی اس کی ہمت کریں اور پوری فقہ حنفی پر نظر ثانی کریں اور کھرے کھوٹے کو الگ کر کے اپنی اخروی زندگی کے لیے ذخیرہ جمع کر لیں اللہ آپ کو توفیق دے۔ اگر اتنے جری و دلیر نہیں تو حنفی فقہ کو کلی خیر باد کہہ کر قرآن و سنت کو اپنا لیجئے میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ یہ شاہراہ بہشت ہے۔

کیا جنبی تلاوت قرآن کر سکتا ہے؟

تھنگوی صاحب فرماتے ہیں کہ اہل سنت کے ہاں جنبی عورت قرآن شریف نہیں پڑھ سکتی۔ غیر مقلد اہل حدیث کے ہاں پڑھ سکتی ہے۔ (تحفہ اہل حدیث ص 54)
الجواب :- اولاً :- تھنگوی صاحب کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ حنفیہ کے نزدیک جنبی مرد قرآن پڑھ سکتا ہے ورنہ عورت کی تخصیص کے چہ معنی۔

ثانیاً :- خود مبتدعین کے نزدیک جنبی و حائضہ حدیث و تفسیر اور تمام ذکر و اذکار کر سکتے ہیں۔
(احسن الفتاویٰ ص 36 ج 2 و کفایت المفتی ص 253 ج 2)

بلکہ اگر قرآن کو بھی دعا کی نیت سے پڑھے تو جائز ہے۔ مولانا تھانوی فرماتے ہیں کہ جنب و حائض کے پڑھنے میں یہ تفصیل ہے کہ بہ نیت قرآن کے پڑھنا جائز نہیں بہ نیت دعاء کے پڑھنا جائز ہے۔

(امداد الفتاویٰ ص 93 ج 1 مزید دیکھئے خیر الفتاویٰ ص 90 ج 2)

الغرض حنفیہ کی شاخ دیوبندیوں کے نزدیک بھی بہ نیت دعا قرآن پڑھ سکتا ہے۔ جو تمام متداول فقہ حنفی کی کتب میں موجود ہے مثلاً دیکھیے (ہدایہ، فتح القدر، در مختار، رد المحتار، البحر الرائق، فتاویٰ عالمگیری، حللی کبیر، شرح وقایہ، باب الحيض والاستحاضة)

پھر اس کی جو دلیل عنایت کی جاتی ہے وہ آپ بھی پڑھ لیں۔ مولانا لکھنوی فرماتے ہیں کہ

(لان الفاظ القرآن تتغير عن القرآنية باختلاف النية)

اس لیے کہ نیت کے اختلاف سے الفاظ قرآن متغیر ہو جاتے ہیں۔

(عمدة الرعاية ص 116 ج 1 طبع ایچ ایم سعید کراچی)

اناللہ وانا الیہ راجعون گویا ان فقہ کے ٹھیکے داروں کے نزدیک اگر سورہ فاتحہ کو دعا کی نیت سے پڑھا جائے تو جائز ہے، لیکن تلاوت کی نیت سے پڑھا جائے تو ناجائز ہے کیونکہ الفاظ سورہ فاتحہ متغیر ہو جاتے ہیں۔

مثلاً:- جنبی و حائضہ کے لیے کتنی مقدار میں تلاوت ناجائز ہے۔ امام کرخی کی روایت کے مطابق مطلقاً جائز نہیں۔ صاحب ہدایہ، علامہ نسفی اور ابن نجیم نے اسی کو اختیار کیا ہے اور صاحب بدائع نے فرمایا۔

(وعلیہ عامة المشائخ)

دوسری روایت امام طحاوی کی ہے انہوں نے مادون الایة کی تلاوت کو جائز قرار دیا ہے اس کو فخر الاسلام بزدوی نے اختیار کیا ہے اور صاحب خلاصہ نے فرمایا (وعلیہ الفتویٰ) یعنی فتویٰ اسی پر ہے۔ (درس ترمذی ص 373 ج 1)

مبتدعین جن دلائل سے قرأت کی ممانعت ثابت کرتے ہیں ان سے علی الاطلاق ممانعت ثابت ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صاحب ہدایہ نے روایت نقل کر کے کہا ہے کہ یہ طحاوی پر حجت ہے۔

(ہدایہ مع فتح القدیر ص 148 ج 1)

جھنگوی صاحب صراحت کریں کہ امام طحاوی اہل سنت سے ہیں یا نہیں؟
رابعاً:- ابن عباسؓ، سعید بن جبیر، سعید بن مسیب، امام ربیع بن عبد الرحمن، امام مالک، امام بخاری، امام طبری، امام ابن منذر اور امام داؤد کے نزدیک قرأت مطلق جائز ہے۔

(درس ترمذی ص 373 ج 1، وحاشیہ اعلاء السنن ص 375 ج 1 و معارف السنن ص 445 ج 1)

1، بخاری ص 44 ج 1 والاوسط لابن منذر ص 99 ج 2 و معالم السنن ص 77 ج 1)

جھنگوی ان کے متعلق بھی فیصلہ کرے کہ یہ تمام ائمہ اہل سنت میں داخل ہیں یا خارج؟

خامساً:- جن روایات سے عدم قرأت ثابت کی جاتی ہے وہ تمام کی تمام ضعیف و معلول ہیں اور ان میں سے کوئی بھی درجہ حسن کو نہیں پہنچتی۔ تفصیل کے لیے (تحفہ الاحوذی ص 124 ج 1 و نصب الرایہ ص 197 ج 1، و ارواء الغلیل ص 241 ج 2 کی مراجعت کریں۔

لیکن اس کے باوجود ہم عرض کرتے ہیں کہ ہماری تحقیق یہی ہے کہ ادب و احترام کا تقاضا ہے کہ حالت جنابت اور حیض میں تلاوت قرآن کرنا جائز نہیں خواہ ایک آیت ہو یا اس سے کم

و بیش ہو۔

یہی مؤقف محدث مبارکپوری نے (تحفۃ الاحوذی ص 124 ج 1) میں اختیار کیا ہے اور حافظ عبداللہ روپڑی مرحوم کا بھی یہی نظریہ ہے۔

(فتاویٰ اہل حدیث ص 263 ج 1)

حضرت عمر فاروقؓ جنابت کی حالت میں تلاوت قرآن کو مکروہ سمجھتے تھے۔ مصنف عبدالرزاق ص 337 ج 1 و مصنف ابن ابی شیبہ ص 102 ج 1 و بیہقی ص 89 ج 1، حافظ ابن حجر نے، اٹلخیص ص 138 ج 1 میں اس اثر کو صحیح کہا ہے الغرض احتیاط کا پہلو یہی ہے کہ جنابی و حائضہ تلاوت قرآن نہ کرے۔

سادساً:- اگر کہا جائے کہ بہر حال بعض علمائے اہل حدیث کا جواز پر فتویٰ ہے تو عرض ہے کہ جب یہ مسئلہ خیر القرون سے ہی مختلف فیہ ہے صحابہ و تابعین اور امت مرحومہ کے جلیل القدر اساطین میں بعض اس کے قائل ہیں اور بعض مکروہ کہتے ہیں تو پھر اس جزوی و فروعی اختلاف کی بنا پر جھنگوی کس کس کو اہل سنت سے خارج قرار دے کر اپنے علم و فہم کا حدود اربعہ معلوم کرائے گا۔

سابعاً:- امام ابن حزم رحمہ اللہ نے (المحلی ص 95 ج 1) میں حنفیہ کے مؤقف پر بڑا چچا تلامبرہ کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ جو لوگ جنابی اور حائضہ کو آیت یادون لآیتہ کی تلاوت کا کہتے ہیں ان کے قول پر قرآن و سنت، اجماع امت اور عقل سلیم سے کوئی دلیل نہیں۔ کیونکہ آیت یا آیت کا کچھ حصہ بلاشک و شبہ قرآن ہے اور سارے قرآن اور کچھ حصہ کی تلاوت میں کوئی فرق نہیں۔ ان لوگوں پر حیرانگی ہے جو مطلقاً قرأت سے منع کرتے ہیں لیکن ایک آدھ آیت کی اجازت دیتے ہیں۔

(المحلی بالاثار مسئلہ 116)

کسی حنفی سپوت سے امام ابن حزم کا جواب نہیں بن پڑا۔ ہم نے متقدمین کی کتب کے علاوہ متاخرین کی سعی و کوشش کی حرف آخر اعلیٰ السنن کو بھی دیکھ لیا ہے مگر کسی حنفی مائی کے لال کو اس جان کے وبال کو چھیڑنے کی ہمت نہیں ہوئی۔ یہ الگ بات ہے کہ جھنگوی ٹولہ

امام ابن حزم کو ظاہری کہہ کر اپنے دل کی بھڑاس تو نکال سکتا ہے لیکن اس گتھی کو سلجھا نہیں سکتا کہ کسی چیز کے حرام و مکروہ ہونے سے اس کی قلیل مقدار حلال و مباح کس طرح ہو سکتی ہے؟

کیا خوش دامن سے بدکاری کرنے پر عورت حرام ہو جاتی ہے؟
تھنکوئی صاحب فرماتے ہیں کہ اہل سنت کے ہاں ساس کے ساتھ بد فعلی سے بیوی حرام ہو جاتی ہے جبکہ اہل حدیث کے ہاں بیوی حرام نہیں ہوتی۔ (نزل الابرار تحفہ اہل حدیث ص 54)

الجواب :- اولاً :- قارئین کرام بات کو آگے لے جانے سے قبل فقہاء احناف کا موقف سمجھ لینا بھی ضروری ہے۔ حنفیہ کا کہنا ہے کہ قرآن نے والد کی منکوحہ سے نکاح کرنا حرام قرار دیا ہے اور نکاح کا حقیقی معنی وطی ہے۔ یعنی جن عورتوں سے تمہارے آباء نے وطی کی ہے تم ان سے وطی نہ کرو۔ حاصل یہ کہ باپ کی موطوءہ بیٹے کے لیے حرام ہے۔ باپ نے وطی حلال کی ہو یا حرام کیونکہ اصل سبب حرمت وطی ہے نہ کہ نکاح، صحیح نکاح میں جو حرمت ثابت ہوتی ہے اس کا سبب بھی وطی ہے نہ کہ نفس نکاح اور اثبات حرمت کے لیے وطی کو مقید بحلال کرنا زیادہ علی الکتاب ہے۔

(خیر الفتاویٰ ج 4 ص 477، وتبیان القرآن ص 617 ج 2 واللفظ لہ)

یہی قیاس انہوں نے ساس کے سلسلہ میں کیا ہے لیکن ان فقہات کے ٹھیکے داروں کو یہ بات کون سمجھائے کہ حنفیہ کا اصول ہے کہ حقیقت اور مجاز کا اجتماع جائز نہیں۔

(نور الانوار ص 94)

جبکہ مذکورہ آیت سے وطی حرام مراد لینا مجاز اور وطی حلال حقیقت ہے۔ اور ان دونوں کو جمع کرنا احناف کے نزدیک باطل ہے۔ الغرض اس سے حقیقت ہی مراد ہے اور وہ وطی حلال ہے اور مجاز (وطی حرام) اس میں شامل نہیں۔

حضرت مولانا قاضی ثناء اللہ پانی پتی حنفی المتونی 1225ھ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ اس آیت میں نکاح سے مراد عقد ہے، جماع مراد نہیں ہے۔ کیونکہ بالا جماع باپ کی منکوحہ بیٹی کے لیے حرام ہے خواہ باپ نے اس سے جماع کیا ہو یا نہ کیا اور مذنیہ کی ماں اور بیٹی سے نکاح کی حرمت اجماعی نہیں اختلافی ہے۔ اس لیے اجماعی معنی پر آیت کو محمول کرنا ہی اولیٰ ہے۔

(تفسیر مظہری ص 364 ج 2 مترجم طبع دارالاشاعت کراچی 1999ء)

ثانیاً:- بالفرض اگر تسلیم کر لیا جائے کہ آیت میں عموم مجاز ہے (جو قطعاً غلط ہے) تو تب بھی یہ ثابت ہو گا کہ جس عورت سے مرد (یا اس کے والد نے) وطی کی ہے اس کی بیٹی اور ماں اس پر حرام ہیں۔ حالانکہ مبتدعین کا مؤقف ہے کہ اگر ساس کو شہوت سے مس کر لیا جائے تو نکاح فاسد ہو جاتا ہے۔

جیسا کہ اشرف علی تھانوی نے (امداد الفتاویٰ ص 310 ج 2) میں صراحت کی ہے اور اس مساس (چھونے) میں غلطی قصد اور سہو میں کوئی فرق نہیں۔

(کفایت المفتی ص 182 ج 5)

بلکہ یہاں تک کہ اگر مرد رات کو بیدار ہوا اور غلطی سے اپنی بیٹی یا ساس کو ہاتھ لگ گیا تو تب بھی مرد پر اس کی بیوی حرام ہو گئی۔

(بہشتی زیور ص 5 حصہ چہارم و کفایت المفتی ص 193 ج 5)

اس جگہ پر ہم ارباب عقل و خرد کو دعوت فکر دیتے ہوئے عرض کرتے ہیں کہ فرض کرو کہ عمرات کو بیدار ہوا، اور اسے فل شہوت تھی، اس کی دائیں جانب اس کی بیوی بشری آرام کر رہی تھی، مرد عورت کو ہم بستری کے لئے بیدار کرتا ہے، لیکن اس کا ہاتھ اسی حالت شہوت سے اپنی دودھ پیتی بیٹی، حمیدہ، کو لگ جاتا ہے، بس اتنی سی بات کو بنیاد بنا کر دیوبندی کہتے ہیں کہ بیوی حرام ہو گئی۔

نکاح کو وطی کہنے والو! یہاں کس سے وطی ہوئی کوئی بے شرم اور بے غیرت بھی

اپنی بیٹی سے وطی کا تصور نہیں کر سکتا مگر فقہات کے ٹھیکے داروں نے مرد کی بیوی حرام کر دی اس سے بڑھ کر لطیفہ سینے کہتے ہیں کہ اگر ساس کو شہوت کے ساتھ بوس و کنار کیا لیکن اسی حالت میں انزال ہو گیا تو نکاح فاسد نہیں ہو۔

مفتی رشید احمد دیوبندی فرماتے ہیں کہ

بوس و کنار سے حرمت مصاہرت کے لیے یہ شرط ہے کہ انزال نہ ہو۔ بدوں

جماع انزال ہو گیا تو حرمت مصاہرت ثابت نہ ہوگی۔ (احسن الفتاویٰ ص 92 ج 5)

در مختار میں ہے 'وہ یفتی' یعنی یہ مفتی بہ قول ہے۔

(در المختار علی رد المحتار ص 33 ج 3 کتاب النکاح فصل فی المحرمات)

قارئین کرام آپ نے ملاحظہ کیا کہ نکاح کو وطی حرام کہنے والوں نے اپنی ہی دلیل

سے کس طرح انحراف اور بغاوت کی ہے۔ اس سلسلہ میں متعدد امثلہ ہیں۔ باذوق حضرات

ضمیر کا بھران ص 317 اور حقیقت الفقہ ص 165 کا مطالعہ کریں۔

تالیا:۔ ساس بمنزلہ ماں کے ہے۔ اس سے بدکاری کرنا نہایت درجہ کی بے حیائی بے غیرتی

ہے اور اس کا مرتکب خبیث دیوث اور فاسق و فاجر ہے اور اس پر اصرار کرنے والا مسلمان

نہیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ اگر کسی سے یہ فعل بد قصد آیا سہو واقعہ ہو گیا تو مرد پر بیوی حرام

ہوئی یا نہیں۔ حضرت امام بخاری نے (صحیح بخاری ص 765 ج 2) میں حضرت ابن عباسؓ

کا تعلقاً فتویٰ نقل کیا ہے کہ بیوی حرام نہیں ہوئی۔ اس اثر کو امام بیہقی نے صحیح سند کے

ساتھ نقل کیا ہے کہ

(عن ابن عباسؓ فی رجل غشی ام امرأة قال تخطی حرمتین ولا تحرم علیہ امرأته)

یعنی حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے ایسے شخص کے متعلق فرمایا جس نے اپنی بیوی کی ماں سے

زنا کیا فرمایا اس نے دو حرمتیں توڑیں لیکن اس کی بیوی اس پر حرام نہیں ہوئی۔

(السنن الکبریٰ للبیہقی ص 168 ج 7؛ و تعلق التعلیق ص 404 ج 4 والمحلی لابن حزم ص

حافظ ابن حجر نے (فتح الباری ص 128 ج 9) میں اور مولوی سہارنپوری حنفی دیوبندی نے (حاشیہ بخاری ص 765 ج 2 مین السطور) میں اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔ یہی مؤقف ہے۔ ہندوستان میں امام زہری، امام یحییٰ بن یحییٰ، امام شافعی، امام ابی سلیمان اور ایک روایت میں امام مالک کا ہے۔ (المحلی ص 290 ج 9)

بلکہ حافظ ابن حجر نے تو اس کو جمہور کا مؤقف قرار دیا ہے اور علامہ ابن عبدالبر سے نقل کرتے ہیں کہ تمام محقق اہل علم کا اس پر اتفاق ہے۔

(فتح الباری ص 129 ج 9)

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ یہ صرف اہل حدیث کا ہی مذہب نہیں بلکہ صحابہ کرام میں ابن عباسؓ بھی یہی نظریہ رکھتے تھے۔ اور جھٹکوی جن چار مذاہب میں کسی ایک کی تقلید کو فرض قرار دیتا ہے ان میں سے امام شافعی کا بھی یہی مؤقف ہے۔ جس سے ثابت ہوا کہ جھٹکوی اصول کے مطابق بھی یہ اہل حق میں مسئلہ اجماعی و اتفاقی نہیں بلکہ مختلف فیہ ہے اور اہل حدیث کو اس مسئلہ کی وجہ سے اہل سنت سے خارج قرار دینا دراصل امام شافعی اور ابن عباسؓ کو ہی خارج قرار دینا ہے۔ لہذا جھٹکوی ہمت کرے اور صحابہ کو معیار حق کہنے کا نعرہ واپس لے کر صریحاً مذکورہ بزرگوں کی تکفیر کرے۔

کیا روضہ رسول ﷺ کو گرانہا واجب ہے؟

جھٹکوی لکھتا ہے کہ اہل سنت کے ہاں روضہ رسول ﷺ محترم ترین مقام ہے۔ جبکہ غیر مقلدین کے ہاں بدعت ہے، گرانہا واجب ہے۔

(عرف الجادی، تحفہ اہل حدیث ص 54)

الجواب:- اولاً:- اہل حدیث کے نزدیک تمام مقابر محترم ہیں اور رسول اللہ ﷺ تو امام الانبیاء خاتم النبیین ہیں ان کی ادنیٰ توہین بھی کفر ہے اور اس کا مرتکب مرتد اور واجب القتل ہے۔ ثانیاً:- عرف الجادی کو دیکھ لیا گیا ہے اس میں کہیں بھی روضہ رسول اللہ ﷺ کو گرانہا واجب

نہیں لکھایہ جھٹکوی کا صریحاً جھوٹ اور سولہ آنے غلط بیانی اور سو فیصد دھوکہ ہے دیوبندیو کہو جھوٹے پر ہزار بار لعنت۔

گستاخ رسول ﷺ کون؟

موقع کی مناسبت سے ہم جھٹکوی کے اکابر کی چند عبارات نقل کر کے دیوبندیوں کا اصلی و حقیقی اور مکروہ چہرہ دکھادینا بھی ضروری خیال کرتے ہیں۔ مولوی محمد قاسم نانوتوی دیوبندی لکھتا ہے کہ

اول معنی خاتم النبیین معلوم کرنے چاہئیں تاکہ فہم جواب میں کچھ دقت نہ ہو۔ سو عوام کے خیال میں تو رسول اللہ ﷺ کا خاتم ہونا بایں معنی ہے کہ آپ کا زمانہ انبیاء سابق کے زمانہ کے بعد اور آپ سب سے آخری نبی ہیں۔ مگر اہل فہم پر روشن ہوگا کہ تقدم یا تاخر زمانے میں بالذات کچھ فضیلت نہیں۔

(تحریر الناس ص 5 طبع دارالاشاعت کراچی 1976ء)

اس مردود عبارت میں جہاں رسول اللہ ﷺ کے خاتم النبیین ہونے کا انکار ہے وہاں آنحضرت ﷺ کی فضیلت خاتم النبیین کا بھی انکار کر دیا ہے۔ حالانکہ خود رسالت مآب ﷺ نے اپنے آخری نبی ہونے کو وجہ فضیلت کہا ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے انبیاء پر چھ باتوں کی وجہ سے فضیلت ہے ان میں ایک (و ختم بی النبیین) نبوت مجھ پر ختم ہو گئی۔

(مسلم ص 199 ج 1، وابو عوانہ ص 395 ج 1 و ترمذی مع تحفہ ص 378 ج 2 و مسند احمد ص 412 ج 2 و بیہقی ص 432 ج 2 و دلائل النبوة ص 472 ج 5 للبیہقی)

مگر نانوتوی نے مذکورہ عبارت میں اس کی وجہ فضیلت ہونے کا انکار کر دیا ہے اس خبیث عقیدہ کا لازمی نتیجہ تھا کہ نانوتوی ختم نبوت کا ہی انکار کر دیتا چنانچہ ایسے ہی ہوا لکھتا ہے کہ اگر بالفرض آپ کے زمانے میں بھی کہیں اور کوئی نبی ہو تو جب بھی آپ کا خاتم

(تحریر الناس ص 18)

ہونا بدستور باقی رہتا ہے۔

اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی صلعم بھی کوئی نبی پیدا ہو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا (تحریر الناس ص 34)

الغرض نانو توئی نے ختم نبوت کا انکار کر کے مرزائیوں کے لیے چور دروازہ کھول دیا۔ وہ آج علی الاعلان قاسم نانو توئی کی مذکورہ عبارات سے استدلال کرتے ہیں۔ جیسا کہ مرزائیوں کے معروف مناظر عبدالرحمن خادم وکیل گجرات نے (احمدیہ پاٹ بک ص 275 طبع جدید) میں 'مولوی اللہ دتہ جاندھری نے (تہمات ربانیہ ص 757) میں 'قاضی محمد نذیر نے (تحقیق عارفانہ ص 31) میں 'مولوی جلال الدین شمش نے (روداد مقدمہ مرزائیہ بہاولپور ص 1003 ج 2) میں 'مرزا محمود احمد نے (تفسیر کبیر ص 589 ج 2) میں 'مرزا بشیر احمد نے (تبلیغ ہدایت ص 342) میں 'مرزا طاہر احمد نے (زہق الباطل ص 343) میں اور مولوی محمد صادق نے (حقانیت احمدیت ص 209) وغیرہ میں مرزائیوں نے نانو توئی کی عبارت کو دلیل بنا کر عوام کو گمراہ کرنے کی سعی لاحاصل کی ہے۔ یہی نہیں بلکہ مبتدعین دیوبندیہ اور بریلویہ کی مشترکہ شخصیت ملا علی القاری نے موضوعات کبیر میں لکھا ہے کہ

(اذا المعنى انه لا ياتى نبى بعده ينسخ ملته)

یعنی خاتم النبیین کے یہ معنی ہیں کہ آپ ﷺ کے بعد کوئی ایسا نبی نہیں ہوگا جو آپ ﷺ کی ملت (دین) کو منسوخ کر دے گا۔ (موضوعات کبیر ص 100)

یہی معنی سید احمد طحطاوی حنفی المتوفی 1231ھ نے درالمنہار کے حاشیہ میں کیا ہے۔

حاشیہ الطحطاوی ص 41 ج 1 بحوالہ تعلیقات رضا ص 192 طبع مرکزی مجلس رضالاہور 1982ء مولانا عبدالحی لکھنوی حنفی المتوفی 1304ھ فرماتے ہیں کہ

علمائے اہل سنت بھی اس امر کی تصریح کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے عصر

میں کوئی نبی صاحب شرع جدید نہیں ہو سکتا اور آپ کی نبوت عام ہے اور جو نبی آپ کا معاصر

ہوگا شریعت محمدیہ کا قبیح ہوگا۔

(مجموعۃ الفتاویٰ ص 33 ج 1)

قارئین کرام! آخر الذکر تینوں عبارات دیوبندیہ اور بریلویہ ہر دو فریق کی مسلم شخصیات کی ہیں جس سے لازم آتا ہے کہ دونوں فریق کے سابقہ علماء میں انکار ختم نبوت کے جرائم پائے جاتے تھے۔ ان دونوں فریق کی ایک اور گستاخی ملاحظہ کریں۔

مولوی عبدالسیح رامپوری بریلوی نے انوار ساطعہ میں لکھا تھا کہ

اور تماشایہ کہ اصحاب محفل میلاد تو زمین کی تمام جگہ پاک ناپاک، مجالس مذہبی وغیر مذہبی میں حاضر ہونا رسول اللہ ﷺ کا نہیں دعویٰ کرتے۔ ملک الموت اور ابلیس کا حاضر ہونا اس سے بھی زیادہ تر مقامات پاک ناپاک کفر غیر کفر میں پایا جاتا ہے۔ کہ تمہارے استدلال کے موافق تو چاہیے یہ سب محدث اور فقہاء باعث اعتقاد حضور ہر جگہ ملک الموت اور ابلیس کے بانیان محفل مولد شریف کی بہ نسبت زیادہ مشرک ٹھہریں

(انوار ساطعہ ص 57)

اس کی تردید کرتے ہوئے مولوی خلیل احمد سہارنپوری دیوبندی لکھتا ہے کہ

غور کرنا چاہیے کہ شیطان و ملک الموت کا حال دیکھ کر علم محیط زمین کا فخر عالم کو خلاف نصوص قطعہ کے بلا دلیل محض قیاس فاسدہ سے ثابت کرنا شرک نہیں تو کون سا ایمان کا حصہ ہے۔ (براہین قاطعہ ص 55)

یہاں دونوں فریق بحث یہ کر رہے ہیں کہ نبی ﷺ کا علم شیطان لعین سے کم تھا یا زیادہ۔ جس کے دل میں ذرا بھی محبت اور احترام رسول ﷺ ہو وہ اس قسم کا ناپاک موازنہ کرتا ہی نہیں۔ آخر کوئی یہ بحث کیوں نہیں اٹھاتا کہ میری ماں فاحشہ تھی یا نہیں! یا میری ماں رنڈی سے زیادہ پاک دامن تھی یا نہیں! یا مولوی احمد رضا خاں بریلوی اور مولوی قاسم نانوتوی کا علم بندر اور خنزیر سے زیادہ تھا کہ نہیں! یا مولوی نعیم الدین مراد آبادی بریلوی اور مولوی رشید احمد گنگوہی کتے سے زیادہ صاحب علم تھے یا نہیں۔ یا مولوی حشمت علی بریلوی اور محمود

حسن خاں دیوبندی کا ایمان فرعون سے زیادہ تھا یا نہیں! یا مولوی احمد یار گجراتی بریلوی اور حسین احمد مدنی دیوبندی کا علم چوہے ملی سے زیادہ تھا یا نہیں!

دونوں فریقوں پر حیرانگی ہے کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ کے علم کا موازنہ کس لعین سے کیا ہے۔ ایک فریق وسعت ثابت کر رہا ہے تو دوسرا فریق نفی کر رہا ہے۔ یہ ہے ان لوگوں کی محبت رسول اللہ ﷺ اور عشق مصطفیٰ ﷺ کا نمونہ۔

قارئین کرام! یہ تو تھیں بریلوی اور دیوبندیوں کی مشترکہ گستاخیاں اب ذرا خاص فرقہ دیوبندی کی بھی ملاحظہ کرتے جائیے مولوی رشید احمد دیوبندی فرماتے ہیں کہ لفظ رحمۃ اللعالمین صفت خاصہ رسول اللہ ﷺ کی نہیں ہے بلکہ دیگر اولیاء و انبیاء اور علماء ربانین بھی موجب رحمت عالم ہوتے ہیں۔

(فتاویٰ رشیدیہ ص 218 طبع محمد علی کارخانہ اسلامی کتب خاں محمد کراچی)

حالانکہ رحمت اللعالمین کی صفت رسول اللہ ﷺ کی ہے اور اس صفت میں کوئی ولی و پیر اور مولوی شریک و سہیم نہیں ہے۔ یہ تو ایسی گستاخی ہے جو مبتدعین دیوبند کو بھی مسلم ہے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنا الہام ”وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین“ (تذکرہ مجموعہ الہامات مرزا ص 81 و 385) شائع کر کے اسے اپنے حق میں باور کرایا تو پوری امت مرحومہ کے علاوہ خود مبتدعین دینانہ نے اسے آنحضرت ﷺ کی گستاخی قرار دیا۔ دیکھیے (قادیانی فتنہ اور ملت اسلامیہ کا موقف ص 75)

مولوی اشرف علی تھانوی لکھتا ہے کہ

آپ کی ذات مقدسہ پر علم غیب کا حکم کیا جانا بقول زید صحیح ہو تو دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس غیب سے مراد بعض غیب ہے یا کل غیب۔ اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضور کی کیا تخصیص ہے۔ ایسا علم غیب تو زید عمر و بلکہ ہر صبی و مجنون بلکہ جمع حیوانات و بہائم کے لیے بھی حاصل ہے۔

استغفر اللہ معاذ اللہ

اس مکروہ اور ایمان شکن عبارت کا تذکرہ (امداد الفتاویٰ ص 61 ج 6) میں بھی موجود ہے۔ یہ عبارت اس قدر دل آزار اور محبت نبوی کے منافی ہے کہ مرزا طاہر احمد جیسے خبیث العقیدہ شخص نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ

دلیل دو اور بے شک جو ایک غلط اور فاسد عقیدہ ہے اس کو غلط ثابت کرو مگر گستاخی تو نہ کرو۔ آنحضرت ﷺ کا مجنون اور جمیع حیوانات سے مقابلہ و موازنہ تو نہ کرو یہ تو ایسی گستاخی ہے کہ اس سے آدمی پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے۔

(زہق الباطل ص 546)

تھنکوی کے اکابرین کی اس قدر گستاخیاں ہیں کہ اگر تفصیل عرض کی جائے تو بات لمبی ہو جائے گی لہذا انہیں چند باتوں پر اکتفا کر رہا ہوں۔ اگر تھنکوی میں غیرت ہے تو ان کا جواب تحریر کرے۔ ہم اس بحث کو اپنے ایک مخالف کے قول پر ختم کر رہے ہیں۔

مولوی حکیم ابوالعلا محمد امجد علی حنفی بریلوی (شاگرد خاص مولوی احمد رضا خان) لکھتا ہے کہ غیر مقلدین یہ بھی وہابیت ہی کی ایک شاخ ہے وہ چند باتیں جو حال میں وہابیہ نے اللہ عزوجل اور نبی ﷺ کی شان میں کئی ہیں غیر مقلدین سے ثابت نہیں۔

(بہار شریعت ص 57 حصہ اول)

مولوی احمد سعید کاظمی حنفی بریلوی لکھتا ہے کہ غیر مقلدین نام نہاد اہل حدیث بھی ان وہابیوں کے ہم مسلک ہیں اگرچہ ان سے توہین آمیز عبارات ثابت نہیں۔

(تبیح الرحمن مندرجہ مقالات کاظمی ص 205 ج 2)

یہ دونوں عبارات کثر اور متعصب بریلوی مولویوں کی ہیں۔ الحمد للہ ہمارے اکابرین نے شرک و بدعات کی پرزور تردید کی ہے لیکن انداز بیان گستاخانہ نہیں رکھا۔ بلکہ ادب و احترام کو پیش نظر رکھ کر تردید کی ہے یہ سب اللہ کی توفیق ہے۔ وہو علی کل شی

کیفیت نماز جنازہ

جھنگوی صاحب فرماتے ہیں کہ اہل سنت نماز جنازہ آہستہ پڑھتے ہیں جبکہ

غیر مقلد اہل حدیث بلند آواز سے پڑھتے ہیں۔ (تحفہ اہل حدیث ص 55)

الجواب:- اولاً:- اس پر تفصیل سے بحث آگے آرہی ہے اہل حدیث کے نزدیک بھی آہستہ نماز جنازہ پڑھنا اولیٰ ہے۔ یہی مبتدعین دیاہنہ کا موقف ہے دیکھیے (خیر الفتاویٰ ص 288 ج 3)

مفتی کفایت اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ جہر میں کوئی حرج نہیں۔

(کفایت المفتی ص 78 ج 4)

ثانیاً:- بعض نصوص سے اشارۃ اللص کے طور پر نماز جنازہ کا بلند پڑھنا ثابت ہے۔ تفصیل آگے اہل حدیث میں اختلاف کے سلسلہ میں آرہی ہے۔ علاوہ ازیں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے بلند آواز سے جنازہ پڑھنا ثابت ہے۔

(سنن نسائی ص 228 ج 1 و بیہقی ص 38 ج 4 و ابن حبان ص 69 ج 6)

صحابہ کو معیار حق کا نعرہ بلند کرنے والا جھنگوی صراحت کرے کہ ابن عباسؓ اہل سنت میں داخل ہیں یا خارج؟

رکوع کی رکعت

جھنگوی صاحب لکھتے ہیں کہ اہل سنت رکوع میں مل جانے والی رکعت کو شمار کرتے

ہیں جبکہ غیر مقلد کہتے ہیں کہ اس کی رکعت نہیں ہوتی۔ (توضیح الکلام، تحفہ اہل حدیث ص 55)

الجواب:- اولاً:- توضیح الکلام ص 142 تا 150 ج 1 میں صراحت ہے کہ رکوع میں ملنے سے

رکعت نہیں ہوتی۔ یہ امام بخاری حضرت ابو ہریرہؓ، جزء القراءة ص 16, 17, 30، حضرت

ابو سعید الخدریؓ، جزء القراءة ص 17, 19 اور امام مجاہد، جزء القراءة ص 8 وغیرہ کا بھی یہی موقف

تھا۔

جھنگوی وضاحت کرے کہ یہ اکابر امت اہل سنت سے ہیں یا نہیں؟
 ثانیاً:- نماز میں قیام اور قرآۃ آپ کے نزدیک بھی فرض ہے اور رکوع میں شامل ہونے
 والا ان دونوں کو ہی نہیں پاتا تو آپ نے اس کی رکعت کو کس دلیل سے شمار کرتے ہوئے قیام
 و قرآۃ کا حکم ساقط کر دیا۔

قومہ میں ہاتھ باندھنے کا مسئلہ

جھنگوی صاحب فرماتے ہیں کہ اہل سنت قومہ میں ہاتھ چھوڑ دیتے ہیں جبکہ سندھ
 کے غیر مقلد اہل حدیث قومے میں ہاتھ باندھ لیتے ہیں۔ (تحفہ اہل حدیث ص 55)
 الجواب:- اولاً:- یہ مسئلہ اجتہادی و فروعی ہے تفصیل آگے اہل حدیث میں اختلاف کے
 سلسلہ میں آرہی ہے۔

ثانیاً:- امام ابو حنیفہ، امام محمد، اور قاضی ابو یوسف کی ایک روایت میں قومہ کی حالت میں ہاتھ
 باندھنے کا حکم آیا ہے مولانا عبدالحی لکھنوی حنفی مرحوم فرماتے ہیں کہ
 (لامضائقہ فی اختیارہ بعد ظہور موافقہ للاصول)

یعنی ہمارے آئمہ سے رکوع کے بعد ہاتھ باندھنے کے بارے میں جو قول منقول ہے اس کے
 اختیار کرنے میں کوئی حرج اور مضائقہ نہیں ہے کیونکہ وہ ہمارے اصول حنفیہ کے مطابق ہے۔
 (سعایہ فی شرح شرح و قایہ ص 159 ج 2)

فماکان جوابکم فہو جوابنا

کیا اہل حدیث کے نزدیک منسوخ حکم پر عمل کرنا جائز ہے؟

جھنگوی صاحب فرماتے ہیں کہ اہل سنت منسوخ احادیث پر عمل نہیں کرتے،
 جبکہ غیر مقلد انہیں پر عمل کرنا جہاد عظیم سمجھتے ہیں۔ (تحفہ اہل حدیث ص 55)
 الجواب:- اولاً:- اس کے جواب میں ہم صرف ”لعنت اللہ علی الکاذبین“ ہی کافی سمجھتے
 ہیں۔

لیکن جھنگوی جیسے متعصب و جاہل اور ضدی کے لیے مزید عرض ہے کہ آپ کسی اہل حدیث فاضل سے یہ دعویٰ ثابت کریں کہ منسوخ حکم پر عمل کرنا جائز ہے۔ اگر آپ ایسا ثابت کر دیں تو ہم تسلیم کر لیں گے کہ آپ کے قول میں صداقت کا شائبہ ہے۔ اگر آپ ثابت نہ کر سکیں یقیناً ثابت نہیں کر سکیں گے تو جھنگوی اور اس کے حواری صراحت کریں کہ جھوٹ و افتراء کو دیوبندی لغت میں کیا کہتے ہیں اور مفتری و کاذب کو تقلیدی شریعت میں کیا کہتے ہیں۔

ثانیاً:- ناخ و منسوخ کی آگے تفصیل سے بحث آرہی ہے لیکن ہم یہاں ایک بات عرض کرنا چاہتے ہیں کہ امت کے کسی فرد کی رائے و قیاس اور اٹکل پچوسے کسی آیت یا حدیث نبوی کو منسوخ قرار نہیں دیا جاسکتا بلکہ کسی حکم شرعی کو منسوخ قرار دینے کے لیے نص کی ضرورت ہے۔ اس بات کو ملحوظ رکھ کر جھنگوی ٹولہ پوری کوشش کر کے صرف ایک مسئلہ کی نشان دہی کرے کہ یہ حکم شرعی فلاں نص سے منسوخ ہے لیکن اہل حدیث کا عمل منسوخ پر ہے۔ مجھے میری زندگی کے مالک کی قسم ہے کہ حنیفوں کا دیوبندی ٹولہ تو کیا پوری دنیا کے تمام حنفی فرقے اور گروہ اکٹھے ہو کر سر توڑ کوشش کریں تب بھی انہیں ایک مثال بھی نہیں ملے گی۔ ہاں البتہ ان کا منہ بند نہیں کیا جاسکتا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں زبان دی ہے اور شیطان نے انہیں اہل حق کی مخالفت میں برا بیجھتے کر رکھا ہے جس کی وجہ سے جھنگوی ٹولہ عدل و انصاف سے کوسوں دور ہو کر کذب و افتراء کو اپنا دین و مذہب اور شعار بنا چکا ہے۔

اللہ انہیں جھوٹ جیسے فعل بد اور افتراء جیسی منحوس عادات سیئہ ترک کرنے کی توفیق عطا کرے۔ اے اللہ ہم تو تیرے عاجز و ناتواں بندے ہیں تیری توفیق سے جھنگوی ٹولہ کے حق میں دعائے خیر ہی کر سکتے ہیں شرح صدر عنایت کرنے والا تو ہی ہے۔

مغرب کی نماز سے قبل دو عدد نوافل کی مشروعیت

جھنگوی صاحب فرماتے ہیں کہ اہل سنت مغرب کی اذان کے بعد نفل نہیں پڑھتے

جبکہ غیر مقلدین ویسے تو نفلوں کے دشمن ہیں لیکن یہاں ضرور پڑھتے ہیں۔

(تحفہ اہل حدیث ص 55)

الجواب :- اولاً :- مثل ہے کہ چور مچائے شور کہ چور چور، اس پر عمل کرتے ہوئے جھٹکوی صاحب نے اہل حدیث کو نوافل کا دشمن قرار دیا ہے۔ حالانکہ نوافل سے دشمنی تو ان کی اسی بات سے ثابت ہو گئی کہ اللہ کے پیارے رسول حضرت محمد ﷺ نے نماز مغرب سے پہلے نوافل پڑھنے کا ارشاد فرمایا ہے۔

(بخاری ص 157 ج 1)

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ صحابہؓ ان نوافل کا اس قدر التزام کرتے کہ اگر کوئی نووارد مسجد نبوی میں آتا تو وہ یہ خیال کرتا تھا کہ نماز مغرب کی جماعت ہو چکی ہے۔

(بخاری ص 73 ج 1 و مسلم ص 278 ج 1)

لیکن حنفیہ نے ان نوافل سے دشمنی کرتے ہوئے نماز مغرب سے قبل نوافل کو مکروہ کہا ہے۔

(مستملی ص 240)

ثانیاً :- حضرت انسؓ، حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ، حضرت ابی بن کعبؓ، حضرت ابوایوب انصاریؓ، حضرت ابودرداءؓ، حضرت جابر بن عبد اللہؓ، حضرت ابو موسیٰؓ، حضرت ابوبرزہؓ جیسے جلیل القدر صحابہ کرامؓ سے یہ نوافل پڑھنے ثابت ہیں۔

تالبعین کرام سے ان کا پڑھنا ثابت ہے۔ امام احمد بن حنبل، امام اسحاق، امام ابن حزم، اور متعدد شافعی حضرات بھی اسی کے قائل ہیں۔

(مرعاۃ ص 139 ج 4 و قیام اللیل ص 46 و المحلی لابن حزم ص 20 ج 2)

امام احمد بن حنبل سے جب سوال ہوا کہ بعض لوگ اس کا انکار کرتے ہیں۔

(وتبسم كالمتعجب ممن ينكر ذلك)

یعنی آپ نے منکرین پر تعجب اور حیرانگی سے تبسم فرمایا۔ (قیام اللیل ص 48)

امت مرحومہ کے مذکورہ آئمہ و صحابہؓ کے متعلق جھٹکوی صراحت کرے کہ یہ اہل سنت میں

سے ہیں یا نہیں؟

نماز میں قیام کی کیفیت

جھنگوی صاحب فرماتے ہیں کہ اہل سنت نماز میں عاجزی سے کھڑے ہوتے ہیں جبکہ غیر مقلد اکڑ کے کھڑے ہوتے ہیں۔ (تحفہ اہل حدیث ص 55)

الجواب :- اولاً :- جھنگوی صاحب کا اکڑ سے کیا مراد ہے؟ اگر جسم کا تناؤ مقصود ہے تو یہ شریعت کو مطلوب ہے اور نماز میں کاہلی سے کھڑا ہونا منافقت کی علامت ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ

﴿وَإِذَا قَامُوا إِلَى الصَّلَاةِ قَامُوا كَسَالَى﴾ (النساء: 142)

اور جب کھڑے ہوتے ہیں طرف نماز کی کھڑے ہوتے ہیں کاہلی سے (شاہ رفیع الدین)

ثانیاً :- اگر اکڑ سے مراد آپ کی سرکشی ہے جیسا کہ آپ نے عاجزی کے بالمقابل اس کو استعمال کر کے واضح کر دیا ہے تو یہ آپ کی زیادتی بلکہ کذب و افتراء ہے۔ کیونکہ کسی بھی اہل حدیث نے نماز میں تکبر و غرور سے کھڑے ہونے کا فتویٰ نہیں دیا۔ راقم عرض کرتا ہے کہ مفتی تو کجا کسی جاہل سے جاہل اور گنوار نے بھی نماز میں سرکشی سے قیام کرنے کا نہیں کہا۔ اگر جھنگوی اپنے قول میں صادق ہے تو دلیل دے ورنہ اللہ کا خوف کرے۔ تقویٰ و خشیت الہی کو اپنا شعار بنائے کہ اہل علم کا یہ وصف ہے۔ جہاں تک نماز میں خشوع کا تعلق ہے تو اس کے بارے ارشاد ربانی ہے کہ

﴿قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ فِي صَلَاتِهِمْ خَشْيَةٌ﴾ (المؤمنون: 1,2)

بلاشبہ ایمان والوں نے فلاح پائی جو اپنی نماز میں خشوع کرنے والے ہیں۔ (23-1,2)

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد عبدہ الفلاح مرحوم اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ خشوع کے لفظی معنی ہیں کسی کے سامنے ڈر کر جھک جانے اور عاجزی و انکساری اختیار کرنے کے اس کا تعلق دل سے بھی ہے اور ظاہری اعضائے بدن سے بھی لہذا نماز میں خشوع اختیار کرنے کا مطلب یہ ہے کہ انسان کے دل پر خوف و ہیبت طاری ہو اور اس کے

اعضاء میں سکون ہو۔ وہ نگاہ ادھر ادھر پھیرے، نہ کپڑے یاداڑھی وغیرہ سے کھیلے اور نہ انگلیاں چٹخائے کیونکہ ادھر ادھر دیکھنے کو شیطان کا حصہ قرار دیا ہے۔ اور ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ نماز کی حالت میں اپنی داڑھی سے کھیل رہا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اگر اس کے دل میں خشوع ہو تا تو اس کے اعضاء پر بھی اثر ہوتا۔ یہ خشوع نماز کی اصل روح ہے اس لیے بہت سے علماء نے اسے فرض قرار دیا ہے یعنی اگر یہ نماز میں نہ ہو گا تو نماز نہ ہوگی۔

(اشرف اللحواشی ص 409)

مزید دیکھیے اصدق البیان ص 178 ج 1 و احسن البیان ص 939

حنفی نماز کا نقشہ :- علامہ دمیری نے اپنی معروف کتاب (حیاء الحیوان الکبریٰ ص 214 ج 2) مطبوعہ مصر میں قاضی قفال کی زبانی حنفی نماز کی تصویر کشی کی ہے۔ آئیے ملاحظہ کریں۔

سلطان محمود حنفی المذہب تھا۔ لیکن اسے حدیث سننے کا شوق رہتا تھا۔ ایک دفعہ اس نے علماء کی ایک جماعت کی مجلس کا انعقاد کیا تاکہ معلوم ہو سکے کہ کس مذہب کی نماز سنت نبوی کے موافق ہے۔ نماز کی ادائیگی کے لیے اس وقت کے سب سے بڑے عالم قاضی قفال مروزی کا انتخاب ہوا۔ قاضی موصوف نے جو حنفی نماز ادا کی تو وہ حسب ذیل ہے۔

قاضی موصوف نے کتے کی رنگی ہوئی کھال منگوائی اور اس کا کچھ حصہ نجاست سے آلود کر کے پہن لی۔ صاف پانی کے بجائے نبیذ تمر سے بلانیت اور بغیر بسم اللہ پڑھے بلا ترتیب وضو کیا اور قبلہ رخ کھڑے ہو کر تکبیر تحریمہ اللہ اکبر کی بجائے فارسی زبان میں خدائے بزرگ تراست کہہ کر ہاتھ باندھ لیے اور بغیر سورہ فاتحہ پڑھے قرآن کی آیت 'مدھامتن' کا فارسی میں ترجمہ کہہ کر رکوع کیا اور جاتے اٹھتے تین تسبیح کہتے ہوئے بغیر سیدھے کھڑے ہونے کے سجدے میں چلے گئے اور بغیر اطمینان کے دوسرا سجدہ ایسے کیا جیسے کواٹھونگے مارتا ہے اور تشہد میں بغیر درود شریف کے سلام کی جگہ ہوا خارج کردی اور نماز

سے باہر ہو گئے اور کہنے لگے بادشاہ یہ حنفی نماز ہے۔ ایسی نماز دیکھ کر بادشاہ غصے میں آ گیا اور کہنے لگا ایسی نماز کون پڑھ سکتا ہے۔ قاضی فرمانے لگے بادشاہ فقہ حنفی کی مستند کتابیں منگائیے کتابیں منگائی گئیں تو قاضی فقال مروزی نے من و عن ان نماز کے طریقے کو احناف کی کتابوں سے ثابت کر دیا۔ آج بھی اگر جھنگوی کو فقہ حنفی کی مذکورہ نماز کی کیفیت مقصود ہو تو فقہ کی کتابوں کا مطالعہ کرے یا پھر ہماری طرف رجوع کرے ہم ان کو یہ کیفیت ان کی فقہ کی کتابوں سے ہی دکھادیں گے۔ ان شاء اللہ

کیا اسلام میں مرد و عورت کی نماز کا فرق ہے؟

جھنگوی صاحب فرماتے ہیں کہ اہل سنت کے ہاں مرد و عورت کی نماز کی ادائیگی میں بعض جگہ فرق ہے جبکہ غیر مقلدین کے ہاں مرد و عورت کی نماز میں کوئی فرق نہیں۔

(تحفہ اہل حدیث ص 55)

الجواب :- اولاً :- حدیث صحیح میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ

(صلوا کما راہتمونی اصلی)

یعنی نماز اسی طرح پڑھو جس طرح مجھے پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو۔

(بخاری کتاب الاذان باب الاذان للمسافر)

یہ حدیث عام ہے نمازی خواہ مرد ہو یا عورت، جو اس بات کا مدعی ہے کہ مرد و عورت کی نماز میں فرق ہے۔ وہ اس کی دلیل دے۔

ثانیاً :- احناف کے نزدیک مرد و عورت کی نماز میں تقریباً 22 مقامات پر کیفیت میں فرق ہے۔ جھنگوی صاحب ہمت کریں اور ان تمام مقامات کے لیے ایک ایک حدیث صحیح، مرفوع، متصل دکھاتے جائیں تو ہم مان جائیں گے کہ واقعی مرد و عورت کی نماز کی کیفیت میں فرق کا مذہب و مؤقف اہل سنت کا ہے ورنہ زبانی جمع خرچ کو کون پلے باندھتا ہے۔

اور فقہاء کے بے دلیل قول و اقوال کو شریعت قرار دینا اہل سنت کا مذہب نہیں

شریعت وہی ہے جو اللہ اور اس کے پیارے رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمائی ہے۔

بچے کی امامت کا مسئلہ

جھنگوی صاحب فرماتے ہیں کہ اہل سنت کے ہاں نابالغ امام نہیں بن سکتا جبکہ غیر مقلدین کے ہاں امام بن سکتا ہے۔ (تحفہ اہل حدیث ص 55)

الجواب :- اولاً :- نابالغ بچہ جب نماز کے مسائل سے بخوبی واقف ہو اور نماز کو صحیح مسنون طریقہ سے ادا کر سکتا ہو اور قرآن کے حروف کو باقاعدہ اصول تجوید کے مطابق ادا کر سکتا ہو تو اس کی امامت بالکل جائز ہے۔ اور اس سے انکار محض تقلیدی ضد ہے۔ بچے کی امامت صحیح حدیث سے ثابت ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں حضرت عمرو بن سلمہؓ اپنی قوم میں امام مقرر تھے، حالانکہ اس وقت ان کی عمر سات سال تھی۔

(بخاری کتاب المغازی رقم الحدیث 4302)

بچے کی امامت کے قائل امام حسن بصریؒ، امام اسحاق بن راہویہؒ، امام بخاریؒ، امام شافعیؒ وغیرہ ہیں۔ (مرعاۃ ص 66 ج 4)

جھنگوی صراحت کرے کہ آیا یہ ائمہ کرام اہل سنت سے ہیں یا نہیں؟

جانباً :- جھنگوی نے مطلق بچے کی امامت سے انکار کیا ہے۔ حالانکہ ماوراء النہر اور مشائخ بلخ کے تمام حنفیوں کے نزدیک نوافل میں بچہ امامت کر سکتا ہے۔ (مرقاۃ ص 89 ج 3)

بلکہ حنفیہ خاص کر دیوبندیہ کے نزدیک اگر نابالغ بچہ فرائض میں بھی نابالغ بچوں کی امامت کرائے تو جائز ہے۔

(فتاویٰ عالمگیری ص 44 ج 1 و خیر الفتاویٰ ص 353 ج 2)

حالیاً :- اصل مسئلہ بچے کی امامت نہیں بلکہ اصل اختلاف یہ ہے کہ معطل کے پیچھے مقتدی فرائض ادا کر سکتا ہے کہ نہیں؟ اور بچے کی امامت کا مسئلہ دراصل اس مسئلہ کی ایک فرع و جزو

ہے۔ جھنگوی صاحب نے عدم علم کی وجہ سے مغالطہ کھایا ہے یادیا ہے۔ کیونکہ بچہ اگر امامت کے لائق ہے تو اس کی امامت بالاتفاق درست ہے اور وہ امام بن سکتا ہے۔ چونکہ حنفیہ کے نزدیک نابالغ پر نماز فرض نہیں جس کی وجہ سے اس کی اقتداء میں انہیں شامل ہے۔ جھنگوی صاحب (فتاویٰ شامی اور امداد الفتاویٰ ص 238 ج 1) کا بغور مطالعہ کریں، اور معطل کی اقتداء میں فرائض ہو جاتے ہیں جس کی تفصیل (دین الحق ص 495 ج 1) میں راقم نے عرض کر دی ہے جھنگوی صاحب اس کا بھی مطالعہ کر لیں۔

اور ان صحیح و صریح احادیث کا کوئی معقول جواب ہے تو عنایت کریں ورنہ تقلیدی پٹا کو اتار کر رحمت کے سایہ قرآن و حدیث پر عمل کریں۔ اللہ توفیق دے۔

کیا سورۃ فاتحہ قرآن کا حصہ نہیں؟

جھنگوی صاحب فرماتے ہیں کہ اہل سنت کے ہاں سورۃ فاتحہ قرآن پاک میں شامل ہے جبکہ غیر مقلدین کے ہاں سورۃ فاتحہ قرآن میں نہیں۔ (تحفہ اہل حدیث ص 55) الجواب:- اولاً:- یہ دعویٰ آج تک کسی اہل حدیث نے نہیں کیا کہ سورۃ فاتحہ قرآن کا حصہ و جزو نہیں۔ یہ آپ کی زیادتی ہے۔ ہمارا دامن ان خرافات سے پاک ہے۔ ہم پوری جماعت اہل حدیث کی طرف سے اس کی تردید کرتے ہیں اور جھنگوی سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ کسی سلفی سے اپنا دعویٰ ثابت کرے۔ ورنہ لعنۃ اللہ علی الکاذبین کی سخت وعید سے ڈر کر توبہ کرے اور جماعت اہل حدیث سے تحریری طور پر معافی مانگے۔

پوری امت مرحومہ کا اتفاق و اجماع ہے کہ سورۃ فاتحہ قرآن میں شامل ہے۔ حضرت امام بخاریؒ فرماتے ہیں:

(سمیت ام الكتاب لانه يبدء بكتابتها في المصاحف ويبدء بقرءتها في الصلوة)

یعنی سورۃ فاتحہ کا نام ”أم الكتاب“ اس لیے رکھا گیا ہے کہ قرآن کی کتابت اسی سے شروع ہوتی ہے اور یہ کہ نماز میں قرآۃ کی ابتداء بھی اس سے ہوتی ہے۔

(بخاری ص 642 ج 2)

یہی بات امام ابن جریر نے (تفسیر طبری ص 35 ج 1) میں اور ابن کثیر نے (تفسیر القرآن العظیم ص 8 ج 1) میں کہی ہے خود رسول اللہ ﷺ نے سورۃ فاتحہ کو قرآن کی عظیم سورۃ قرار دیا ہے۔ (بخاری ص 642 ج 2)

شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری فرماتے ہیں کہ
سبع من المثانی سورۃ فاتحہ ہے اور یہ قرآن میں سے ہے۔

(تفسیر القرآن بکلام الرحمن ص 192)

علامہ حافظ محمد ابراہیم میرسیالکوٹی نے (واضح البیان ص 62) میں 'مولانا محمد عبدہ' نے (اشرف الحواشی ص 2) میں 'مولانا عبدالتار نے (ترجمہ قرآن کے حاشیہ ص 2) میں 'مولانا محمد صادق خلیل نے (اصدق البیان ص 40 ج 1) میں 'علامہ عبدالرحمن کیلانی نے (تیسیر القرآن ص 1 ج 1) میں 'حافظ صلاح الدین یوسف نے (احسن البیان ص 1) میں 'سورۃ فاتحہ کو قرآن کا حصہ قرار دیا ہے۔

جماعت اہل حدیث کے ان محققین کی عبارات بھی اگر جھنگوی کو مطمئن نہیں کر سکیں تو پھر یہ کسی بھی اہل حدیث سے اس کے متعلق دریافت کر سکتا ہے کہ آیا سورۃ فاتحہ قرآن میں شامل ہے کہ نہیں۔ تمام اہل حدیث پہلے اعوذ باللہ کا جھنگوی کو دم کریں گے پھر سورۃ فاتحہ کو قرآن کا افضل ترین حصہ قرار دیں گے۔ ہاں البتہ کسی جذباتی مجاہد سے مت پوچھنا، ممکن ہے وہ آپ کو گریبان سے پکڑ کر اس کا ثبوت نہ مانگ لے جو آپ کے پاس قطعاً نہیں اور وہ آپ کو بازار میں گھسیٹ کر لے آئے اور دو چار جوتے لگاتے ہوئے کہے کہ، 'مسلی' نے جھوٹ بولا تھا اور یہ اس کی سزا ہے۔

ثانیاً:- جھنگوی نے کبھی اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھا ہوتا تو کبھی بھی ایسی شرارت نہ کرتا۔

سنیے کہ دیوبند کا شیخ الہند مولوی محمود الحسن خاں لکھتا ہے کہ

”کلام اللہ و حدیث میں بعض آیات و جملہ فرقہ ضالہ نے الحاق کیے ہیں۔“
(ایضاح الادلہ ص 191 طبع مطبع قاسمی مدرسہ اسلامیہ دیوبند 1330ھ)

مولوی انور شاہ کا شمیری نے لکھا ہے کہ

”میرے نزدیک محقق بات یہ ہے کہ قرآن میں تحریف لفظی ہوئی ہے۔“
(فیض الباری ص 395 ج 3 طبع مکتبہ حقانیہ پشاور)

جھنگوی صراحت کرے کہ مذکورہ دونوں اکابر دیوبند اہل سنت سے ہیں یا بدترین

بدعتی اور امت کے گمراہ ترین لوگوں میں شامل ہیں؟

ہم عرض کریں گے تو شکایت ہوگی۔

کیا تہجد اور تراویح میں فرق ہے؟

جھنگوی صاحب فرماتے ہیں کہ اہل سنت کے ہاں تہجد اور تراویح دو الگ الگ

نمازیں ہیں۔ جبکہ غیر مقلدین اہل حدیث کے ہاں تہجد اور تراویح ایک چیز ہے۔

(تحفہ اہل حدیث ص 56)

الجواب :- اولاً:- حضرت عائشہؓ تراویح اور قیام اللیل میں فرق کی قائل نہ تھیں۔ جیسا کہ ان

سے ابو سلمہ نے سوال کیا تو آپ نے جواب دیا کہ

((ماکان یزید فی رمضان ولا فی غیر رمضان علی احدی عشرۃ رکعة))

یعنی رسول اللہ ﷺ رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعات سے زیادہ نہ پڑھتے تھے۔

(بخاری ص 269 ج 1)

حضرت امام بخاریؒ اور امام محمدؒ نے (موطا ص 138) میں اس پر قیام رمضان اور تراویح کے

ابواب باندھے ہیں۔ مولانا عبدالحی لکھنوی حنفی نے لکھا ہے کہ

(قوله قیام شهر رمضان ویسمی التراويح)

یعنی قیام رمضان اور تراویح ایک ہی چیز ہے۔
(التعلیق الحمد ص 138)

امام بیہقی نے (السنن الکبریٰ ص 495 ج 2) میں 'باب ماروی فی عدد رکعات
القیام فی شہر رمضان' میں اسے ذکر کیا ہے۔

ثانیاً:- متعدد اہل علم نے مذکورہ روایت کو بیس رکعات والی من گھڑت و منکر روایت کے
مقابلہ میں بطور معارضہ پیش کیا ہے۔ مثلاً

(۱) امام زیلعی حنفی نے نصب الرایہ ص 153 ج 2

(۲) امام ابن ہمام حنفی فتح القدیر ص 407 ج 1

(۳) عبدالحق محدث دہلوی حنفی فتح سر المنان ص 692 قلمی بحوالہ خاتمہ اختلاف ص

70

(۴) علامہ عینی حنفی عمدۃ القاری ص 128 ج 11

(۵) علامہ سیوطی الحدادی للفتاویٰ ص 414 ج 1

حضرت عمر فاروقؓ اور متعدد سلف صالحین کے علاوہ دیوبند کے شیخ الحدیث مولانا
انور شاہ کاشمیری بھی تراویح اور تہجد کو ایک ہی سمجھتے تھے۔

(فیض الباری ص 420 ج 2)

تفصیل کے لیے (دین الحق ص 520 ج 1) کی مراجعت کریں۔

جھنگوی اوروں کو جانے دے انور شاہ صاحب کے متعلق وضاحت کرے کہ یہ اہل سنت میں
داخل ہے یا نہیں؟

کیا ایک رکعت وتر ثابت نہیں؟

جھنگوی صاحب فرماتے ہیں کہ اہل سنت کے ہاں وتر تین ہیں جبکہ غیر مقلدین

اہل حدیث کے نزدیک وتر ایک ہے۔ (تحفہ اہل حدیث ص 56)

الجواب:- اولاً:- رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ رات کی نماز دو رکعت ہے۔ جب تم میں

سے کسی کو طلوع فجر کا اندیشہ ہو تو وصلی رکعت واحدہ

وہ ایک رکعت وتر پڑھے۔ الحدیث (بخاری ص 135 ج 1 و مسلم ص 257 ج 1)
 دوسری حدیث میں آپ کا فرمان ہے کہ
 (الوتر رکعة من آخر الليل)
 یعنی وتر ایک رکعت ہے رات کے آخر میں۔ الحدیث

(مسلم ص 257 ج 1)

تیسری حدیث میں آپ کا ارشاد ہے کہ
 ((يا اهل القرآن اوتروا فان الله وتر يحب الوتر))
 اے قاریو! وتر پڑھا کرو کیونکہ اللہ وتر ہے اور وتر کو پسند کرتا ہے۔
 (ابوداؤد ص 200 ج 1 و ترمذی مع تحفہ ص 336 ج 1 و نسائی ص 199 ج 1 ابن ماجہ ص 83
 و مسند احمد ص 100 ج 1 و ابن خزیمہ ص 136 ج 2)
 حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک وتر پڑھا کرتے تھے۔

(ابن ماجہ ص 85)

ثانیاً:- (دین الحق ص 430 ج 1) میں راقم نے خلفاء الراشدین کے علاوہ تقریباً ۲۲ صحابہ
 کرامؓ سے ایک وتر پڑھنا ثابت کیا ہے۔ ان کے علاوہ آئمہ ثلاثہ امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام
 احمد بن حنبلؒ ایک رکعت وتر کے قائل ہیں۔

(ترمذی مع تحفہ ص 340 ج 1)

انوار ساطعہ کے بریلوی مصنف نے ایک رکعت وتر پر بھی اعتراض کیا تھا۔ اس پر نقد کرتے
 ہوئے مولوی خلیل احمد سہارنپوری حنفی دیوبندی فرماتے ہیں کہ:

”وتر کی ایک رکعت احادیث صحاح میں موجود ہے۔ اور عبد اللہ بن عمرؓ اور ابن
 عباسؓ وغیرہما صحابہ اس کے مقرر اور مالک و شافعی و احمد کا وہ مذہب پھر اس پر طعن کرنا مؤلف
 کا ان سب پر طعن ہے۔ کہو اب ایمان کا کیا ٹھکانہ جب آنکھ بند کر کے آئمہ مجتہدین
 پر اور صحابہ اور احادیث پر تشنیع کی پس یہ تحریر بجز جہل کے اور کیا درجہ رکھتی ہے معاذ اللہ
 منھا، براہین قاطعہ ص 7

علامہ سہارنپوری حنفی کی اس صراحت کی روشنی میں جھنگلوی صراحت کرے کہ اس کے ایمان
 کا ٹھکانہ کہاں ہے؟

کیا احادیث میں اختلاف ہے؟

مکرمین سنت نے ایک شگوفہ یہ بھی چھوڑ رکھا ہے کہ احادیث میں زبردست

اختلاف ہے۔

دیکھئے! دو اسلام صفحہ 303 ہمارے جھنگوی صاحب ان کی ہمنوائی کرتے ہوئے حدیث میں

اختلاف ثابت کرتے ہیں پھر رفع اختلاف کے لیے تقلید کی دعوت دیتے ہیں۔

(تحفہ اہل حدیث ص 58)

اگر جھنگوی صاحب کی بات کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو زیادہ سے زیادہ یہی ہوگا کہ

ائمہ دین سے اخذ و استفادہ کیا جائے۔ ان کی علمی خدمات کو طاق نسیاں نہ کیا جائے۔ مگر

افسوس کہ جھنگوی صاحب اس سے امام ابو حنیفہ کی تقلید ثابت کر رہے ہیں۔ حالانکہ حدیث

امام ابو حنیفہ کا فن نہ تھا۔ انہوں نے اس سلسلہ میں کوئی قابل ذکر خدمت نہیں کی کہ رفع

اختلاف کے لیے جھنگوی صاحب ان کی تقلید کی دعوت دے رہے ہیں۔ یہ فن محدثین کرام

کا تھا اور انہوں نے اس سلسلہ میں قابل قدر خدمات سر انجام دیں۔ مشکل الحدیث ہو یا ناسخ

و منسوخ! انہوں نے ہر بات کو کھول کر واضح کر دیا۔ حنفیہ نے بھی انہیں سے ان مسائل کو اخذ

کیا، مگر شکریہ کی بجائے انہیں پسناری قرار دے کر توہین کی۔ ہم جھنگوی صاحب کو دعوت

فکر دیتے ہوئے عرض کرتے ہیں کہ جن احادیث کی آپ نے نشان دہی کی ہے کہ ان میں

اختلاف ہے کیا ان کا حل آپ امام ابو حنیفہ سے ثابت کر سکتے ہیں؟ نہیں یقیناً نہیں! تو پھر کس

منہ سے دعویٰ کرتے ہو کہ تقلید اپنا تو یہ مسائل آپ کو حل کیے ہوئے ہی مل جائیں گے۔

بہر حال آئیے ان احادیث کی طرف جن کی جھنگوی صاحب نے نشان دہی کی ہے۔

گوہ کی حلت و حرمت کی احادیث

فرماتے ہیں کہ صحابہ نے آپ کے سامنے گوہ کھائی ہے اور ابو داؤد میں حدیث آتی

ہے کہ آپ ﷺ نے منع فرمایا۔ (تحفہ اہل حدیث ص 58)

الجواب:- اولاً:- بلاشبہ ممانعت کی حدیث حضرت عبدالرحمن بن شہیلؓ سے مروی ہے۔

(ابوداؤد مع عون ص 416 ج 3 و بیہقی ص 326 ج 9 و العلیل المصنویہ ص 172 ج 2)

علامہ خطابیؒ، علامہ منذریؒ، امام بیہقیؒ اور ابن جوزیؒ نے اس حدیث پر جرح کی ہے۔ لیکن حافظ ابن حجر نے اس کی سند کو حسن قرار دیا ہے۔ کمافی عونؒ اور یہی حق اور درست ہے۔ لیکن ممانعت سے حرمت ثابت نہیں ہوتی کیونکہ متعدد صحیح احادیث میں وارد ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں اسے کھاتا ہوں نہ ہی حرام قرار دیتا ہوں۔

(بخاری ص 831 ج 2 و مسلم ص 150 ج 2)

کسی صحابی سے گوہ کے حرام ہونے کا فتویٰ منقول نہیں بلکہ امام نوویؒ نے گوہ کی حلت پر اجماع کا دعویٰ کیا ہے۔

(شرح مسلم ص 151 ج 2)

ثانیاً:- تعارض کے لیے احادیث کا صحت میں برابر ہونا شرط ہے۔

اور حلت کی احادیث، حضرت عمرؓ، حضرت ابی سعیدؓ، حضرت ابن عباسؓ، حضرت خالد بن ولیدؓ، حضرت یزید بن الاصمؓ، حضرت سلیمانؓ، حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت خذیمہؓ، وغیر ہم صحابہ کرام سے مروی ہیں۔

(تحفۃ الاحوذی ص 74 ج 3)

ان میں اکثر احادیث بخاری و مسلم کی متفق علیہ ہیں۔ جبکہ عبدالرحمن بن شہیلؓ سے مروی حدیث کی سند میں کلام ہے کہ اس کا راوی ضمضم بن زرعہ مختلف فیہ راوی ہے۔ امام ابن معین نے توثیق اور ابو حاتم نے تضعیف کی ہے۔ تہذیب ص 405 ج 4، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ وہم کرتا ہے، تقریباً لہذا حلت کی احادیث صحیحہ و کثیرہ کا مقابلہ کرنے کی اس میں بہر حال طاقت نہیں ہے۔ جس کی وجہ سے یہ توضیح کی گئی ہے کہ حلت بدستور باقی ہے اور ممانعت مکروہ تنزیہی پر محمول ہے۔

ثالثاً:- حنفیہ سے بعض لوگوں کا خیال ہے کہ گوہ حلال ہے۔ امام طحاوی فرماتے ہیں کہ
(فثبت بتصحيح هذه الاثار انه لا باس باكل الضب وهو القول عندنا)
یعنی ان حدیث صحیحہ سے ثابت ہوا کہ گوہ کھانے میں کوئی حرج نہیں۔ اور ہمارے نزدیک یہی
محقق قول ہے۔

(شرح معانی الآثار ص 348 ج 2)

مولانا عبدالحی لکھنوی مرحوم علامہ عینی سے نقل کرتے ہیں کہ
(الاصح ان الكراهة عند اصحابنا تنزيهية لا تحريمية للاحادیث الصحیحة
انه ليس بحرام)
یعنی ہمارے اصحاب کے نزدیک صحیح ترات یہی ہے کہ گوہ مکروہ تنزیہیہ ہے۔ مکروہ تحریمی نہیں
کیونکہ احادیث صحیحہ میں اس کی حلت بیان ہوئی ہے۔

(التعلیق المجدد ص 281)

بلکہ مولانا ظفر احمد تھانوی نے تو یہ دعویٰ بھی کیا ہے کہ
(ان اكثر الحنفية قبل الغینی علی ان الكراهة فيه للتنزيه وهو المعروف
عنهم)
یعنی علامہ عینی سے قبل اکثر حنفی گوہ کو مکروہ تنزیہیہ قرار دیتے تھے اور یہی ان کے ہاں معروف
تھا۔

(اعلاء السنن ص 161 ج 17)

اس کے بعد انہوں نے صراحت کی ہے کہ صاحب مذہب سے اصل میں کراہت
منقول ہے جس کی وجہ سے بعض حنفیہ نے تنزیہیہ کہا ہے تو بعض نے مکروہ تحریمی قرار دیا ہے۔
(ص 161, 162)

الغرض فقہاء احناف میں گوہ کے حلال و حرام ہونے میں اختلاف ہے۔
مولانا محمود الحسن خاں صاحب حنفی دیوبندی فرماتے ہیں کہ ضب (گوہ) میں

اختلاف ہے۔ عند الحنفیہ حرام نہیں کراہت کی روایت ہے تحریمی بھی اور تنزیہی بھی۔
(الورد اشذی ص 265 طبع معہد التحلیل الاسلامی 1416ھ)

قارئین کرام! جب آپ نے اس بات کو بخوبی سمجھ لیا کہ خود احتساب میں اس مسئلہ میں اختلاف ہے تو پھر جھنگوی صاحب کس منہ سے یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ تقلید کی یہ برکت ہے کہ انسان کو نسخ و منسوخ کا علم ہو کر رفع اختلاف کا حل مل جاتا ہے۔ اگر فقط تقلید ہی اختلاف کو مٹانے کا حل تھا تو حنفیہ میں کیوں اختلاف ہے؟

قارئین کرام! آپ حیران ہونگے کہ اگر جھنگوی ٹولہ اپنے مولویوں کی بات پر اعتماد کر کے اسے مکروہ تحریمی قرار دے لے یا ظفر احمد تھانوی کی بات مان کر گوہ کو حرام قرار دے لیں اور حلت کی احادیث کو بلا دلیل منسوخ کہہ دیں (اعلاء السنن ص 160) تو یہ پھر بھی امام ابو حنیفہ کے مقلد ہی رہے اور ان کی تقلید میں ذرا بھی فرق نہیں آتا۔ لیکن اگر محدثین ان احادیث کے اختلاف کو تطبیق دیکر موافقت ثابت کر دیں تو یہ پھر بھی اختلاف کا طعن کرتے ہیں۔

مطبوعہ چیز سے وضو ٹوٹنے کا مسئلہ

جھنگوی صاحب فرماتے ہیں کہ آگ پر پکی ہوئی چیز سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ (حدیث)
آپ کا عمل اس کے خلاف بھی ہے (حدیث) (تحفہ اہل حدیث ص 58)
الجواب :- اولاً :- حضرت جابرؓ راوی ہیں کہ

(كان اخرا المرین من رسول الله ﷺ ترك الوضوء مما مست النار)

یعنی آگ پر پکی ہوئی چیز کے معاملہ میں بارگاہ نبوت سے صادر ہونے والے دو مختلف حکموں سے ترک وضو کا حکم آخری ہے۔ (ابوداؤد ومع عون ص 76 ج 1 و نسائی ص 34 ج 1 وابن خزیمہ ص 28 ج 1 والمحل ص 226 ج 1 و بیہقی ص 155 ج 1)

حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ

(انہ راوی رسول اللہ ﷺ یتوضاء من ثورا، قط ثم راه اكل كتف شاة ولم یتوضاء) یعنی میں نے مشاہدہ کیا کہ رسول اللہ ﷺ پیر کے ٹکڑے کھا کر وضو کیا کرتے تھے (جو ایک مطبوخ چیز ہے) مگر بعد میں انہوں نے یہ دیکھا کہ آپ ﷺ نے بکری کا گوشت کھایا اور دوبارہ وضو نہ کیا۔

(بیہقی ص 155 ج 1 و ابن خزیمہ ص 27 ج 1)

روایت مذکورہ میں یتوضاء مضارع کے صیغہ نے واضح کر دیا کہ ایک زمانہ میں مطبوخ چیزیں کھا کر رسول اللہ ﷺ وضو کیا کرتے تھے جسے آپ علیہ السلام نے بعد میں ترک کر دیا۔

تھنگوی صاحب کا ارشاد ہے کہ جس حدیث پر خلفائے راشدین کا عمل نہیں وہ منسوخ ہے۔

(تحفہ اہل حدیث ص 60)

اور زیر بحث مسئلہ میں خلفائے راشدین کا عمل آگ سے پکی ہوئی چیز کھا کر وضو نہ کرنے کا تھا۔

(شرح صحیح مسلم ص 156 ج 1 و مسند الشامیین بحوالہ عون المعبود ص 76 ج 1)

(وغایۃ المقصود ص 140 ج 2 و مصنف عبدالرزاق ص 165 ج 1 (رقم الحدیث

647, 643, 641, 664, 649, 648) و مصنف ابن ابی شیبہ ص 47 ج 1 و شرح معانی

الاثار ص 53 ج 1 و بیہقی ص 157 ج 1)

ثانیاً:- آپ نے احادیث کو اختلاف کی وجہ سے ترک کر کے تقلید کو اپنایا کہ

حدیث کی طرف رجوع کرنا مقلد کا وظیفہ نہیں۔ (احسن الفتاویٰ ص 55 ج 3)

اور آپ نے ان اختلاف کا حل تقلید کو قرار دیا۔ مگر تھنگوی صاحب زیر بحث مسئلہ میں تو خود

حنفیہ میں تین اقوال ہیں۔

(1) آگ سے پکی ہوئی چیز کو کھا کر وضو کرنے کا حکم منسوخ ہے۔

(طحاوی ص 52 ج 1)

(۲) یہ حکم استنباطی ہے (فیض الباری ص 305 ج 1 و اعلاء السنن ص 173 ج 1)

(۳) اس سے لغوی و ضومر ادبے ناکہ و ضومر نماز (الورد الشذی ص 16 و درس ترمذی ص 298 ج 1، بلکہ مولانا ظفر احمد تھانوی نے لغوی و ضومر کی تردید کی تھی لیکن اس کے حاشیہ پر مولانا تقی عثمانی نے ان کا رد تحریر کیا ہے۔

(حاشیہ اعلاء السنن ص 173 ج 1)

ظاہر ہے کہ یہ تینوں اقوال آپس میں سخت متعارض ہیں۔ ان میں موافقت ثابت نہیں کی جاسکتی۔ حالانکہ بقول جھنگوی مقلدین میں اس سلسلہ میں اختلاف رائے نہیں ہونا چاہیے تھا۔ کیونکہ یہ تمام حضرات مقلد تھے۔

فماکان جو اکلم فھو جو ابنا

شراب کی حرمت

جھنگوی صاحب بیان کرتے ہیں کہ صحابہ کا شراب پینا ایک وقت میں حدیث سے ثابت ہے۔ بعد میں منع فرمانا بھی حدیث سے ثابت ہے۔ (تحفہ اہل حدیث ص 58)

الجواب:- اولاً:- خمر (شراب) کے حرام و ممنوع ہونے پر امت کا اجماع ہے اور یہ نص قرآن سے حرام ہے۔

ثانیاً:- اس پر بھی امت کا اجماع ہے کہ خمر (شراب) پہلے مباح تھی بعد میں اللہ تعالیٰ نے اسے حرام قرار دے دیا۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں انصار اور مہاجرین کے کچھ لوگوں کے پاس گیا وہ کہنے لگے اؤ ہم تمہیں کھلائیں اور شراب پلائیں۔ اس وقت شراب حرام نہ ہوئی تھی۔ چنانچہ میں ان کے پاس ایک بانغ میں گیا وہاں ایک اونٹ کے سر کا گوشت بھونا گیا تھا اور شراب کی ایک مشک رکھی تھی۔ میں نے ان کے ساتھ گوشت کھایا اور شراب پی، پھر وہاں مہاجرین اور انصار کا ذکر آیا۔ میں نے کہا مہاجرین انصار سے بہتر ہیں۔ ایک شخص نے سری کا ٹکڑا لیا اور مجھے دے مارا جس سے میری ناک زخمی

ہوگئی۔ میں نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آکر واقعہ بیان کیا تو اللہ تعالیٰ نے میری وجہ سے شراب کے بارے میں یہ آیات نازل فرمائی۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رَجَسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تَفْلَحُونَ﴾ (سورۃ المائدہ: 90)

یعنی اے ایمان والو! بات یہی ہے کہ شراب اور جو اور تھان اور فال نکالنے کے پانے کے تیر یہ سب گندی باتیں شیطانی کام ہیں ان سے بالکل الگ رہو تاکہ تم فلاح یاب ہو۔
(صحیح مسلم ص 281 ج 2)

اس صحیح صریح حدیث سے ثابت ہوا کہ ایک مدت تک شراب مباح تھی۔ بعد میں اللہ تعالیٰ نے اسے حرام قرار دے دیا۔ معلوم نہیں جھنگوی صاحب کو اس میں کیا اختلاف نظر آیا ہے کیونکہ تمام متداول اصول کی کتابوں میں اس امر کی صراحت ہے کہ ناسخ و منسوخ میں اختلاف نہیں ہوتا۔ لیکن علم و فضل کے دعووں کے باوجود جھنگوی ٹولہ ان میں اختلاف ثابت کر رہا ہے۔ حالانکہ اختلاف کے لیے ضروری تھا کہ حلت و حرمت بدستور باقی ہوتی لیکن علم و فضل کے ان مدعیوں کے بڑے دماغ میں یہ چھوٹی سی بات نہیں اتر رہی اس پر مستزاد یہ کہ فقہ کار باگ بھی آلپتے ہیں لیکن اعتراضات سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ فقہ فی الدین کی انہیں ہوا تک نہیں لگی۔ بغض و تعصب نے انہیں مزید عقل و فہم سے کورا کر کے فی طغیانہم کا مصداق بنا دیا ہے۔

جاء:۔ ان نصوص شرعیہ کے برعکس حنفیہ کے نزدیک صرف انگور کی شراب ہی حرام ہے باقی نشہ آور مشروبات ان کے نزدیک حرام ہیں نہ نجس۔

مولوی غلام رسول سعیدی حنفی بریلوی لکھتا ہے کہ

آئمہ ثلاثہ (امام شافعی، امام مالک اور امام احمد) کے نزدیک ہر نشہ آور مشروب حرام ہے خواہ اس کی مقدار کثیر ہو یا قلیل اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک خمر تو مطلقاً حرام ہے اور خمر کے علاوہ باقی نشہ آور مشروبات جس مقدار میں نشہ آور ہوں اس مقدار میں حرام ہیں

اور اس سے کم مقدار میں حرام ہیں نہ نجس اور ان کا پینا حلال ہے۔

(تبیان القرآن ص 299 ج 3 و ص 814 ج 1 و شرح صحیح مسلم ص 190 ج 6 واللفظ لہ)

صاحب ذرا المختار فرماتے ہیں کہ

(والجلال منها اربعة انواع نبیذ التمر والزبيب ان طبخ ادنی طبخة یحل شربه وان اشتد وهذا اذا شرب منه بلاهوه و طرب مالم یسکر والثانی الخلیطان والثالثة نبیذ العسل والتین والبرد والشعیر طبخ اولاً والرابع المثلث)

یعنی چار اقسام کی شراب حلال ہے کھجور اور منقہ کا نبیذ جب اسے تھوڑا سا پکایا جائے۔ دوسرا مخلوط نبیذ تیسرا شہد اور انجیر وغیرہ کا نبیذ اور چوتھا ٹلٹ انگور کا شیرہ جس کا دو تہائی حل چکا ہو یہ سب اقسام حلال ہیں۔ بشرطیکہ قوت کی نیت سے استعمال کی جائیں لہو و لعب کا ارادہ نہ ہو۔

(ذرا المختار مع ردالمحتار ص 453 ج 6)

سر کے مسح کا تکرار

جھنگوی صاحب فرماتے ہیں کہ سر کا مسح تین مرتبہ کرنا (ابوداؤد) ایک مرتبہ کرنا۔

(تحفہ اہل حدیث ص 58)

الجواب :- اولاً :- ایک بار مسح کرنے کی صحیح صریح احادیث ہیں جو بخاری و مسلم کی متفق علیہ ہیں جبکہ تین بار مسح کرنے کی حدیث درجہ حسن کی ہے بلکہ بعض علماء نے اس پر جرح بھی کی ہے۔ بقول مولانا تقی عثمانی تین بار مسح کرنے کی روایت شاذ ہے۔

(درس ترمذی ص 244 ج 1)

جب مبتدعین کے نزدیک یہ روایت ہی درست نہیں تو پھر اعتراض کیوں؟

ثانیاً :- ان دونوں میں تعارض نہیں بلکہ موافقت ہے۔ ایک بار کی حدیث متواتر ہے جس سے ثابت ہوا کہ ایک بار مسح کرنا سنت اور تین بار کرنا جائز ہے۔

محدث عظیم آبادی فرماتے ہیں کہ

(التحقیق فی هذا الباب ان احادیث المسح مرة واحدة اكثر واصح واثبت من احادیث تثلیث المسح وان كان حدیث التثلیث ایضاً صحیحاً من بعض الطرق لكنه لا یساویها فی القوة فالمسح مرة واحدة هو المختار والتثلیث لا یاس به)

یعنی اس مقام پر محقق بات یہ ہے کہ ایک بار مسح کرنے کی احادیث تین بار مسح کرنے کی حدیث سے تعداد اور صحت و ثبوت میں زیادہ ہیں۔ گو تین بار کی حدیث بھی تعدد طرق کی وجہ سے صحیح ہے لیکن قوت صحت میں تین بار کی روایت ان کے برابر نہیں لہذا ایک بار مسح کرنا مختار اور تین بار کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

(غایۃ المقصود ص 337 ج 1 و عون المعبود ص 41 ج 1)

مولانا عثمانی فرماتے ہیں کہ

اگر بالفرض حضرت عثمانؓ کی اس ثلاثاً والی روایت کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو بھی وہ بیان جواز پر محمول ہو سکتی ہے چنانچہ حنفیہ میں سے بعض محققین نے تثلیث کو جائز کہا ہے۔

(درس ترمذی ص 245 ج 1)

نماز عصر کے بعد نوافل کا حکم

جھنگوی صاحب فرماتے ہیں کہ عصر کے بعد آپ ﷺ نوافل پڑھتے تھے۔ حدیث۔ منع فرماتے تھے کہ عصر کے بعد نفل نہ پڑھو۔ (تحفہ اہل حدیث ص 58)

الجواب :- اولاً :- امت مرحومہ میں یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے۔ تقریباً آٹھ موقوف پائے جاتے ہیں۔ خود مقلدین کے ہاں بھی اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔

تفصیل کے لیے (اعلام اہل العصر ص 163 کا مطالعہ کریں۔

اگر تقلید کی وجہ سے اختلاف ختم ہو سکتا تھا تو مقلدین آئمہ اربعہ میں زیر بحث مسئلہ میں کیوں

اختلاف ہے؟

ثانیاً:- احادیث میں قطعاً اختلاف نہیں صرف فرض کر لیا گیا ہے۔ جھٹکوی صاحب آنکھوں سے تقلیدی پٹی اتار کر حدیث کا مطالعہ کرتے تو انہیں اختلاف نظر ہی نہ آتا۔ بہر حال ٹھنڈے دل سے ہماری گزارشات کو سننے واضح رہے کہ نماز عصر کا جو مختار وقت ہے وہ بالاتفاق مکروہ وقت نہیں، ورنہ جماعت عصر کے بعد منفرد بھی نماز عصر نہیں پڑھ سکتا۔ مولانا محمد تقی عثمانی حنفی دیوبندی امام طحاوی سے نقل کرتے ہیں کہ اس وقت بذاتہ کوئی کراہت نہیں جس کی دلیل یہ ہے کہ اسی دن کی فجر اور عصر اس میں بلا کراہت جائز ہے۔

(درس ترمذی ص 425 ج 1)

رسول اللہ ﷺ اسی وقت میں ہی نماز عصر کے بعد دو رکعت نفل پڑھا کرتے تھے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ

((ماترك النبي ﷺ السجدين بعد العصر عندي قط))

یعنی میرے ہاں نبی ﷺ نے نماز عصر کے بعد دو رکعت نماز نفل کبھی بھی ترک نہیں کیے۔ (بخاری ص 83 ج 1 و مسلم ص 277 ج 1 واللفظ لہ)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز عصر کے متصل نوافل پڑھا کرتے تھے اور جن احادیث میں ممانعت ہے وہ سورج کی کیفیت و ہیئت بدلنے پر محمول ہیں۔ حضرت علی مرتضیٰؓ راوی ہیں کہ

(نہی رسول اللہ ﷺ عن صلاة بعد العصر الا ان تكون الشمس بيضاء نقية مرتفعة)

یعنی رسول اللہ ﷺ نے نماز عصر کے بعد نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔ مگر جب آفتاب چمکتا ہوا بلند ہو۔

(نسائی ص 67 ج 1 و ابوداؤد مع عون ص 492 ج 1 و مسند احمد ص 129, 141 ج 1)

و مسند طحاوی ص 108 و بیہقی ص 455 ج 2 و ابن خزیمہ ص 265 ج 2)

اس حدیث پر امام ابو داؤد نے سکوت کیا ہے اور جس روایت پر ابو داؤد سکوت کریں وہ اکابر دیوبند کے نزدیک کم از کم حسن درجہ کی ہوتی ہے۔

(اعلاء السنن ص 152 ج 7)

جبکہ حافظ ابن حجر نے (فتح الباری ص 250 ج 2) میں 'علامہ ابن حزم نے (المحلی بالاثار ص 71 ج 2) میں 'حافظ عراقی نے اور علامہ ناصر الدین البانی نے (ارو الغلیل ص 237 ج 2) و سلسلۃ الاحادیث الصحیحہ (200) میں اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔
الغرض یہ حدیث صحیح، مرفوع، متصل ہے جس کا واضح مفاد یہ ہے کہ

نماز عصر کے بعد جب تک سورج بلند رہے اور اس کی کیفیت میں فرق نہ آئے تب تک نوافل وغیرہ ادا کرنے بلا کراہت جائز ہیں اور جن روایات میں مطلق نماز عصر کے بعد نوافل پڑھنے کی ممانعت ہے وہ احادیث اس حدیث پر محمول ہیں کیونکہ یہ مسلمہ اصول ہے کہ مطلق کو مقید پر محمول کیا جائے گا۔

قارئین کرام جب آپ نے اس بات کو بخوبی سمجھ لیا تو اب سنئے کہ جن احادیث میں بعد نماز عصر رسول اللہ ﷺ سے دو رکعت ہمیشہ پڑھنے کا ثبوت ملتا ہے وہ نماز عصر کے متصل پر محمول ہیں۔ فلا اعتراض

ملاحظا:- خود حنفیہ کے نزدیک بھی ان دونوں روایات میں قطعاً تعارض نہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ حنفیہ نے نوافل سے دشمنی کرتے ہوئے اسے رسول اللہ ﷺ سے خاص کیا ہے۔

(الورد الشدی ص 41) اور محدثین کرام نے اسے بلادلیل صرف زبانی جمع خرچ قرار دیکر رد کر دیا ہے اور حضرت علی مرتضیٰ کی مذکورہ حدیث کے ساتھ موافقت ثابت کی ہے۔ جیسا کہ امام ابو داؤد، امام نسائی، امام ابن خزیمہ وغیرہم نے اپنی اپنی کتب میں تبویب ابواب سے صراحت کی ہے۔

تھنگوی صاحب کو ہمارا چیلنج ہے کہ وہ کسی صحیح، صریح، مرفوع، متصل حدیث سے یہ ثابت کرے کہ آنحضرت ﷺ نماز عصر کے بعد دو رکعت کو اتالیٹ کرتے یہاں تک کہ

سورج کی ہیئت میں فرق آجاتا۔ اگر تھنکوئی ایسی حدیث ثابت کر دے تو ہم مان جائیں کہ واقعی تھنکوئی کے قول میں صداقت ہے اور وہ اپنے دعویٰ میں صادق ہے۔ لیکن تھنکوئی کیا پوری دنیا کے مبتدعین اس کا ثبوت نہیں دے سکتے۔ جس سے ثابت ہوا کہ یہ لوگ جھوٹا دعویٰ کرتے ہیں۔

اعضاء وضو کو دھونے کی تعداد

تھنکوئی صاحب فرماتے ہیں کہ کلی کرنا، ناک میں پانی ایک ایک مرتبہ کی حدیث ہے تین تین مرتبہ والی حدیث بھی آئی ہے۔

(تحفہ اہل حدیث ص 58)

الجواب:- اولاً:- ان احادیث میں قطعاً تعارض نہیں، عداوت اہل حدیث نے تھنکوئی ٹولہ سے امانت و دیانت اور تقویٰ و شہیت الہی یکسر ختم کر دی ہے اور بغض و تعصب اور ہٹ دھرمی نے انہیں عقل و فہم سے کورا کر دیا ہے جس سے یہ لوگ یحمل اسفار تو بن گئے ہیں لیکن انما یشی اللہ من عبادہ العلماء کی صف سے مرصع نہیں ہو سکے۔ ہم تھنکوئی ٹولہ سے مؤدبانہ گزارش کرتے ہیں کہ حدیث آپ کا فن نہیں اور مذکورہ اعتراضات سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ علم حدیث کی آپ کو بوتک نہیں لگی اس لیے بہتر یہ ہے کہ آپ کسی مسلم شخصیت سے ثابت کریں کہ ان احادیث میں تعارض ہے۔ چلو آپ کو مزید رعایت دیتے ہیں علامہ نیوی، علامہ کاشمیری، مولانا بنوری اور ظفر احمد تھانوی جیسے اکابر علماء دیوبند سے ہی ثابت کر دیں کہ وضو کی تعداد والی روایات میں تعارض ہے۔ اگر آپ ثابت کر دیں تو ہم موافقت ثابت کر دیں گے۔ اگر آپ ثابت نہ کر سکے یقیناً ثابت نہیں کر سکیں گے جس سے لازم آیا کہ یا تو آپ جاہل مطلق ہیں یا پھر آپ نے جھوٹ بولا ہے۔

ثانیاً:- ایک عدد میں دھونے کے وجوب کا ثبوت ہے جو جواز کو ثابت کرتا ہے اور تین بار میں عدد مسنون کی حد ذکر ہوئی ہے۔ فلا اعتراض

نماز فجر کا وقت

فرماتے ہیں کہ صبح کی نماز روشنی میں پڑھنا اندھیرے میں پڑھنا دونوں حدیثیں آئی ہیں۔ (تحفہ اہل حدیث ص 58)

الجواب :- اولاً :- صبح کی نماز کو اندھیرے میں پڑھنا رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا۔ جیسا کہ حضرت عائشہؓ (بخاری ص 82 ج 1؛ و مسلم ص 230 ج 1) حضرت جابرؓ (بخاری ص 79 ج 1 و مسلم ص 230 ج 1) حضرت انسؓ (بخاری ص 81 ج 1) سے مروی ہیں۔ حضرت ابی مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ

آنحضرت ﷺ نے جبریل کی اقتداء میں صرف ایک بار ہی نماز فجر کو روشنی میں ادا کیا ہے پھر وفات تک نماز کو روشنی میں نہیں پڑھا۔ (ابوداؤد ص 57 ج 1 و ابن حبان ص 45 ج 4 و بیہقی ص 364 ج 1)

جس سے ثابت ہوا کہ روشنی میں ایک بار صرف بیان جواز کے لیے نماز کو ادا فرمایا۔ مگر آپ علیہ السلام کا معمول اندھیرے میں ہی پڑھنے کا تھا۔ علامہ زیلیعی حنفی امام حازی سے نقل کرتے ہیں کہ

بلاشبہ آپ ﷺ فجر کی نماز ہمیشہ اندھیرے میں پڑھا کرتے تھے یہاں تک کہ آپ ﷺ وفات پا گئے۔

(نصب الرایہ ص 240 ج 1)

اس حقیقت کے برعکس جھنگوی صاحب دعویٰ کرتے ہیں کہ آپ ﷺ سے فجر کی نماز روشنی میں پڑھنا بھی ثابت ہے۔ حالانکہ یہ کورابلکہ کالاسیاء جھوٹ ہے۔ جھنگوی ہمت کرے اور اپنے دعویٰ کو ثابت کرے ورنہ لعنتہ اللہ علی الکاذبین کی وعید شدید سے ڈر جائے۔

ثانیاً :- خود اکابر دیوبند کے نزدیک اگر نمازی جمع ہو جائیں تو اندھیرے میں نماز فجر کو ادا کرنا افضل و اعلیٰ اور اولیٰ ہے۔

(الورد الشذی ص 29 و درس ترمذی ص 406 ج 1 و نماز مسنون ص 180)

تالفا:۔ یہاں حضرت رافع بن خدیج سے مروی حدیث کا نام نہ لینا۔ کیونکہ آپ نے تعارض کا دعویٰ فعلی احادیث میں کیا ہے جبکہ روایت رافع قوی ہے۔ ویسے قوی و فعلی احادیث میں بھی قطعاً تعارض نہیں۔ مفصل دین الحق ص 162 میں دیکھئے۔

جھنگوی مرزا غلام احمد قادیانی کے نقش قدم پر

فرماتے ہیں کہ دیکھیں یہ مختلف قسم کی احادیث آرہی ہیں اس قسم کی سینکڑوں احادیث پیش کی جاسکتی ہیں جن میں کافی تعارض و تخالف موجود ہے۔

(تحفہ اہل حدیث ص 58)

الجواب:۔ اولاً:۔ ان میں تعارض و تخالف موجود نہیں جیسا کہ تفصیل سے لکھا جا چکا ہے اگر ان کے علاوہ مزید روایات کی نشان دہی بھی کرتے تو ہم ان کا جواب بھی عرض کرتے۔
ثانیاً:۔ احادیث کو متعارض کہنا دراصل منکرین حدیث اور مرزائیت کا شوشہ ہے اور جھنگوی انہی لوگوں کا مقلد ہے۔ آئیے مرزا غلام احمد قادیانی کے اقوال ملاحظہ کریں۔

(۱) مولوی ثناء اللہ صاحب کو یہ بھی ایک دھوکہ لگا ہوا ہے کہ وہ متناقض حدیثوں کو ہر ایک کے سامنے پیش کرتے ہیں یہی دھوکہ انکے بزرگ مولوی محمد حسین صاحب کو لگا ہوا ہے۔

(اعجاز احمدی ص 26 و روحانی خزائن ص 136 ج 19)

(۲) علاوہ اس کے ان حدیثوں کے درمیان اس قدر تناقض ہے کہ اگر ایک حدیث کے برخلاف دوسری حدیث تلاش کرو تو فی الفور مل جائے گی۔

(اعجاز احمدی ص 27 و روحانی خزائن ص 137 ج 19)

(۳) خدا نے مجھے اطلاع دے دی ہے کہ یہ تمام حدیثیں جو (اہل حدیث مرزا کے رد

میں (ابوصہیب) پیش کرتے ہیں تحریف معنوی یا لفظی میں آلودہ ہیں اور یا سرے سے موضوع ہیں اور جو شخص حکم ہو کر آیا ہے اس کا اختیار ہے کہ حدیثوں کے ذخیرہ میں سے جس انبار کو چاہے خدا سے علم پا کر قبول کرے اور جس ڈھیر کو چاہے خدا سے علم پا کر رد کرے۔
(ضمیمہ تحفہ گولڈویہ ص 11 و روحانی ص 17 ج 51)

(۴) علمائے مخالفین کا میری نسبت درحقیقت اور کوئی بھی عذر نہیں بجز اس بیہودہ عذر کے کہ جو ایک ذخیرہ رطب و یابس حدیثوں کا انہوں نے جمع کر رکھا ہے ان کے ساتھ مجھے ناپنا چاہتے ہیں حالانکہ ان حدیثوں کو میرے ساتھ ناپنا چاہیے تھا۔

(تحفہ گولڈویہ ص 42 و روحانی 158 ج 17)

(۵) ان پانچ حدیثوں میں کس قدر اختلاف ہے کسی حدیث میں براق کا ذکر ہے اور کسی میں یہ ہے کہ جبریل ہاتھ پکڑ کر لے گیا اور کسی میں بیداری اور کسی میں خواب لکھی ہے اور کسی میں لکھا ہے کہ میں حمرہ میں لیٹا ہوا تھا اور کسی میں لکھا ہے کہ میں مسجد کعبہ میں تھا اور کسی میں لکھا ہے کہ صرف جبریل آیا تھا اور کسی میں لکھا ہے کہ تین آدمی آئے تھے اور کسی میں لکھا ہے کہ آدم کے بعد عیسیٰ اور یحییٰ کو دیکھا اور کسی میں لکھا ہے کہ آدم کے بعد اور یس کو دیکھا اور کسی میں لکھا ہے کہ عیسیٰ کو دوسرے آسمان میں دیکھا اور موسیٰ کو چھٹے آسمان میں اور کسی میں لکھا ہے کہ پہلے موسیٰ کو دیکھا پھر عیسیٰ کو اور کسی میں لکھا ہے کہ ابراہیم کو ساتویں آسمان پر دیکھا اور کسی میں لکھا ہے کہ موسیٰ کو ساتویں آسمان پر دیکھا اور ابراہیم کو چھٹے میں غرض اس قدر اختلاف ہے کہ جس کے مفصل لکھنے کے لیے بہت سے اوراق چاہئیں۔
(ازالہ اوہام ص 935 و روحانی خزائن ص 614 ج 3)

واضح رہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی کے جملہ اعتراضات پر خاکسار نے اپنی تالیف (علوم الحدیث اور مرزا) میں مفصل بحث کی ہے جس میں مذکورہ اعتراض کا بھی علمی و تحقیقی جائزہ پیش کر دیا گیا ہے۔ لہذا یہاں اعادہ کی ضرورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس کتاب کی طباعت و اشاعت کا کوئی ذریعہ پیدا کر دے۔ آمین یا اللہ العظیم

(۶) جس قدر بعض احادیث میں تعارض و متخالف پایا جاتا ہے اس کے بیان کرنے کے لیے تو ایک رسالہ چاہیے۔

(الحق مباحثہ لدھیانہ ص 15 و روحانی خزائن ص 17 ج 4)

(۷) ومع ذلك فيها اختلاف كثيرة ومنافات كبيرة ولاجل ذلك افتقرت الامة وتشاجرت الملة فمنهم حنبلي وشافعي ومالكي وحنفي وحزب المتشيعين)

اور اس کے ساتھ ساتھ احادیث میں بہت زیادہ اختلاف ہے اور آپس میں سخت متعارض ہیں اور انہیں کے سبب امت میں افتراق اور ملت کا شیرازہ بکھرا ہے ان سے حنبلی، شافعی، مالکی، حنفی اور شیعہ کا گروہ ہے۔

(آئینہ کمالات اسلام ص 559)

(۸) مرزا غلام احمد قادیانی کا بیٹا اور اس کا دوسرا جانشین مرزا محمود احمد اپنے خطبہ جمعہ مورخہ 4 جولائی 1924ء میں کہتا ہے کہ

حضرت مسیح موعود (مرزا غلام احمد قادیانی) فرمایا کرتے تھے کہ حدیثوں کی کتابوں کی مثال تو مداری کے پٹارے کی ہے جس طرح مداری جو چاہتا ہے اس میں سے نکال : اے۔ اسی طرح ان سے جو چاہو نکال لو فی الواقعہ یہ صحیح بات ہے اور یہ نبی کا ہی کام ہے کہ بتائے کونسی ایسی حدیث ہے جو دست و برد کا نتیجہ ہے اور کونسی محمد ﷺ کا سچا کلام ہے۔

(الفضل 15 جولائی 1924ء بحوالہ خطبات محمود ص 457 ج 8)

مولوی نور الدین جانشین اول مرزا قادیانی نے بھی یہ روایت قدرے الفاظ کے تغیر سے مرزے سے نقل کی ہے۔ (الحکم مورخہ 17 دسمبر 1902 مندرجہ حقائق الفرقان ص 105 ج 4 طبع ربوہ بدون تاریخ)

نتیجہ :- اولاً مرزا واضح اور کھلے الفاظ میں کہتا ہے کہ احادیث میں اختلاف ہے اور یہ مداری کی پیاری بات ہے۔

(عبارت نمبر 1,2,5,6,7,8)

ثانیاً:- اس کے اختلاف کو مٹانے اور احادیث کو لائحہ عمل بنانے کے لیے مرزا کہتا ہے کہ میری پیروی کرو۔

(عبارت نمبر 3,4)

(۱) ایسے ہی جھنگوی کہتا ہے کہ احادیث میں تعارض و تخالف موجود ہے۔

(۲) ان اختلافات کا حل یہ ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کی تقلید کی جائے۔

(تحفہ اہل حدیث ص 59)

بحث کا بنیادی پتھر:- قارئین کرام حقیقت یہ ہے کہ احادیث صحیحہ میں قطعاً تعارض نہیں۔ خود غرضی اور مطلب بر آری کے لیے اختلاف باور کر لیا جاتا ہے۔ ایک فریق کہتا ہے کہ چونکہ احادیث میں اختلاف ہے لہذا یہ واجب العمل نہیں بلکہ قول امام کو تسلیم کرنا ضروری ہے۔ دوسرا فریق بھی یہی کہتا ہے کہ فرق صرف یہ ہے کہ ایک گروہ تقلید کے پردہ میں اسلامی تعلیم کو ناقص و ادھورا کہتا ہے تو دوسرا گروہ جھوٹی نبوت کی آڑ میں اسلامی تعلیم کو مسخ کر رہا ہے۔

فریقین منافقت کے روپ میں:- حقیقت میں یہ دونوں فریق ہی احادیث کے منکر ہیں۔ اس کے لیے انہوں نے مذکورہ جھوٹا بہانہ تلاش کیا ہے اور جن روایات کو یہ حضرات قبول کرتے ہیں وہ اسوہ حبیب جان کر نہیں بلکہ اپنے موقف کی حمایت کے لیے جس سے ان کا مقصود عوام الناس کو مطمئن کرنا ہوتا ہے۔ گویا احادیث کو معیار حق سمجھنے کی بجائے اقوال آئمہ کو معیار حق جانتے ہیں جس پر احادیث کو اپنے نظریات پر مانتے ہیں۔

مرزے کی عبارت نمبر 3 ملاحظہ ہو

مولانا محمد رسول خاں صاحب دیوبندی فرماتے ہیں کہ

اہل حدیث اور ہم اتنے امر میں شریک ہیں کہ وہ بھی قرآن اور حدیث پڑھتے ہیں اور ہم بھی۔ مگر فرق یہ ہے کہ ہم حدیث اس وجہ سے پڑھتے ہیں کہ امام کے جن اقوال

کامشا ہمیں معلوم نہیں معلوم ہو جائے یعنی ہم فقہاء کے اقوال کی تائید کے لیے حدیث کا استعمال کرتے ہیں۔

(قاسم العلوم ص 25 جلد اول شماره نمبر 11 بحوالہ پاک وہند میں علمائے اہل حدیث کی خدمات حدیث ص 75)

اسی کے قریب قریب بات مرزا غلام احمد نے کہی ہے کہ

تائیدی طور پر ہم وہ حدیثیں بھی پیش کرتے ہیں (اعجاز احمدی ص 30 دور وحانی ص 140 ج 19) گو یادوں فریق حدیث کو استعمال کرتے ہیں۔ لیکن اصل بنیاد حدیث نہیں بلکہ اپنے خود ساختہ نظریات ہیں۔ پھر حدیث کا استعمال بھی یہ حضرات جس طرح کرتے ہیں وہ بھی قابل دید ہے۔ دونوں ہی وضع حدیث میں معروف ہیں۔ جھنکوئی نے اس چھوٹے سے کتابچہ میں دو روایات خود وضع کی ہیں۔ ایسا ہی مرزا بھی احادیث وضع کرنے میں جبری ودلیر تھا۔ تفصیل کے لیے راقم کا اشتہار مرزا غلام احمد قادیانی کے رسول اللہ ﷺ پر دس افتراء کا مطالعہ کیجیے۔ جو خاکسار کی تالیف حیات عیسیٰ علیہ السلام اور صداقت مرزا پر ایک مناظرہ جو نہ ہو سکا کے آخر ص 97 میں مطبوعہ ہے۔

علاوہ ازیں مرزا کی طرح آل دیوبند کو بھی من گھڑت اور وضعی روایات سے استدلال کرتے ہوئے ان کا ضمیر انہیں ملامت نہیں کرتا چنانچہ جھنکوئی صاحب فرماتے ہیں کہ تفسیر درمنثور آیت یوم تبیض وجوہ (الایہ) کے تحت نبی ﷺ نے فرمایا کہ جن کے چہرے روز قیامت چمکتے ہو گئے وہ اہل سنت والجماعت ہو گئے۔ (تحفہ اہل حدیث ص 51)

بلاشبہ یہ روایت (درمنثور ص 63 ج 2) میں (دیلی ص 449 ج 5 کے حوالے سے) موجود ہے لیکن من گھڑت اور موضوع ہے جیسا کہ امام دارقطنی نے صراحت کی ہے۔ تفصیل کے لیے (تنزیہ الشریعہ ص 319 ج 1) کا مطالعہ کیجیے۔

اگر جھنکوئی صاحب کو علم حدیث کا دھواں تک لگا ہوتا تو من گھڑت اور موضوع روایت سے استدلال نہ کرتے اگر ضرور ہی کرنا تھا تو اس پر حکم لگا دیتے کہ موضوع ہے۔ علم کو چھپانا اہل علم اور اہل سنت کا شعار نہیں بلکہ مبتدعین کا ہے۔

فصل پنجم

اہل حدیث میں اختلاف

مؤلف تحفہ اہل حدیث نے دل کی بھڑاس نکالنے کے لیے اہل حدیث کی ذیلی تنظیموں کو بھی نشانہ بنایا کہ ان میں غربا اہل حدیث، امراء اہل حدیث (جھوٹے پر اللہ کی لعنت) مسلمین اہل حدیث، علماء اہل حدیث، لشکر طیبہ، سلفی اہل حدیث، اثری اہل حدیث، وغیرہ ہیں جن میں متعدد اختلافات ہیں۔ (جن کا ذکر آگے آرہا ہے) حالانکہ کسی جماعت میں اختلاف رائے کا ہونا اس کے کاذب اور باطل ہونے کی دلیل نہیں ہوتی۔ ہمیں سے ہی ہمارے معاصر کو بھول گئی ہے کہ وہ اختلافات اہل حدیث کو پلے باندھ کر ہمیں مطعون کر رہا ہے۔ (اپنے اختلاف کا تو خیر سے ذکر ہی نہیں کرتا) حالانکہ قرآن شہادت دیتا ہے کہ بسا اوقات انبیاء کرام علیہم السلام میں بھی اختلاف ہوا۔ مثلاً سورۃ الانبیاء میں داؤد اور سلیمان علیہ السلام کا مقدمہ میں اختلاف رائے کا ذکر ہے۔ آخر میں ارشاد فرمایا کہ

﴿وَكَلَّا اتَيْنَا حُكَمَاوَعِلْمًا﴾ (آیت 79)

(21-79)

یعنی دونوں کو ہم نے نبوت و علم بخشا تھا۔

دیکھیے قرآن مجید تو ان کے اختلاف رائے کے باوجود ان کی تعریف کرتا ہے۔ مگر ہمارے معاصر ہمیں اختلاف کی وجہ سے طعن کرتا ہے۔ اگر ہر جگہ اسی اصول کو ہی اختیار کر لیا جائے کہ چونکہ فلاں فلاں میں اختلاف ہے تو ہر چیز پر اعتبار اٹھ جائے گا۔ دو جوں، دو عدالتوں، دو ملکوں، دو گھروں، دو بھائیوں، میں اختلافات تو زندگی کا ایک معمول بن چکے ہیں۔ تو کیا اس کا یہ معنی ہے کہ دو اختلاف کرنے والے حج پاگل، دو مختلف عدالتیں فضول، دو مختلف ملک باطل پرست، دو مختلف گھر جہنم کا بندھن، اور دو مختلف بھائی سبیل المؤمنین سے دور اور طریق یہود پر گامزن ہیں۔ مگر کوئی صاحب علم اس موقف کی تائید نہیں کرے گا۔ کیونکہ دنیا میں کوئی ایسی جماعت نہیں جس میں اختلاف رائے نہ ہو۔ اگر ہمارے معاصر

کو ہماری بات پر اعتماد نہیں تو وہ اپنے استاد محترم کی تالیف 'الکلام المفید' کا باب ہفتم اور ہشتم کا مطالعہ کر لے جہاں قرآن و حدیث کی واضح نصوص سے انبیاء کرام، صحابہ کرام اور فرشتوں کے اختلاف پر ٹھوس اور معتبر حوالے نقل کیے گئے ہیں اور آئمہ اربعہ اور مجتہدین کے اختلاف کا بھی ذکر کیا ہے۔ ایک مقام پر فرماتے ہیں کہ

اہل علم مقلد صرف لکیر کے فقیر ہی نہیں ہوتے۔ وہ دلائل کی صحت و سقم کو پرکھتے اور جانچتے ہیں اور کمزور دلائل میں اپنے امام کا ساتھ چھوڑ دیتے ہیں۔ بایں ہمہ وہ اصولی طور پر مقلد ہی ہوتے ہیں۔ امام ابو یوسف، امام محمد اور امام طحاوی وغیرہ آئمہ نے بیسیوں مسائل میں حضرت امام ابو حنیفہ کے خلاف نام لے کر دلائل پیش کیے ہیں۔

(طائفہ منصورہ ص 112)

مولانا عبدالحی لکھنوی حنفی مرحوم فرماتے ہیں کہ

(انہما خالفا اباحنیفۃ فی ثلاثی مذہبہ) (مقدمہ عمدۃ الرعاۃ ص 8)

یعنی امام غزالی فرماتے ہیں کہ قاضی ابو یوسف اور امام محمد نے امام ابو حنیفہ کے مذہب سے ایک ثلث (تیسرے حصے) میں اختلاف کیا ہے۔

ہمارے اختلاف کو چھوڑیے ذرا اپنے اختلافات کی نوعیت بتائیے کہ آپ کے اکابرین میں اختلاف کیوں تھا؟ کیا وہ بھی باطل پرست تھے؟ اگر وہ ایسے ہی تھے تو ہمیں اس سے کیوں مطعون کر رہے ہو؟ یہ ایک ایسا وزنی اعتراض تھا کہ مؤلف تحفہ اہل حدیث کے پاس اس کا جواب تھا نہ ہی کوئی تاویل اس لیے انہوں نے اس حقیقت سے سرے سے انکار ہی کر دیا کہ ان میں اختلاف بھی تھا۔

دیکھیے (تحفہ اہل حدیث ص 70) ان اللہ وانا لہ راجعون

قارئین کرام! آپ فقہ حنفی کی کوئی مترجم کتاب اٹھا کر دیکھ لیجیے جس میں آپ کو مؤلف تحفہ اہل حدیث کے کاذب ہونے کا یقین ہو جائے گا۔

ان تمام چیزوں کو بھی جانے دیجئے دیکھئے کہ برصغیر کی حقیقت میں کوئی بریلوی ہے

کوئی حیاتی دیوبندی ہے تو کوئی مماتی دیوبندی ہے۔ پھر ان کی جوذیلی تنظیمیں ہیں ان پر غور کیجیے تو یہ لوگ تقریباً سو کے لگ بھگ گروہ بن جاتے ہیں۔ اب بھی یہ لوگ اتحاد اور اتفاق کے مدعی اور غیروں کو انتشار کا شکار باور کراتے ہیں۔ مماتی دیوبندیوں کو حیاتی کن کن القاب سے نہیں نوازتے جن کو نقل کرتے ہوئے بھی شرم آتی ہے۔

الغرض کسی گروہ میں بعض جزوی مسائل میں اختلاف یا بعض شبہات کی بنا پر اختلاف ہو جانا کوئی بعید از عقل اور راہ صواب سے بھٹک جانے کی دلیل نہیں۔

کیا حضرت فاطمہؓ، حضرت ابو بکر صدیقؓ سے باغ فدک کے معاملہ میں ناراض نہیں ہوئیں؟ کیا حضرت علی مرتضیٰ نے تامل کے بعد حضرت ابو بکر صدیقؓ کی بیعت نہیں کی؟ کیا حضرت علی مرتضیٰ نے امیر معاویہؓ کی جنگیں نہیں ہوئیں؟ کیا صحابہ کرامؓ میں ان حالات میں دو گروہ نہیں بنے؟ اگر یہ تمام کام ہوئے ہیں یقیناً ہوئے ہیں تو کیا وہ آپس میں تلوار اٹھانے کے باوجود نص قرآنی سے

(الفتح: 29)

﴿رحماء بینہم﴾

تھے تو اہل حدیث میں اگر بعض فروعی امور میں اختلاف ہے تو یہ چیز ان کی عظمت کے منافی کیوں ہے؟

جماعت غرباء اہل حدیث کے انفرادی مسائل اور ان کا حل

فرماتے ہیں کہ سن لیجیے غیر مقلد مولانا عبدالوہاب ملتانی نے امامت کا دعویٰ کیا تھا۔

(۱) کہتا ہے میں امام وقت ہوں۔ مظالم روپڑی (بحوالہ تعارف علماء اہل حدیث ص 56)

(۲) امام وقت اپنے نبی کا نائب ہوتا ہے۔ (ایضاً ص 56)

(۳) میری بیعت مثل ابو بکر صدیقؓ کے ہوئی۔ (ایضاً ص 56)

(۴) جو امام کی بیعت کے بغیر مرے گا جاہلیت کی موت مرے گا۔ (ایضاً ص 57)

(۵) قربانی کے دنوں میں چار آٹھ آنے کا گوشت بازار سے خرید کر تقسیم کر دینے سے

قربانی ہو جاتی ہے۔ (ایہا)

نیز انڈے کی قربانی جائز ہے۔ (فتاویٰ ستاریہ)

یہ مسلک تھا امیر جماعت غرباء اہل حدیث کا (تحفہ اہل حدیث ص 65)

الجواب :- اولاً :- اعتراض ہمیشہ وہی مقبول ہوتا ہے جو فریق ثانی کا متفق ہو۔ غیر متفق اعتراض کر کے فریق مخالف کے پورے گروہ کو مجرم قرار دینا عقل و انصاف سے بعید ہے۔ مسٹر ٹی ناصر عیسائی مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے تحریر کرتا ہے۔

یہ مزاروں کی تعمیر، یہ قبروں کی پوجا، یہ پھولوں کی چادریں، یہ منٹیں، یہ قبروں پر دعائیں، کیا معنی ہے ان کا؟ کیا اللہ مسجد یا گھر میں آپ کی دعا نہیں سن سکتا؟ جب تک دس پیروں کے پیغمبروں کے آگے گھٹنے پاماتھانہ ٹیک لیں آپ کو سکون نہیں آتا۔ اللہ کو تو آپ نے اپنی زندگی سے خارج ہی کر دیا۔

(عیسائی رسالہ ماہنامہ کلام حق جولائی 1999ء صفحہ 21)

کیا اس عیسائی کا اعتراض درست ہے جو پوری امت محمدیہ کو لاکار رہا ہے کہ آپ نے اللہ کو اپنی زندگی سے خارج کر دیا ہے۔ اگر نہیں یقیناً نہیں کیونکہ بعض مسلمانوں کے عمل کو پوری امت کی طرف منسوب کر کے اس کا ذمہ دار بٹھہرانا بہر حال غلط ہے۔ اسی طرح اہل حدیث میں سے کسی شخص کے انفرادی اجتہاد و رائے سے پوری جماعت اہل حدیث کو مجرم قرار دینا غلط ہے۔

ثانیاً :- بلاشبہ گوشت خرید کر صدقہ کرنے سے قربانی ادا نہیں ہوتی مگر یہ مؤقف صرف مولانا عبد الوہاب کا ہی نہیں بلکہ معروف صحابی حضرت ابن عباسؓ کا بھی ہے۔ انہوں نے اپنے مولیٰ ابن عمیر کو دو درہم دیکر کہا کہ اس کا بازار سے گوشت خرید کر لاؤ اور جو ملے اس سے کہو کہ یہ ابن عباسؓ کی طرف سے قربانی ہے۔ (المحلی بالاثار ص 10 ج 6)

جو توجیہ اور جواب آپ ابن عباسؓ کے فتویٰ کا دیں گے وہی جواب ہماری طرف سے مولانا مرحوم کے فتویٰ کا سمجھ لیجیے گا۔

ہماری تو آنکھ کا تنکا بھی آپ کو نظر آگیا ہے مگر اپنی آنکھ کا شہتیر بھی آپ کو نظر نہیں آتا۔ سنئے مولانا غلام مرشد صاحب حنفی دیوبندی سابقہ خطیب بادشاہی مسجد لاہور نے ایک بار خطبہ عید میں کہا تھا کہ قربانی پر حکومت کی طرف سے منصوبہ بندی کر کے جانوروں کی قیمت کسی قومی فنڈ میں ادا کر دی جائے تو اس رقم کی ادائیگی سے مذہباً قربانی تصور کی جائے گی۔

(روزنامہ نوائے وقت 20 جولائی 1959ء بحوالہ فتاویٰ علمائے حدیث ص 80 ج 13)

یہ فتویٰ مولانا عبدالوہابؒ کے فتویٰ سے زیادہ غلط اور نتائج کے لحاظ سے سنگین ہے۔ رہانڈے کی قربانی کا مسئلہ تو اس میں انہوں نے حدیث سے استدلال کیا ہے۔

(فتاویٰ ستاریہ ص 140 ج 4) میں لکھا ہے کہ

حدیث جمعہ میں آیا ہے کہ جو شخص جمعہ میں سب سے پہلے آیا اس کو اونٹ کی قربانی کا ثواب ملے گا اور اس کے بعد آنے والے کو گائے کی قربانی کا اور جو اس کے بعد آئے اس کو بکرے بھیڑے کی قربانی کا اور جو اس کے بعد آیا اس کو مرغ کی قربانی کا ثواب ملے گا اور جو اس کے بعد آیا تو اس کو اونڈے کی قربانی کا ثواب ملے گا۔ (انتہی)

مفتی غرباء اہل حدیث نے جس حدیث کی نشان دہی کی ہے وہ (بخاری ص 121 ج 1 و مسلم ص 282 ج 1) میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے اس میں لفظ ہدی ہے جو بمعنی قربانی مستعمل ہے۔ عام کتب لغت، مگر اس حدیث میں اس کا استعمال بمعنی صدقہ ہوا ہے جیسا کہ محدث مبارکپوری نے صراحت کی ہے۔

مرعاۃ ص 462 ج 4 یہی بات حافظ ابن حجر نے کہی ہے۔ (فتح الباری ص 293 ج 2)

الغرض یہاں زیادہ سے زیادہ یہی کہا جاسکتا ہے کہ انہوں نے حدیث کے مفہوم کو سمجھنے میں خطا کی ہے۔ یہ بات آپ کو معلوم ہی ہوگی کہ اخات کے نزدیک مفتی اگر خطا بھی کرے تو تب بھی ماجور ہوتا ہے۔

اور بخاری ص 1092 ج 2 و مسلم ص 76 ج 2 کی حدیث آپ کا مستدل ہے۔

اس اجر کی پیمائش دیر بعد بیان کرتے ہیں مفتی نے تحقیق حق کے لیے کوشش تو کی ہے یہ الگ بات ہے کہ اس کا فتویٰ حقیقت میں غلط ہے۔

اگر آپ کو ہماری اس حدیث سے اتفاق نہیں تو نہ سہی مگر اپنے استاذ المکرم کی تالیف (الکلام المفید ص 167) کا ضرور مطالعہ کر لینا۔ جہاں انہوں نے اس پر جی بھر کے لکھا ہے۔ امید ہے کہ اس سے آپ ضرور اتفاق کریں گے۔

شم اقول! آپ کو مولانا عبدالوہاب ملتانی سے تو اختلاف ہے جبکہ آپ نے صحابہ کو معیار حق قرار دیا ہوا ہے اس مقدس گروہ میں سے حضرت بلالؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ کا فتویٰ ہے کہ مرغ کی قربانی جائز ہے۔

(المحلی بالاثار ص 9 ج 6 مسئلہ نمبر 973 و تلخیص الحییر ص 138 ج 4)

علامہ ابن حزم نے یہاں پر یہ دعویٰ بھی کیا ہے کہ ان سے کسی صحابی کا اختلاف ثابت نہیں ہے۔ آپ ہمت کیجیے اور ابن حزم کے دعویٰ کو توڑ دیجیے ورنہ یہی دلیل آپ پر حجت ہے کہ آپ صحابہ کرام کو معیار حق قرار دیتے ہوئے بھی ان کے فتاویٰ سے اختلاف کر رہے ہیں۔ رہا ہمارا عقیدہ اور نظریہ تو بغور سنئے کہ قرآن نے قربانی کے لیے جانوروں کا ذکر کیا ہے حدیث صحیح میں آتا ہے کہ

(لَا تَذْبَحُوا إِلَّا مَسْنَةَ الْإِنَانِ يَعْسِرُ عَلَيْكُمْ فَنَذَبُحُوا جَذْعَةَ مِنَ الضَّانِ)

(مسلم ص 155 ج 2)

یعنی حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قربانی میں نہ ذبح کرو مگر دو دانت۔ ہاں اگر دو دانت میسر نہ ہو تو بھیڑ کا کھیر اذبح کر لو۔

اس حدیث سے واضح ہے کہ قربانی کے لیے مسنہ ہونا شرط ہے اور بامر مجبوری بھیڑ کے کھیرے کی قربانی جائز ہے۔

ظاہر ہے کہ پرندہ اور انڈہ نہ مسنہ ہو سکتا ہے نہ کھیرا، بایں وجہ ان صحابہ کرام اور مولانا عبدالوہاب کا فتویٰ حدیث کے مخالف ہونے کی وجہ سے قابل عمل نہیں ہے۔

حالتاً:- آپ نے جو نمبر 1,2,3,4 میں مظالم روپزی کے حوالے سے عبارات ذکر کی ہیں وہ آپ کا کذب اور غلط بیانی ہے۔ ہم نے مظالم روپزی کو متعدد بار بغور دیکھا ہے اس میں کوئی ایسی عبارت نہیں ہے اور نہ ہی آپ مولانا عبدالوہابؒ ملتانی کی کسی کتاب سے ایسی عبارات پیش کر سکتے ہیں۔ مولانا عبدالوہابؒ ملتانی فرماتے ہیں کہ

بھائی میرا کب دعویٰ ہے امامت مثل ابو بکرؓ صدیق کا

(بحوالہ مقاصد الامامة و مناقب الخلفاء ص 6)

عزیز بھائی بات صرف یہ ہے کہ جب ہندوستان میں اسلامی حکومت کو انگریزوں نے طاقت کے بل بوتے پر ختم کر دیا تو مولانا عبدالوہابؒ نے جماعت غرباء کی بنیاد رکھی۔ جس میں شورائی نظام سے ان کو امام منتخب کر لیا گیا اور باقی لوگوں نے ان کی بیعت کر لی۔ جس کا مقصد دوبارہ احیاء خلافت تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ لوگ اپنے مقصد میں ناکام رہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ ایسی بیعت کے ناجائز و حرام ہونے کے لیے آپ کے پاس کیا دلیل ہے اس کی حرمت کا فتویٰ صادر کرتے ہوئے ذرا اپنے فرقہ دہانہ کے حالات کا خوب جائزہ لے لینا کیونکہ ان میں بیعت کا رجحان آج بھی موجود ہے بلکہ آپ کے ہاں تو فوت شدہ بزرگ کے نام پر بھی بیعت کی جاتی ہے۔ مولانا عبید الرحمن محمدی صاحب کا چشم دید بیان ہے کہ رانیونڈ میں سالانہ اجتماع 1993ء میں مولانا انعام نے تبلیغی لوگوں سے اپنے ہاتھ پر مولانا محمد الیاس کی بیعت لی تھی۔ جس کی کیسٹ مرکز المدعوۃ والارشاد لاہور سے مل سکتی ہے۔

دیکھئے (تبلیغی جماعت ص 21,23)

یہ بدعی بیعت کا طریقہ کہ زندہ عالم فوت شدہ کے نام پر لوگوں سے بیعت لے، تو آپ کو نظر نہیں آیا مگر مولانا عبدالوہابؒ اور ان کی جماعت کی بیعت آپ کو کھٹکتی ہے۔ غالباً آپ کو بدعت سے پیار اور سنت سے عداوت ہے۔ اس بات کی تائید اکابر دہانہ کے رویہ سے بھی ہوتی ہے کہ ان لوگوں نے دین میں بے شمار بدعات ایجاد کر رکھی ہیں۔ اسی وجہ سے یہ حضرات جب تبلیغی چلہ وغیرہ پر جاتے ہیں تو ان لوگوں کی اقتداء میں بھی نماز ادا کر لیتے ہیں

جن کو یہ حضرات بدعتی و مشرک قرار دیتے ہیں۔ علاوہ ازیں ان کی بدعات اور شرکیہ عقائد کی تردید نہیں کرتے اور نہ ہی جہاد کی دعوت دیتے ہیں۔ اگر آپ کو میری اس بات پر یقین نہیں تو مولانا محمد اسماعیل صاحب محمدی آپ آئیے میں اور آپ دونوں تبلیغی جماعت میں تین دن لگاتے ہیں جس میں تبلیغی نصاب کی بجائے قرآن و سنت کا درس ہو کرے گا۔ جس کو یہ راقم اور آپ باری باری توحید اتباع سنت، اور بدعات اور دعوت جہاد پر دیا کریں گے۔ ان تینوں مضامین سے جس ایک کو آپ چاہیں منتخب کر لیں اور تیسرے کو خاکسار اور آپ باری باری بیان کریں گے مگر یہ راقم پورے وثوق اور یقین کامل سے کہتا ہے کہ آپ کے اکابر اس کی اجازت نہیں دیں گے کیونکہ دینہ کو توحید سے ضد اور شرک سے پیار، سنت سے دشمنی اور بدعات سے محبت، جس کی متعدد مثالیں علماء دیوبند کی کتابوں میں موجود ہیں تسبیح سے لگاؤ اور جہاد سے نفرت ہے۔

حالانکہ توحید اسلام کی بنیاد، اتباع سنت طریق المؤمنین اور جہاد اسلام کی چوٹی ہے اس قدر بدعات اور مبتدعین سے پیار و محبت اور الفت کے باوجود آپ کا دعویٰ اہل سنت ہونے کا ہے۔

نماز کے بعد اجتماعی دعا

فرماتے ہیں غیر مقلدین حضرات فرض نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کو بدعت کہتے ہیں دعانہ مانگنے والوں کے خلاف حال ہی میں ایک غیر مقلد مولوی بشیر الرحمن سلفی نے کتاب لکھ ماری ہے۔ اس کتاب میں ثابت کیا ہے کہ فرض نماز کے بعد دعا بدعت نہیں سنت ہے..... اب بھی کہو کہ ہم میں اختلاف نہیں ہے۔ (تحفہ اہل حدیث ص 66)

الجواب :- اولاً:- نفس دعا سے تو کسی کو اختلاف نہیں اختلاف تو بعد نماز دعا کی کیفیت سے ہے کہ جو عام مساجد میں نماز کے بعد دعا کو امام التزام کے ساتھ اجتماعی صورت میں مانگتا ہے اور مقتدی پیچھے پیچھے آمین آمین کہتے ہیں اس ہیئت اور کیفیت پر آپ کے پاس کوئی دلیل

شرعی ہے تو بیان کیجیے۔

ثانیاً:- یہ اختلاف فقط اہل حدیث ہی میں نہیں بلکہ مبتدعین دہانہ میں بھی اختلاف ہے اور حکیم عماد الدین حنفی دیوبندی نے اس کے رد پر التحقیق الحسن فی نفی الدعا الاجتماعی بعد الفرائض والسنن کے عنوان سے ایک مبسوط کتاب بھی تالیف کی ہے جو اڑھائی صد صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں انہوں نے چھتیس (۳۶) اکابرین علماء دیوبند کی عبارات نقل کی ہیں کہ یہ دعا بدعت ہے جس میں مولانا انور شاہ کاشمیری (عرف الشذی ص 86 ج 1) ، مولانا عبدالحی لکھنوی حنفی (مجموعہ فتاویٰ ص 100 ج 2) ، مفتی محمد شفیع (معارف القرآن ص 578 ج 3) اور مولانا محمد یوسف بنوری جیسے اکابر دیوبند شامل ہیں۔

(التحقیق الحسن ص 17-47)

ثالثاً:- قارئین کرام حقیقت یہ ہے کہ جن لوگوں نے اس کے بدعت ہونے کا فتویٰ دیا ہے ان کا کہنا ہے کہ اس کیفیت کے ساتھ دعا کا ثبوت قرآن و حدیث میں قطعاً نہیں ظاہر ہے کہ دعا عبادت ہے۔ اور عبادت کا جو طریقہ شریعت میں منقول نہیں وہ بدعت ہوتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ

((من عمل عملاً لیس علیہ امرنا فهو رد))

یعنی جس نے کوئی ایسا کام کیا جس پر ہماری طرف سے کوئی ثبوت نہیں تو وہ کام مردود ہے۔

(بخاری ص 1092 ج 2 و مسلم ص 77 ج 2)

فقہاء احناف نے اسی وجہ سے ہی طلوع فجر کے بعد دو رکعت سنت کے علاوہ نفل پڑھنے کو مکروہ لکھا ہے۔

((لانه علیہ السلام لم یزد علیها))

اس لیے کہ نبی کریم ﷺ نے اس سے زیادہ نماز نہیں پڑھی۔ (ہدایہ ص 70 ج 1)

جبکہ جو حضرات نماز کے بعد اجتماعی دعا کو سنت قرار دیتے ہیں وہ اس کا ثبوت دینے کی بجائے عام دعا کی روایات نقل کرتے ہیں۔

مولانا بنوری فرماتے ہیں کہ

الاحتجاج بالعموم انما ينبغى فيما لم يرد للخاص حكم عليحدة ونفس
ثبوت الرفع فى الدعاء امر اخر غيران الادعية صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فى اثر المكتوبات لم
يثبت فيها الرفع

یعنی دلیل عام کے ساتھ حجت پکڑنا وہاں مفید ہے جہاں خاص کا حکم علیحدہ وارد نہ ہوا ہو۔
اور یہ نفس دعاء کے اندر ایک علیحدہ چیز ہے مگر فرضوں کے بعد ہاتھ کھڑا کر کے دعائیں
مانگنا آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سے ہرگز ثابت نہیں۔

(معارف السنن ص 410 ج 3)

اس سے چند سطور پر پہلے فرماتے ہیں کہ

(قد راج فى كثير من البلاد الدعاء بهيئة الاجتماعية رافعين ايديهم بعد
الصلوات المكتوبة ولم يثبت ذلك فى عهده صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ)

بہت سے شہروں میں یہ عام رواج ہو گیا ہے کہ فرض نمازوں کے بعد ہاتھ اٹھا کر اجتماعی شکل
میں دعا کرتے ہیں حالانکہ یہ طریقہ رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے زمانہ میں موجود نہ تھا۔

(معارف السنن ص 409 ج 3)

آپ علمائے اہل حدیث کی فکر نہ کیجیے ذرا اہمیت کریں اور مولانا بنوری کے رد کے
لیے کتب حدیث کا مطالعہ کیجیے اور صحیح، صریح، مرفوع، متصل حدیث پیش کیجیے کہ رسول اللہ
صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرض نماز کے بعد اجتماعی طور پر دعا مانگی ہو۔ مگر یاد رکھیے کہ اگر آپ پورنی زندگی
بھی محنت کریں تو آپ کو ناکامی ہی ہوگی۔ جب آپ کے پاس اس کا کوئی ثبوت ہی نہیں تو
بجگم حدیث یہ مردود ہی ہے۔ اگر آپ کا دل اس حدیث کو نہیں مانتا تو یہ الگ بات ہے۔

بھینس کی قربانی

فرماتے ہیں کہ پروفیسر عبداللہ بہاؤ پوری (رحمۃ اللہ علیہ) بھینس کی قربانی کو حرام

کہتے ہیں۔ مولوی سلطان محمود جلال پوریؒ حلال کہتے ہیں۔ دونوں اہل حدیث بھی کہلواتے ہیں دونوں اختلاف کو منانے کے بھی قائل ہیں۔ دونوں فقہ (حنفی) سے بیزار بھی ہیں۔ پھر یہ اختلاف کیوں ہو رہا ہے۔

(تحفہ اہل حدیث ص 66)

الجواب :- اولاً :- بھینس کی قربانی کا مسئلہ اجتہادی ہے۔ کیونکہ عرب میں رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرامؓ (بلکہ آج بھی) کے دور میں بھینس کا وجود نہ تھا۔ بلکہ یہ جانور خالص علاقہ عجم سے تعلق رکھتا ہے۔ جن لوگوں نے اسے گائے کی جنس میں سے قرار دیا انہوں نے اس کی قربانی کا بھی فتویٰ دیا اور جنہوں نے اس کو علیحدہ جنس قرار دیا انہوں نے قربانی کی ممانعت کا فتویٰ دیا۔ ظاہر ہے کہ یہ نصوص کا اختلاف نہیں بلکہ اجتہاد کا اختلاف ہے اور اجتہادی اختلاف کو اصولاً اختلاف نہیں کہا جاتا۔

مثلاً چار آدمی جنگل میں سفر کر رہے ہوں اور نماز کا وقت ہو جائے قبلہ کا رخ معلوم نہ ہو چاروں اپنی اپنی کوشش اور اجتہاد سے علیحدہ علیحدہ رخ کر کے اسے سمت قبلہ سمجھ کر نماز ادا کرتے ہیں۔ نماز تو چاروں کی ہو گئی حالانکہ ایک نے، مشرق کی طرف منہ کر کے دوسرے نے مغرب کی طرف اور تیسرے نے جنوب کی طرف اور چوتھے نے شمال کی طرف منہ کر کے نماز ادا کی تھی۔ اجتہاد تو صرف ایک کا درست تھا جس نے قبلہ کی جانب منہ کر کے نماز ادا کی۔ مگر کوئی اصولی اور فقہی اس کو اختلاف نہ کہے گا۔ اختلاف تو تب ہوتا جب یہ کسی شہر میں ہوتے، جس میں ہزاروں مساجد موجود تھیں۔ قبلہ کی صحیح سمت بتانے والے لاکھوں انسان حاضر تھے۔ مگر پھر بھی کسی اور سمت منہ کر کے نماز ادا کرتے۔ اسی طرح بھینس کی قربانی کا مسئلہ اجتہادی ہونے کی وجہ سے گو فتاویٰ کے لحاظ سے مختلف ہیں مگر اصولاً متفق ہیں۔ پھر یہ بھی معلوم ہو کہ جنہوں نے عدم جواز کا فتویٰ دیا ہے انہوں نے احتیاط کو ملحوظ رکھا ہے حرام کسی نے بھی نہیں کہا۔ یہ آپ کی زیادتی ہے۔

محدث روپڑی فرماتے ہیں کہ قرآن مجید پارہ 8 رکوع 4 میں ہے (بہیمۃ الانعام) کی چار قسمیں بیان کی گئی ہیں۔ ذنبہ، بکری، اونٹ، گائے، بھینس ان چار میں نہیں۔ اور قربانی

کے متعلق حکم ہے (بھیمة الانعام) سے ہو اس بنا پر بھینس کی قربانی جائز نہیں۔ ہاں زکوٰۃ کے مسئلہ میں بھینس کا حکم گائے والا ہے جیسے گائے تیس راس ہو جائیں اور وہ باہر چرتی ہو، ان کا چارہ قیمتانہ ہو، ان میں ایک سال کا چھڑایا چھڑی۔ اس طرح بھینس میں جب ان کی گنتی تیس ہو جائے وہ باہر چرتی ہوں ان کا چارہ قیمتانہ ہو تو ایک سال کا بچہ یا بچی زکوٰۃ ہے۔

(موطا امام مالک باب ماجاء فی صدۃ البقرۃ)

یاد رہے کہ بعض مسائل احتیاط کے لحاظ سے دو جہتوں والے ہوتے ہیں اور عمل احتیاط پر کرنا پڑتا ہے۔ ام المومنین سیدہ سوڈہ کے والد زمعہ کی لونڈی سے زمانہ جاہلیت میں عتبہ بن ابی وقاص نے زنا کیا۔ جس سے لڑکا پیدا ہوا جو اپنی والدہ کے پاس پرورش پاتا رہا۔ زانی مر گیا اور اپنے بھائی سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو وصیت کر گیا کہ زمعہ کی لونڈی کا لڑکا میرا ہے اس کو اپنے قبضہ میں کر لینا۔ فتح مکہ کے موقع پر سیدنا سعد بن ابی وقاص نے اس لڑکے کو پکڑ لیا اور کہا کہ یہ میرا بھتیجا ہے۔ زمعہ کے بیٹے نے کہا میرے باپ کا بیٹا ہے لہذا میرا بھائی ہے اس کو میں لوں گا۔

مقدمہ دربار نبویؐ میں پیش ہوا تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ
(الولد للفراس وللعاجر الحجر)

(مشکوٰۃ باب اللعان فصل اول)

یعنی اولاد بیوی والے کی ہے اور زانی کے لیے پتھر ہیں۔ یعنی وہ ناکام ہے اور اس کا حکم سنگسار کیا جانا ہے۔

بچہ سوڈہ کے بھائی کے حوالے کر دیا۔ جو سیدہ سوڈہ کا بھی بھائی بن گیا۔ لیکن سیدہ سوڈہ کو حکم فرمایا کہ اس سے پردہ کرے۔ کیونکہ اس کی شکل و صورت زانی سے ملتی جلتی تھی جس سے شبہ ہوتا تھا کہ یہ زانی کے نطفہ سے ہے۔ اس مسئلہ میں شکل و صورت کے لحاظ سے تو پردہ کا حکم ہو اور جس کے گھر میں پیدا ہوا اس کے لحاظ سے اس کا بیٹا بنا دیا گیا۔ احتیاط کو ملحوظ رکھا۔ ایسا ہی بھینس کا معاملہ ہے۔ اس میں دونوں جہتوں میں احتیاط پر عمل ہو گا۔ زکوٰۃ

ادا کرنے میں احتیاط ہے اور قربانی نہ کرنے میں احتیاط ہے۔ اس بنا پر پھینسے کی قربانی جائز نہیں۔ اور بعض نے جو یہ لکھا ہے کہ الحاموس نوع من البقر یعنی بھینس، گائے کی قسم ہے یہ بھی زکوٰۃ کے لحاظ سے صحیح ہو سکتا ہے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ بھینس دوسری جنس ہے۔

(فتاویٰ اہل حدیث ص 90 تا 91 ج 2)

غور کیجیے کہ علماء اہل حدیث کیا کہہ رہے ہیں اور ہمارے مہربان اسے کیا باور کرا رہے ہیں۔ شاید ان جیسے فقہی لوگوں میں شریعت کے تمام احتیاطی فتاویٰ میں حرمت ہے۔ اسے کہتے ہیں جو کالا وہی میرے باپ کا سالہ۔

نماز جنازہ آہستہ یا بلند

فرماتے ہیں سارے غیر مقلد اہل حدیث جنازہ بلند آواز سے پڑھتے ہیں۔ لیکن لشکر طیبہ کے مفتی مبشر صاحب فرماتے ہیں کہ جنازہ آہستہ پڑھنا ہی زیادہ قوی ہے۔

(رسالہ الدعوة ستمبر 1996ء ص 37، 36) (تحفہ اہل حدیث ص 67)

الجواب :- اولاً :- ہمارے بھائی محمد اسماعیل جھنگوی ابوبلال کوفن مغالطہ میں کمال مہارت ہے۔ وہ فریق مخالف کی بات کو توڑ مروڑ کر پیش کرنے کے عادی بن چکے ہیں۔ مولانا مبشر احمد ربانی حفظہ اللہ نے کہیں بھی نماز جنازہ کو بلند آواز سے پڑھنے کی ممانعت کا فتویٰ نہیں دیا۔

آپ کا مفصل فتویٰ ہم قارئین کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ

نماز جنازہ میں قرأت جبراً (بلند) و سراً (آہستہ) دونوں طرح درست ہے۔ البتہ دلائل کی رو سے سراً پڑھنا زیادہ بہتر و اولیٰ ہے۔

سری پڑھنے کے دلائل یہ ہیں

(1) سیدنا ابوامامہؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ

((السنۃ فی الصلاة علی الجنائزۃ ان یقرا فی التکبیرۃ الاولیٰ بام القرآن مخافة ثم

یکبر ثلاثاً و التسلیم عند الآخر))

(نسائی ص 280 ج 1 واللمحلی ص 129 ج 5 و شرح معانی الآثار ص 288 ج 1)

نماز جنازہ میں سنت طریقہ یہ ہے کہ پہلی تکبیر میں سورہ فاتحہ آہستہ آواز سے پڑھے پھر تین تکبیریں کہے اور آخری تکبیر کے پاس سلام پھیرے۔ یعنی تکبیر اولیٰ کے بعد سورہ فاتحہ آہستہ پڑھے پھر باقی تکبیرات میں جیسا کہ دیگر احادیث میں صراحت ہے کہ دوسری تکبیر کے بعد درود پڑھے پھر تیسری تکبیر کے بعد دعا پڑھے اور چوتھی تکبیر کے بعد سلام پھیر دے۔ بعض صحیح روایات میں چار سے زائد تکبیرات کا بھی ثبوت موجود ہے۔ ملاحظہ ہو (احکام الجنائز للشیخ البانی رحمۃ اللہ علیہ)

امام شافعی رحمہ اللہ نے (کتاب الام ص 391 ج 1) پر اور انہی کی سند سے (امام بیہقی سنن الکبریٰ ص 39 ج 4) پر اور امام ابن الجارود (المنتقی ص 265) پر لائے ہیں کہ ابوامامہؓ کی مذکورہ حدیث ہے۔

ان السنة فی الصلاة علی الجنائز ان یکبر الامام ثم یقرأ بفاتحة الكتاب بعد التکبیرات الاولى سراً فی نفسه ثم یصلی علی النبی ﷺ ویخلص الدعاء للجنائز فی التکبیرات لایقرأ فی شی منهن ثم یسلم سراً فی نفسه والسنة ان یفعل من وراء مثل ما فعل امامة

نماز جنازہ میں سنت یہ ہے کہ امام تکبیر کہے پھر پہلی تکبیر کے بعد سورہ فاتحہ آہستہ آواز میں پھر (تکبیر کے بعد) نبی ﷺ پر درود پڑھے پھر باقی تکبیروں میں میت کے لیے خلوص دل سے دعا کرے اور ان تکبیروں میں قراۃ نہ کرے۔ پھر آہستہ سلام پھیر دے اور سنت یہ ہے کہ مقتدی بھی وہ عمل کرے جو اس کا امام کرے۔

اور امام شافعی فرماتے ہیں کہ

واصحاب النبی ﷺ لایقولون بالسنة والحق الالسنۃ رسول اللہ ﷺ ان

شاء اللہ تعالیٰ

یعنی اصحاب نبی ﷺ کسی مسئلہ کے بارے میں کہیں کہ یہ سنت اور حق ہے تو اس کا مطلب محض یہی ہوتا ہے کہ یہ سنت نبوی ﷺ ہے۔ ان شاء اللہ۔

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ کی قرأت آہستہ کرنا مسنون ہے اور سرائی نفسہ مخافتہ کے الفاظ اس مسئلہ پر صراحتاً دلالت کرتے ہیں۔ اور جہری قرأت کرنے کا استدلال اس حدیث سے ہے کہ سیدنا عوف بن مالک فرماتے ہیں کہ

((صلى رسول ﷺ على جنازة فحفظت من دعائه وهو يقول اللهم اغفر له وارحمه وعافه واعف عنه الحديث))

رسول اللہ ﷺ نے ایک جنازہ کی نماز پڑھائی میں نے آپ ﷺ کی دعا سے یاد کر لیا آپ کہہ رہے تھے اے اللہ اس کو بخش دے اور اس پر رحم کر اور اس کو عافیت و معافی سے نواز دے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صحابی نے آپ ﷺ کے جنازہ پڑھانے سے یہ دعا حفظ کی اور یہ تم بھی ہو سکتا ہے جب آپ ﷺ نے جہری پڑھا ہو۔

بہر کیف سری پڑھنا حدیث سے صراحتاً اور جہری پڑھنا استدلالاً ثابت ہے۔ اس لیے آہستہ پڑھنا زیادہ قوی و بہتر ہے۔ تفصیل کے لیے علامہ البانی رحمہ اللہ کی کتاب (احکام الجنائز) ملاحظہ کریں۔

(آپ کے سوال قرآن و سنت کی روشنی میں ص 225 ج 1)

اس عبارت کو مکرر پڑھیے اور غور کیجیے کہ ہمارے بھائی کیا کہہ رہے ہیں اور ابو بلال صاحب اس سے کیا کشید کر رہے ہیں۔ مولانا ربانی نے جو کچھ بھی زیب رقم فرمایا ہے وہی اکابر اہل حدیث کا موقف ہے۔ جیسا کہ علامہ شوکانیؒ نے (ثلیل الاوطار ص 70 ج 4) میں 'نواب' صاحب نے (السرائح الوہاج ص 300 ج 1) میں 'محدث عظیم آبادی نے (عون المعبود ص 389 ج 3) میں 'محدث مبارکپوری نے (تحفۃ الاحوذی ص 142 ج 2) میں 'محدث رحمانی نے (مرعاة ص 383 ج 5) میں اور محدث روپڑیؒ نے (فتاویٰ اہل حدیث ص 121 ج 2)

میں اپنے تائیدی فتویٰ میں حضرت اکی انرض سیدنا عوف بن مالکؓ کی صحیح حدیث (مسلم ص 311 ج 1) سے نماز جنازہ کا بلند آواز سے پڑھنا ثابت ہوتا ہے مگر حنفی اس سنت کے منکر ہیں اور ابوبلال عیاری سے اس پر پردہ ڈالنے کی کوشش کر رہا ہے۔

وتروں میں قنوت کا محل

فرماتے ہیں سارے وہابی کہتے ہیں بلکہ اس پر عامل ہیں کہ دعاء قنوت وتروں میں رکوع کے بعد ہونی چاہیے لیکن لشکر طیبہ کے مفتی مبشر صاحب فرماتے ہیں کہ رکوع سے پہلے بہتر ہے۔ (تحفہ اہل حدیث ص 67)

الجواب :- اولاً:- خاکسار بلکہ یہاں کی پوری جماعت اہل حدیث وتروں میں قنوت رکوع سے پہلے کرتی ہے معلوم ہوا کہ آپ نے یہ غلط بیانی کی ہے کہ سارے وہابی رکوع کے بعد مانگتے پر عامل ہیں۔

ثانیاً:- مولانا مبشر احمد ربانی نے (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث 1182 و نسائی ص 235 ج 3 و دار قطنی 131 ج 2 و بیہقی 40 ج 3) سے سیدنا ابی بن کعبؓ کی صحیح، صریح، مرفوع، متصل حدیث پیش کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز وتر میں قنوت رکوع سے پہلے مانگتے تھے (آپ کے سوال الخ ص 167 ج 1)۔ لہذا ابوبلال کا اسے ربانی صاحب کی طرف نسبت کر کے اہل حدیث کو مطعون کرنا غلط بیانی ہے۔ کیونکہ انہوں نے جو زیب رقم فرمایا ہے وہ حدیث نبوی ہے۔ جو عین اہل حدیث کا مسلک ہے۔

ثالثاً:- جن لوگوں نے رکوع کے بعد دعا کا محل بتایا ہے وہ قنوت نازلہ اور قنوت وتر میں فرق کے قائل نہیں۔ جیسا کہ امام بخاری نے (صحیح بخاری کتاب میں باب القنوت قبل الركوع وبعده) میں جن احادیث کو بیان کیا ہے ان کا تعلق قنوت نازلہ سے ہے۔ اسی ترجمہ باب سے ہی بعض اہل حدیث کو اشتباہ ہوا ہے اور انہوں نے سیدنا انسؓ سے مروی روایات کو قنوت وتر پر محمول کیا ہے (صلوٰۃ الرسول) حالانکہ محقق (صلوٰۃ الرسول نے ص 589) پر

اس کی مفصل تردید بھی کی ہے۔ باقی رہا مؤلف (تحفہ اہل حدیث) کا اسے اختلاف باور کرانا تو جو اباعرض ہے کہ یہ مسئلہ صحابہ کرام میں بھی مختلف فیہ تھا۔ جیسا کہ (فتح الباری ص 393 ج 2) میں ہے اور صحابہ کرام مؤلف تحفہ اہل حدیث کے نزدیک معیار حق ہیں۔ (تحفہ اہل حدیث ص 53)

فماکان جو ابکم فھو جو ابنا

بغیر خطبہ کے نماز جمعہ

تحریر کرتے ہیں شوکانی اور نواب صدیق حسن خان غیر مقلد فرماتے ہیں کہ بغیر خطبہ کے جمعہ ہو جاتا ہے۔ روضہ اللندیہ اور وحید الزمان فرماتے ہیں کہ بغیر خطبہ کے جمعہ نہیں ہوتا۔

(ہدیہ المہدی، تحفہ اہل حدیث ص 67)

الجواب :- اولاً:- نواب صاحب نے تو بلاشبہ یہ بات کہی ہے مگر علامہ شوکانی کی طرف اس قول کی نسبت غلط ہے۔ ہاں انہوں نے اس کے وجوب سے انکار ضرور کیا ہے۔ اور سنت مؤکدہ قرار دیا ہے۔ دیکھئے

(نبیل الاوطار ص 282 ج 3)

ثانیاً:- نواب صاحب کے قول کے برعکس تعامل اہل حدیث ہے اور اس کی ایک مثال بھی پیش نہیں کی جاسکتی ہے کہ فلاں مقام پر اہل حدیث بدون خطبہ نماز جمعہ ادا کرتے ہیں۔ بلکہ محدث عظیم آبادی فرماتے ہیں کہ حق جمہور کے ساتھ ہے کہ خطبہ واجب ہے۔ (عمون المعبود ص 429 ج 1)

ثالثاً:- بدون خطبہ کے جواز نماز جمعہ کے قول میں نواب صاحب منفرد ہی نہیں بلکہ معروف تابعی امام حسن بصری اور امام ابن سیرین اور داؤد ظاہری اور علامہ ابن حزم ان کے ساتھ ہیں۔

(المحلی بالاثار ص 264 ج 3)

پس جو جواب مؤلف امام حسن بصری اور امام ابن سیرین کے اقوال کا دے گا وہی جواب ہماری

طرف سے نواب صاحب کا سمجھ لیجیے گا۔

رابعاً:- حنفیہ جن دلائل سے جمعہ کے لیے خطبہ کا وجوب ثابت کرتے ہیں انہیں دلائل سے دونوں خطبوں کے درمیان بیٹھنا اور خطبہ کھڑے ہو کر دینا بھی ثابت ہوتا ہے۔ مگر کتنے ستم کی بات ہے خطبہ کو تو یہ لوگ فرض و واجب قرار دیتے ہیں مگر درمیان بیٹھنے کو سنت کہتے ہیں۔

امام ابن حزم ان کے تناقض پر بات کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں کہ

(ثم تناقض فقلا ان خطب جالسا اجزاء وان خطب خطبة واحد اجزاء وان لم يخطب لم يجزه)

(المحلی بالامار ص 263 ج 3)

پھر ان کے اقوال میں تناقض ہے کہتے ہیں کہ اگر خطبہ بیٹھ کر دیا جائے یا ایک ہی خطبہ دیا جائے تو کفایت کر جاتا ہے۔ اور اگر خطبہ نہ دیا تو جائز نہیں۔ (حالانکہ ان کا ثبوت تو ایک ہی دلیل سے ہے)

خامساً:- حضرت نواب صاحب کثیر التصانیف تھے اور (الروضۃ الندیۃ) ان کے دور اول کی کتاب ہے۔ جبکہ شرح مسلم ان کی آخری کتب میں سے ہے۔ جسے مؤلف نے 1298ھ میں تحریر کرنا شروع کیا اور 1301ھ میں مطبع الصدیقی بھوپال سے شائع کیا تھا۔ جس میں انہوں نے امام حسن بصری وغیرہ سے اختلاف کرتے ہوئے کہا ہے کہ نماز جمعہ کے لیے خطبہ فرض اور شرط ہے۔

(السراج الوہاج ص 262 تا 263 ج 1)

جس سے ثابت ہوا کہ انہوں نے اپنے پہلے موقف سے رجوع کر لیا تھا۔ فلا اعتراض لیکن اگر اب بھی ابوبلال صاحب کی تسلی نہیں ہوئی اور وہ اسے اختلاف ہی کہتے ہیں اور نواب صاحب کے پہلے فتویٰ پر ہی بضد ہیں تو سنیوں کے نزدیک خطبہ نماز جمعہ کے لیے شرط (فرض) ہے اور اس کی دلیل وہ یہ دیتے ہیں کہ اس کا آنحضرت ﷺ سے

ترک ثابت نہیں۔

(ہدایہ مع فتح القدیر ص 28 ج 2)

یہی دلیل امام بیہقی نے (السنن الکبریٰ) میں دی ہے۔ مگر علامہ ماردینی حنفی نے اس کی تردید کرتے ہوئے کہا ہے کہ مجرد فعل نبوی ﷺ سے اس کا وجوب ثابت کرنے میں نظر ہے۔

(الجوہر النقی ص 196 ج 3)

لیجئے انہوں نے وجوب سے ہی انکار کر دیا ہے۔

فماکان جوابکم فہو جوابنا

سادساً:- آپ کو نواب صاحب کا فتویٰ تو بھولتا نہیں مگر اپنی فقہ پر آپ نے کبھی غور ہی نہیں کیا۔ ان کے فتویٰ سے ہزار گنا بدتر فتوے فقہ حنفی میں ہیں۔ مثلاً یہی کہ خطبہ بغیر طہارت کے جائز ہے۔ بلکہ اگر غسل جنابت بھی نہ کیا ہو تب بھی خطبہ جائز ہے۔ پھر آپ کے نزدیک خطبہ بھی صرف ایک ہی فرض ہے اور وہ صرف الحمد للہ یا سبحان اللہ یا لا الہ الا اللہ کہنے سے بھی ہو جاتا ہے۔

(طلبی کبیر ص 556 تا 557 و فتاویٰ شامی ص 150 ج 2)

اگر آپ حنفی ہیں تو ایسا عمل کر کے دکھائیے کہ اذان کے بعد خطبہ بدون غسل پڑھیے جو صرف الحمد للہ وغیرہ ہی ہو۔ پھر غسل جنابت کر کے آئیے اور لوگوں سے کہیے کہ میں نے فقہ حنفی پر عمل کیا ہے۔ پھر قدرت الہی کا نظارہ دیکھنا کہ ہر کلمہ گو خواہ دیوبندی ہو یا کوئی اور وہ آپ کو کیا کچھ کہتے ہیں۔ مگر قوی امید ہے کہ آپ اس کی ہمت نہیں کریں گے۔

نماز میں قرآن کرآن کا مسنون طریقہ

فرماتے ہیں وحید الزمان لکھتے ہیں کہ ہر رکعت میں اعوذ باللہ پڑھنا چاہیے (ہدیۃ المہدی) نواب صاحب فرماتے ہیں کہ ابتداء نماز میں مسنون اور بس۔

(الروضہ الندیہ، تحفہ اہل حدیث ص 68)

الجواب :- اولاً:- قاضی ابو یوسف کے نزدیک تعوذ ثناء کے تابع ہے جس کی وجہ سے اسے امام اور مقتدی دونوں ہی پڑھیں گے۔ جبکہ امام ابو حنیفہ کا فتویٰ ہے کہ تعوذ قرآۃ کے لیے ہے اس لیے امام ہی پڑھے گا۔

(حلی کبیر ص 303 و فتاویٰ شامی ص 490 ج 1)

ظاہر ہے کہ یہ شدید اختلاف ہے اس کا حل تم نکال دو تو مذکورہ اختلاف کا حل ہم سے وصول کر لینا۔ اگر آپ کہہ دیں کہ فتویٰ قول امام پر ہے اور قاضی ابو یوسف کی بات کو ہم قبول نہیں کرتے تو ہم کہتے ہیں کہ

نواب صاحب رحمہ اللہ کا فتویٰ صحیح ہونے کی وجہ سے ہم نے قبول کیا اور وحید الزمان کے قول کو ہم نے بلا دلیل ہونے کی وجہ سے ترک کیا ہے۔ حضرت نواب صاحب فرماتے ہیں کہ (فقد ثبت بالاحادیث الصحیحة ان النبی ﷺ كان يفعلہ بعد الاستفتاح قبل القرآۃ ولفظہ اعوذ بالله السميع العليم من الشيطان الرجيم من همزه ونفخه ونفثه)

(کما خرجه احمد و اہل السنن من حدیث ابی سعید الخدری، الروضۃ الندیہ ص 100 ج 1)

خلاصہ عبارت یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز کے افتتاح کے وقت قرآۃ سے پہلے تعوذ پڑھا کرتے تھے۔ مسند احمد اور سنن اربعہ میں یہ روایت حضرت ابو سعید الخدریؓ سے مروی ہے۔

ثانیاً:- وحید الزمان ہی آنکھ کا شہتیر کیوں بنا ہوا ہے جبکہ حضرت حسن بصری عطاء بن ابی ربا اور ابراہیم نخعی کا بھی یہی مؤقف ہے کہ ہر ہر رکعت کے ابتداء میں تعوذ مستحب ہے۔

(نیل الاوطار ص 205 ج 2 و مرعاۃ ص 99 ج 3)

بلکہ امام ابن حزم نے تو امام ابو حنیفہ کا بھی یہی قول نقل کیا ہے۔

(المحلی ص 278 ج 2 مسئلہ نمبر 363)

رکوع و سجدہ میں ذکر کی مشروعیت

نواب صاحب فرماتے ہیں کہ رکوع و سجدہ کی تسبیحات سنت ہیں بدور الابلہ۔ وحید الزمان لکھتے ہیں کہ واجب ہیں۔

(ہدیہ المہدی، تحفہ اہل حدیث ص 68)

الجواب:- اولاً:- کیا ان میں سے کسی نے ان تسبیحات کی مشروعیت سے بھی انکار کیا ہے۔ جب انکار ہی منقول نہیں تو لفظی بحث کو آپ اختلاف باور کر رہے ہیں۔ پھر آپ پہ واضح ہو کہ نواب صاحب نے واجب کو راجح قرار دیا ہے۔

(السراج الوہاج ص 200 ج 17)

اسی طرح امام اسحاق بن راہویہ، امام احمد بن حنبل، امام حسن بصری اور علامہ خطابی کا بھی یہی موقف ہے۔

(عون المعبود ص 324 ج 17)

واجب کی دلیل یہ ہے کہ تسبیحات پر رسول اللہ ﷺ کی مواظبت ہے۔ اگر ان کے بغیر نماز ہو جاتی تو آنحضرت ﷺ بیان جواز کے لیے کبھی ان کا ترک بھی کرتے۔ آپ کو شاید یاد ہو کہ نہ ہو کہ اسی دلیل سے آپ نے نماز جمعہ کے لیے خطبہ کو فرض و واجب ثابت کیا تھا۔ مگر یہاں اسی دلیل سے جب تسبیحات واجب ثابت ہو رہی ہیں تو آپ کو اس سے تکلیف ہو رہی ہے۔

ثانیاً:- آپ کو اختلاف سے غرض نہیں اصل آپ کے لیے واجب تکلیف دہ ہے۔ کیونکہ حنفیہ کے نزدیک فقط جھکنے سے ہی رکوع ہو جائے گا۔

علامہ حلبی فرماتے ہیں کہ

(اوترک التسبیح بالکلیة جازت صلوتہ لعدم رکنیتہ)

(مستملی ص 316)

یعنی اگر رکوع و سجود کی تمام تسبیحات کو (جان بوجھ کر) چھوڑ دے۔ تو اس کی نماز جائز (ہو جاتی) ہے۔

پھر اس کی جو دلیل دی جاتی ہے وہ لطیفہ سے کم نہیں کہ قرآن میں رکوع کرنے کا ذکر ہے اور رکوع فقط جھکنے سے لغوی طور پر حاصل ہو جاتا ہے۔ (مستملی ص 280)

انا للہ وانا الیہ راجعون

مگر ان کی شان میں کون گستاخی کر کے پوچھے کہ حضرت رکوع عبادت کا معاملہ ہے۔ اسے لغت کی بجائے اسوۂ رسول ﷺ کی روشنی میں دیکھنا چاہیے۔

امام ابو حنیفہؒ کے شاگرد ابی مطیع بلخی کا قول ہے کہ رکوع و سجود کی تسبیحات نماز کا رکن اور فرض ہیں۔ ان کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے شارح مدیۃ المصلی فرماتے ہیں کہ یہ قول شاذ ہے۔ (مستملی ص 281)

شکر ہے انہوں نے شاذ ہی کہا ہے اگر آج کا کوئی متعصب حنفی ہوتا تو غیر مقلد وہابی، نجدی، آئمہ کا گستاخ اور جاہل جیسے القاب سے نوازتا۔

مؤلف تحفہ اہل حدیث کا افتراء

فرماتے ہیں کہ نواب صاحب لکھتے ہیں کہ قبلہ و کعبہ لکھنا جائز ہے۔

(تحفہ اہل حدیث ص 68)

الجواب :- اولاً :- اگر فقط لفظ ہی لکھنے کی بات ہے تو ظاہر ہے کہ بیت اللہ کو قبلہ اور کعبہ دونوں طرح ہی لکھنا جائز ہے۔ اور یہ الفاظ قرآن نے بیت اللہ کے لیے استعمال کیے ہیں۔ اور اگر مؤلف کا مقصود یہ ہے کہ نواب صاحب نے کسی عالم اور استاذ کو قبلہ و کعبہ لکھنے کے جواز کا فتویٰ دیا ہے تو ابوبلال صاحب نواب صاحب کی کوئی ایسی تحریر بغیر تاویل کے ثابت کریں۔ ورنہ لعنت اللہ علی الکاذبین کی وعید شدید سے ڈریں۔

ثانیاً :- اہل حدیث کا مؤقف ہے کہ دین حق کے احکام ظاہر پر ہیں۔ شریعت کا کوئی حکم باطن

پر مبنی نہیں۔ جس کی وجہ سے اہل حدیث میں کوئی فتویٰ و قول فقط خصوصی محفل تک ہی محدود نہیں رہتا کہ وہ حکم شریعت عوام تک نہ پہنچے بلکہ تعامل اہل حدیث جو باہر ہوتا ہے وہی باطن اور خصوصی محفل میں بیان کیا جاتا ہے۔ الغرض ہمارا ظاہر و باطن ایک ہی ہے۔ اگر ہمارے نزدیک کسی عالم کو قبلہ و کعبہ کے جواز کا فتویٰ ہوتا تو ہم اسے برملا بیان کرتے اور اپنے جلسہ و کانفرنس میں علماء کے القاب کے ساتھ اس کا لائقہ بھی کرتے مگر کسی اشتہار اور رسالہ اور کتاب کی اشاعت پر ہم نے کسی بھی عالم و محقق کے القاب میں اسے قبلہ و کعبہ تحریر نہیں کیا اور نہ ہی اس کی کوئی ایک مثال بھی پیش کی جاسکتی۔ الغرض تعامل اہل حدیث بھی اس کے کذب و افتراء ہونے کی واضح دلیل ہے۔

عورتوں کے لیے زیارت قبور کا حکم

ابتداء اسلام میں آنحضرت ﷺ نے زیارت قبور سے منع فرمایا تھا۔ پھر یہ حکم منسوخ ہو گیا اور آپ علیہ السلام نے زیارت قبور کی اجازت دے دی۔ حضرت بریدہ اسلمیؓ راوی ہیں کہ

(قال رسول اللہ ﷺ كنت نهيتكم عن زيارة القبور فزوروها)

یعنی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں پہلے تم کو زیارت قبور سے منع کرتا تھا مگر اب زیارت کیا کرو۔

(صحیح مسلم ص 314 ج 1)

اس حدیث کی توضیح و تشریح میں اختلاف ہے کہ آیا اس اجازت میں عورتیں بھی داخل ہیں یا نہیں؟ امت مرحومہ میں ابتدا سے ہی اس میں اختلاف ہے۔ حضرت عائشہؓ مطلق جواز کی قائل ہیں اور جمہور کا یہی موقف ہے۔

(نیل الاوطار ص 119 ج 4)

جبکہ بعض اہل علم کا خیال ہے اس اجازت میں عورتیں شامل نہیں اوروں کو چھوڑیے آپ

کے علامہ یعنی حنفی شارح بخاری فرماتے ہیں کہ

(و حاصل الکلام ان زیارة القبور مکروهة للنساء بل حرام فی هذا الزمان)
یعنی خلاصہ کلام یہ کہ عورتوں کے لیے زیارت قبور مکروہ ہے بلکہ اس زمانہ میں حرام ہے۔

(عمدة القاری بحوالہ عون المعبود ص 212 ج 3)

فتاویٰ تاتارخانیہ میں لکھا ہے کہ

(سئل القاضی عن جواز خروج النساء الی المقابر قال لا یستأل عن الجواز والفساد فی مثل هذا وانما یسأل عن مقدار ما یلحقها من اللعن فیها واعلم انها كلما قصدت الخروج كانت فی لعنة الله وملائكة اذا خرجت تحفها الشیاطین من کل جانب واذا اتت القبور یلعنها روح المیت واذارجعت كانت فی لعنة الله)

یعنی امام قاضی سے سوال ہوا کہ عورتوں کا قبرستان میں جانا جائز ہے یا نہیں؟ فرمایا کہ ایسی جگہ پر جواز اور عدم جواز کا سوال نہیں کرتے۔ یہ سوال کرو اس عورت پر کتنی لعنت پڑتی ہے جب گھر سے قبرستان کی طرف چلنے کا ارادہ کرتی ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ اور فرشتوں کی لعنت میں ہوتی ہے جب گھر سے باہر نکلتی ہے تمام طرفوں سے شیطان اس کو گھیر لیتے ہیں، جب قبرستان پہنچتی ہے تو میت کی روح اس پر لعنت کرتی ہے، جب واپس آتی ہے اللہ کی لعنت میں ہوتی ہے۔

(بحوالہ مستملی شرح منیة المصلی ص 594)

حالانکہ امام ابو حنیفہ کا فتویٰ ہے کہ عورتوں کو زیارت قبور کی رخصت ہے۔

(فتاویٰ عالمگیری ص 350 ج 5 و مبسوط سرخسی ص 10 ج 24 کتاب الاشریة باب الرخصة

فی زیارة القبور، ودرس ترمذی ص 328 ج 3)

اس وجہ سے اکابر دینہ نے اقرار کیا ہے کہ اس مسئلہ میں فقہاء حنفیہ کا اختلاف ہے۔

شارح مشکوٰۃ مولانا قطب الدین حنفی فرماتے ہیں کہ

اور بعضے کہتے ہیں کہ اجازت عام ہوئی مردوں کو بھی اور عورتوں کو بھی پڑا یہ نہی پہلے تھی اب درست ہے عورتوں کو زیارت قبور کی اور بعضے کہتے ہیں کہ اجازت مردوں ہی کو ہوئی عورتوں کے حق میں نہی باقی ہے۔.....

ظاہر حدیث کا مؤید اسی قول کا ہے۔

(مظاہر حق ص 238 ج 1)

اسی طرح مولانا محمود حسن خاں صاحب حنفی دیوبندی نے (الورد الشدی ص 182) میں، مولانا محمد تقی عثمانی دیوبندی نے (درس تربندی ص 327 ج 3) میں، بر ملا اعتراف کیا ہے کہ حنفیہ میں عورت کے زیارت قبور کے جواز اور عدم جواز میں اختلاف ہے۔

لیکن کتنے ستم کی بات ہے کہ ہمارے معاصر ابوبلال کو یہ گھر کا تو اختلاف نظر نہیں آیا مگر علماء اہل حدیث کے اختلاف کو دھر لیا ہے کہ

مولوی ثناء اللہؒ جواز کے اور مولوی شرف عدم جواز کے قائل ہیں۔

(فتاویٰ ثنائیہ ص 315، 316 ج 1) (تحفہ اہل حدیث ص 68)

اختلاف سے قطع نظر ذرا دیکھئے کہ تھنکووی صاحب کالجہ کتنا گستاخانہ ہے۔ ملت اسلامیہ کا مرد مجاہد جس نے ساری زندگی کفار کی تردید کرتے ہوئے گزاری اور خدا داد صلاحیتوں کی وجہ سے وہ امت مرحومہ کا ہیرو تھا۔ جن کی وفات پر مولانا محمد سلیمان ندوی مرحوم نے لکھا تھا کہ مرحوم اسلام کے بڑے مجاہد سپاہی تھے۔ زبان اور قلم سے جس نے بھی اسلام پر حملہ کیا اس کی مدافعت میں جو سپاہی سب سے آگے بڑھتا وہی ہوتے۔ اللہ اس غازی اسلام کو شہادت کے درجات و مراتب عطا فرمائے۔ آمین

(معارف 1948ء مندرجہ یاد رفتگاں ص.....)

مولانا عبد الماجد دریا آبادی حنفی دیوبندی فرماتے ہیں کہ

فن مناظرہ کے تو کہنا چاہئے امام تھے۔ خصوصاً آریہ سماجیوں کے مقابلہ میں

جو علاوہ بد فہم و بے علم ہونے کے بد زبان بھی ہوتے تھے۔ اور شروع صدی میں ان کا فتنہ اس وقت کا سب سے بڑا فتنہ تھا۔ اگر مولوی ثناء اللہ ان کے سامنے آنے جاتے تو مسلمانوں کی مغلوبانہ مرعوبیت خدا جانے کہاں تک پہنچ جاتی۔

(معاصرین ص 124)

اس سلسلہ میں اگر اکابر دینہ کی شہادتوں کو جمع کیا جائے تو ایک اچھا خاصہ کتابچہ تیار ہو سکتا ہے مگر افسوس کہ جھٹکوی صاحب اس غازی اسلام کو مولوی ثناء اللہ کہہ کر مخاطب کرتے ہوئے کوئی عار محسوس نہیں کر رہے۔

ان کی روش سے ثابت ہوا کہ بریلوی حضرات کا یہ اعتراض کہ آل دیوبند گستاخ ہیں اس میں شائبہ صدق ضرور ہے۔

ہاں جی! بات ہو رہی تھی علماء اہل حدیث میں اختلاف کی تو بھائی عرض ہے کہ اگر اس اختلاف کو آپ انتشار کا نام دیتے ہیں تو اسی مسئلہ میں فقہاء احناف کے اختلاف کا جواب دیجیے۔
فناکان جو اکلم فھو جو ابنا

جمعہ کی اذان اول

فرماتے ہیں جمعہ کی اذان اول بدعت ہے۔ جمعہ کی اذان اول سنت ہے۔

(فتاویٰ ثنائیہ ص 435 ج 1 ص 179 ج 2، تحفہ اہل حدیث ص 67)

الجواب:- اولاً:- ہم نے فتاویٰ ثنائیہ کی مراجعت کر لی ہے جلد دوم میں ایسا کوئی فتویٰ نہیں۔
ثانیاً:- اسے بدعت کسی نے بھی نہیں کہا۔ شیخ الاسلام نے اسے سنت عثمانی لکھا تھا۔ جس پر تعاقب کرتے ہوئے حکیم عبدالرزاق فرماتے ہیں کہ

اگر شہر کے باہر بازار میں اذان دلوائی جائے تو سنت عثمانی ہوگی ورنہ یقینی طریقہ راجحہ بدعی ہوگا۔

(فتاویٰ ثنائیہ ص 435 ج 1)

الغرض بدعت کہنے والے نے اذان عثمانی کو بدعت نہیں کہا بلکہ عام مروجہ طریقہ کو بدعت قرار دیا ہے۔ مگر بات کا بنگلہ بنانا جھٹکوی صاحب کے بائیں ہاتھ کی بات ہے۔ انہوں نے علی الاطلاق اذان کو ہی بدعت کہہ ڈالا۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

یہ ہیں سچائی کی ٹھیکے داری کا دعویٰ کرنے والے۔ اور دستار باندھ کر علماء کی صف میں شامل ہونے والے۔ جن کی علمی لیاقت یہ ہے کہ وہ اردو عبارت کو سمجھ نہیں پائے۔ اور لکار رہے ہیں جبال علوم اہل حدیث کو۔

جرابوں پر مسح

فرماتے ہیں کہ مولوی ثناء اللہ صاحب، قائل اور شرف الدین قائل نہیں۔

(بحوالہ فتاویٰ ثنائیہ ص 441 ج 1، تحفہ اہل حدیث ص 67)

الجواب :- اولاً:- بلاشبہ مولانا شرف الدین مرحوم نے حضرت امرتسری رحمہ اللہ سے اختلاف کیا ہے اور اختلاف کی نوعیت یہ ہے کہ حضرت امرتسریؒ کی پیش کردہ حدیث کو انہوں نے معلول قرار دیا ہے، مگر حقیقت یہ ہے کہ ان کا تعاقب درست نہیں اور جرابوں پر مسح کی احادیث صحیح ہیں۔ تفصیل (ارواء الغلیل ص 137 ج 1، اور جرابوں پر مسح، مؤلفہ الشیخ محمد یحییٰ گوندلوی حفظہ اللہ کی مراجعت کریں۔

ثانیاً:- عمل اہل حدیث بھی حضرت امرتسری کے فتویٰ پر ہے بلکہ بعض حنفی شدید سردی میں توپکے غیر مقلد بن کر جرابوں پر مسح کر لیتے ہیں۔ بلکہ ایک روایت میں امام ابو حنیفہ نے بھی عدم جواز کے فتویٰ سے رجوع کر لیا تھا اہل مقاتل سمرقندی بیان کرتے ہیں کہ

(دخلت علی ابی حنیفۃ فی مرضہ الذی مات فیہ فدعا بماء فتوضأ وعلیہ

جوربان فمسح علیہما)

یعنی میں امام ابو حنیفہؒ کی مرض الموت میں ان کی تیمارداری کے لیے گیا تو آپ نے پانی منگوا کر

وضو کیا پاؤں پر جرائیں تھیں تو آپ نے ان پر مسح کیا۔

(سنن ترمذی، نسخہ علامہ سندھی بحوالہ درس ترمذی ص 335 ج 1)

صاحب ہدایہ نے بھی اس رجوع کا ذکر کیا ہے کہ

(وعنه انه رجع الى قولهما وعليه الفتوى)

(ہدایہ مع فتح القدیر ص 139 ج 1)

یعنی امام ابوحنیفہ نے اپنے پہلے فتویٰ سے رجوع کر کے کہا ہے کہ جرابوں پر مسح جائز ہے اور فتویٰ اسی پر ہے۔

مگر عام حنفی اس کے منکر ہیں اور وہ اپنے امام کے اس فتویٰ پر عمل کرتے ہیں جس سے انہوں نے رجوع کر لیا تھا۔ ظاہر ہے کہ یہ ان کا اپنے امام سے اختلاف ہے۔

فماکان جو اکلم فھو جواہنا

مسجد میں محراب کا حکم

فرماتے ہیں کہ فتاویٰ ثنائیہ ص 476 ج 1 میں لکھا ہے کہ مسجد کا محراب یہود و نصاریٰ

سے مشابہت ہے۔ جبکہ جو ناگزہی لکھتے ہیں کہ جائز ہے۔ (تحفہ اہل حدیث ص 68)

الجواب :- اولاً :- مؤلف تحفہ اہل حدیث کا یہ صریحاً جھوٹ اور سو فیصد فراڈ ہے کہ فتاویٰ ثنائیہ میں 'مروجہ محراب مسجد کو تلبہ یہود و نصاریٰ کہا گیا ہے۔ بلکہ فتاویٰ ثنائیہ میں تو ایک درجن کے قریب علماء کے فتاویٰ ہیں کہ مروجہ محراب مسجد جائز ہے۔ اگر محمدی صاحب فتاویٰ ثنائیہ سے اپنے دعویٰ کو ثابت کر دیں تو ہم ان کو انعام دیں گے ورنہ لعنت اللہ علی الکاذبین، کا انعام وصول کر لیں۔

ثانیاً :- ہاں البتہ آپ کے نزدیک یہ بدعت ہی ہے ملا علی القاری فرماتے ہیں کہ

(ان المحاریب من المحدثات بعده ﷺ ومن ثم کره جمع من السلف

اتخاذها والصلاة فيها)

(مرقاۃ ص 224 ج 2)

یعنی مسجد میں محراب بنانا بدعت ہے جو رسول اللہ ﷺ کے بعد اختیار کیا گیا ہے اور تمام آئمہ (حنفیہ) اس کے بنانے اور اس کے اندر نماز پڑھنے کو مکروہ کہتے ہیں۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون) شارح سنن ابی داؤد حضرت مولانا محمد شمس الحق محدث عظیم آبادی مذکورہ عبارت پر تبصرہ کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں کہ

(قلت ما قاله القاری من ان المحاریب من المحدثات بعد ﷺ فیہ نظر لان وجود المحراب زمن النبی یثبت من بعض الروایات اخرج البیهقی فی السنن الکبریٰ.....)

(وايضاً لا یکره الصلوة فی المحاریب ومن ذهب الی الکراهة فعليه البنية ولا یسمع کلام احد من غیر دلیل ولا برهان)

(عون المعبود ص 180 ج 1)

یعنی میں کہتا ہوں کہ ملا علی القاری کا محراب کو بدعت میں شمار کرنے میں کلام ہے۔ کیونکہ محراب کا وجود رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں بعض احادیث سے ثابت ہے۔ جیسا کہ بیہقی نے سنن میں روایت کیا ہے اور اسی طرح اس (محراب) میں نماز ادا کرنا بھی مکروہ نہیں اور جو کراہت کی طرف گیا ہے اس پر اس کی دلیل دینا واجب ہے۔ بغیر دلیل و برہان کے کسی کی بات نہیں سنی جاتی۔

حضرت محدث عظیم آبادی نے جس روایت کی طرف اشارہ کیا ہے وہ (السنن الکبریٰ للبیہقی ص 30 ج 2) میں موجود ہے۔

الغرض اہل حدیث کے نزدیک مسجد میں مروجہ محراب بنانا جائز ہے اس کو بدعت اور اس کے اندر نماز پڑھنے کو مکروہ کہنے والے جھنگوی صاحب کے اکابر ہیں۔ یہ اب ان کی مرضی ہے کہ اپنی مساجد میں محرابوں کو گرا کر بدعت کو ختم کریں یا مبتدعین میں اپنا شمار کریں اور محراب میں نماز پڑھ کر فعل حرام کے مرتکب رہیں یا اس سے توبہ کریں۔ اگر ہم سے

پوچھتے ہو تو ہم آپ کو مخلصانہ مشورہ دیتے ہیں کہ سرے سے خفیت کو ہی ترک کریں اور عمل بالحدیث پر اپنی زندگی کا مدار بنائیں۔ کیونکہ کتاب و سنت کے مقابلہ میں اراء الرجال کو حجت قرار دینا بدترین دینی بدعت ہے۔ اللہ آپ کو توفیق دے اگر آپ اس مشورہ کو قبول کر لیں تو میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ محراب کو گرانے کی ضرورت ہے اور نہ ہی فعل حرام کے مرتکب ہونگے۔

منی کی طہارت اور نجاست

فرماتے ہیں کہ منی پاک ہے۔ (فتاویٰ علماء حدیث) منی ناپاک ہے۔

(ایضاً ص 42 ج 1) (تحفہ اہل حدیث ص 69)

الجواب:- اولاً:- جس معنی میں امام ابو حنیفہ وغیرہ نے منی کو نجس کہا ہے بایں معنی کسی اہل حدیث نے بھی منی کو نجس قرار نہیں دیا سب ظاہر ہی کہتے ہیں۔ ہاں بایں معنی اس کو نجس کہتے ہیں کہ اس کے دفع ازالہ کے لیے دھونا، رگڑنا مشروع طریقہ ہے۔ محدث مبارکپوری فرماتے ہیں کہ

(قلت لاشك ان المنى نجس بمعنى انه مامور بازالته غسلًا و مسحًا وافر
كاو حتا و سلنا او حكا لكن من قال بنجاسته كالامام ابى حنفيه والامام
مالك لم يقل بنجاسته بهذا المعنى ابكار المنن ص ۴۱)

یعنی میں کہتا ہوں کہ بلاشک و شبہ منی بایں معنی نجس ہے کہ اس کے دھونے یا ملنے یا رگڑنے یا کریدنے یا پونچھنے کا انسان شرعی طور پر مامور ہے۔ لیکن جو اسے نجاست کہتے ہیں مثلاً امام ابو حنیفہؒ یا امام مالک رحمہ اللہ اس معنی میں کوئی بھی اسے نجاست قرار نہیں دیتا۔ (انتہی) یہی بات علامہ شوکانی نے (نیل ص 54 ج 1) میں اور مولانا عبید اللہ رحمانی نے (مرعاۃ ص 196 ج 2) میں کہی ہے۔ افسوس کہ جھنگوی صاحب جہالت کی وجہ سے بات تو خود نہیں سمجھ پاتے اور مورد الزام علماء اہل حدیث کو ٹھہراتے ہیں۔

مانیا:۔ بلاشبہ حنفیہ کے نزدیک منی نجس ہے مگر اس کی نجاست کو وہ بھی شدید نہیں کہتے۔
فتاویٰ عالمگیری میں ہے

(والصحيح بقاء اثر المنى بعد الفرك لا يضر)

(عالمگیری ص 44 ج 1)

یعنی جب منی خشک ہو تو صحیح یہ ہے کہ ملنے اور رگڑنے کے بعد جو اثر باقی رہے گا وہ مضر (نقصان دہ) نہیں ہے۔

(الباب السابع في النجاسة واحكامها)

ظاہر ہے کہ خشک نجاست کو رگڑنے اور ملنے سے طہارت حاصل نہیں ہوتی۔ بالخصوص جب کپڑے وغیرہ پر اس کے اثرات بھی باقی ہوں۔ معلوم ہوا کہ حنفی بھی اس کی شدت نجاست کے قائل نہیں ہیں۔

ملاحظہ:- ظاہر ہے کہ منی کو نجاست قرار دیکر پھر اس کے اثرات کو غیر مضر کہنا دو متضاد اقوال ہیں۔
فماکان جو اکم فہو جو ابنا

اہل حدیث میں تنظیمی امور پر اختلاف

انسان کمزور و ناتواں اور عاجز ہے۔ اس کی عقل و علم اور وسائل محدود ہیں جس کی وجہ سے انسان میں فرق مراتب ہے اور ان کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

حضرت عمر فاروقؓ خلیفہ راشد اور جاں نثار صحابی ہیں۔ ان کی عظمت و بزرگی پر اہل سنت میں سے کسی کو بھی آج تک حرف گیری کرنے کی جرأت و ہمت نہیں ہوئی۔ بلکہ تمام مکاتب فکر فقہی اختلاف کے باوجود یہ تسلیم کرتے ہیں کہ وہ سابقین الاولین میں سے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی محبت سے وہ سرشار اتباع رسول ان کا اوڑھنا بچھونا تھا۔ اسی پیروی اسوہ کی وجہ سے آنحضرت ﷺ نے ان کو دنیا میں جنت کی بشارت دی بلکہ ان کی سنت کو اپنی سنت میں داخل کیا۔

لیکن آپ کو یاد ہوگا کہ جب صلح حدیبیہ کے موقع پر آنحضرت ﷺ نے کفار کی تمام سنگین سے سنگین شرائط کو بھی قبول کر لیا تو حضرت عمر فاروقؓ نے رسول اللہ ﷺ سے اس سلسلہ میں اختلاف کیا۔ بلکہ عموماً صحابہ کرام نے اس صلح کو اسلام کے لئے کمزوری تصور کیا۔ تو کیا کسی کو یہ کہنے کا حق مل گیا ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے صحابہ ان کے وفادار نہ تھے۔ وہ ان سے اختلاف رائے رکھتے تھے۔

مگر ہم کہیں گے کہ نہیں رسول اللہ ﷺ کا فیصلہ مدبرانہ اور وحی الہی کے تحت تھا جس تک صحابہ کرامؓ کی نگاہ نے کام نہ کیا۔ آئندہ حالات نے واضح کر دیا کہ صلح حدیبیہ کی شرائط مسلمانوں کے حق میں تھیں۔

الغرض بعض تنظیمی امور میں اختلاف رائے ہونے کو فرقہ کے نام سے تعبیر نہیں کیا جاسکتا۔ ورنہ آپ کو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر مسلمانوں کے دو فرقے بن گئے تھے۔

پھر آپ کو یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ ناواقف کالا علمی کی وجہ سے کسی چیز سے انکار کر دینا شرعاً فرقہ اور اختلاف کی زد میں نہیں آتا۔ مثلاً زید کہتا ہے کہ عدنان، جمیلہ کا رشتہ میں ماموں لگتا ہے۔ جبکہ عمر کہتا ہے عدنان والدہ جمیلہ کا حقیقی بھائی نہ تھا بلکہ جمیلہ کے نانا نے عدنان کو منہ بولا بیٹا بنایا تھا جس کی وجہ سے وہ اس کا ماموں نہیں لگتا اور عدنان و جمیلہ کا نکاح جائز ہے۔ کوئی دانا کہہ سکتا ہے کہ یہ اختلاف رائے ہے ہر سمجھ دار یہی کہے گا کہ زید، عدنان اور جمیلہ کے رشتہ داری سے ناواقف ہے اور عمر واقف کار ہے۔

جب قبلہ تبدیل ہو تو حالت نماز میں ہی صحابہ کرام نے آنحضرت ﷺ کی اقتداء میں منہ بیت المقدس کی بجائے بیت اللہ کی طرف کر لیے۔ حضرت برآء بن عازبؓ بیان کرتے ہیں کہ تحویل قبلہ کا حکم نازل ہوا ایک شخص نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی۔ نماز پڑھنے کے بعد اس شخص کا انصار کی ایک جماعت پر گزر ہوا وہ لوگ بیت المقدس کی طرف رخ کر کے عصر کی نماز پڑھ رہے تھے۔ اس شخص نے قسم کھا کر کہا کہ اس نے ر دن

اللہ ﷺ کے ساتھ کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی ہے۔ تو اس جماعت انصار نے کعبہ کی طرف رخ کر لیا۔

(صحیح بخاری ص 1757)

اب کوئی عاقل کہہ سکتا ہے کہ اس جماعت انصار نے رسول اللہ ﷺ سے اختلاف کیا تھا اور تحویل قبلہ کے وقت مسلمانوں کے دو گروہ ہو گئے۔ نہیں ہرگز نہیں! کیونکہ اختلاف کے لیے علم شرط ہے۔ ہر جاننے والا یہی کہے گا کہ جماعت انصار کو تحویل قبلہ کا علم نہ تھا۔

اس طرح کی امثلہ ہم امت مرحومہ میں سے بیسیوں پیش کر سکتے ہیں۔ مگر ہمارے جھنگوی صاحب ہر بات کو ہی اختلاف باور کراتے ہیں۔ جہاں دو اہل حدیثوں میں تنظیمی امور میں بعض جزوی مناسبت نہ ہو یہ اختلاف باور کراتے ہیں۔ لشکر طیبہ، یوتھ فورس وغیرہ بھی ان کو اختلاف نظر آتا ہے۔ پھر اس سلسلہ میں یہ کذب بیانی کرتے ہوئے بھی ذرا شرم و حیا کو کام میں نہیں لاتے ایک مقام پر فرماتے ہیں کہ

”جماعت مسلمین کے غیر مقلد دوسرے غیر مقلدین کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے۔ دوسرے غیر مقلدین کے ساتھ رشتے ناطے کو حرام سمجھتے ہیں اور ان کی نماز جنازہ پڑھنے کو بھی حرام سمجھتے ہیں۔“

(تحفہ اہل حدیث ص 71)

مگر اس کے لیے کوئی ثبوت تو وہ نادرند۔ اگر آپ کے قول میں شائبہ صداقت ہے تو ان کے کسی مقتدر عالم کا قول بحوالہ بیان کیجیے ورنہ لعنت اللہ علی الکاذبین کی وعید شدید سے ڈریں کہ آپ نے مرکر قبر میں پڑنا ہے۔

کسی جاہل و نادان کی بات حجت نہیں ہو کرتی۔ 1981ء کی بات ہے کہ خاکسار حافظ آباد سے متصل ریلوے اسٹیشن گا جبرگولا پر ریل کے انتظار میں بیٹھا ہوا تھا۔ وہاں ایک شخص نے بیخ پر جنوب کی طرف منہ کر کے نماز ادا کی۔ جب اس نے سلام پھیرا تو راقم نے اس کو مسئلہ

سمجھایا وہ کہنے لگا کہ میں آج ہی قرآن پڑھ رہا تھا وہاں ایک آیت کے نیچے اس کا ترجمہ لکھا ہوا تھا کہ

جہاں بھی منہ کر دوسری طرف اللہ کا منہ ہے؟ خاکسار نے اسے آیت فراتنی کا مفہوم سمجھایا۔ سعادت مند تھا مان گیا اور شکر یہ ادا کیا۔ یقین جائے بارئیش تھا اور حنفی طریقہ کے مطابق اس نے نماز ادا کی تھی۔

یہ معلوم نہ کر سکا کہ وہ بریلوی تھا یا دیوبندی، یہ بالکل سچا واقعہ ہے۔ وکفی باللہ شہیداً تو کیا ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ حنفیہ کے نزدیک بیت اللہ کی طرف منہ کرنا شرط نہیں۔ یا کم از کم ان میں بعض کا عمل یہی ہے۔ نہیں ہرگز نہیں کیونکہ جاہل کا قول اور عمل حجت نہیں ہوتا۔ آپ ماضی قریب میں مرتب شدہ کسی بھی فتاویٰ کو اٹھا کر دیکھ لیجیے عوام علماء سے ایسے ایسے سوال کرتے ہیں کہ مفتی کو عوام کے دینی حالات پر رونا آجاتا ہے۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کا انکار دوپہر کے وقت سورج کا انکار ہے۔

تو کیا ان چیزوں کو پلے باندھ کر ایک دوسرے گروہ کو مطعون کرنا جائز ہے۔ ہرگز ہرگز نہیں کیونکہ عوام کا عمل شریعت میں معتبر ہی نہیں! ورنہ ملک پاکستان میں اکثریت حنفیت کی ہے۔ اس کی پارلیمنٹ میں اکثریت بھی ان لوگوں کی ہے جو حنفیت کا دعویٰ کرتے ہیں۔ مگر جب نواز شریف نے نفاذ شریعت کی کوشش کی اور پارلیمنٹ سے اس کی منظوری لینے کا وقت آیا تو وہ بری طرح ناکام ہوا۔ تو کیا اب ہمیں یہ کہنے کا حق مل گیا کہ حنفیت نفاذ شریعت کو نہیں چاہتی۔ میرے بھائی نہیں۔ مگر افسوس جھنگوی صاحب دین و دنیا سے بے بہرہ ہیں۔ ان کو کہیں سے بھی قول مل جائے وہ اس کو رد و ہابیت کے لیے کھینچ لاتے ہیں۔

فرماتے ہیں کہ یو تھ فورس اور لشکر طیبہ کے درمیان جو اختلاف ہے اللہ کی پناہ ایک دوسرے کے خلاف نعرہ بازی، ایک کی جماعت کا مولوی قتل ہو جائے تو دوسرے کہتے ہیں وہ مردار ہے۔ ایک دوسرے کے خلاف لعنت تک بھیجی گئی ہے۔

معلوم نہیں کہ جھنگوی صاحب کو یہ تمام چیزیں شیطان کی طرف سے القاء ہوئیں ہیں۔ ورنہ لشکر طیبہ یا یوتھ فورس کے کسی مفتی کا اس پر فتویٰ نقل کرتے۔ یہ راقم پورے جزم و یقین کیساتھ اس کی تردید کرتا ہے کہ جھنگوی صاحب اپنے اس دعویٰ پر کوئی ثبوت پیش نہیں کر سکتے۔ یہ سب باتیں ان کی سینہ گزٹ ہیں۔

مگر ہم آپ کو بتاتے ہیں برصغیر میں حنفیت کی دو شاخیں ہیں۔ بریلوی اور دیوبندی۔ بریلویت کے بانی نے پوری دیوبندیت کے کفر و ارتداد کا فتویٰ صادر کیا تھا۔ بلکہ حریم شریفین سے بھی اس نے ان کے کفر و ارتداد کا فتویٰ حاصل کیا تھا۔ جو حسام الحرمین کے عنوان سے مطبوعہ اور دستیاب ہے۔ اور دیوبندیوں نے بریلویوں کو جن القابات سے نوازا ہے وہ بھی کسی سے مخفی نہیں ہیں۔ بدعتی، مشرک، قبروں کی عبادت کرنے والے وغیرہ تو ان کے علماء عام تقاریر میں استعمال کرتے ہیں۔ دونوں ہی حنفی ہیں، دیوبندی کہتے ہیں ہم بکے حنفی ہیں، بریلوی کہتے ہیں یہ کچے اور گلابی وہابی ہیں۔ اور حنفیت کے واحد ٹھیکے دار ہم ہیں۔ مگر تقلید کے وجوب کے جب دلائل دیتے ہیں تو دونوں فریق کہتے ہیں کہ تقلید کا ایک فائدہ یہ ہے کہ یہ انتشار سے بچاتی ہے۔

مگر ان سے کون پوچھے کہ حضرت آپ کے گھر کو تو اس نے انتشار سے نہ پہنچایا۔ پہلے آپ حنفی تھے پھر دیوبندی و بریلوی ہوئے پھر حیاتی و مماتی بن گئے۔ حیاتی کہتے ہیں مماتی مشرک ہیں اور مماتی کہتے ہیں کہ حیاتی مشرک ہیں۔ اس بات کی معقولیت پر تو جھنگوی صاحب کو حرف گیری کرنے کا حوصلہ نہیں ہوا۔ البتہ یہ کہہ کر جان چھڑائی ہے کہ بریلوی غیر مقلد ہیں۔ ان کی غیر مقلدی کی دلیل یہ عنایت کرتے ہیں کہ ان کی بعض رسومات فقہ حنفی سے ثابت نہیں ہیں۔ حالانکہ ہوائے نفس ان دونوں پارٹیوں میں موجود ہے۔ فقہ حنفی کے بعض مسائل کو یہ دونوں پارٹیاں نہیں مانتیں۔ مثلاً

(1) فقہ میں تعلیم قرآن اور امامت و خطابت پر اجرت لینا ناجائز لکھا ہے۔ حالانکہ یہ دونوں ہی پارٹیاں اجرت وصول کرتی ہیں۔

(۲) فقہ میں غائبانہ نماز جنازہ کو ناجائز لکھا ہے حالانکہ یہ دونوں ہی پڑھتے ہیں۔

(۳) فقہ حنفی میں گاؤں میں نماز جمعہ اور عیدین نہیں ہوتیں۔ حالانکہ دونوں پارٹیاں گاؤں میں جمعہ و عیدین کو قائم کرتے ہیں۔

(۴) امام ابو حنیفہ کا فتویٰ ہے بچی اور بچہ کا عقیقہ نہ کیا جائے۔ (الجامع الصغیر ص 534) فتاویٰ عالمگیری میں لکھا ہے یہ کراہت (حرام) کی طرف اشارہ ہے۔ (فتاویٰ عالمگیری ص 362 ج 5 و شرح صحیح مسلم ص 44 ج 1) للمولوی غلام رسول سعیدی بریلوی، حالانکہ دونوں پارٹیاں عقیقہ کو مسنون جان کر کرتی ہیں۔

(۵) امام ابو حنیفہ کے نزدیک وقف جائز نہیں۔ ہدایہ میں ہے کہ

(قال ابو حنیفہ لا یزول ملك الوقف عن الوقف الا ان یحکم به الحاکم) یعنی امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ وقف کرنے والے کے وقف کرنے سے اس کی ملکیت زائل نہیں ہوتی جب تک کہ حاکم کا حکم نہ ہو جائے۔ (انتہی) اسی کی شرح میں ابن ہمام فرماتے ہیں کہ

(فی المبسوط من قوله كان ابو حنیفہ لا یجیز الوقف وهو ما اراد المصنف) یعنی مبسوط میں ہے کہ امام ابو حنیفہ وقف کو جائز نہیں جانتے تھے۔ اور یہی مراد (مذکورہ قول) مصنف ہدایہ کی ہے۔ (فتح القدیر شرح ہدایہ ص 419 ج 5 کتاب الوقف)

مگر بریلوی اور دیوبندی دونوں ہی وقف کے قائل ہیں اور ان کے مدارس و مساجد کی اکثریت کا نظم و نسق ہی وقف کی آمدن پر ہے)

(۶) شوال کے ابتداء میں چھ روزے رکھنا امام ابو حنیفہ نے مکروہ کہا ہے۔

(البحر الدائق ص 258 ج 2)

مگر دیوبندی و بریلوی دونوں ہی رکھتے ہیں اور سنت و مستحب کہتے ہیں۔

(۷) امام ابو حنیفہ مزارعت کو ناجائز کہتے ہیں (ہدایہ ص 408 ج 2) مگر بریلوی و دیوبندی دونوں ہی مزارعت کے قائل ہیں۔

(۸) حج کے دس دنوں میں ہال اور ناخن نہ کٹوانے کو امام ابو حنیفہ نے محض مباح کہا ہے حالانکہ دیوبندی و بریلوی ان کو سنت جان کر نہیں کٹواتے۔

(۹) امام ابو حنیفہ کے نزدیک انڈے کو فروخت کرنا جائز نہیں۔

(ہدایہ مع فتح القدر ص 58 ج 6 کتاب البیوع باب البیع الفاسد)

مگر اس کے برعکس حنفی بریلوی اور حنفی دیوبندی دونوں ہی انڈے کی فروخت کو جائز سمجھتے ہیں بلکہ بعض نے تو اسے مستقل کاروبار بنا رکھا ہے۔

(۱۰) پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ امام ابو حنیفہ نے اپنی تقلید سے منع کیا۔ جبکہ آپ دونوں گروہ امام صاحب کی تقلید کو واجب کہتے ہیں۔

تک عَشْرَةٌ كَامِلَةٌ :- ان دس مسائل کو ہم نے بطور نمونہ نقل کیا ہے۔ اگر اس پر ہم لکھنا شروع کر دیں تو بفضلہ تعالیٰ ہم سینکڑوں امثلہ پیش کر سکتے ہیں۔ اگر مجرد کسی جگہ پر اختلاف امام سے انسان مقلدیت سے خارج ہو جاتا ہے تو آپ دونوں حضرات ہی غیر مقلد ثابت ہوتے ہیں اور آپ کا دعویٰ تقلید جھوٹا ہے۔



فصل ششم

فقہ علامہ وحید الزمان اور علماء اہل حدیث

بلاشبہ علامہ وحید الزمان ایک فاضل شخص تھے۔ قرآن کریم اور صحاح خمسہ کا ترجمہ کر کے انہوں نے بہترین خدمت سرانجام دی ہے۔ لیکن ان کے ذاتی اجتہادات اور کتب فقہ مرتب کرنے کو علماء اہل حدیث نے ابتداء سے ہی اچھی نظر سے نہیں دیکھا۔ چنانچہ ان کا خود بیان ہے کہ

”مجھ کو میرے ایک دوست نے لکھا کہ جب سے تم نے کتاب ہدیۃ المہدی تالیف کی ہے تو اہل حدیث کا ایک بڑا گروہ جیسے مولوی شمس الحق مرحوم، عظیم آبادی اور مولوی محمد حسین صاحب لاہوری اور مولوی عبداللہ صاحب غازی پوری اور مولوی فقیر اللہ صاحب پنجابی اور مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری وغیر ہم تم سے بددل ہو گئے ہیں اور عام اہل حدیث کا اعتقاد تم سے جاتا رہا ہے۔“

(لغات الحدیث ص 50 ج 2 کتاب 'ش' مادہ شر)

مزید تفصیل دیکھنی ہو تو حیات وحید الزمان ص 100 مؤلف محمد عبدالعلیم چشتی طبع نور محمد اصح المطابع کراچی 1957ء کی مراجعت کریں۔

الغرض علامہ وحید الزمان عمر کے آخری حصہ میں بعض اعتقادی اور جزوی مسائل میں جمہور محدثین کرام کے مسلک سے الگ تھلگ ہو گئے تھے چنانچہ آخری تصانیف میں سے 'ہدیۃ المہدی' میں ایسے عقائد انہوں نے بیان کیے ہیں جو محدثین کا مسلک قطعاً نہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ

(وحکی عن ابن تیمیۃ انه ینزل کمانا نزل من المنبر) ص ۱۱

یعنی امام ابن تیمیہ سے حکایت بیان کی جاتی ہے کہ اللہ کا نزول عرش سے ایسے ہی ہوتا ہے جیسے میں منبر سے اتر ہوں۔ (ہدیۃ المہدی ص 11)

حالانکہ عرش سے نزول کی تمثیلی کیفیت کا کوئی بھی اہل حدیث قائل نہیں۔ اور امام ابن تیمیہ پر تو یہ سراسر افتراء ہے۔ جس کی تفصیل حیات شیخ السلام ابن تیمیہ ص 898 تا 793 میں مولانا عطاء اللہ حنیف رحمۃ اللہ علیہ نے اور ہمارے شیخ مولانا محمد یحییٰ گوندلوی نے عقیدہ اہل حدیث ص 217 میں کر دی ہے۔ خود امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ جو کہتا ہے کہ اللہ کا نزول میرے نزول کی طرح ہے وہ خبیث گمراہ اللہ کی صفات کو باطل کرتا ہے۔

(الماتریدیہ ص 516 ج 3)

الغرض علامہ وحید الزمان بقول مولانا عبید اللہ عقیف حفظہ اللہ تعالیٰ علم کا کباڑ خانہ تھے۔ ان کے تراجم تو مستند ہیں مگر فقہ میں وہ صحیح و ضعیف درست اور باطل کا فرق کرنے کی صلاحیت نہ رکھتے تھے۔

مذکورہ صرف ایک ہی مثال کافی ہے۔

ہمارے بھائی ابوبلال صاحب کا پیر و مرشد اور فن مغالطہ کا امام مولوی محمد امین صفدر اوکاڑوی لکھتا ہے کہ

”نواب وحید الزمان نے ہدیۃ المحدثیٰ نزل الابرار اور کنز الحقائق وغیرہ کتابیں لکھیں مگر ان کتابوں کا جو حشر ہوا وہ خدا کسی دشمن کی کتاب کا بھی نہ کرے۔ نہ ہی غیر مقلد مدارس نے ان کو قبول کیا کہ ان میں سے کسی کتاب کو داخل نصاب کر لیتے نہ ہی غیر مقلد مفتیوں نے ان کو قبول کیا کہ اپنے فتاویٰ میں ان کو لیتے اور نہ ہی غیر مقلد عوام نے ان کو قبول کیا۔ وہ مرزا قادیانی اور سوامی دیانند کی کتابوں سے اتنا نہیں جلتے جتنا ان کتابوں سے جلتے ہیں۔“

(ملخصاً تجلیات صفدر ص 621 ج 1)

ماسٹر امین کی یہ بات سو فیصد صحیح ہے۔ واقعی یہ کتب ہماری مسلمہ نہیں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کسی اہل حدیث ناشر نے وحید الزمان کی اشاعت کے بعد ان کو شائع نہیں کیا۔ ان

کو دیوبندی شائع کرتے ہیں یا بریلوی حضرات۔ اگر ہم ان پر مطمئن ہوتے تو ان کی کثرت سے اشاعت کرتے مگر ایسا ہرگز نہیں ہوا۔ مگر ہمارے جھنگوی صاحب ایسے فضول انسان ہیں کہ غیر مسلمہ کتب سے عبارات نقل کر کے اعتراض کرتے ہیں حالانکہ دیانت کا تقاضہ یہ ہے کہ جو بات کسی کی مسلمہ ہی نہیں اس کو بنیاد بنا کر کسی کو طعن کرنا ہی فضول اور بے کار ہے۔ مگر جھنگوی صاحب کا مقصود اہل حدیث کو دعوت فکر دینا نہیں بلکہ ان کا منشور اہل حدیث کے خلاف نفرت پھیلانا ہے۔ جس کی وجہ سے وہ ہر جائز و ناجائز حربہ استعمال کر رہے ہیں۔ پھر ان غیر مسلمہ کتب کی طرف جو انہوں نے مسائل منسوب کیے ہیں وہ تمام کے تمام کذب و افتراء اور مفہوم کو یہودانہ حد تک بگاڑا گیا ہے۔

جن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

پہلا افتراء

یا علی یا رسول اللہ کہہ سکتے ہیں۔ (ہدیۃ المہدی ص 24) اور یہی عقیدہ شیعہ کا ہے۔ (تحفہ اہل حدیث ص 75)

الجواب :- اولاً :- ہدیۃ المہدی میں کوئی ایسی عبارت نہیں جس کا یہ معنی ہو کہ یا علی اور یا رسول اللہ استغانت کے لیے پکارنا جائز ہے۔ بلکہ علامہ وحید الزمان تو فرماتے ہیں کہ (فان قالوا بانہ حاضر فی کل مکان وانہ یسمع نداء کل من ناداه فی السفوت والارض فہم مشرکون خارجون عن دائرۃ الاسلام بلا شک) اگر یہ کہے کہ علیؑ اور محمد مصطفیٰ ﷺ ہر جگہ حاضر ہیں اور وہ پکار کو سنتے ہیں۔ خواہ پکارنے والا زمین میں ہو یا آسمانوں میں تو ایسے لوگ بلا شک و شبہ مشرک اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔

(ہدیۃ المہدی ص 24)

دیکھیے وحید الزمان کیا کہہ رہے ہیں اور ہمارے جھنگوی صاحب کیا بتا رہے ہیں۔

اس پر انہیں شرم ہے نہ حیا۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون

ثانیاً:- آئیے ہم آپ کو بتاتے ہیں شیعہ سے عقیدہ کن کا ملتا ہے؟ آپ کے شیخ الاسلام شبیر احمد صاحب عثمانی فرماتے ہیں کہ ہاں اگر کسی مقبول بندہ کو محض واسطہ رحمت الہی اور غیر مستقل سمجھ کر استعانت ظاہری اس سے کرے تو یہ جائز ہے۔

(تفسیر عثمانی ص 2)

جملہ مبتدعین خواہ شیعہ ہیں یا بریلوی ان سے پوچھ لیجیے وہ مزارات پر دعائیں اور ان کو پکارتے اور استعانت غیر مستقل سمجھ کر ہی کرتے ہیں۔ نہ شیعہ حضرت علی کو رب کہتے ہیں نہ ہی بریلوی علی ہجویری کو خدا کہتے ہیں۔

دوسرا افترا

فرماتے ہیں کہ تفضیل شیخین پر اجماع نہیں (ہدیۃ المہدی ص 94) اور یہی

عقیدہ شیعہ کا ہے۔ (تحفہ اہل حدیث ص 76)

الجواب:- اولاً:- وحید الزمان تو فرماتے ہیں کہ اس پر اجماع قطعی نہیں بلکہ ظنی ہے۔ ہدیۃ المہدی ص 94 مگر جھٹکوی صاحب کلی نفی نقل کرتے ہیں جو صریحاً جھوٹ ہے۔

جہاں تک وحید الزمان کے اپنے عقیدے کا تعلق ہے فرماتے ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ ان صحابہؓ سے افضل ہیں جن کی وفات آنحضرت ﷺ کے بعد ہوئی۔ اور جو صحابہ آنحضرت ﷺ کے سامنے گزر گئے جیسے حضرت حمزہؓ، سعید بن معاذ وغیرہ ان سے بھی ابو بکر افضل ہیں یا نہیں۔ اس میں اختلاف ہے۔

(لغات المہدیث ص 96 ج 1 کتاب الف)

کیا شیعہ کا یہی مؤقف ہے؟

ثانیاً:- متعدد اکابر اہل سنت تفضیل شیخین کے قائل نہ تھے۔ امام نسائی جن کی السنن صحاح ستہ میں شامل ہے انہوں نے تو اس پر مستقل ایک کتاب بھی تحریر کی ہے جو طبع ہو چکی ہے۔

تیسرا افترا

فرماتے ہیں خطبہ میں خلفاء راشدین کا ذکر بدعت ہے۔

(ہدیۃ المہدی ص 90) اور یہی شیعہ کا عقیدہ ہے۔ (تحفہ اہل حدیث ص 76)
الجواب :- یہ سب جھوٹ ہے۔ ”ہدیۃ المہدی“ کے مذکورہ صفحہ میں ایسی کوئی عبارت نہیں ہے۔

چوتھا افترا

متاخرین علماء صحابہ سے افضل ہو سکتے ہیں۔ (ہدیۃ المہدی ص 118) اور یہی شیعہ کا موقف ہے۔

(تحفہ اہل حدیث ص 76)

الجواب :- اولاً :- مذکورہ صفحہ پر ایسی کوئی عبارت نہیں۔ ہاں البتہ ہدیۃ المہدی کے صفحہ 90 پر وحید الزمان فرماتے ہیں کہ علم و معرفت میں عوام صحابہ کرام سے متاخرین علماء کا علم و معرفت بڑھ سکتا ہے۔ آخر میں فرماتے ہیں کہ

(والمحقق ان الصحابی له من فضيلة الصحبة ما لا يحصل للولی)

(ہدیۃ المہدی ص 90)

یعنی تحقیق قول یہ ہے کہ صحابی کو رسول اللہ ﷺ کی صحبت کی فضیلت حاصل ہے جو کسی ولی کو حاصل نہیں۔ (اتہمی)

الغرض وحید الزمان نے صحابی کی عظمت سے بڑھ کر ہونے کی سرے سے بات ہی نہیں کی بلکہ وہ تو یہ کہہ رہے ہیں کہ عوام صحابہ سے متاخرین علماء کا علم و معرفت بڑھ سکتا ہے۔ یہی حنفیہ کا موقف ہے۔ ایمان سے کہنا کہ آپ کے نزدیک فقہ واجتہاد میں ”امام ابو حنیفہ

بڑھ کر ہیں یا عوام صحابہ کرام؟ یقیناً یہی جواب دیں گے کہ ابو حنیفہ فقہ واجتہاد میں عام صحابہ کرام سے بڑھ کر تھے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اصول فقہ کی کتابوں میں موجود ہے کہ ابو ہریرہ اور حضرت جابر بن سمرہ غیر فقیہ تھے اور جبکہ احناف کے نزدیک ابو حنیفہ فقہ الناس ہیں۔ بلکہ خود امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت انسؓ اور حضرت جابرؓ کے آثار کے مقابلہ میں اپنی رائے کو نہیں چھوڑ سکتا۔

(المیزان الکبریٰ ص 54 ج 1 و اتمس الیہ الحاجہ ص 8)

ظاہر ہے کہ امام ابو حنیفہ ان صحابہ کرام کے بالمقابل اپنے آپ کو ائمہ و علم جانتے تھے۔ ورنہ ان کے آثار کے بالمقابل اپنے فتویٰ پر ضد کے چہ معنی؟

مآیناً:- نارنگ منڈی کے ”دارالعلوم عربیہ حنفیہ“ کے سابقہ مہتمم قاری محمد حنیف حنفی دیوبندی کا موقف ہے کہ یہ بات جو اہل سنت میں مشہور ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے بعد ابو بکر افضل ہیں۔ میں اس بات کا قائل نہیں بلکہ مقام کے لحاظ سے آج بھی کوئی شخص ان سے افضل ہو سکتا ہے۔

(بحوالہ فتویٰ مولوی محمد عیسیٰ مفتی نصرۃ العلوم، مصدقہ مولانا سرفراز خاں صفدر مؤرخہ 21 اگست 1988ء صفحہ 2)

اصل فتویٰ ہمارے پاس محفوظ ہے اگر جھٹکوی صاحب دیکھنا چاہیں تو ہم خندہ پیشانی سے دکھادیں گے۔ (ان شاء اللہ) تدری صاحب آج کل جلو موٹر (لاہور) میں رہتے ہیں۔

پانچواں افترا

فرماتے ہیں کہ آپ کے ہاں بیوی سے لواطت جائز ہے (ہدیہ والمعدی ص

118) شیعہ کا عقیدہ بھی یہی ہے۔ (تحفہ اہل حدیث ص 76)

الجواب:- اولاً:- ہدیہ المعدی میں کوئی ایسی عبارت نہیں جس کا یہ معنی ہو کہ بیوی سے لواطت جائز ہے۔

لعت اللہ علی الکاذبین

ثانیاً:- علامہ وحید الزمان فرماتے ہیں کہ

(قالت الحنابلة في الدبر مثله وعندنا لا يكون حكم الوطى في الدبر كحكم الوطى في الحيض لان حرمة الاخير قطعياً بخلاف حرمة الاول فانها ظنية)

(نزل الابرار ص 267 ج 2)

یعنی حنابلہ کے نزدیک دبر میں جماع کرنا حیض میں وطی کرنے کی طرح ہے اور ہمارے نزدیک ایسا نہیں۔ کیونکہ اول میں جماع نہ کرنے کی حرمت نص قطعی سے ثابت ہے۔ جبکہ دوم میں وطی کرنے کی حرمت حدیث سے ثابت ہے۔ (انتہی)

ترجمہ بخاری۔ کتاب التفسیر باب نساء کم حرث لکم..... کے تحت فرماتے ہیں دخول فرج میں ہونا چاہیے نہ دبر میں۔ اکثر علماء نے اس آیت کے یہی معنی رکھے ہیں۔ بعض نے کہا 'انی'، 'این' کے معنوں میں ہے۔ یعنی جہاں چاہو، قبل یاد دبر میں اور وطی فی الدبر کو انہوں نے جائز رکھا ہے لیکن یہ قول مرجوح ہے۔

(تیسیر الباری ص 380 ج 4 مطبوعہ امجد ایڈمی لاہور 1977ء)

چھٹا افتراء

فرماتے ہیں کہ آپ بھی متعہ کے قائل ہیں۔ (ہدیۃ المہدی ص 118) اور یہی شیعہ کا عقیدہ ہے۔ (تحفہ اہل حدیث ص 76)

الجواب :- اولاً :- ہدیۃ المہدی میں کوئی ایسی عبارت نہیں جس کا یہ معنی ہو کہ متعہ جائز ہے۔ یہ جھنگوی صاحب کا کھلا افتراء ہے۔

ثانیاً :- علامہ وحید الزمان ترجمہ سنن ابن ماجہ کتاب الزکاح باب النہی عن انکاح المعہ کے تحت فرماتے ہیں کہ

متعہ کا نکاح یہ ہے کہ ایک معیاد معین تک نکاح کرے جیسے ایک دن دو دن ایک ہفتہ ایک ماہ ایک سال تین سال۔ کے لیے یہ نکاح اوائل اسلام میں حلال تھا پھر حرام ہوا، پھر حلال ہوا، پھر حرام ہوا، پھر قیامت تک حرام ہو گیا۔

(ترجمہ سنن ابن ماجہ ص 276 ج 2 طبع اسلامی اکادمی 1990ء)

مزید فرماتے ہیں کہ اب رہا نکاح متعہ تو وہ جنگ خیبر سے پہلے حلال تھا، پھر جنگ خیبر کے بعد حرام ہو گیا، پھر فتح مکہ یعنی یوم اوطاس میں حلال ہوا پھر تین دن بعد ہمیشہ کے لیے حرام ہو گیا۔ اس میں صرف روافض کا اختلاف ہے۔

(لغات الحدیث ص 49 ج 4 کتاب 'م' مادہ متعہ)

یہی بات انہوں نے سنن ابی داؤد ص 132 ج 2 کے ترجمہ میں فائدہ کے تحت لکھی ہے۔

ساتواں افترا

اس سے بھی بڑھ کر سینے! غیر مقلد عالم و حید الزمان نے لکھا ہے ہم شیعان علی ہیں۔ ہدیۃ المہدی ص 100 اب بتاؤ شیعہ اور ہم ایک ہیں یا شیعہ اور آپ ایک ہیں۔ ٹھنڈے دل سے انصاف کیجیے۔ اور اللہ تعالیٰ سے ہدایت مانگیے۔ (تحفہ اہل حدیث ص 76)

الجواب :- اولاً:- ہم نے ٹھنڈے دل سے غور بھی کر لیا اور اللہ سے ہدایت کے بھی ہم طلب گار ہیں۔

ثانیاً:- بلاشبہ علامہ و حید الزمان نے یہ لکھا ہے کہ

(اہل الحدیث ہم شیعۃ علیؑ یحبون اہل بیت رسول اللہ ﷺ)

(ہدیۃ المہدی ص 100)

یعنی اہل حدیث حضرت علیؑ کا گروہ ہے جو اہل بیت رسول اللہ ﷺ سے محبت کرتے ہیں۔ (انتہی)

مگر یہاں انہوں نے رافضیوں کی بات نہیں کی بلکہ خارجیوں کے بالمقابل شیعان

علی کا لفظ استعمال کیا ہے۔ اور یہ رافضیت قطعاً نہیں کیونکہ ہم جنگوں میں سیدنا علی مرتضیٰ کو حق بجانب اور گروہ حضرت معاویہؓ کو مخطی تصور کرتے ہیں اور خارجیوں کو کافر و مرتد یقین کرتے ہیں اور ان کے بالمقابل سیدنا علی مرتضیٰ کے گروہ میں اپنے آپ کو شامل کرتے ہیں اگر یہ رافضیت ہے تو تمام اہل سنت رافضی ہیں؟ کیونکہ سیدنا علی مرتضیٰ سے محبت ایمان کا جزو ہے۔ کیونکہ سیدنا علیؓ بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے عہد کیا تھا کہ

(ان لا یحبنی الامومن ولا یبغضنی الامنافق)

(صحیح مسلم ص 60 ج 1)

یعنی مجھ سے محبت نہیں کرے گا مگر مومن اور مجھ سے بغض نہیں رکھے گا مگر منافق۔
(انتہی)

ثالثاً:- اس حقیقت کے برعکس جھنگوی صاحب یہ باور کر رہے کہ وحید الزمان نے اہل سنت کے بالمقابل شیعہ کا لفظ استعمال کیا ہے اور یہ کہ اہل حدیث کا گروہ رافضیوں کا ٹولہ ہے۔ حالانکہ اسی (ہدیۃ المہدی کے اسی صفحہ 100 پر انہوں نے لکھا ہے کہ ہم ازواج النبی ﷺ سے محبت کرتے ہیں وہ تمام کی تمام مومنوں کی مائیں ہیں۔ اور اس پر ہمارا ایمان ہے جیسے وہ دنیا میں نبی ﷺ کی بیویاں تھیں ایسے ہی آخرت میں وہ آنحضرت ﷺ کی بیویاں ہوں گی اور حضرت خدیجہؓ اور حضرت عائشہؓ باقی ازواج سے عظمت و بزرگی میں بڑھ کر تھیں۔
(انتہی)

اب جھنگوی صاحب بتائیں کیا شیعہ ایسے ہی ہوتے ہیں۔

ہمارا دعویٰ ہے کہ آپ نے علامہ وحید الزمان پر افترا و کذب بیانی کر کے ان کی طرف مذکورہ تمام مسائل منسوب کیے ہیں۔ ان کا دامن ان خرافات سے پاک ہے آئیے میرے ساتھ تحریری گفتگو کر لیجیے اور میں اپنی طرف سے حضرت استاذی المکرم مولانا محمد یحییٰ صاحب گوندلوی حفظہ اللہ کو منصف تسلیم کرتا ہوں۔

آپ اپنی طرف سے جس کو چاہیں مصنف مقرر کریں، تیسرا سر بیچ مسلمہ فریقین،

ہوگا اور منصفوں کے درمیان اختلاف کی صورت میں اسی کا فیصلہ حرف آخر ہوگا، اگر منصف فیصلہ آپ کے حق میں دے دیں تو خاکسار اپنی طرف سے فی مسئلہ ایک صدر و پیہ نقد انعام دے گا ورنہ اللہ کا خوف کیجیے اور لعنۃ اللہ علی الکاذبین کی وعید شدید سے ڈر جائیے۔ مگر قارئین کرام یاد رکھنا کہ تھنکوئی مرنا تو قبول کرے گا مگر مرد میدان بن کر کبھی بھی گفتگو پر راضی نہ ہوگا۔ کیونکہ اس کا دل اس کے جھوٹوں پر گواہ ہے۔

آٹھواں افترا

فرماتے ہیں کہ نواب نور الحسن خاں غیر مقلد لکھتے ہیں صحابی کا قول حجت نہیں۔ (عرف الجادی ص 207 ج 1) اور یہی شیعہ کا عقیدہ ہے۔ (تحفہ اہل حدیث ص 75) الجواب :- تھنکوئی صاحب نے اس قول کو علی الاطلاق ان کی طرف منسوب کر کے یہ باور کرایا ہے کہ جیسے کلی طور پر شیعہ کے نزدیک اقوال صحابہ حجت نہیں ہیں۔ اسی طرح اہل حدیث کے نزدیک بھی صحابی کا قول حجت نہیں۔ حالانکہ یہ صریحاً جھوٹ ہے۔ نواب صاحب نے یہ بات قطعاً نہیں کہی۔ یہ ان کا کھلا افترا اور ان کے کلام کی یہودانہ روش پر تحریف کی گئی ہے۔ سنیہ اہل حدیث کا مؤقف یہ ہرگز ہرگز نہیں ہے۔

ثانیاً :- نواب صاحب نے لوطی کی حد بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ سنن اربعہ اور مسند احمد میں حضرت ابن عباسؓ سے مرفوعاً مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا کہ فاعل ومفعول دونوں کو قتل کر دیا جائے۔ پھر وہ فقہاء کا اختلاف بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ بعض نے اس کی مختلف سزائیں بیان کی ہیں جن پر کوئی حدیث دلیل نہیں اور صحابی کا اجتہاد حجت نہیں۔ (عرف الجادی ص 207 ج 1) ان کے قول کا مقصد تو یہ ہے کہ حدیث مرفوع کے بالمقابل صحابی کا قول حجت نہیں۔ مگر تھنکوئی صاحب نے سیاق و سباق سے قطع نظر ان کی عبارت کے مفہوم کو ہی بگاڑ دیا ہے۔ حالانکہ حنفیہ کا مؤقف بھی یہی ہے۔

علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں کہ

(ان قول الصحابی حجة مالم ینفہ شیئ من السنة)

(فتح القدیر ص 37 ج 2)

یعنی صحابی کا قول حجت ہے جب تک سنت میں سے کوئی چیز نفی نہ کرے (انتہی)
یہی بات مولانا عبدالحی لکھنوی نے (امام الکلام ص 222) میں، و ظفر الامانی ص
(180) مولانا اشرف علی تھانوی نے (احیاء السنن ص 39) میں، مولوی ظفر احمد تھانوی نے
(اعلاء السنن ص 116، 134، 509 ج 1) میں، ملا علی القاری نے (مرقاۃ ص 234 ج 2 طبع قدیم
) میں اور جھنگوی صاحب کے استاذ المکرم مولانا سر فراز خاں صفدر نے (حکم الذکر بالجبر ص
105) میں کہی ہے۔ الغرض اگر یہ شیعہ کا عقیدہ ہے تو خیر سے اس کے آپ کے اکابر کے علاوہ
مولانا صفدر کا بھی یہی عقیدہ ہے ان اکابر کی بدیت کے لیے کوئی بہانہ تلاش کیجئے۔

نانوال افتران

فرماتے ہیں کہ آپ بھی اجماع کے منکر ہیں۔ شیعہ بھی اجماع کے منکر ہیں۔

(تحفہ اہل حدیث ص 66)

الجواب :- اولاً:- ہمارے معاصر نے اس کے ثبوت میں کوئی حوالہ پیش نہیں کیا جس کی
طرف ہم مراجعت کرتے۔

ثانیاً:- جہاں تک اہل حدیث کے مؤقف کی بات ہے وہ صاف و شفاف ہے کہ قرآن و سنت
کے خلاف نہ اجماع ہو سکتا ہے نہ ہی قیاس۔ ہمارے نزدیک اجماع کا تیسرا درجہ ہے اس کے
ہم قائل ہیں بشرطیکہ اجماع ثابت ہو زبانی جمع خرچ نہ ہو۔ اور چند فقہاء کے اقوال کو اجماع
باور نہ کرایا گیا ہو، اس کے برعکس آپ دعویٰ تو یہ کرتے ہیں کہ ہم اجماع کے قائل ہیں مگر
دنیا میں آپ سے بڑھ کر کوئی بھی اجماع کا منکر نہیں عدم تقلید پر صحابہ کرام کا اجماع ہے۔
(تفصیل معیار الحق ص 157) میں دیکھیے۔

کوئی صحابی بھی تقلید کا قائل نہ تھا۔ اس پر آپ ایک مثال بھی بسند صحیح ثابت
نہیں کر سکتے۔ مگر کتنے افسوس کی بات ہے کہ آپ اس اجماع کے خلاف وجوب تقلید کے
قائل ہیں۔ بلکہ اپنے مذہب کی بنیاد ہی اس اجماع کے خلاف رکھی ہے۔ الغرض ہم اجماع کے
تو قائل ہیں ہاں البتہ ہمارا اور حنفیہ کا شرائط اجماع میں اختلاف ضرور ہے۔

فصل ہفتم

مذہب اہل مدینہ اور اہل حدیث

ہمارے معاصر جھنگوی صاحب نے مدینے والوں سے اہل حدیث کے اختلافات بھی گنوائے ہیں۔ اس کے تحت وہ امام مالک رحمہ اللہ اور اہل حدیث کے درمیان اختلاف ثابت کرتے ہیں۔ حالانکہ مدینہ طیبہ کے رہنے والے صرف امام مالک ہی نہیں بلکہ متعدد امام ہیں جو صحابہ کی اولاد سے ہیں۔ مگر ابوبلال صاحب کو مدینہ طیبہ میں صرف ایک ہی عالم نظر آیا ہے اور ان کے مؤقف کو ہی وہ اہل مدینہ کا مؤقف باور کراتے ہیں۔ جو ان کی جہالت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

بلاشبہ امام مالکؒ ایک عظیم الشان امام ہیں۔ سنت کے فدائی اور قرآن کے عالم ہیں۔ مگر حق کا ان میں حصر نہیں۔ اور نہ ہی تعامل اہل مدینہ صرف امام مالک رحمہ اللہ کے مؤقف کا نام ہے، کیونکہ امام مالک کا مدینہ کے علماء میں شمار ہوتا ہے۔ الغرض علماء مدینہ کا وہ جزو تو ہیں مگر کل نہیں۔

اب آئیے ترتیب وار ان مسائل کی حقیقت ملاحظہ کریں جن کی جھنگوی صاحب نے وضاحت کی ہے۔

مسئلہ رفع الیدین:- حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز شروع کرتے اور جب رکوع کرتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو رفع الیدین کرتے۔

(صحیح بخاری ص 102 ج 1)

اس حدیث کے زاوی امام مالک رحمہ اللہ ہیں اور اس حدیث پر ان کا عمل ہے۔

حافظ ابن عبدالبر مالکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

(روی ابن وہب والولید بن مسلم وسعید بن ابی مریم واشہب وابرا المصعب عن مالک انه كان يرفع يديه على حدیث ابن عمر هذا لى ان

(مات)

یعنی امام ابن وہب، امام ولید بن مسلم، امام سعید بن ابی مریم، امام اشعب اور امام ابو مصعب، امام مالک سے بیان کرتے ہیں کہ وہ ابن عمر کی حدیث کے موافق نماز میں رفع الیدین کرتے رہے یہاں تک کہ ان کی وفات ہو گئی۔

(التمہید ص 213 ج 9)

پگڑی پر مسح :- فرماتے ہیں کہ آپ پگڑی پر مسح کے قائل ہیں جبکہ مدینہ کا امام اس کی اجازت نہیں دیتا۔

(موطا امام مالک ص 23، تحفہ اہل حدیث ص 77)

الجواب :- بھائی اگر امام مدینہ حضرت امام مالکؒ کو اس سنت کا علم نہیں ہو سکا تو کیا ہوا جبکہ مہاجر مدینہ اور امام الانبیاء اور خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ سے پگڑی پر مسح کرنا ثابت ہے۔

(۱) حضرت عمرو بن امیہؓ بیان کرتے ہیں کہ

((رایت النبی ﷺ یمسح علی عمامته و خفیه))

یعنی میں نے نبی ﷺ کو عمامہ مبارک اور موزوں پر مسح کرتے دیکھا۔

(بخاری شریف ص 33 ج 1)

(۲) حضرت بلالؓ راوی ہیں کہ

((ان رسول اللہ ﷺ مسح علی الخفین و الخمار))

یعنی بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے (وضو میں) موزوں اور پگڑی پر مسح فرمایا۔

(صحیح مسلم ص 134 ج 1؛ ابوعوانہ ص 260 ج 1؛ نسائی ص 17 ج 1؛ ترمذی مع تحفہ ص 106 ج 1)

(۳) حضرت ثوبانؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک لشکر کو بھیجا ان کو سردی لگ گئی

جب وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا تو

((امرهم ان یمسحوا علی العصائب و التساخین))

نبی ﷺ نے ان کو پگڑی اور جرابوں پر مسح کرنے کا حکم فرمایا۔

(سنن ابی داؤد مع عون ص 56 ج 1 و مسند احمد ص 277 ج 5 و بیہقی ص 62 ج 1 و مستدرک
حاکم ص 169 ج 1)

امام حاکم و ذہبی فرماتے ہیں کہ یہ شرط مسلم پر صحیح ہے۔
(۴) حضرت سلیمانؑ فارسی بیان کرتے ہیں کہ

((فانی رايت رسول الله ﷺ يمسح على خماره وعلى خفيه))

یعنی میں نے رسول اللہ ﷺ کو پگڑی اور موزوں پر مسح کرتے ہوئے دیکھا۔

(صحیح ابن حبان ص 261 ج 3 رقم الحدیث (1341, 1342) و مسند طیالسی ص 91 رقم
الحدیث (656))

(۵) حضرت خزیمہ بن ثابتؓ بیان کرتے ہیں کہ

((ان النبي ﷺ كان يمسح على الخفين والخمار))

بلاشبہ نبی ﷺ موزوں اور پگڑی پر مسح فرمایا کرتے تھے۔

(معجم طبرانی الاوسط ص 256 ج 2 رقم الحدیث (1454))

علامہ بیہقی فرماتے ہیں کہ اس کی سند حسن ہے۔ مجمع الزوائد ص 256 ج 1

آپ کے استاذ المکرم فرماتے ہیں کہ اپنے وقت میں اگر علامہ بیہقی کو صحت اور سقم کی پرکھ
نہیں تو اور کس کو تھی۔ (حاشیہ احسن الکلام ص 290 ج 1 طبع چہارم 1413ھ)

پگڑی پر مسح کرنے کی روایات متعدد صحابہ کرامؓ سے مروی ہیں جو تقریباً بیس
کے لگ بھگ ہیں۔ اگر فریق ثانی نے اس کا جواب تحریر کیا اور ہم مجبور کر دیئے گئے تو جواب
الجواب میں خاکسار اس پر مفصل بحث کر دے گا۔ ان شاء اللہ اور مبتدعین کی جملہ تحریفات
و تاویلات فاسدہ کو طشت ازبام کر کے رکھ دے گا۔ ان شاء اللہ

امام ترمذی پگڑی پر مسح کے قائلین کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

ابو بکر صدیقؓ، عمر فاروقؓ، انس بن مالکؓ، امام اوزاعیؓ، امام احمدؓ، امام اسحاقؓ، امام وکیع بن الجراحؓ

پگڑی پر مسح کے قائل تھے۔

(ترمذی مع تحفہ ص 105 ج 17)

اسی طرح امام ابی ثور امام داؤد بن علی، حضرت ابی امامہؓ، حضرت سعدؓ، حضرت ابی درداءؓ، حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز، قنابہ مکحول (عون المعبود ص 56 ج 17) حضرت ابو موسیٰ الاشعریؓ، حضرت علیؓ، امام سفیان ثوری، امام حسن بصری بھی پگڑی پر مسح کے قائل تھے۔

(المحلی بالامار ص 306 ج 17)

سوال یہ ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرامؓ کا مقدس گروہ بالخصوص خلفاء الراشدين آپ کے نزدیک مدینہ طیبہ کے باشندے نہ تھے۔ کہ آپ ہمیں مذہب اہل مدینہ سے اختلاف کا طعنہ دے رہے ہیں۔ مزید سنیوں کہ امام مالکؒ کے نزدیک پورے سر کا مسح فرض ہے۔ اگر سر کا کچھ حصہ مسح کرنے سے رہ گیا تو وضو نہیں ہوگا۔

(التمہید ص 125 ج 20)

ظاہر ہے کہ یہ موقف حنفیہ کے خلاف ہے۔ کیونکہ ان کے نزدیک سر کا چوتھا حصہ فرض ہے۔ علاوہ ازیں امام مالک مطلق پگڑی پر مسح کے قائل نہیں۔

(موطا ص 23)

حالانکہ حنفی ناصیہ کے ساتھ ملا کر پگڑی پر مسح کے قائل ہیں۔

فماکان جو ابکم فھو جو ابنا

تیمم میں ایک ضرب کا ثبوت :- فرماتے ہیں کہ آپ کے نزدیک تیمم کی ایک ضرب ہے جبکہ مدینہ کے امام کے ہاں دو ضربیں ہیں۔

(موطا، تحفہ اہل حدیث ص 77)

الجواب :- عبدالرحمن بن ابذی بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر فاروقؓ کے پاس ایک شخص

آیا۔ اس نے کہا میں جنبی ہو گیا اور پانی نہیں پاتا۔ حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا کہ تو نماز ادا نہ کر (یہاں تک پانی ملے)۔ تب حضرت عمارؓ بن یاسرؓ نے کہا کہ اے عمر فاروقؓ وہ واقعہ یاد کرو جب میں اور تم ایک سر یہ میں تھے اور ہم دونوں جنبی ہو گئے۔ آپ نے تو نماز ادا نہ کی لیکن میں نے مٹی پر لیٹ کر نماز پڑھ لی۔ جب رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے تو آپ علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ

(بِكْفَيْكَ اِنْ تَضْرِبُ بِيَدِكَ الْاَرْضَ ثُمَّ تَنْفَخُ ثُمَّ تَمْسَحُ بِهَمَا وَجْهَكَ وَ كَفَيْكَ)

تجھے اتنا ہی کافی تھا کہ تو زمین پر ہاتھ مارتا اور ہاتھوں کو پھونک مار کر (جھاڑ) لیتا پھر ان دونوں ہاتھوں سے چہرے اور ہاتھوں کا مسح کر لیتا۔

(بخاری ص 48 ج 1 و مسلم ص 161 ج 1، واللفظ للمسلم)

یہی حدیث حضرت ابو موسیٰ الاشعریؓ حضرت عمار بن یاسرؓ سے روایت کرتے ہیں۔

(بخاری ص 50 ج 1 و مسلم ص 161 ج 1)

امام ترمذی فرماتے ہیں کہ ایک ضرب سے تیمم کرنے کے قائل حضرت علیؓ، حضرت

عمارؓ، حضرت ابن عباسؓ اور متعدد تابعین ہیں اور یہی قول ہے امام احمد اور امام اسحاق کا۔

(ترمذی مع تحفہ ص 133 ج 1)

یہی فتویٰ ہے قتادہ، سعید بن مسیب اور عروۃ بن زبیر کا۔

(المحلی ص 376 ج 1)

آپ سے بھائی سوال یہ ہے کہ امام الانبیاء اور خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ

حضرت علیؓ، حضرت ابن عباسؓ، حضرت عمار بن یاسرؓ، امام سعید بن مسیب اور عروۃ بن زبیرؓ

مدنی نہیں۔ اگر واقعی ان کو آپ مدنی نہیں جانتے تو پھر آپ کسی دماغی ہسپتال میں داخلہ لیجیے

تصنیف آپ کے بس کا روگ نہیں۔ اگر یہ مدنی ہیں یقیناً ہیں تو پھر کس منہ سے ہم پر مذہب

اہل مدینہ سے اختلاف کا آوازہ کس رہے ہو۔

پھر یہ واضح ہو کہ امام مالکؒ سے ایک ضرب سے تیمم کرنے کی روایت بھی موجود

ہے۔ جس کا اعتراف مولانا محمد تقی عثمانی نے کر رکھا ہے۔ ملاحظہ ہو (درس ترمذی ص 17383)

یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ احناف کے نزدیک تیمم میں دو ضربیں رکن ہیں۔ جس کا یہ مطلب ہے کہ ایک ضرب سے تیمم جائز ہی نہیں۔ جبکہ امام مالک فرماتے ہیں کہ ایک ضرب سے بھی تیمم جائز ہے۔
امام ابن عبدالبر لکھتے ہیں کہ

(وقال مالك ان مسح وجهه ويديه بضربة واحدة اجزاء وان مسح يديه الى الكوعين اجزاء)

یعنی امام مالک فرماتے ہیں کہ اگر ایک ہی ضرب سے منہ اور ہاتھوں پر مسح کر لیا جائے تو یہ کفایت کر جاتا ہے اور اگر نصف ہاتھوں کا مسح کرے تب بھی کفایت کر جاتا ہے۔
(التمہید لمافی الموطا من المعانی والاسانید ص 282 ج 19)

حالانکہ حنفیہ کے نزدیک مسح کہنیوں تک کرنا فرض ہے اور اسی طرح ایک ضرب سے تیمم کے یہ قائل بھی نہیں۔ مگر مؤلف تحفہ اہل حدیث اپنے گھر کا تو جائزہ نہیں لیتا لیکن فریق ثانی پر امام مالک سے اختلاف ثابت کر کے مذہب اہل مدینہ سے بغاوت کا الزام لگا رہا ہے۔
اے جی اگر یہ بغاوت ہے تو سب سے زیادہ اس کے مرتکب آپ ہیں۔

نماز میں سورۃ فاتحہ کا بیان:- فرماتے ہیں کہ آپ جہری دوسری نمازوں میں مقتدی کے لیے فاتحہ کو فرض کہتے ہیں جبکہ امام مدینہ جہری نمازوں میں فاتحہ کی مقتدی کو اجازت نہیں دیتے۔ (تحفہ اہل حدیث ص 77)

الجواب:- اولاً:- بلاشبہ امام مالک کا یہی معروف مسلک ہے۔ لیکن امام قرطبی مالکی فرماتے ہیں کہ

(الصحيح من هذه الاقوال قول الشافعي واحمدومالك في القول الاخر ان الفاتحة متعينة في كل ركعة لكل احد على العموم)

یعنی ان اقوال میں صحیح قول امام شافعی امام احمد اور ایک قول میں امام مالک کا قول ہے کہ فاتحہ ہر رکعت میں ہر ایک کے لیے ضروری ہے۔

(تفسیر قرطبی ص 119 ج 1) بحوالہ توضیح الکلام ص 65 ج 1

علامہ قرطبی فقہ مالکی کے مسلمہ امام ہیں۔ ان کے کلام کو بلا دلیل رد کرنا بھی بڑی جسارت ہے۔

ثانیاً:- امام مالک کا نام کس منہ سے لیتے ہو جب کہ آپ کو اقرار ہے کہ وہ سری میں فاتحہ پڑھنے کے قائل تھے۔ حالانکہ احناف کے نزدیک مقتدی پر سرے سے واجب ہی نہیں بلکہ متاخرین کے اقوال تو اس کی حرمت (حرام) پر ہیں۔

ثالثاً:- احناف کے نزدیک آخری دور رکعت میں مطلق قرأت فرض ہی نہیں۔ خواہ امام ہو یا مقتدی بلکہ احناف کے نزدیک اگر امام مسافر ہو اور مقتدی مقیم ہوں اور امام دور رکعت پڑھ کر سلام پھیر دے تو مقتدی آخری دور کعتوں میں بھی قرأت کے مجاز نہیں۔ حالانکہ امام مالک چاروں رکعت میں فاتحہ کو واجب کہتے ہیں۔ علامہ ابن عبد البر فرماتے ہیں کہ

(واجمع العلماء على ايجاب القراءة فى الركعتين الاوليين من صلاة اربع
.....واختلفوا فى الركعتين الاخرتين فمذهب مالك والشافعى واحمد
واسحق وابى ثور وداؤد ان القراءة فيهما بفاتحة الكتاب واجبة ومن لم يقرأ
فيها بفاتحة الكتاب واجبة ومن لم يقرأ فيهما بها فلا صلاة له وعليه اعادة
ماصلى)

یعنی چار رکعتوں کی نماز میں پہلی دور کعتوں میں قرأت تمام علماء کے نزدیک واجب ہے۔ ہاں البتہ آخری دور کعتوں میں اختلاف ہے۔ امام مالک، امام شافعی، امام احمد، امام اسحاق، امام ابو ثور، امام داؤد وغیرہ کا مذہب ہے کہ آخری دور رکعت میں بھی سورہ فاتحہ کا پڑھنا واجب ہے اور جس شخص نے ان آخری دور رکعت میں فاتحہ نہ پڑھی تو اس کی نماز نہیں ہوئی اس پر واجب ہے کہ وہ دوبارہ نماز ادا کرے۔

(التمہید لمافی الموطا من المعانی والآسانید ص 194 ج 20)

امام مالک رحمۃ اللہ کے اقوال کو بنیاد بنا کر اہل حدیث کو مطعون کرنے والے سینو! مدینہ کا امام کیا کہہ رہا ہے اور تم کس طرف جا رہے ہو؟

راجا:۔ یہ مسئلہ تو امت مرحومہ میں مختلف فیہ ہے۔ آپ کے استاذ المکرم فرماتے ہیں کہ حضرت عبادۃ بن الصامت نے صحیح سمجھایا غلط بہر حال یہ بالکل صحیح بات ہے کہ حضرت عبادہ امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنے کے قائل تھے اور ان کی یہی تحقیق اور یہی مسلک و مذہب تھا۔ مگر فہم صحابی اور موقوف صحابی حجت نہیں۔

(احسن الکلام ص 156 ج 2)

حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ انصار کے قبیلہ خزرج سے تھے اور مدینہ بطیبہ کے باشندے تھے۔ معروف بدری صحابی ہیں۔ (تقریب ص 164)

مذہب اہل مدینہ سے اختلاف ثابت کرنے والو پہلے اپنے استاد کی کتاب کا اچھی طرح مطالعہ کر لیا کرو۔

خامساً:۔ مولانا سرفراز خاں صاحب صفدر کی مذکورہ عبارت سے ثابت ہوا کہ موقوفات صحابہ حجت نہیں۔ جبکہ مؤلف تحفہ اہل حدیث کہتے ہیں کہ یہ مؤقف و مذہب شیعہ کا ہے۔

(تحفہ اہل حدیث ص 75)

معلوم ہوا کہ آپ بھی شیعہ کے عینی بھائی ہیں۔

سادساً:۔ مناظروں میں آپ حضرات فاتحہ سے جس طرح جان چھڑاتے ہیں وہ قابل دید ہے۔ اس بات پر بڑا اصرار کرتے ہیں کہ امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنا ثابت کریں۔ شاید آپ کو یاد ہو کہ نہ ہو کہ مناظرہ جلال پور بھٹیاں میں آپ کی پوری ٹیم نے اس پر اصرار کیا تھا۔ جس پر راقم نے کھڑے ہو کر کہا تھا کہ بلاشبہ ہمارا مسلک یہی ہے کہ امام و مقتدی اور منفرد پر سورۃ فاتحہ پڑھنی لازمی و ضروری ہے۔ اور اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔ لیکن آپ کا اصرار ہے کہ صرف مقتدی کا فاتحہ پڑھنا ثابت کریں۔ ہم آپ کی بات مان لیتے ہیں ابھی یہاں ہی

بات پہنچی تھی تو آپ اپنے بمع حواریوں کے اس پر بڑے خوش ہوئے تھے۔ لیکن جب میں نے اپنی بات کو پورا کرتے ہوئے کہا کہ آپ کے نزدیک امام کے پیچھے مقتدی کو سورۃ فاتحہ نہیں پڑھنی چاہیے۔ لہذا آپ یہ ثابت کریں گے کہ مقتدی کو سورۃ فاتحہ نہیں پڑھنی چاہیے۔ اس پر آپ حضرات گھٹنے ٹیک گئے تھے۔

بالآخر آپ نے عوام کا سہارا لیتے ہوئے کہا کہ جیسے یہ فیصلہ کریں گے۔ جس پر عوام نے یہی فیصلہ کیا کہ اہل حدیث امام کے پیچھے مقتدی کا فاتحہ پڑھنا ثابت کریں گے جبکہ حنفی امام کے پیچھے مقتدی کا فاتحہ نہ پڑھنا ثابت کریں گے۔ جس پر آپ کو چاروں لاچار مناظرہ کرنا پڑا لیکن حسب وعدہ ایک بھی صحیح حدیث مقتدی کے فاتحہ نہ پڑھنے پر پیش نہ کر سکے۔ ہاں البتہ آپ نے اس مناظرہ میں بددیانتیاں ضرور کی تھیں۔

مدرک رکوع کی رکعت ہوتی ہے کہ نہیں؟:- فرماتے ہیں کہ آپ کے ہاں رکوع میں ملنے والے کی رکعت نہیں ہوتی جبکہ امام مدینہ کے ہاں ہو جاتی ہے۔ (تحفہ اہل حدیث ص 77) الجواب:- اولاً:- پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک چاروں رکعت میں سورہ فاتحہ کو پڑھنا واجب ہے۔ جبکہ حنفی آخری دو رکعتوں میں کلی قرآۃ کے ہی سرے سے منکر ہیں۔

فماکان جو اکلم فھو جواہنا؟

ثانیاً:- حدیث صحیح مرفوع متواتر میں ہے کہ

((لاصلاة لمن یقرا بفاتحة الكتاب))

(بخاری ص 104 ج 1 و مسلم ص 169 ج 1)

یعنی رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے سورۃ فاتحہ نہ پڑھی اس کی نماز نہیں۔

یہ حدیث اپنے عموم کی وجہ سے امام و مقتدی اور منفرد کو شامل ہے۔ لہذا رکوع میں ملنے والے کی رکعت کو شمار کرنا، اس حدیث کے عموم کے خلاف ہے جس کی کوئی دلیل نہیں۔ آپ ذرا ہمت کیجیے اور پورے ذخیرہ احادیث کو پڑھ کر کسی ایسی حدیث صحیح مرفوع متصل کی نشان دہی کیجیے جس میں اس امر کا بیان ہو کہ رسول اللہ ﷺ نے رکوع میں ملنے

والے کی رکعت کو شمار کرنے کا ارشاد فرمایا ہو۔ مگر یقیناً جاہلے کہ پوری دنیا کے مبتدعین دیا نہ سر توڑ کوشش بھی کریں تو ایسی حدیث ثابت نہیں کر سکتے۔

جنازہ میں سورۃ فاتحہ کی قرأت :- فرماتے ہیں آپ کے ہاں جنازہ میں قرأت فاتحہ فرض ہے جبکہ امام مدینہ فرماتے ہیں کہ ہمارے شہر مدینہ میں اس پر عمل نہیں۔

(تحفہ اہل حدیث ص 77)

الجواب :- اولاً :- حضرت طلحہ بن عبد اللہؓ فرماتے ہیں کہ

((صلیت خلف ابن عباسؓ علی جنازۃ فقراً بفاتحة الكتاب وقال لتعلموا انها سنة))
یعنی میں نے حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کی اقتداء میں نماز جنازہ پڑھی تو آپ نے سورہ فاتحہ کو بھی نماز جنازہ میں پڑھا۔ اور کہا کہ تم جان لو کہ یہ سنت ہے۔ (بخاری ص 178 ج 1)

جب صحابی یہ کہے کہ یہ کام سنت ہے تو اس سے مراد بالاتفاق رسول اللہ ﷺ کی سنت ہوتی ہے۔ مفصل دیکھیے
(دین الحق ص 671 ج 1)
اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوں۔

(1) نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ کا پڑھنا رسول اللہ ﷺ کا طریقہ ہے۔

(2) حضرت ابن عباسؓ نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ پڑھا کرتے تھے۔ حضرت ابن عباسؓ کا شمار جلیل القدر صحابہ کرام میں ہوتا ہے۔ امت مرحومہ نے ان کو حبر الامت کے لقب سے نوازا ہے۔ جھٹکوی صاحب سے سوال ہے کہ کیا ابن عباسؓ مدنی نہیں؟ اگر ہیں یقیناً ہیں، تو پھر کس منہ سے ہم پر اختلاف مذہب اہل مدینہ کا طعنہ دے رہے ہو کچھ تو شرم کرو۔

ثم اقول، طلحہ بن عبد اللہ مدنی ہیں۔ تقریباً ص 157 ظاہر ہے کہ یہ واقعہ خاص مدینہ طیبہ میں صحابہ کی جماعت اور کثیر تابعین کرام اولاد صحابہ کی موجودگی میں پیش آیا ہو گا مگر کسی کا ابن عباسؓ پر انکار ثابت نہیں۔ جس سے ثابت ہوا کہ تمام اہل مدینہ کا یہی موقف و مذہب تھا۔ لیکن جھٹکوی صاحب اتنا یوں کی طرح ہمیں لکارتے ہوئے اہل مدینہ کی مخالفت کا سینہ

گزٹ واویلہ کر رہے ہیں۔

نماز جنازہ میں قرآن کے قائل ابن مسعود، حسن بن علی، سہل بن حنیف علی مرتضیٰ ابوہریرہ، ابودرداء، انس بن مالک، عبداللہ بن عمرو، مسور بن مخرمہ تابعین سے سعید بن مسیب، حسن بصری وغیرہ ہیں۔

(فتح الباری ص 37، 158 ج 3، والمکمل لابن حزم ص 353 ج 3 و مرعاة ص 380 ج 5 و مصنف ابن ابی شیبہ ص 295، 298 ج 3)

صحابہ کرام کے علاوہ تابعین کے گروہ میں سے بتائے سعید بن مسیب کا شمار مدینہ منورہ کے چوٹی کے فقہاء میں ہوتا ہے یا نہیں۔ اگر آپ اس کے منکر ہیں تو کثرت سے رب زدنی علما کا وظیفہ کیا کریں۔ ساتھ ساتھ معجون نجات بھی استعمال کریں۔ ان شاء اللہ آپ کو تقلیدی تعصب کی بیماری سے شفا ہوگی۔ اور آپ کتب طبقات علماء کو پڑھنے کے قابل ہو جائیں گے۔ جس سے آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ حضرت سعید بن مسیب رحمہ اللہ کون تھے؟

مسجد میں نماز جنازہ:- فرماتے ہیں کہ آپ کے ہاں مسجد میں جنازہ پڑھا جا سکتا ہے جبکہ امام مدینہ اسے مکروہ سمجھتے ہیں۔ (تحفہ اہل حدیث ص 78)

الجواب:- اولاً:- آپ جس مسجد کے پیش امام اور خطیب ہیں اس کے موسس مکرم حافظ عبدالشکور صاحب مرحوم کی نماز جنازہ مسجد میں ادا کی گئی تھی۔ بلکہ ان کو دفن بھی مسجد کے صحن میں کیا گیا تھا۔ بتائیے جناب مسجد میں دفن کرنے میں اہل مدینہ میں سے کون سے امام و بزرگ آپ کے ساتھ ہیں۔

ثانیاً:- ام المؤمنین صدیقہ کائنات حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ

((والله لقد صلى رسول الله ﷺ على ابنا بيضاء في المسجد سهيل واخيه))

اللہ کی قسم رسول اللہ ﷺ نے بیضاء کے بیٹوں سہیل اور ان کے بھائی کی نماز جنازہ مسجد میں پڑھی تھی۔

(صحیح مسلم ص 313 ج 1)

علامہ ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ

(ويدل على صحة ذلك ان ابا بكر صلى عليه عمر في المسجد وصلى ضهيب على عمر في المسجد بحضور جلة الصحابة من غير تكبير منهم وليس من انكر ذلك بعد هم بحجة عليهم فصار بماذا كرهنا سنة يعمل بها قديما فلا يجوز مخالفتها)

اور ام المومنین کی حدیث کی صحت پر دلیل ہے کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کی نماز جنازہ، عمر فاروقؓ نے مسجد (نبوی) میں پڑھائی اور عمر فاروقؓ کی نماز جنازہ حضرت صہیبؓ نے مسجد (نبوی) میں پڑھائی کبار اور اجل صحابہ کرام کی موجودگی میں بغیر کسی کی تکبیر کے اور بعد والوں کا انکار کرنا ان پر حجت نہیں؟ لہذا جو یہاں مسجد میں جواز جنازہ کا ذکر ہے وہ سنت ہے۔ جس پر قدیم سے عمل ہے پس اس کی مخالفت جائز نہیں۔

(التمہید لمافی الموطا من المعانی والاسانید ص 222 ج 21)

اس کی وضاحت تو تھمگلی صاحب ہی کر سکتے ہیں کہ محمد مصطفیٰ ﷺ، ام المومنین حضرت عائشہؓ، عمر فاروقؓ، صہیبؓ اور دیگر جلیل القدر اور اجل صحابہ کرام مدنی تھے یا کہ نہیں؟ اگر یہ تمام مدنی تھے یقیناً تھے تو پھر کس منہ سے مدینے والوں سے اختلاف کہتے ہو۔

وترکی رکعات کی تعداد:- فرماتے ہیں کہ آپ کے ہاں وتر ایک ہے جبکہ امام مدینہ کے ہاں وتر کم از کم تین ہیں۔ (تحفہ اہل حدیث ص 78)

الجواب:- اولاً:- حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ رات کی نماز دو رکعت ہے جب تم میں سے کسی کو طلوع فجر کا خوف ہو تو ((صلی رکعة واحدة تو ترله ماقد صلی))

وہ ایک رکعت وتر پڑھ لے یہ رکعت اس کی پہلی نماز کو طاق کر دے گی۔

(بخاری ص 135 ج 1 و مسلم ص 257 ج 1)

صحیح مسلم کی ایک حدیث میں ہے

((الوتر رکعة من اخر الليل))

یعنی وتر ایک رکعت ہے رات کے آخری حصہ میں۔

(مسلم شریف ص 257 ج 1، نسائی ص 200 ج 1)

ایک رکعت وتر کے قائل مندرجہ ذیل صحابہ کرام تھے۔

(1) ابو بکر صدیقؓ (2) عمر فاروقؓ (3) عثمان غنیؓ

(4) علی مرتضیٰؓ (5) عبداللہ بن عمرؓ (6) ابی بن کعبؓ

(7) زید بن ثابتؓ (8) معاذ بن جبلؓ (9) امیر معاویہؓ

(10) سعد بن ابی وقاصؓ (11) ابن عباسؓ (12) فضل بن عباسؓ

(13) ابودرداءؓ (14) معاذ القاریؓ (15) فضالہ بن عبیدؓ

(16) حذیفہ بن یمانؓ (17) ابن مسعودؓ (18) عقبہ بن ولیدؓ

(19) عبداللہ بن زبیرؓ (20) ابو موسیٰ الاشعریؓ (21) ابوامامہؓ

(22) ابو ہریرہؓ (23) تمیم الداریؓ (24) ابویوب الانصاریؓ

(25) سائب بن یزیدؓ (26) ام المومنین حضرت عائشہؓ

(طرح التعریب للعرافی ص 28 ج 2، وتر مذی مع تحفہ ص 340 ج 1 و مرعاة ص 259 ج 4)

وعون المعبود ص 534 ج 1، وابن ابی شیبہ ص 292 ج 2، و قیام اللیل ص 205 والمجموعہ

شرح المہذب ص 23 ج 4، والدلیل الواضح ص 52)

اگر تابعین کرام کی فہرست کو اس میں شامل کیا جائے تو ایک اچھا خاصہ کتابچہ تیار

ہو جائیگا۔ مگر ہم صحابہ کرام پر ہی اکتفا کرتے ہوئے تھنکوئی صاحب سے سوال کرتے ہیں کہ

کیا یہ حضرات مدنی تھے یا عجم کے رہنے والے تھے؟

جانتا:۔۔ بلاشبہ موطا میں امام مالکؒ کا یہ قول ہے کہ وتر تین رکعت ہیں۔ لیکن ان کے پڑھنے کی

تفصیل نہیں ہے۔ امام ابن عبدالبر نے صراحت کی ہے کہ وہ دو رکعت پڑھ کر سلام پھیرنے

کے بعد ایک عدد وتر پڑھنے کے قائل ہیں۔ انہوں نے صحیح سند سے امام مالکؒ سے نقل کیا ہے

کہ اگر کسی کے وتر رہ جائیں اور صبح ہو جائے تو کیسے ادا کرے۔ امام مالکؒ نے جواب دیا کہ اگر تو اس نے رات کو کچھ نوافل وغیرہ پڑھے تھے تو ایک رکعت وتر پڑھ لے اور اگر رات کو نفل نہ پڑھے تھے تو دو رکعت پڑھ کر سلام پھیر دے پھر ایک رکعت وتر پڑھ لے۔

(التمہید لمافی الموطا من المعانی والا سانید ص 251 ج 13)

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ امام مالک رحمۃ اللہ کے نزدیک وتر تو ایک رکعت ہی ہے لیکن وتر کے ساتھ دو رکعت کو ملا کر پڑھنا چاہیے۔ اس طریقہ وتر کے ہم بھی قائل ہیں۔ بلکہ ہمارے نزدیک افضل طریقہ ہے۔ خلاصہ کلام یہ کہ امام مالک رحمہ اللہ ایک رکعت وتر کے قائل ہیں۔ مولانا محمد تقی عثمانی حنفی دیوبندی فرماتے ہیں کہ آئمہ ثلاثہ کے نزدیک وتر ایک رکعت سے لے کر سات رکعات تک جائز ہیں۔

(درس ترمذی ص 215 ج 2)

اگر امام مالکؒ کے نزدیک وتر تین رکعات ہی ہیں تو صراحت کیجیے مولانا عثمانی نے جھوٹ بولا ہے؟ نہیں بھائی انہوں نے جھوٹ نہیں بولا بلکہ امام مالک کا مؤقف ایک رکعت کا ہی ہے۔ اسی قول کو امام ترمذی نے (السنن ص 340 ج 1) میں ابن حزم نے (المحلی ص 89 ج 2) میں امام مالکؒ کی طرف منسوب کیا ہے۔

گھوڑے کی حلت و حرمت :- فرماتے ہیں کہ آپ کے ہاں گھوڑا حلال ہے جبکہ امام مدینہ کے ہاں گھوڑا حرام ہے۔ (تحفہ اہل حدیث ص 78)

الجواب :- اولاً :- بلاشبہ امام مالکؒ گھوڑے کے گوشت کو مکروہ کہتے ہیں۔ مگر حضرت یہ تو بتائیے کہ حضرت امام ابو حنیفہ کا کیا مؤقف ہے۔ ان کے اس سلسلہ میں دو قول ہیں جن میں سے ایک کا مفاد یہ ہے کہ مکروہ تحریمی ہے جبکہ دوسرے کا مفاد مکروہ تنزیہی ہے۔

(فتح القدر ص 422 ج 8)

ظاہر ہے کہ ان میں شدید اختلاف ہے۔ کیونکہ مکروہ تحریمی حرام کے قریب تر ہوتا ہے اور تنزیہی حلال کے قریب تر ہوتا ہے۔ اس میں آپ کس کو ترجیح دیتے ہیں۔

پھر آپ کی معتمد کتاب در مختار جس کے بارے میں آپ یہ کہتے نہیں تھکتے کہ فقہ حنفی کی معتبر کتاب در مختار علامہ علاؤ الدین نے روضہ رسول ﷺ کے پاس بیٹھ کر لکھی ہے۔ دیکھیں نہ آپ مدینہ کے امام کی مانتے ہیں اور نہ ہی مدینہ کی کتاب کو مانتے ہیں۔

(تحفہ اہل حدیث ص 79)

شکر ہے کہ آپ در مختار کو معتبر مانتے ہیں۔ اسے مدینہ کی تصنیف کہتے ہیں اور نہ مانتے والوں کو ماشاء اللہ طعن بھی کر رہے ہیں۔ مگر بھائی اسی کتاب میں لکھا ہوا ہے کہ (ان اباحنیفہ رجع عن حرمتہ قبل موتہ بثلاثة ایام وعلیہ الفتویٰ) یعنی ایک قول یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ نے اپنی وفات سے تین دن پہلے گھوڑے کی تحریم سے رجوع کر لیا تھا اور اسی پر فتویٰ ہے۔

(در مختار علی ہامش ردالمحتار ص 305 ج 6 کتاب الذبائح)

دیکھئے اب آپ ہی اپنی معتبر کتاب اور مدینہ کی تصنیف کو مانتے ہیں کہ نہیں؟ مگر قارئین کرام آپ یقین جانئے کہ یہ صرف ہاتھی کے دانت ہیں۔ جھنگوی صاحب اپنی مدنی کتاب پر اعتماد کبھی بھی نہیں کریں گے۔

ثانیاً:- قاضی ابویوسف اور امام محمد دونوں ہی گھوڑے کو حلال کہتے ہیں۔

(ہدایہ مع فتح القدیر ص 420 ج 8)

بتائیے یہ مدینہ کی عظمت و شرف کے منکر تھے؟ فماکان جوابکم فھو جوابنا

جاء:- حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ فرماتی ہیں کہ

((نحرنا فرساعلی عھد رسول اللہ ﷺ فاکلناہ))

یعنی ہم نے رسول اللہ ﷺ کے زمانہ مبارک میں گھوڑے کو ذبح کر کے اس کا گوشت کھایا۔

(بخاری ص 829 ج 2 و مسلم ص 150 ج 2)

حضرت جابر بن عبد اللہؓ راوی ہیں کہ

((نہی النبی ﷺ یوم خیبر عن لحوم الحمر و رخص فی لحوم الخیل))

نبی ﷺ نے جنگ خیبر کے دن پالتو گدھوں کے گوشت کھانے سے منع فرمایا اور گھوڑے کا گوشت کھانے کی اجازت دی۔

(بخاری ص 829 ج 2؛ مسلم ص 150 ج 2)

امام نووی فرماتے ہیں کہ اما شافعی اور جمہور علماء سلف و خلف کا مذہب یہ ہے کہ گھوڑے کا گوشت مباح ہے مکروہ نہیں۔ یہ مذہب ہے عبداللہ بن زبیرؓ، فضالہ بن عبید، انس بن مالکؓ، اسماء بنت ابی بکرؓ، سوید بن غفلہؓ، علقمہ، اسود، عطاء، شریح، سعید بن جبیر، حسن بصری، ابراہیم نخعی، حماد بن سلیمان، احمد، اسحاق، ابو ثور، ابو یوسف، محمد، داؤد اور جمہور محدثین کرام کا ہے۔

(شرح صحیح مسلم ص 150 ج 2)

ابولبال صاحب آپ سے سوال ہے کہ ان مذکورہ بزرگ ہستیوں میں سے کوئی حرین شریفین کا بھی رہنے والا تھا کہ نہیں؟ اگر ہیں یقیناً ہیں تو پھر مدینہ کا نام لے کر کیوں جھوٹ بولتے ہو۔

رابعا:۔ علماء احناف نے بھی آج کل گھوڑے کو حلال و مباح کہنا شروع کر دیا ہے۔ چنانچہ بریلویت کے معروف مترجم مولوی غلام رسول صاحب شیخ الحدیث جامع نعیمیہ کراچی فرماتے ہیں کہ

صحیح یہی ہے کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک گھوڑے کا گوشت کھانا مکروہ تنزیہی ہے۔ اور یہ کراہت تنزیہی بھی اس بناء پر تھی کہ جہاد میں گھوڑوں کی ضرورت پڑتی تھی اور اب نینک، توپ، ٹرک، جیپ، کادور ہے اور گھوڑوں کی جہاد میں مطلقاً ضرورت نہیں ہے۔ تو اب امام ابو حنیفہ کے قول کے مطابق بھی گھوڑوں کا گوشت کھانا مکروہ تنزیہی نہیں ہے اور قرآن مجید اور احادیث کی روشنی میں گھوڑے کا گوشت کھانا بلا کراہت جائز ہے۔

(شرح صحیح مسلم ص 104 ج 6)

آپ کے شیخ الہند مولانا محمود حسن خاں مرحوم فرماتے ہیں کہ اس میں بھی تحریمی و تنزیہی ہر دور و راستہ ہیں مگر راجح یہ ہے کہ اس میں کراہت

(الورد الشذی ص 266)

تذہبی ہے۔

اس عبارت کا واضح مفاد یہ ہے کہ گھوڑا حلال ہے حرام نہیں۔ مگر بھائی امام مالکؒ تو اس کو مکروہ (حرام) کہتے ہیں اس لیے مدینہ کے امام سے ہمارا ہی اختلاف نہیں جناب کا بھی ہے۔ فما کان جو ابکم فھو جو ابنا

ایام قربانی:- فرماتے ہیں کہ آپ کے ہاں قربانی چاردن ہے جبکہ امام مدینہ کے ہاں تین دن ہے۔ (تحفہ اہل حدیث ص 78)

الجواب:- اولاً:- چاردن کی قربانی کے قائل اہل حدیث ہی نہیں امت مرحومہ سے متعدد اہل علم کا بھی یہی موقف ہے۔ حافظ ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ امام شافعی امام اوزاعی فرماتے ہیں کہ قربانی چاردن ہے اور یہی مروی ہے علی بن ابی طالبؓ، ابن عباسؓ، عطاءؓ، حسنؓ اور عمر بن عبدالعزیزؓ سے

(التمہید لمافی الموطا من المعانی والاسانید ص 196 ج 23)

علامہ ابن حزم نے امام زہری سے بھی یہی نقل کیا ہے۔ (المحلی ص 41 ج 6)

ثانیاً:- حضرت جبیر بن مطعمؓ بیان کرتے ہیں کہ

((ان رسول اللہ ﷺ قال کل ایام التشریق ذبح))

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ایام التشریق ذبح (قربانی) کے دن ہیں۔

(سنن دار قطنی ص 284 ج 4، مسند احمد ص 82 ج 4، ابن حبان (الموارد 1008) و بیہقی

ص 296 ج 9 و طبرانی اوسط بحوالہ مجمع الذوائد ص 28 ج 4)

و طبرانی کبیر ص 138 ج 2 رقم الحدیث 1583) و مسند بزار بحوالہ مجمع الزوائد ص 254 ج

3 و التمہید ص 197 ج 23)

علامہ حیشمی فرماتے ہیں کہ مسند احمد کے راوی ثقہ ہیں۔ اور بزار کے راویوں کی توثیق کی گئی ہے۔

یہ بات فریقین کے مسلمات میں سے ہے کہ ایام التشریق یوم النحر کے تین دن بعد کے ہیں۔

جس سے ثابت ہوا کہ قربانی کے چار دن ہیں۔ اب اس کی وضاحت تو تھنکوئی صاحب کریں گے کہ حضرت علیؓ، حضرت ابن عباسؓ، حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ اور امام زہری مدنی تھے یا نہیں؟

اگر مدنی تھے یقیناً تھے تو پھر کس منہ سے کہتے ہو کہ اہل حدیث کا مدینے کے اماموں سے اختلاف ہے۔

دیوانے کی بڑ

فرماتے ہیں کہ صحاح ستہ مدینہ میں نہیں لکھی گئیں بلکہ روس کے مختلف علاقوں میں لکھی گئیں۔ مدینہ میں لکھی جانے والی کتاب موطا امام مالک ہے۔ جس کے ساتھ آپ کو زبردست اختلاف ہے۔ دوسری کتاب فقہ حنفی کی معتبر کتاب در مختار علامہ علاؤ الدین نے روضہ رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھ کر لکھی ہے۔ دیکھیں نہ آپ مدینہ کے امام کی مانتے ہیں اور نہ ہی مدینہ کی کتاب کو مانتے ہیں پھر بھی آپ اہل حدیث ہیں اور مدینے والے ہیں۔ کتنا بڑا فریب ہے۔ (تحفہ اہل حدیث ص 79)

الجواب :- اولاً :- کیا حنفی موطا امام مالک کے ایک ایک حرف کو واجب الاطاعت سمجھتے ہیں اور اس کے کسی مسئلہ سے اختلاف کو مدینہ سے بغاوت سے تعبیر کرتے ہیں۔ اگر نہیں کرتے یقیناً نہیں کرتے، تو پھر آپ کے اس لعن طعن کا مقصود کیا رہ جاتا ہے۔ اس شخص سے بڑھ کر کون زیادہ جاہل و نادان ہے کہ جس بات پر اس کا اپنا عمل نہیں وہ مخالف کو حجت باور کرائے۔

ثانیاً :- اگر آپ پہلے چھڑانے کی غرض سے یہ کہہ دیں کہ ہم موطا امام مالک کی ایک ایک بات کو تسلیم کرتے ہیں۔ تو یہ اتنا بڑا جھوٹ ہے کہ مولوی ابوبلال کے علاوہ کوئی عالم بول ہی نہیں سکتا۔ ویسے ہم نے آگے چند مسائل کی نشاندہی بھی کی ہوئی ہے جو موطا کے مسائل حنفیہ کے خلاف ہیں۔

مالک:- موطا امام مالک میں مروی احادیث صحیحہ مرفوعہ کو ہم دل و جان سے قبول کرتے ہیں، اسے اپنا دین و ایمان جانتے ہیں۔ رہے موطا میں تابعین عظام اور امام مالک کے اقوال تو ان کو بھی ہم جو قرآن و سنت کے موافق ہیں قبول کرتے ہیں اور جو چیزیں قرآن و سنت سے متصادم ہیں ان کو ہم ترک کرتے ہیں۔ اور امام مالک رحمہ اللہ کو مجتہد و عالم ہونے کی وجہ سے مابور بھی تسلیم کرتے ہیں۔ لیکن ان کی تحقیقات کو حرف آخر کا نام نہیں دیتے۔

حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ

(وقد طلب المنصور من الامام مالك ان يجمع الناس على كتابه فلم يجبه إلى ذلك وذلك من تمام علمه واتصافه بالانصاف وقال ان الناس قد جمعوا واطلعوا على اشياء لم نطلع عليها)

یعنی خلیفہ منصور نے امام مالک رحمہ اللہ علیہ سے اجازت چاہی کہ وہ تمام لوگوں کو ان کی کتاب پر جمع کر دیں تو امام مالک رحمہ اللہ نے اسے قبول نہ کیا۔ اس سے ان کے وسعت علم اور انصاف کا کمال ظاہر ہوتا ہے اور امام مالک رحمہ اللہ نے کہا لوگ جمع ہوئے اور مطلع ہوئے ان چیزوں پر جن پر ہم مطلع نہیں ہوئے۔

(اختصار علوم الحدیث ص 40)

اس واقعہ کو امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے بھی قدرے الفاظ

کے تغیر سے (حجۃ اللہ البالغہ ص 145 ج 1) میں بیان کیا ہے۔

دیکھئے مدینہ کا امام کیا کہہ رہا ہے اور جھنگوی صاحب کیا رائی الاپ رہے ہیں۔ وہ

تو اپنی تحقیق کو امت مرحومہ پر لازم و ضروری قرار نہیں دیتے مگر جھنگوی صاحب ان سے اختلاف کو مدینہ سے بغض و عداوت باور کراتے ہیں۔

راجا:- امام بخاری نے صحیح بخاری کو مسجد حرام میں تصنیف کیا تھا اور تراجم ابواب کا کام مسجد نبوی میں روضہ رسول ﷺ اور منبر نبوی علیہ التحیۃ والسلام کے درمیان انجام دیا تھا (ہدیۃ الساری ص 490) لیکن اس حقیقت کے برعکس جھنگوی صاحب یہ غلط بیانی کرے ہیں کہ

پوری صحاح ستہ روس میں لکھی گئی تھی، اس غلط بیانی اور جھوٹ کی کوئی حد اور کنارہ ہے، ہم پوری ذریت دیوبند کو چیلنج کرتے ہیں کہ آپ کسی مسلمہ مؤرخ و محدث سے بسند صحیح ثابت کریں کہ پوری صحاح ستہ روس کے مختلف علاقوں میں لکھی گئی تھیں اور ان میں سے ایک حرف بھی ارض حرم میں نہیں لکھا گیا۔ اگر آپ یہ ثابت کر دیں تو ہم آپ کو منہ مانگا انعام دیں گے۔ مگر یاد رہے پوری دنیا کے مبتدعین جمع ہو کر سر توڑ کوشش کریں تب بھی یہ لوگ کسی واضح دلیل سے اپنے دعویٰ کو ثابت نہیں کر سکتے یہ سب واہیات اور بکواس ہے جو منکرین حدیث سے ادھار لی گئی ہے کہ ذخیرہ احادیث اسلام کے خلاف عجم کی سازش ہے مفہوم مقام حدیث ص 22 بحوالہ آئینہ پرویزیت ص 177)

افسوس کہ مبتدعین کو صرف احادیث میں ہی عجمیوں کا دکھ ہے قراء سبعہ میں سے پانچ عجمی ہیں، الجواہر المفیہ ص 423 ج 2) عربی زبان کی امامت علماء اصول متکلمین اور مفسرین کی اکثریت عجمی ہے مقدمہ ابن خلدون ص 500، اوروں کو جانے دیجیے آپ کے امام اعظم بھی عربی النسل نہیں۔ لیکن کتنے ستم کی بات ہے کہ انہیں محدثین کا عجمی ہونا تو کھٹکتا ہے لیکن جس کے مقلد ہونے کا دم بھرتے ہیں اس کی عجمیت پر انہیں فخر ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ علیہ سے حنفیت کا اختلاف

ہم چند ایسے مسائل کی نشان دہی بھی کرنا ضروری سمجھتے ہیں جو قرآن و سنت سے ثابت ہیں جمہور امت نے ان کو قبول کیا ہے۔ بالخصوص امام مالک رحمہ اللہ نے ان کو اختیار کیا ہے۔ لیکن حنفیت نے ان کو ترک کر کے امام مدینہ کی مخالفت کی ہے حالانکہ ان مسائل میں حنفیہ کے پاس قیاس فاسد اور تاویلات و تحریفات کے سوا دامن میں کچھ بھی نہیں۔ آئیے آپ بھی ملاحظہ کریں۔

(۱) حضرت رافعؓ بیان کرتے ہیں کہ

((ان رسول اللہ ﷺ استسلف من رجل بکرا))

یعنی رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص سے جو ان اونٹ کا بچہ ادھار لیا۔

(صحیح مسلم ص 30 ج 2، نسائی ص 219 ج 2، مشکوٰۃ ص 251)

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ جانور ادھار لینا جائز ہے اور یہ جمہور علماء اسلام کا موقف ہے اور اسی پر امام مالک کا فتویٰ ہے۔

(شرح مسلم ص 30 و مرقاۃ ص 99 ج 6)

(۲) حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے اس باندی کے بارے سوال کیا گیا جو کہ محسنہ نہیں ہے اور زنا کرے تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ ((ان زنت فاجلدوها))

اگر زنا کرے تو اسے کوڑے لگاؤ۔

(المندیث بخاری ص 1011 ج 2 و مسلم ص 70)

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ آقا اپنی لونڈی پر حد قائم کر سکتا ہے۔

یہ مذہب ہے امام مالک اور جمہور علماء اسلام کا جیسا کہ ملا علی القاری نے مرقاۃ ص 138 ج 7 پر صراحت کی ہے۔

(۳) ارشاد ربانی ہے کہ

﴿وَلَا تَبْشُرُوهُنَّ﴾

اور عورتوں کو ہاتھ نہ لگاؤ جب تم مسجد میں اعتکاف سے ہو

(البقرۃ: 187)

حدیث میں آیا ہے کہ

((لا اعتکاف الا فی مسجد جامع))

یعنی اعتکاف نہیں مگر جامع مسجد میں۔

(ابوداؤد ص 335 ج 1 و دارقطنی ص 201 ج 2 و بیہقی ص 315 ج 4)

قرآن کی آیت اور حدیث اس بات پر گواہ ہے کہ اعتکاف فقط مسجد میں ہی

م شروع ہے۔ لیکن حنفیہ کا مذہب ہے کہ عورت گھر میں اعتکاف بیٹھ سکتی ہے۔ حالانکہ یہ مؤقف بھی امام مدینہ اور جمہور علماء اسلام کے خلاف ہے۔

جیسا کہ نووی نے شرح مسلم ص 371 ج 1 میں صراحت کی ہے۔

(۴) حضرت علی مرتضیٰؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ

((الا لا یقتل المؤمن بکافر))

یعنی خبردار مسلمان کافر کے بدلہ میں قتل نہ کیا جائے گا۔

(ابوداؤد ص 267 ج 2، مسند احمد ص 122 ج 1، ونسائی ص 236 ج 2 و ترمذی مع تحفہ

ص 312 ج 2 و ابن ماجہ ص 195)

یہ حدیث اس بات کی گواہ ہے کہ کافر کے بدلے میں مومن قتل نہ کیا جائے گا۔ یہ

مذہب ہے امام مدینہ اور جمہور امت مرحومہ کا۔

جیسا کہ نووی نے شرح مسلم ص 60 ج 2 میں اور ابن حجر نے فتح الباری ص 219 ج 12 میں

صراحت کی ہے۔

(۵) حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ

((ان رسول اللہ ﷺ قضی بیمن وشاهد))

رسول اللہ ﷺ نے ایک گواہ اور قسم پر فیصلہ کیا ہے۔

(مسلم ص 74 ج 2، یہ حدیث تقریباً بیس صحابہ کرام سے مروی ہے۔

(تنقیح الرواۃ ص 126 ج 3)

یہ حدیث اس بات پر گواہ ہے کہ اگر مدعی اثبات دعویٰ پر دو گواہ پیش نہ کر سکے تو ایک قسم

اور گواہی پر دعویٰ پایہ ثبوت کو پہنچ جاتا ہے۔

یہ مذہب ہے امام مالک اور جمہور امت اسلام کا۔

جیسا کہ نووی نے شرح صحیح مسلم ص 74 ج 2 میں ابن عبد البر نے التمهید ص 153 ج 2 میں

صراحت کی ہے۔

(۶) حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ

((ان رسول اللہ ﷺ قال اذا شرب الكلب في اناء احدكم فليغسله سبعا))

یعنی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کے برتن میں کتامنہ ڈال دے تو اس کو سات بار دھویا جائے۔

(بخاری ص 29 ج 1 و مسلم ص 137 ج 1)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ کتاب جس برتن کو چاٹ لے اس کو سات بار دھونا حکم نبوی ہے۔ یہ مذہب ہے امام مدینہ اور جمہور علماء اسلام کا۔

جیسا کہ نووی نے شرح مسلم ص 137 ج 1 میں اور ابن عبدالبر نے التمهید ص 268 ج 18 میں صراحت کی ہے۔ لیکن حنفیہ کے نزدیک تین بار دھونا ہی کافی ہے۔

(۷) ام المؤمنین ام سلمہؓ بیان کرتی ہیں کہ

نبی ﷺ نے اپنے حجرے کے دروازے پر کچھ جھگڑنے کی آواز سنی تو آپ ﷺ باہر تشریف لائے اور فرمایا کہ میں بھی بشر ہوں میرے پاس ایک مقدمہ آتا ہے اور کبھی ایسا ہوتا ہے تم میں سے کسی کی تقریر دوسرے سے عمدہ ہوتی ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ وہ سچا ہے۔ اس کے موافق فیصلہ کر دیتا ہوں پھر جس کو (ظاہری بھروسہ) پر دوسرے مسلمان کا حق دلا دوں وہ اس کو لے لے یا چھوڑ دے (اس کے اختیار میں ہے)

((فانما قطعة من النار))

بلاشبہ وہ آگ کا ایک ٹکڑا ہے۔ (بخاری ص 332 و ص 1064 و مسلم ص 75 ج 2)

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ قاضی کا فیصلہ کسی ناجائز چیز کو جائز اور حرام کو حلال نہیں کر سکتا۔ یہ مذہب ہے امام مدینہ اور جمہور علماء اسلام کا۔

جیسا کہ نووی نے (شرح مسلم ص 75 ج 2 میں اور حافظ ابن حجر نے فتح الباری ص 149 ج 13 میں صراحت کی ہے۔

لیکن حنفیہ کا مؤقف ہے کہ قاضی کا فیصلہ باطن میں بھی نافذ ہو جاتا ہے۔ اگر کسی

عورت نے کسی مرد پر دعویٰ کیا کہ اس نے اس سے نکاح کیا ہے اور جھوٹے گواہ بھی گزار دیئے قاضی نے عورت کے حق میں فیصلہ دے دیا یہ اس مرد کی عورت ہے تو اگر واقع میں نکاح نہیں ہوا تھا تاہم اس عورت کا اس مرد کے ساتھ رہنا سہنا اور جماع کرنا جائز اور درست ہے۔ (ہدایہ مع فتح القدیر ص 154 ج 3)

(۸) حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ

((كان النبي ﷺ اذا صلى ركعتي الفجر فان كنت مستيقظة حدثني))

یعنی رسول اللہ ﷺ جب سنت فجر ادا فرمالتے تو اگر میں جاگتی ہوتی تو مجھ سے باتیں کرتے۔

(المحدث بخاری ص 155 ج 1 و مسلم ص 255 ج 1)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ سنت فجر کے بعد انسان گفتگو کر سکتا ہے۔

یہ مؤقف ہے امام مدینہ اور جمہور امت کا جبکہ حنفیہ کے نزدیک سنت فجر کے بعد کلام کرنا مکروہ ہے۔

جیسا کہ نووی نے شرح مسلم ص 255 ج 1 میں صراحت کی ہے۔

(۹) حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ

((اذا درك احدكم سجدة من صلوة العصر قبل ان تغرب الشمس فليتم صلاته

واذا درك سجدة من صلوة الصبح قبل ان تطلع الشمس فليتم صلاته))

یعنی جس نے نماز عصر کی ایک رکعت سورج غروب ہونے سے پہلے پالی (یعنی پڑھ لی) وہ عصر

کی نماز کو پورا کرے اور جس نے سورج طلوع ہونے سے پہلے ایک رکعت نماز صبح کی پالی

(پڑھ لی) وہ صبح کی نماز کو پورا کرے۔

(بخاری ص 179 ج 1 و مسلم ص 221 ج 1)

یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اگر دوران نماز سورج طلوع ہو جائے

یا غروب ہو جائے تو نمازی کی نماز ہو جاتی ہے۔ یہ مذہب ہے امام مدینہ اور جمہور امت

مرحومہ کا۔ لیکن حنفی اس حدیث کے نصف حصہ کو تو قبول کرتے ہیں کہ اگر ایک رکعت نماز عصر کی سورج غروب ہونے سے قبل ادا کی تھی تو باقی نماز کو پورا کر لے لیکن باقی نصف تقلیدی جمود کی وجہ سے قبول نہیں۔ کہ اگر صبح کی نماز کے دوران سورج طلوع ہو جائے تو نماز کو باطل کہتے ہیں۔ جمہور امت امام مدینہ اور حنفیہ کے مذہب کو امام نووی نے (شرح مسلم ص 222 ج 1) میں بیان کیا ہے۔

(۱۰) حضرت عبداللہ بن زید راوی ہیں کہ

((ان رسول اللہ ﷺ خرج الى المصلی فاستسقى فاستقبل القبلة وقلب رداہ وصلی

رکعتین))

یعنی نبی ﷺ طلب بارش کے لیے لوگوں کے ساتھ عید گاہ کی طرف گئے۔ وہاں آپ ﷺ نے قبلہ کی طرف رخ کرتے ہوئے اپنی چادر کو پلٹا اور دو رکعت نماز پڑھی۔

(بخاری ص 137 ج 1 و مسلم ص 292 ج 1)

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ بارش طلب کرنے کے لیے دو رکعت نماز

ادا کرنا سنت ہے۔ یہ مذہب ہے امام مدینہ اور جمہور امت مرحومہ کا۔

جیسا کہ امام ابن عبدالبر نے (التمہید ص 172 ج 17) میں، نووی نے (شرح مسلم ص 292 ج 1) میں، صراحت کی ہے۔

لیکن امام ابو حنیفہ کا قول ہے کہ استسقاء میں نماز نہیں ہے۔ (موطا امام محمد ص 158)

تکلم عشرۃ کاملۃ:- یہ وہ مسائل ہیں جن میں حنفیہ کا امام مدینہ سے اختلاف ہے حالانکہ

امام مدینہ کے موافق جمہور امت کا تعامل بھی ہے اور قرآن و سنت کی واضح نصوص بھی ان

Scanned By

Muhammad Shakir

truemaslak@

inbox.com



کے مؤید ہیں۔

فصل ہشتم

در مختار پر ایک طائرانہ نظر

ہمارے مخاطب جھنگوی صاحب نے در مختار کی بھی تعریف کی ہے کہ یہ مدینہ کی تصنیف ہے۔ جس کے اہل حدیث منکر ہونے کی وجہ سے مدینہ کی عظمت و شرف کے منکر ہو گئے ہیں۔ ہم نو نقد نہ تیرا ادھار کے تحت یہیں در مختار کے حیا سوز مسائل کی نشان دہی بھی کرنا چاہتے ہیں۔

(1) (ولاعند وطی بہیمۃ)

یعنی جانور کے ساتھ بد فعلی کرنے سے نہ تو غسل لازم آتا ہے نہ وضو ٹوٹا ہے۔ جب تک انزال نہ ہو۔

(در مختار مع شامی ص 166 ج 1 طبع ایچ ایم سعید کراچی)

علامہ ابن نجیم فرماتے ہیں کہ پہلے عرض کیا گیا ہے اس کے خلاف سنت اور اجماع ہے کہ غسل واجب ہو جاتا ہے۔ لیکن ہمارے اصحاب کے نزدیک بہر حال غسل واجب نہیں ہوتا۔ پھر احادیث صحیحہ کی تاویلات کرتے ہوئے آخر میں فرماتے ہیں کہ

(فقال علماؤنا ان الموجب للغسل هو انزال المنی كما افاده الحديث الاول)

یعنی ہمارے علماء فرماتے ہیں کہ غسل اس وقت فرض ہوتا ہے جب منی خارج ہو (بدون انزال کے غسل واجب نہیں ہوتا) جیسا کہ پہلی حدیث کا مفاد ہے۔

(المحرر الرائق ص 59 ج 1)

مولوی قطب الدین فرماتے ہیں کہ

اگر چار پائے اور مردے کے آگے یا پیچھے داخل کرے تو منزل (منی خارج) ہونے سے (غسل) لازم آتا ہے وگرنہ نہیں۔

(مظاہر حق ص 150 ج 1)

شارح معیہ کہتے ہیں کہ یہی اصح ہے کہ غسل واجب نہیں ہوتا۔

(حلی کبیر ص 42)

الغرض در مختار کا یہ فتویٰ حنفیہ کا متفق اور مفتی بہ فتویٰ ہے کہ چارپائے سے بد فعلی کی (کس مہذب انداز میں رخصت دی جا رہی ہے کہ اگر انزال نہ ہو تو

غسل واجب نہیں ہوتا اور نہ ہی وضو ٹوٹتا ہے۔

(۲) وَأَفَادَ كَلَامَهُ طَهَارَةَ جِلْدِ كَلْبٍ وَقِيلَ وَهُوَ الْمَعْتَمَدُ

یعنی صاحب تنویر کے کلام کا مفاد یہ ہے کہ ہاتھی اور کتے کی کھال پاک ہے۔ اس کی شرح میں ابن عابدین فرماتے ہیں کہ اس وجہ سے کہ کتا نجس العین نہیں۔ تھنج کے لحاظ سے یہی اصح ہے۔

(رد المحتار ص 204 ج 1)

مطلع صاف ہے کہ اگر جھنکوی صاحب کتے کی کھال کی جیکٹ بنوائیں یا ٹوپی خواہ

ڈول یاد ستر خوان یا اپنی کتب پر جلدیں بند ہوائیں سب جائز ہے۔

بلکہ اگر اس کھال کا مصلیٰ بھی بنالیں تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

(۳) (ثم الاحسن زوجة)

یعنی امامت کی ابتدائی شرائط میں اگر برابری ہو تو اسے امام بنایا جائے جس کی بیوی خوبصورت ہو۔ پھر آگے لکھا ہے کہ

(ثم الاكبر راسا والا صغر عضوا)

یعنی اگر ان تمام شرائط میں برابر ہوں تو امام وہ بنے جس کا سر بڑا اور عضو چھوٹا ہو۔

پھر عضو کی وضاحت کرتے ہوئے شارح فرماتے ہیں کہ مراد اس سے ذکر ہے۔

(در مختار مع رد المحتار ص 558 ج 1)

الغرض بقول مصنف در مختار حنفیہ کا یہ موقف ہے کہ امامت میں مقدم وہ ہوگا جس کی بیوی

خوبصورت ہو سر بڑا اور ذکر چھوٹا ہو۔

اگر پیمائش کے پیمانہ کی تفصیل بھی بتا دیتے تو مسئلہ پوری طرح واضح ہو جاتا۔

(۴) (ولو خاف الزنى يرجى ان الاوبال عليه)

اگر زنا کا اندیشہ ہو تو مشیت زنی کرنے تو کوئی وبال نہ ہوگا۔ اس کی شرح میں ابن عابدین فرماتے ہیں کہ اگر زنا سے بچاؤ کا یقین ہو تو مشیت زنی کرنی واجب ہے۔

نوجوانوں کے لئے کتنا تیر بہدف نسخہ ہے۔

(در مختار مع رد المحتار ص 399 ج 2)

(۵) (اوجامع فيما دون الفرج ولم ينزل)

یعنی اگر روزے کی حالت میں شرم گاہ کے علاوہ مجامعت کرے اور انزال نہ ہو تو روزہ نہیں ٹوٹتا۔

(در مختار ص 398 ج 2)

کیا ہی فراخ دلی کا مظاہرہ ہے۔

(۶) (او ادخل ذكره في بهيمة او ميتة)

یعنی اگر کوئی شخص چوپائے جانور (گائے، بھینس، بکری) کے ساتھ براکام کرے تو روزہ فاسد نہیں ہوتا۔ اسی طرح اگر میت (مردے) کے ساتھ بد فعلی کرے تو روزہ نہیں بگڑتا۔

(در مختار ص 399 ج 2)

کیسے مہذب معاشرے کی بنیاد رکھی جا رہی ہے۔

مولوی قطب الدین حنفی در مختار سے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

اور اگر منزل (انزال) نہ ہو تو روزہ نہیں ٹوٹتا (جانور سے وطی کرنے سے) بلا خلاف

(مظاہر حق ص 158 ج 2)

(۷) (يباح اسقاط الولد قبل اربعة شهر)

یعنی چار مہینے سے پہلے حمل کو گرا دینا مباح (جائز) ہے۔ (در مختار)

کنڈوم سسٹم رائج کرنے والوں نے شائد یہاں سے ہی راہنمائی لی ہو۔

(۸) (ومواضع تربصه عشرون)

یعنی بیس صورتوں میں مرد کو بھی (عورت کی طرح) عدت گزارنی پڑیگی۔

(در مختار مع شامی ص 503 ج 3)

پندرہویں صدی کے مقلد و اذرا ابتلاؤ تو سہی کہ مرد کو بھی حیض آتا ہے۔ جس سے اس کی عدت کا اندازہ ہو گا یا مرد کو حمل ہو جاتا ہے۔ جو عدت کا کہہ رہے ہو۔

(۹) (اوزنی فی دار الحرب او البغی)

یعنی حربی کافروں یا باغیوں کی سلطنت میں زنا کرنے سے بھی حد نہیں۔

(در مختار مع رد المحتار ص 28 ج 4)

(۱۰) ولاحدبالزنا غیر مکلف بمکلفۃ مطلقا

یعنی اگر نابالغ وغیرہ غیر مکلف مرد اگر کسی مکلفہ بالغہ عورت سے زنا کرے تو دونوں پر حد نہیں۔

(در مختار مع رد المحتار ص 29 ج 4)

زنا کی اجازت کا کتنا عمدہ حیلہ ہے۔

تک عشرۃ کاملۃ :- یہ دس مسائل ہم نے در مختار سے منتخب کر کے تحریر کر دیئے ہیں۔

اگر جھٹکوی صاحب میں ہمت ہے تو ان مسائل کو خطبہ جمعہ میں پڑھ کر لوگوں کو سنا دیں کہ ہماری فقہ کے یہ معتبر مسائل ہیں کہ ہر حنفی پہ لازم ہے کہ وہ ان پر عمل کرے۔ کیونکہ یہ مدینہ منورہ میں بیٹھ کر لکھیں گئے ہیں جو ان پر عمل نہیں کرے وہ مدینہ کی کتاب کا منکر ہوگا۔ مگر یقین جانئے کہ جھٹکوی مرنا تو قبول کر لے گا مگر ان مسائل کو علی الاعلان بیان نہیں کرے گا۔ جس سے یہ ثابت ہو کہ یہ مدینہ میں بیٹھ کر کوک شاستر لکھی گئی ہے۔ اسلام کی خدمت نہیں کی گئی بلکہ اسلامی تعلیم کو مسخ کرنے کی سعی لاحاصل کی گئی ہے۔



فقہ حنفی کی مجلس شوریٰ کی حقیقت

جھنگوی صاحب فقہ حنفی کی وجہ ترجیح اور دیگر آئمہ کی بجائے امام ابو حنیفہ کی تقلید کو ترجیح دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس لیے کہ امام صاحب کی فقہ شوریٰ ہے۔ امام صاحب نے علماء کی ایک مجلس شوریٰ بنائی ہوئی تھی جو مسئلہ پیش آتا اسی شوریٰ میں رکھا جاتا۔ شوریٰ جو بھی فیصلہ کرتی اور جس مسئلہ پر متفق ہو جاتی وہ مسئلہ مدون کر لیا جاتا۔ بخلاف دوسرے آئمہ کرام کے ان کی فقہ غیر شوریٰ ہے ہر ایک نے اکیلے اکیلے بیٹھ کر لکھی ہے۔

(تحفہ اہل حدیث ص 79)

الجواب:- اولاً:- جھنگوی صاحب نے یہ نہیں بتایا کہ یہ مجلس شوریٰ کتنے ارکان پر مشتمل تھی؟ اور اس میں کون کون سے فقہا شامل تھے؟ پھر ان کی علمی لیاقت کیا تھی؟ اور یہ کب اور کہاں شوریٰ بنائی گئی تھی؟ حالانکہ ان کا اخلاقی فرض تھا ان تمام چیزوں کی صراحت کرتے اور اس پر معتبر حوالے نقل کرتے۔ مگر یہ تمام باتیں محض جھوٹ کا پلندہ اور سینہ گزٹ تھیں اس لیے جھنگوی صاحب نے محض لکھ دینا ہی کافی جانا۔

ثانیاً:- علماء دیوبند کی طرف سے انوار الباری، میں اس مجلس شوریٰ کی داستان لکھی ہوئی ہے۔ اب ترتیب وار ان اراکین کا حال ملاحظہ کریں۔

(1) اسد بن عمرو کوئی وفات 190ھ

یہ اس داستان شوریٰ کا رکن ہے جیسا کہ (انوار الباری ص 186 ج 1 میں ہے)

اس کے بارے میں امام بخاری فرماتے ہیں کہ اسد محدثین کے نزدیک ضعیف ہے۔

(کتاب الضعفاء ص 285)

امام جوزجانی فرماتے ہیں کہ اللہ اس سے فارغ ہو چکا ہے۔ (احوال الرجال ص 76)

امام ابن حبان فرماتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ کے مذہب کے موافق احادیث وضع کر لیا کرتا تھا۔

(میزان ص 206 ج 1)

(۲) حبان بن علی عنزی وفات 172ھ

اس کو بھی رکن مجلس شوریٰ کہا گیا ہے۔ انوار الباری ص 164 ج 1، یہ شیعیت کی طرف مائل تھا۔ محدثین نے اسے ضعیف و متروک قرار دیا ہے۔

(تہذیب ص 174 ج 2 و میزان ص 449 ج 1)

(۳) حسن بن زیاد لولوی وفات 204ھ یہ بھی داستان شوریٰ کا رکن بتایا جاتا ہے۔

(انوار الباری ص 203 ج 1)

اس کے بارے امام ابن مدینی فرماتے ہیں کہ اس کی حدیث لکھی نہ جائے۔ ابو حاتم کہتے ہیں ثقہ نہیں۔ دارقطنی متروک کہتے ہیں۔ امام ابن معین، امام یعقوب، امام عقیلی اور ساجی کہتے ہیں کہ کذاب ہے۔

(لسان ص 208, 209 ج 2)

امام نسائی فرماتے ہیں خبیث اور کذاب ہے۔ (کتاب الضعفاء ص 289, 310)

(۴) حفص بن عبد الرحمن بلخی ولادت 119 وفات 199ھ یہ بھی شوریٰ کے رکن تھے۔

(انوار الباری ص 202 ج 1)

اس کے تفصیلی حالات معلوم نہیں ہو سکے۔ بھلا جو شخص کوفہ سے دور دراز کے علاقہ بلخ میں 109ھ میں پیدا ہوا وہ کب کوفہ آیا ہوگا اور کب کسب فیض کر کے مجلس شوریٰ کا رکن بنا ہوگا۔

(۵) امام حفص بن غیاث قاضی، معروف محدث اور فقیہ ہیں ان کو بھی مجلس شوریٰ کا رکن کہا جاتا ہے۔

(انوار الباری ص 200 ج 1)

حالانکہ یہ حنفی قطعاً نہ تھے بلکہ ان سے بسند صحیح ثابت ہے کہ میری امام ابو حنیفہ سے مجلس تھی۔ وہ ایک ایک مسئلہ میں دس دس فتوے دیتے تھے۔ ہم نہیں جان سکتے تھے کہ

ان میں سے کس فتویٰ پر عمل کریں اور وہ خود بھی ان سے رجوع کر لیتے۔ ایک مجلس میں ایسا ہوا کہ انہوں نے ایک ہی مجلس میں پانچ فتوے دیئے میں نے جب ان کی یہ حالت و کیفیت دیکھی تو ان کو ترک کر دیا اور حدیث کی طرف متوجہ ہو گیا۔

(کتاب السنہ ص 205,220 ج 1 لابن احمد بن حنبل)

(۶) ابو مطیع حکم بن عبداللہ ولادت 115ھ وفات 199ھ یہ بھی مجلس شوریٰ کے رکن بتائے جاتے ہیں۔

(انوار الباری ص 202 ج 1)

امام ابن حبان فرماتے ہیں کہ مرجیوں کا سرغنہ تھا اور محدثین سے بغض رکھتا تھا۔ امام ابو حاتم فرماتے ہیں کہ کذاب اور مرجی تھا۔ امام جوزجانی فرماتے ہیں سنت سے دشمنی اور احادیث گھڑا کرتا تھا۔ ذہبی کہتے ہیں نہایت کمزور اور واہ تھا۔ اس نے احادیث وضع کی ہیں۔

(میزان ص 574 ج 1 ولسان ص 334 ج 2)

(۷) حماد بن دلیل قاضی مدائن یہ بھی مجلس شوریٰ کا رکن بتایا جاتا ہے۔

(انوار الباری ص 205 ج 1)

موصوف فقہ میں امام صاحب کے شاگرد تھے ذہبی نے ثقہ کہا ہے۔

(الکاشف ص 187 ج 1)

لیکن ابوداؤد کے علاوہ کسی معروف کتاب میں ان سے کوئی حدیث مروی نہیں۔

امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں اہل الرائے سے تھے۔ اہل حدیث نہ تھے۔ میں نے صرف دو حدیثیں ان سے سنی ہیں۔

(تہذیب ص 8 ج 3)

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ صدوق ہے۔ اہل الرائے ہونے کی وجہ سے اس سے کراہت کی گئی ہے۔

(تقریب ص 82)

اس کے متعلق معلوم نہیں ہو سکا کہ کب پیدا ہوئے اور کب تحصیل علم کی طرف متوجہ ہوئے اور عمر کے کس حصہ میں انہوں نے مجلس شوریٰ کی رکنیت اختیار کی۔
(۸) حماد بن ابی حنیفہ وفات 176ھ یہ بھی رکن شوریٰ ہیں۔

(انوار الباری ص 175 ج 1)

امام ابن خلقان فرماتے ہیں کہ اپنے والد کے مذہب پر تھے۔ نیک اور بہتر آدمی تھے۔

(بحوالہ لسان ص 347)

ابو جاکتہ ہیں کہ میں نے امام جریر سے حماد کی ایک روایت بیان کی تو امام جریر کہنے لگے کہ حماد نے جھوٹ بولا ہے۔ ان سے کہہ دو تمہارا حدیث سے کیا تعلق تم تو محض جھگڑالو ہو۔

(اکامل لابن عدی ص 669 ج 2)

ذہبی فرماتے ہیں کہ حماد کو ابن عدی اور دیگر محدثین نے حافظہ کی کمزوری کی وجہ سے ضعیف کہا ہے۔

(میزان ص 590 ج 1)

امام شریک فرماتے ہیں کہ حماد، افاک، یعنی جھوٹ گھڑنے والا ہے۔

(کتاب الحجر و حین ص 72 ج 3)

(۹) خالد بن سلیمان یعنی ولادت 115ھ وفات 199ھ یہ بھی مجلس شوریٰ کے رکن بتائے جاتے ہیں۔

(انوار الباری ص 203 ج 1)

ان کے حالات رجال کی معروف کتب سے دستیاب نہ ہو سکے۔ ان کے متعلق بعض حقائق مولانا محمد رئیس ندوی نے (اللمحات ص 531 ج 4) میں بیان کیے ہیں جن کا مفاد یہ ہے کہ خالد پر حدیث غالب تھی ان کا بطور فقیہ کوئی شمار نہیں۔ امام ابن معین نے ضعیف کہا ہے۔ ابن عدی فرماتے ہیں کہ اس کی احادیث موضوع و من گھڑت روایات کے مشابہ ہیں۔

(اکامل لابن عدی ص 915 ج 3)

(۱۰) امام داؤد بن نصیر طائی وفات 160ھ یہ بھی مجلس شوریٰ کے رکن بتائے جاتے ہیں۔

(انوار الباری ص 162 ج 1)

معروف محدث تھے۔ لیکن انہوں نے امام ابو حنیفہ کی زندگی میں ہی ان سے قطع تعلق کر لیا تھا۔ اور اپنی کتب کو بصیرت تامہ کے بعد دریا برد کر دیا تھا۔

(حلیۃ الاولیاء ص 336 ج 6) و تاریخ بغداد ص 347 ج 8 و تہذیب ص 203 ج 3)

قاسم بن معن نے امام داؤد طائی سے پوچھا کہ آپ نے اپنے استاذ کی صحبت و مجلس کو کیوں چھوڑ دیا جس نے آپ کو علم سکھایا؟ امام داؤد طائی نے جواب دیا کہ میں نے اس شخص اور اس کے اصحاب کے دلوں کو غافل پایا اور ان کے یہاں سنن نبویہ کو مردہ پایا، ان کے اغراض و مقاصد میں خدا طلبی کے بجائے مختلف دنیاوی مطامع کو مخفی پایا، ان میں دنیا طلبی کا ترجمہ ذوق پایا وغیرہ لہذا میں نے ان کی مجلس و مصاحبت چھوڑ کر گوشہ گیری و خانہ نشینی ہی میں عافیت محسوس کی اور عبادت میں لگ گیا۔

(اخبار ابی حنیفہ للصری ص 113)

(۱۱) امام زفر بن ہذیل ولادت 110ھ وفات 158ھ یہ بھی مجلس شوریٰ کے رکن بتائے جاتے ہیں۔

(انوار الباری ص 160 ج 1)

امام ابو حنیفہ کے شاگرد اور قیاس کے ماہر تھے۔ امام ابو حنیفہ فرمایا کرتے تھے کہ زفر کے قیاس نہ لیا کرو۔ ورنہ تم حلال کو حرام اور حرام کو حلال کر بیٹھو گے۔

(بحوالہ مجموعہ فتاویٰ ابن تیمیہ ص 74 ج 4)

ان کی ثقافت مختلف فیہ ہے امام ابن معین نے ثقہ کہا ہے۔ (لسان ص 437 ج 2)

امام ثوری اس سے روایت لینے سے منع کرتے تھے۔ (عقیلی ص 98 ج 3)

ابن سعد کہتے ہیں کہ یہ حدیث میں کچھ بھی نہیں۔ (میزان ص 71 ج 2)

بہر حال موصوف صدوق قسم کے راوی ہیں۔

(۱۲) امام زہیر بن معاویہ ولادت 100 وفات 172ھ یہ بھی مجلس شوریٰ کے رکن بتائے جاتے ہیں۔

(انوار الباری ص 164 ج 1)

حالانکہ یہ مسلک محدثین پر تھے۔ امام سفیان ثوری سے بڑا لگاؤ رکھتے تھے۔ اہل عراق امام ثوری کی زندگی میں کہا کرتے تھے کہ جب سفیان ثوری فوت ہو گئے تو زہیر ان کے جانشین ہونگے۔ (تہذیب ص 352 ج 3)

امام سفیان ثوری اور امام ابو حنیفہ کے درمیان اعتقادی و فروعی اختلافات پھر امام ثوری کا امام ابو حنیفہ سے مخالفانہ موقف اس بات کی بین دلیل ہے کہ ان دونوں کی آپس میں راہیں الگ تھلگ تھیں۔ اگر زہیر بھی مجلس شوریٰ کا رکن ہوتا تو اہل عراق ان کو امام ثوری کا جانشین کبھی خیال نہ کرتے بلکہ حق یہ ہے کہ ان کا شمار اہل الرائے کی بجائے محدثین اور اصحاب سنت سے ہے۔ جیسا کہ امام ابن عیینہ اور ابو حاتم نے صراحت کی ہے۔

(تہذیب ص 352 ج 3)

الغرض انہیں مجلس شوریٰ کا رکن کہنا خالص جھوٹ اور سولہ آنے غلط بیانی ہے۔

(۱۳) شریک بن عبد اللہ القاضی ولادت 95 وفات 177ھ یہ بھی مجلس شوریٰ کے

رکن بتائے جاتے ہیں۔

(انوار الباری ص 166 ج 1)

بلاشبہ شریک ایک فاضل اور قاضی تھے عدل و انصاف سے متصف تھے۔ سنت کے حامی اور بدعت کا قلع قمع کرنے والے تھے۔ مسلک محدثین کے پابند تھے۔ مرجیہ کے سخت مخالف تھے۔ حسن درجہ کے راوی ہیں۔ مگر انہیں مجلس شوریٰ کا رکن کہنا غلط ہے۔ وہ تو

حفیت کے سخت مخالف تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ
 کوفہ کے ہر محلہ میں مجھے شراب فروشی تو گوارا ہے مگر وہاں کسی حنفی کا ہونا گوارا نہیں۔
 (کتاب السنہ ص 203، 204، 215 و ابن عدی ص 1324 ج 3)
 ابوحنیفہ کے یار قتی چوروں سے بھی زیادہ نقصان دہ ہیں اور یہ کہ احناف کا مذہب احادیث
 کو رد کرنے کا ہے۔

(کتاب السنہ ص 304 ج 1)

مگر یار لوگ انہیں بھی مجلس شوریٰ کا رکن کہتے ہیں۔
 (۱۴) امام شعیب بن اسحاق دمشقی ولادت 118 و وفات 189ھ یہ بھی مجلس شوریٰ کے
 رکن باور کرائے جاتے ہیں۔

(انوار الباری ص 202 ج 1)

معروف محدث اور ثقہ ہیں لیکن عقیدہ کے لحاظ سے مرجی تھے۔ ان کی ولادت
 شام کے شہر دمشق میں کوفہ سے بہت زیادہ دور ہوئی تھی۔ یہ کب پروان چڑھے اور کب کوفہ
 آکر انہوں نے مجلس شوریٰ کی رکنیت اختیار کی۔ یہ سب باتیں تاحال پردہ غیب میں ہیں۔
 جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ شورائی کہانی ہی داستان ہے۔

(۱۵) ابو عاصم ضحاک بن مخلد ولادت 122ھ و وفات 212ھ۔ یہ بھی مجلس شوریٰ کے
 رکن بتائے جاتے ہیں۔

(انوار الباری ص 204 ج 1)

یہ بالاتفاق ثقہ راوی ہیں۔ ان کے امام سفیان ثوری سے گہرے مراسم تھے۔ مکہ
 مکرمہ میں پیدا ہوئے، وہیں سے امام ابن جریج کی درسگاہ میں تعلیم حاصل کی۔ پھر بصرہ
 تشریف لے گئے اور تادم وفات وہیں رہے۔

(تہذیب ص 451 ج 4)

ان کا امام ابوحنیفہ سے تلمذ ثابت ہی نہیں۔ جس سے یہ بات ثابت ہوئی کہ ان

کو شورلی کارکن کہنا محض تقلیدی ہاتھ کی صفائی ہے۔

(۱۶) امام عافیہ بن یزید وفات 180ھ۔ ان کو بھی شورلی کارکن کہا جاتا ہے۔

(انوار الباری ص 166 ج 17)

حدیث میں ثقہ ہیں، مگر جب 120ھ میں یہ مجلس شورلی قائم ہوئی تو کیا یہ پیدا ہو چکے تھے۔ ان کی کتنی عمر تھی؟ تحصیل علم کے بعد یہ کب رکن بنے؟ ان تمام باتوں کا سرے دست کسی حنفی کو بھی علم نہیں۔ جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ داستان شورلی ہی سرے سے افسانہ ہے۔

(۱۷) امام عبداللہ بن ادریس ولادت 120ھ وفات 192ھ ان کو بھی مجلس شورلی کارکن قرار دیا گیا ہے۔

(انوار الباری ص 199 ج 17)

حالانکہ امام عبداللہ محدثین کے مذہب و مسلک سے وابستہ تھے۔ اہل الرائے سے ان کا مذہب کوئی تعلق نہ تھا۔ امام یعقوب فرماتے ہیں کہ عابد اور فاضل تھے ان کے اکثر فتوے مذہب اہل مدینہ پر تھے۔ ان کے اور امام مالک کے درمیان دوستی تھی۔

(تہذیب ص 148 ج 57)

ظاہر ہے کہ مدینہ والوں کا مذہب اعتقاد اور احکام میں اہل الرائے سے بہت مختلف ہے۔ الغرض وہ سنت کے فدائی مرتجی مذہب سے بیزار اور نیند کو حرام کہتے تھے۔ ان سے بسند صحیح ثابت ہے کہ وہ فرمایا کرتے تھے جو شخص یہ گمان کرتا ہے کہ ایمان زیادہ اور کم نہیں ہوتا وہ کذاب ہے۔

(تاریخ بغداد ص 393 ج 137)

مزید فرماتے ہیں کہ

(الایمان یزید وینقص)

یعنی ایمان میں زیادتی اور کمی ہوتی ہے۔

(کتاب السنہ ص 336 ج 1)

اس سے معلوم ہوا کہ وہ مذہب الرجاہ پر نہ تھے بلکہ الرجاہ کے حاملین کو کذاب کہتے تھے۔ مگر مؤلف انوار نے صرف انہیں کوفہ کے مقیم ہونے کی وجہ سے شورئٰی میں شامل کر لیا ہے۔ حالانکہ ان کی ولادت 120ھ میں ہوئی تھی۔

(تذکرہ ص 284 ج 1)

اور بقول مؤلف انوار الباری یہ شورئٰی 120ھ میں تشکیل پائی تھی۔ مگر کتنے ستم کی بات ہے کہ اسی سال پیدا ہونے والے کو بھی رکن باور کرایا جا رہا ہے۔

(۱۸) امام عبداللہ بن مبارک ولادت 119ھ وفات 181ھ ان کو بھی مجلس شورئٰی کا رکن بتایا جاتا ہے۔

(سیرۃ العمان ص 363)

ثقة، مثبت، فقیہی، امام، قرآن کے خادم، سنت کے فدائی، پوری امت مرحومہ کے عظیم محسن یہ ان بزرگ ہستیوں میں شامل ہیں جن پر امت کو بجا طور پر فخر ہے۔ امیر المؤمنین فی الحدیث کا شرف حاصل ہے۔ صحاح کے ایک اہم راوی ہیں۔ عراق میں پیدا ہوئے۔ سنت کے علمبردار تھے۔ اہل بدعت کا خوب رد کرتے تھے۔ امام ابو حنیفہ سے عقائد سے لے کر احکام تک بہت زیادہ اختلاف رکھتے تھے۔ بلکہ امام ابو حنیفہ کو انہوں نے مرجی المذہب کہا ہے۔

(تاریخ بعد اوص 380 ج 13)

ایک بار انہوں نے چند احادیث بیان فرمائیں۔ ایک آدمی کہنے لگا کہ امام ابو حنیفہ تو ان احادیث کے مخالف ہیں۔ یہ سن کر امام عبداللہ غصے میں آگئے اور فرمانے لگے۔ میں رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام سے بیان کر رہا ہوں اور تو میرے سامنے ایسے شخص کو پیش کرتا ہے جو امت محمدیہ پر تلوار کو جائز سمجھتا ہے۔

(کتاب السنہ ص 213 ج 1)

آپ فرماتے ہیں کہ میں چپکے چپکے امام ابو حنیفہ کی مجلس میں جایا کرتا تو میرے ساتھیوں کو جب علم ہوتا تو وہ مجھے اس پر ملامت کرتے۔

(کتاب السنہ ص 212 ج 1)

اس سے معلوم ہوا کہ امام عبداللہ جس حلقہ سے منسلک تھے اس حلقہ میں امام صاحب کی فقہ کو اچھی نظر سے نہیں دیکھا جاتا تھا۔ کیونکہ امام صاحب کی مجلس احادیث و آثار کی بجائے محض قیاس پر مشتمل ہوتی تھی۔ یہ ایک ایسی حقیقت تھی کہ جس کا ادراک امام ابن مبارک کو بھی ہو گیا۔ امام ابو حنیفہ کے ایک فتویٰ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ڈاکہ ڈال لینا اس سے بہتر ہے۔

(کتاب السنہ ص 214 ج 1)

امام ابن مبارک امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنے کے قائل تھے۔

(ترمذی مع تحفہ ص 256 ج 1)

رفع الیدین پر تو امام ابو حنیفہ سے ان کا مناظرہ معروف ہے۔

(بیہقی ص 82 ج 2 و جزء رفع الدین ص 124)

بہر حال امام ابن مبارک نے امام ابو حنیفہ کو ترک کر دیا تھا۔ جس کی تفصیل کتاب

السنہ جلد اول اور تاریخ بغداد جلد 13 میں صحیح اسناد سے ثابت ہے۔

بلکہ انہوں نے امام ابو حنیفہ پر جرح کرتے ہوئے کہا کہ وہ علم حدیث میں یتیم

تھے۔ قیام اللیل ص 212، مگر یار لوگ انہیں بھی مجلس شوریٰ کا رکن کہتے ہیں۔

(۱۹) عبدالحمید بن عبدالرحمن ولادت 120 و وفات 202ھ ان کو بھی مجلس شوریٰ

کا رکن بتایا جاتا ہے۔

(انوار الباری ص 203 ج 1)

بحیثیت راوی صدوق ہیں۔ مذہب کے لحاظ سے مرتبی تھے۔

(تقریب ص 197)

علامہ ذہبی کی تحقیق کے مطابق عبد الحمید 120ھ میں خوارزم میں پیدا ہوئے (سیر اعلام النبلاء ص 540 ج 10) کوفہ سے دور خوارزم میں 120ھ میں پیدا ہونے والے نے کس سے کسب علم کیا؟ اور کمیٹی کے قواعد و ضوابط کے مطابق محدث و فقیہ بن کر کب وہ رکن بنے تھے؟ جبکہ بقول مؤلف انوار اس شورلی کا قیام بھی 120ھ میں ہوا تھا۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ شورلی کا سرے سے وجود ہی نہ تھا یہ سب خرافات اور تاریخ و رجال سے لاعلمی کا نتیجہ ہے۔

(۲۰) علی بن ظہیران وفات 192ھ ان کو اس شورلی کا رکن کہا جاتا ہے۔

(انوار الباری ص 200 ج 1)

ممکن ہے کہ یہ سب کچھ ہو مگر اس کا شمار محدثین میں نہیں ہوتا۔ امام ابن معین فرماتے ہیں کہ کذاب اور خبیث ہے۔ امام بخاری منکر الحدیث کہتے ہیں۔ نسائی متروک قرار دیتے ہیں۔ ابو زرہ واہی الحدیث کہتے ہیں۔ ابو حاتم متروک اور ساجی منکر روایات بیان کرنے والا کہتے ہیں۔

(تہذیب ص 322 ج 7)

(۲۱) امام علی بن مسھر ولادت 120-119 وفات 189ھ ان کو بھی مجلس شورلی کا رکن قرار دیا گیا ہے۔

(انوار الباری ص 198 ج 1)

یہ محدث تھے صحاح کے مرکزی راوی ہیں۔ لیکن ان کا شورلی میں ہونا قابل فہم ہے۔ کیونکہ یہ 120ھ کی حدود میں پیدا ہوئے۔

(سیر اعلام النبلاء ص 485 ج 8)

اور اسی سال اس شورلی کی تشکیل بتائی جاتی ہے۔ وہ جو ان کب ہوئے؟ شورلی کی رکنیت کی شرائط کے اہل کتنی دیر میں ہوئے؟ الغرض یہ داستان شورلی ہی سرے سے جھوٹی اور من گھڑت افسانہ ہے۔

(۲۲) امام عمر بن میمونؒ بلخی وفات 171ھ ان کو بھی شوریٰ کارکن کہا جاتا ہے۔ بغداد آکر امام اعظم کی خدمت میں رہے۔

(انوار الباری ص 163)

امام ابن معین نے ان کی توثیق کی ہے۔ ترمذی میں ان کی روایت ہے۔ مولانا محمد رئیس ندوی فرماتے ہیں کہ بغداد کی تعمیر 145ھ سے شروع ہو کر 149ھ کے لگ بھگ مکمل ہوئی۔ امام صاحب اپنی عمر کے آخری پندرہ دن بغداد رہے۔ اگر اس سے پہلے کسی دن عمر اور امام صاحب کے مابین بغداد میں چند لمحات کی ملاقات ہوئی بھی ہو تو 145ھ کے بعد ہی ہوئی ہوگی۔ جبکہ عمر وہاں شیخ الحدیث کی حیثیت سے وارد ہوئے تھے۔ اور اس سے پہلے کوفہ میں یا کہیں اور امام صاحب سے موصوف کی ملاقات کا کوئی ثبوت نہیں۔

(اللمحات ص 41 ج 4)

ہمارے شیخ فرماتے ہیں کہ امام صاحب کو علویوں کی حمایت کے الزام میں 145ھ یا 146ھ کو گرفتار کر کے جیل بھیج دیا گیا تھا اور آپ کی وفات بھی جیل میں ہوئی۔ تو اب بتائیے جناب عمر بن میمونؒ بلخی نے امام صاحب سے کب اور کہاں حدیث و فقہ کی تحصیل کی اور وہ کس دور میں اس فرضی کمیٹی کے رکن بنے۔ صاحب انوار کی اپنی تحریر نے بھی اس افسانوی کہانی کا بھانڈا چوراہے میں پھوڑ دیا ہے۔ (داستان حنفیہ ص 149)

(۲۳) امام فضل بن موسیٰ سینائی ولادت 115ھ وفات 192ھ ان کو بھی مؤلف انوار نے مجلس شوریٰ کارکن کہا ہے۔

(انوار الباری ص 199 ج 1)

مذہب اہل سنت تھے۔ ثقہ اور آئمہ حدیث سے ہیں۔ تہذیب ص 286 ج 8 جہمی معتزلی یا مرجئی نہ تھے سنت کے فدائی تھے۔ امام صاحب سے مجلس بھی تھی لیکن ان کے بارے حسن ظن نہ رکھتے تھے۔ بلکہ ان کی نظر میں امام صاحب حدیث نبویؐ کو استہزاء اور تمسخر سے ٹھکرا دیتے تھے۔ ان سے حسن سند کے ساتھ مروی ہے کہ میں نے ابو حنیفہ سے سنا وہ کہتے

تھے کہ میرے بعض شاگرد ایسے ہیں اگر پیشاب کریں تو دو منگے پانی ہو جاتا ہے۔ مطلب یہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ کی اس حدیث کو ٹھکرایا جائے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب پانی دو منگے ہو تو پلید نہیں ہوتا۔

(تاریخ بغداد ص 405 ج 13)

ان کی ولادت 115 میں خراسان میں ہوئی تھی۔ (تہذیب ص 287 ج 8)

کوفہ سے دور خراسان میں 115ھ میں پیدا ہونے والے شخص کو کوفہ میں 120ھ میں شورئی کارکن بتایا جاتا ہے جب کہ وہ عمر کے لحاظ سے ابھی پانچ سال کا بچہ تھا۔ جس مجلس شورئی کے نابالغ بچے بھی رکن ہوں ان کی علمی حیثیت کیا ہوگی؟

(۲۴) فضیل بن عیاض ولادت 106ھ وفات 187ھ ان کو بھی شورئی کارکن بتایا جاتا ہے۔

(انوار الباری ص 186 ج 1)

معروف محدث اور ثقہ ہیں۔ ابتدائی زندگی میں ڈاکہ زنی اور ایک لڑکی سے عشق تھا۔ پھر اللہ نے توبہ کی توفیق عطا کی اور مکہ مکرمہ میں کعبہ کے مجاور بن کر رہ گئے۔

(تہذیب ص 295 ج 8 و فتاویٰ شامی ص 58 ج 1)

مکہ میں چونکہ محدثین کرام ہی تھے۔ جو فقہا تھے وہ بھی محدث ہی تھے ان پر قیاس و رائے کا غلبہ کیا شائبہ تک بھی نہ تھا۔ اور یہی اثر امام فضیل پر تھا۔ یہ مرجیہ کے سخت مخالف تھے۔ کتاب و سنت پر عمل کرتے بدعات سے نفرت تھی۔ فرماتے ہیں کہ ہمارے نزدیک ایمان کا داخل اور خارج سے تعلق ہے۔ زبان سے اقرار دل سے قبول اور عمل کا نام ایمان ہے۔

(کتاب السنہ ص 337 ج 1)

اس سے واضح ہے کہ وہ عقائد میں حنفیہ کے مخالف تھے۔ مگر یار لوگ ان کو بھی شورئی کارکن باور کراتے ہیں۔ پھر ان کی ولادت 106ھ کی ہے اور زندگی کا ابتدائی حصہ ڈاکہ زنی کی نظر ہو گیا۔ توبہ کے بعد کب تحصیل علم کر کے یہ 120ھ میں بنائی گئی شورئی کے

رکن بنے تھے۔ جس سے ثابت ہوا کہ یہ سب داستان ہی وضعی اور افسانہ ہے۔ بالخصوص جب حسن بن عثمان سے مروی ہے کہ فضیل بن عیاض امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب پر تخریج و تنقید کرتے تھے۔ (تاریخ بغداد ص 152 ج 8)

(۲۵) امام قاسم بن معن وفات 175ھ ان کو بھی رکن شوری کہا جاتا ہے۔

(انوار الباری ص 165 ج 1)

فقہ ثقہ اور محدث تھے لیکن مرجی مذہب کی طرف جھکاؤ تھا۔

(تہذیب ص 339 ج 8)

حضرت عبداللہ بن مسعود کے پوتے تھے۔ لیکن کسی معتبر خبر سے معلوم نہیں کہ وہ امام ابو حنیفہ سے فقہ و عقائد میں کامل متفق تھے۔ زیادہ سے زیادہ یہی ہے کہ ارجاء کے معاملہ میں ان کا رجحان مرجیہ کی طرف تھا۔ فقہ حنفی کی کتب میں ان کے فتاویٰ نہیں جس سے معلوم ہوتا ہو کہ وہ بھی اس کے پاسبانوں میں سے تھے۔ پھر یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ تشکیل شوری کے وقت یہ پیدا ہو چکے تھے یا طالب علمی کے دور میں تھے۔ صرف اندازے اور قیاس سے بھائی ان کو بھی شوری کارکن کہتے ہیں۔

(۲۶) امام مالک بن مغول وفات 159ھ کو بھی شوری کارکن کہا جاتا ہے۔

(انوار الباری ص 162 ج 1)

عابد و زاہد کوفہ کے بہترین لوگوں میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ حدیث میں ثقہ اور قابل اعتماد ہیں۔ صحاح کے مرکزی راوی ہیں۔ لیکن ان کا تعلق اہل سنت سے تھا۔ مرجی مذہب سے نفرت کرتے تھے۔ اہل علم نے انہیں سنت و جماعت کہا ہے۔

(تاریخ دمشق لابن زرعہ ص 578 ج 1 بحوالہ اللغات ص 9 ج 4)

نیز امام عبدالرحمن بن مہدی سفیان ثوری اور امام مالک کی مدح کرتے تھے۔ جس سے مستفاد ہوتا ہے کہ موصوف حنفی مذہب کے پیروں نے تھے کیونکہ یہ حضرات امام ابو حنیفہ اور مذہب ابی حنیفہ سے ناراض تھے۔

(اللمحات ص 10 ج 4)

نیز ابو العباس احمد بن علی نے امام مالکؒ کو ان اہل علم میں شمار کیا ہے جو امام صاحب کے مخالف اور ان کا رد کیا کرتے تھے۔

(تاریخ بغداد ص 371 ج 13)

ان تمام حقائق سے ثابت ہوا کہ انہیں مجلس شوریٰ کا رکن قرار دینا غلط بیانی ہے۔ پھر جس دلیل سے مصنف انوار نے ان کا امام صاحب سے تعلق ثابت کیا ہے اس میں حسن بن زیاد لولوی راوی کذاب ہے۔

(مناقب ابی حنیفہ للدہمی ص 17)

(۲۷) امام محمد بن حسن شیبانی ولادت 135 وفات 189ھ ان کو مجلس شوریٰ کا رکن کہا جاتا ہے۔

(انوار الباری ص 188 ج 17)

فقہ حنفی کی نشرو اشاعت میں امام محمد نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ حتیٰ کہ فقہ حنفی کے تین ستونوں میں سے ایک ستون شمار کیے گئے۔ اور فقہ حنفی میں ان کے بہت سے فتاویٰ مفتی بھا قرار پائے۔

امام محمد چونکہ مکتب ابو حنیفہ کے تربیت یافتہ تھے گو بعض نامور محدثین سے بھی اکتساب کیا تھا۔ مگر ان پر امام صاحب کے مکتب کارنگ غالب تھا۔ حدیث کی بجائے قیاس و آراء میں زیادہ انہماک رکھتے تھے۔ امام ابن سعد فرماتے ہیں کہ انہوں نے ابو حنیفہ سے مجلس کی اور ان سے علم کو سنا، رائے میں غور و فکر کرتے تھے اور ان پر رائے غالب تھی حتیٰ کہ یہی ان کی شناخت بن گئی۔ (بحوالہ مقدمہ تعلیق المجدد ص 29)

امام مزنی فرماتے ہیں کہ یہ فقہی تفریعات میں تمام آئمہ احناف سے بڑھ کر تھے۔ (ایضاً) احادیث کا رد:۔ امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ

(ابویوسف مضعفا فی الحدیث واما محمد بن الحسن وشیخہ کانا مخالفین)

(لاثر)

یعنی قاضی ابویوسف حدیث میں ضعیف تھے اور امام محمد اور ان کے شیخ اثر (احادیث) کی مخالفت کرتے تھے۔

(لسان ص 122 ج 5)

مذہب:- امام محمد بھی اپنے شیخ کی طرح ایمان میں اعمال کو شامل نہیں سمجھتے تھے۔ اور نہ ہی ایمان میں کمی و زیادتی کے قائل تھے۔ الغرض مذہباً مرجی تھے۔ قاضی شریک مرجیہ کی شہادت قبول نہ کرتے تھے۔ جس کی بنا پر انہوں نے امام محمد کی گواہی قبول کرنے سے انکار کرتے ہوئے ایک موقع پر کہا تھا کہ

(انا اجیز شهادة من يقول الصلوة لیست من الایمان)

یعنی میں اس شخص کی شہادت کیسے قبول کر لوں جو نماز کو ایمان سے نہیں کہتا۔

(ابن عدی ص 2183 ولسان ص 122 ج 6)

امام ابن حبان نے (کتاب الجرح وین ص 276 ج 2) میں اور ساجی نے (لسان ص 122 ج 5) میں امام محمد کو مرجیہ قرار دیا ہے۔

نظریہ تقلید:- امام محمد نے اپنے شیخ سے اسی (۸۰) فیصد مسائل میں اختلاف کیا ہے۔ جس کی غالب وجہ یہ ہے کہ وہ تقلید کو جائز نہیں سمجھتے تھے خود فرماتے ہیں کہ

(لوجاز التقليد کان من مضی من قبل ابی حنیفة مثل الحسن البصری

وابراہیم النخعی احدی ان یقلدوا)

اگر کسی کی تقلید جائز ہوتی تو جو لوگ ابوحنیفہ سے پہلے گزر چکے ہیں جیسا کہ امام حسن بصری ابراہیم نخعی وغیرہ وہ زیادہ حق دار تھے کہ ان کی تقلید کی جاتی۔

(المبسوط للسرحدی ص 28 ج 12) کتاب الوقف

جرح:- محدثین کرام نے ان پر سخت جرح کر رکھی ہے۔ امام یحییٰ بن معین (ابن عدی ص

3 2 1 8 2 ج 5 ولسان ص 2 2 1 ج 5) اور ابن حبان نے (کتاب المجروحین ص 276 ج 2) کذاب کہا ہے۔ نسائی نے ضعیف۔ (کتاب الضعفاء ص 310)

ہمیں تلاش کے باوجود کسی محدث سے ان کے غیر مشروط ثقہ ہونے کا قول نہیں مل سکا۔ اگر کسی نے کوئی ہلکا سا تعدیل کا درجہ بیان بھی کیا ہو تو ان پر جرح مفسر کو اٹھا نہیں سکتا بہر حال ہمارے نزدیک کذاب نہ تھے۔ ہاں سوء حفظ کی وجہ سے ضعفاء میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ واللہ اعلم

رکنیت :- امام محمد کی ولادت 135ھ میں ہوئی۔ جبکہ مجلس شوریٰ کو قائم ہوئے بقول مصنف انوار پندرہ برس بیت چکے تھے۔ امام محمد جب لکھنے پڑھنے اور شعور کی زندگی میں آئے تو امام ابو حنیفہ علویوں کی حمایت کے الزام میں جیل جا چکے تھے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ امام محمد کا تعلق شوریٰ اور امام ابو حنیفہ سے نہایت قلیل تھا۔ امام ابن حبان فرماتے ہیں کہ امام محمد نے امام ابو حنیفہ کی صرف چند ایام شاگردی کی ہے۔

(کتاب المجروحین ص 275 ج 2)

(۲۸) امام مکی بن ابراہیم بلخی ولادت 126ھ وفات 215ھ ان کو بھی شوریٰ کا رکن کہا جاتا ہے۔

(انوار الباری ص 204 ج 1)

جلیل القدر محدث تھے۔ 126ھ میں پیدا ہوئے۔ (تہذیب ص 294 ج 10) سترہ برس کی عمر میں تحصیل علم کی طرف رجحان ہوا (تذکرۃ الحفاظ ص 366 ج 1)

گویا امام مکی 143ھ میں حصول علم میں مشغول ہوئے۔ ظاہر ہے کہ پہلے اپنے وطن بلخ کی درسگاہ میں داخل ہو کر پڑھے ہونگے۔ پھر کسی زمانہ 143ھ کے بعد موصوف نے عراق کے شہر کوفہ کی طرف رخ کیا ہوگا بھلا وہ کب درسگاہ ابو حنیفہ میں داخل ہو کر مجتہد و فقیہ بن کر 120ھ میں ہی رکن مجلس شوریٰ بن گئے تھے، معلوم ہوا کہ یہ سب جھوٹ ہے۔

(۲۹) مندل بن علی عنزی ولادت 103ھ وفات 168ھ ان کو بھی مجلس شوریٰ کا

رکن کہا جاتا ہے۔

(انوار الباری ص 163 ج 1)

عابد وزاہد تھے۔ لیکن حدیث میں ضعیف تھے۔ (تقریب ص 347)

مذہب کے لحاظ سے مرجی تھے۔ (کتاب البحر و چین ص 25 ج 3)

شیعیت کی طرف میلان تھا۔ (تہذیب ص 299 ج 10)

103ھ میں پیدا ہونے والے نے کب تحصیل علم کیا اور محدث فقہی بن کر

120ھ میں تشکیل پانے والی شوریٰ کارکن کس زمانہ میں منتخب ہوا۔ سردست ان چیزوں

کا بھائیوں کے پاس کوئی جواب نہیں۔

(۳۰) نصر بن عبدالکریم وفات 169ھ ان کو بھی مجلس شوریٰ کارکن بتایا جاتا ہے۔

(انوار الباری ص 163 ج 1)

امام ابوحنیفہ سے مصاحبت کی روایات ساقط الاعتبار ہیں۔ جن کی ضروری

تفصیل (اللمحات ص 38 ج 4) میں دیکھی جاسکتی ہے۔ لہذا ایسا شخص جس کے بارے کوئی

واضح ثبوت اور معلومات ہی نہیں ان کو رکن قرار دینا محض مفروضہ ہے۔

(۳۱) قاضی نوح بن دراج وفات 182ھ ان کو بھی رکن بتایا جاتا ہے۔

(انوار الباری ص 185 ج 1)

ان کی فتاہت کے بارے تو معلوم نہیں ہاں البتہ آئمہ ناقدین اور محدثین عظام

نے اس پر سنگین قسم کی جرح کی ہے۔ امام ابن معین کہتے ہیں کذاب اور خمیث ہے۔

(تاریخ بغداد ص 317 ج 1)

امام حاکم فرماتے ہیں ثقہ راویوں کا نام لے کر من گھڑت روایات بیان کرتا تھا۔

(المدخل ص 216)

علامہ ذہبی نے کذاب کہا ہے۔ (تلیخیص المسود رک ص 144 ج 3)

ابن حبان فرماتے ہیں کہ ثقہ راویوں کا نام لے کر موضوع روایات بیان کرتا۔ بسا اوقات یہ

خیال پیدا ہوتا ہے کہ بکثرت روایات بیان کرنے کے لیے ایسا جان بوجھ کر کرتا ہے۔

(کتاب الحجر و حین ص 46 ج 3)

ایسے خبیث اور بدباطن نے شورئوں میں بھی جو گل کھلائے ہونگے وہ عیاں راجہ بیاں
(۳۲) ابو عصمہ نوح بن ابی مریم ان کو بھی شورئوں کا رکن کہا جاتا ہے۔

(انوار الباری ص 164 ج 1)

نوح بن ابی مریم فقہ حنفی سے بغض رکھتا تھا۔ اس کا اپنا بیان ہے کہ میں نے لوگوں کو دیکھا کہ
وہ ابو حنیفہ کی فقہ میں مشغول ہو گئے ہیں اور قرآن سے اعراض کر لیا ہے تو میں نے قرآن کی
فضیلت میں حدیث وضع کی۔

(المدخل لعلوم الحدیث للحاکم ص 20 والکفایہ ص 126 والفوائد المسمیہ ص 222 التہذیب
والایضاح ص 130)

راقم کو اس کے بارہ میں کتب رجال میں سے کوئی ادنیٰ سا کلمہ تو شتی بھی نہیں ملا۔ تمام آئمہ جرح
و تعدیل اس کو کذاب و دجال اور خبیث کہتے ہیں۔ دیکھیے عقیلی ص 305 ج 4 ابن عدی
ص 2506 ج 7 میزان ص 279 ج 4 تہذیب ص 488 ج 10 کتاب الحجر و حین
(ص 48 ج 3)

ایسے دجال و کذاب بھی جس مجلس شورئوں کے رکن ہوں ان کی علمی حالت بیان کرنے سے
باہر ہے۔

(۳۳) امام و کعب بن جراح ولادت 129ھ وفات 198ھ ان کو بھی مجلس شورئوں کا رکن
کہا جاتا ہے۔

(انوار الباری ص 200 ج 1)

فقہ مثبت عابد و زاہد اور کبار محدثین میں ان کا شمار ہوتا۔ صحاح ستہ کے مرکزی
راوی ہیں۔ مذہب اہل سنت تھے۔ حنفیت کے مخالف تھے۔

(ترمذی معہ تحفہ ص 107 ج 2)

میں شعار بدن کی حدیث کے سلسلہ میں اہل الرائے پر سخت تنقید فرمائی ہے فرماتے ہیں کہ لوگو! ابو حنیفہ کی رائے سے بچو۔

(کتاب السنہ ص 227 ج 1)

فرماتے ہیں کہ میرے علم کی حد تک امام ابو حنیفہ نے دو سوا حدیث کی مخالفت کی ہے۔

(تاریخ بغداد ص 408 ج 13)

مرجیہ کے سخت مخالف تھے۔ ایمان کے زیادہ اور کم ہونے کا عقیدہ رکھتے تھے۔

(کتاب السنہ ص 336, 310 ج 1)

امام ابو حنیفہ کے بارے حسن ظن نہ تھا۔ ان کو مرجی اور امت مرحومہ پر تلوار چلانے کو جائز سمجھنے والوں میں سے جانتے تھے۔

(عقلی ص 283 ج 4)

128ھ یا 129ھ میں پیدا ہوئے۔ تہذیب ص 130 ج 11

جب کہ مجلس شوریٰ ان کی ولادت سے آٹھ یا نو سال پہلے قائم ہو چکی تھی اور ان کے تحصیل علم کے وقت وہ اپنی طبعی عمر بھی پوری کر چکی ہوگی۔ ثابت ہوا کہ یہ ساری داستان ہی جھوٹ پر بنائی گئی ہے۔

(۳۴) قاضی ہشام بن یوسف وفات 197ھ ان کو بھی مجلس شوریٰ کارکن کہا جاتا ہے۔

(انوار الباری ص 201 ج 1)

صنعا کے قاضی تھے معروف محدث ہیں۔ بالاتفاق ثقہ ہیں۔ مسلم کے علاوہ باقی

صحاب میں ان سے احادیث مروی ہیں۔ ان کا حنفی ہونا ثابت نہیں۔ علامہ ذہبی کی تحقیق کے موافق 120ھ کے بعد پیدا ہوئے۔

(سیر الاعلام النبلاء ص 581 ج 9)

ان کا امام ابو حنیفہ کی زندگی میں کوفہ آنا بھی ثابت نہیں۔ بھلاجو شخص تاسیس

شوریٰ کے سال پیدا ہوا ہو وہ عمر کے کس سن میں علم حاصل کر کے درجہ اجتہاد پا کر کمیٹی

کارکن بنا ہوگا۔ حالانکہ ان کی جوانی آبائی وطن یمن میں گزری تھی۔ تہذیب
ص 57 ج 11 میں ہے کہ جب امام ثوری یمن تشریف لائے تو ان کے لیے ہشام کو کتاب
رکھا گیا۔ الغرض ان کو شوریٰ کارکن قرار دینا محض داستان سرائی ہے۔
(۳۵) ہشیم بن بشیر واسطی ولادت 105ھ وفات 183ھ ان کو بھی شوریٰ کارکن
بتایا جاتا ہے۔

(انوار الباری ص 185 ج 1)

ثقفہ و ثبت تھے البتہ تدلیس کرتے تھے۔ مذہباً کیا عقیدہ تھا معلوم نہیں ہو سکا۔
ایک روایت کے مطابق 105ھ میں واسط میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم وہاں حاصل کی
۔۔۔ 123ھ یا 124ھ کو تحصیل علم کے لیے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے۔
ان کا چار ماہ کے لیے کوفہ جانا تو ثابت ہے لیکن کوفہ میں مستقل رہائش اختیار نہ کی
تھی۔ تفصیل کے لیے دیکھیے (اللحات ص 416 ج 4)
الغرض انکا شوریٰ میں شامل ہونا محض فرضی کہانی ہے۔
(۳۶) ہیاہ بن بسطام تمیمی وفات 177ھ بقول مصنف انوار یہ بھی رکن شوریٰ تھے
۔ بڑے فصیح، سخی، رحم دل تھے۔

(انوار الباری ص 165 ج 1)

ممکن ہے ان میں یہ اوصاف پائے جاتے ہوں۔ لیکن راوی حدیث کی حیثیت سے
وہ ضعیف ہیں۔ ابن معین نے ضعیف کہا ہے۔

(ابن عدی ص 2592 و عقلی ص 366 ج 4)

امام احمد نے متروک قرار دیا ہے۔ امام صالح نے منکر الحدیث کہا ہے۔ (تہذیب

ص 88 ج 11)

مذہباً مرجی اور اس کے داعی تھے۔ (کتاب الحجر و حین ص 96 ج 3)

ایسا شخص جس کی سنہ ولادت معلوم نہیں مذہباً مرجی ہے اس کا مجلس شوریٰ کارکن ہونا تعجب

اور معنی خیز ہے۔

(۳۷) امام یحییٰ بن زکریا ابی زائدہ ولادت 120ھ وفات 183ھ ان کو بھی مجلس شوریٰ کارکن بتایا جاتا ہے۔

(انوار الباری ص 185 ج 1)

جلیل القدر محدث اور فقیہ ہیں۔ بقول امام عجل ثقفہ 'فقہ وحدیث کے جامع' مدائن کے قاضی اور حفاظ کوفہ میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ ثقفہ مثبت مفتی اور صاحب سنت تھے۔

(تاریخ الثقات ص 471)

ان کی پیدائش کے سال تو مجلس شوریٰ کی بنیاد رکھی گئی تھی معلوم ہوا کہ ان کو مجلس شوریٰ کارکن کہنا محض مفروضہ اور من گھڑت داستان ہے۔

(۳۸) امام یحییٰ بن سعید القطان ولادت 120ھ وفات 198ھ ان کو بھی رکن شوریٰ بتایا جاتا ہے۔

(انوار الباری ص 201 ج 1)

بالاتفاق ثقفہ مثبت ہیں۔ اکابر محدثین سے ہیں۔ مسلک محدثین پر تھے۔ عقائد میں اہل سنت تھے۔ مرجیہ کے مخالف تھے۔ ایمان میں زیادتی اور کمی کے قائل اور قول و عمل کو ایمان کہتے تھے۔

(کتاب السنہ ص 310 ج 1)

امام سفیان ثوری سے نقل کرتے ہیں

(استتباب اصحاب ابی حنفیة ابا حنفیة مرتین) (ایضاً ص 192 ج 1)

امام ابو حنیفہ کی فقہ پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

ہم بعض چیزوں میں امام صاحب پر عیب لگاتے ہیں اور جنہیں ہم اچھا سمجھتے ہیں ان میں موافقت کر لیتے ہیں۔

(الاتقاء ص 131)

120ھ میں بمقام بصرہ پیدا ہوئے۔ (تہذیب ص 219 ج 11) ابتدائی تعلیم

زہیں ہوئی۔ امام شعبہ سے بیس سال تک تحصیل علم کیا۔

(تقدمہ الجرح والتعديل ص 249)

ان کی پیدائش کے سال تو مجلس شوریٰ کی تاسیس ہوئی۔ تعلیم کو شروع کیا تو بیس

سال تک امام شعبہ سے منسلک رہے۔ بصرہ میں اصحاب امام مالک میں ان کا شمار ہوتا تھا۔

(تہذیب ص 220 ج 11)

بھلا یہ کب شوریٰ کے رکن بنے تھے معلوم ہوا کہ یہ محض داستانِ کاذبہ ہے۔

(۳۹) قاضی ابویوسف ولادت 113ھ وفات 182ھ ان کو بھی مجلس شوریٰ کا رکن

(انوار الباری ص 174 ج 1)

بتایا جاتا ہے۔

مصنف انوار نے ان کو مجتہد مطلق کہا ہے۔ احناف میں بہت بلند مقام کے حامل

ہیں۔ فقہ حنفی میں ان کے اقوال بکثرت موجود ہیں۔ بعض مقام پر ان کے اقوال پر فتویٰ ہے

۔ امام ابوحنیفہ سے عقائد و اصول اور فروع میں اختلاف رکھتے تھے۔ ایک زمانہ تک ارجاء کا اثر

تھا (جیسا کہ ان کے استاذ ایمان میں کمی و بیشی اور اعمال کے ایمان میں داخل نہ ہونے کے

مسئلہ میں مرجیہ کے حامی تھے)۔ امام قاضی شریک ان کی گواہی کو اسی وجہ سے قبول نہ کرتے

(لسان ص 210 ج 6)

تھے کہ نماز وغیرہ کو ایمان میں داخل نہ مانتے تھے۔

لیکن بعدہ قاضی ابویوسف نے اہل سنت کا مذہب اپنالیا تھا۔ امام ابن حبان لکھتے ہیں کہ امام

قتیبہ بن سعید فرماتے ہیں کہ

(سمعت ابا یوسف یقول الایمان قول وعمل یزید وینقص)

میں نے قاضی ابویوسف سے سنا وہ فرما رہے تھے کہ ایمان قول و عمل ہے جو کم اور زیادہ

ہوتا ہے۔

(کتاب الثقات ص 645 ج 7)

امام ابن عدی نے نقل کیا ہے کہ قاضی ابویوسف نے فرمایا کہ

جو یہ کہے کہ میرا ایمان جبریل کے ایمان کے برابر ہے وہ بدعتی ہے۔

(الکامل لابن عدی ص 2603 ج 7)

ان حقائق سے ثابت ہوا کہ انہوں نے مذہب ارجاء کو ترک کر کے مسلک اہل سنت کو اختیار کر لیا تھا۔ ہاں البتہ فروع میں امام صاحب کے درست فتویٰ کی موافقت کرتے تھے فرماتے ہیں کہ

(انما كان ابوحنيفة مدرسا فما كان من قوله حسنا قبلنا وما كان قبيحا تركناه عليه)

امام ابوحنیفہ صرف ایک مدرس تھے (یعنی استاذ) ان کی اچھی بات کو ہم قبول کر لیتے ہیں اور قبیح کو چھوڑ دیتے ہیں۔

(تاریخ بغداد ص 375 ج 13)

(انا كنا ناتيهِ يدرسنا الفقه ولم نكن نقله دينا)

ہم امام ابوحنیفہ سے فقہ کا درس لینے آتے مگر دین میں ان کی تقلید نہیں کرتے تھے۔

(تاریخ بغداد ص 376 ج 13)

قاضی القضاة :- قاضی صاحب کی ابتدائی زندگی غربت و افلاس سے دوچار تھی۔ کوئی مستقل ذریعہ معاش نہ تھا۔ البتہ علمی ذوق تھا۔ امام ابوحنیفہ سے تعلق قائم ہوا تو کچھ خوش حالی آگئی۔ جس کی غالب وجہ امام صاحب کا مالی تعاون تھا۔ 166ھ میں قاضی القضاة کے منصب پر فائز ہوئے۔ جوان کے لیے اعزاز اور جاہ و جلالت کے ساتھ مؤثر ذریعہ معاش بھی تھا۔ اس منصب پر سولہ سال تک فائز رہے اور یہی چیز مشرق میں حقیقت کے پھیلنے کا واحد ذریعہ بنی ہے۔

طریق فیصلہ :- امام عبد اللہ بن مبارک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

جب مسند خلافت پر خلیفہ ہارون الرشید متمکن ہوئے تو ان کا دل اپنے والد کی ایک لونڈی کی طرف مائل ہوا خلیفہ نے لونڈی کو اپنی طرف کھینچنے کی پوری کوشش کی لیکن

لوٹڈی نے یہ کہہ کر خلیفہ کی خواہش کو رد کر دیا کہ میں آپ کے باپ کی لوٹڈی ہوں۔ اور میں ان کے حرم میں رہ چکی ہوں اور وہ مجھ سے وطی کرتے تھے۔ اس لیے میں آپ کے لیے حلال نہیں ہوں۔ (خلیفہ کی نظر قاضی ابو یوسف کی طرف اٹھی) اور قاضی ابو یوسف کو بلانے کے لیے پیغام بھیجا اور کہا کہ یہ صورت حال پیش آئی ہے کہ لوٹڈی نے یہ عذر پیش کیا ہے کہ میں آپ کے باپ کی موطوہ رہ چکی ہوں۔ کیا آپ کے پاس اس کا کوئی حل موجود ہے۔ (قاضی صاحب نے مسئلہ حل کر دیا) اور فتویٰ دیا کہ امیر المؤمنین آپ اس لوٹڈی کی بات صحیح تسلیم نہ کریں لوٹڈی جو دعویٰ کرے تو آپ اس کی تصدیق کریں گے۔

امام عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں کہ میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ میں اس حاکم پر تعجب کروں جس نے مسلمانوں کے خونوں اور مالوں میں ہاتھ ڈالا اور اپنے باپ کی حرمت کا بھی پاس نہ کیا بلکہ اس کے ریزہ ریزہ کرنے پر تلا ہے یا اس لوٹڈی سے جس نے خود کو امیر المؤمنین سے بے راغب رکھا یا اس فقیہ و قاضی (ابو یوسف) پر جس نے امیر المؤمنین کو اپنے باپ کی حرمت پھاڑنے اور اپنی شہوت کو پورا کرنے کا یہ فیصلہ دیا کہ اس کا گناہ میری گردن پر آنے دیر۔

(تاریخ الخلفاء - بیوٹی ص 222)

امام عقیلی نے اس واقعہ کو صحیح سند کے ساتھ عبداللہ بن مبارک سے مختصر نقل کیا ہے۔

(الضعفاء الکبیر ص 443 و 47)

امام عبداللہ بن یوسف فرماتے ہیں کہ

خلیفہ ہارون الرشید نے ابو یوسف سے کہا کہ میں نے ایک لوٹڈی خریدی ہے اور استبراء رحم سے قبل میں اسے موطوہ بنانا چاہتا ہوں۔ کیا اس کے جواز میں آپ کے پاس کوئی حیلہ ہے؟ قاضی صاحب فرمانے لگے کیوں نہیں؟ آپ لوٹڈی کسی بچے کو ہبہ کر دیں اور پھر اس سے شادی کر لیں۔

امام اسحاق بن راہویہ نے بیان فرمایا کہ

خلیفہ نے قاضی صاحب کورات کے وقت بلایا اور مذکورہ مسئلہ میں فتویٰ طلب کیا تو قاضی صاحب نے جواز کا فتویٰ دیا۔ تو خلیفہ نے ایک لاکھ درہم انعام کا حکم نامہ جاری فرمایا۔ تو قاضی صاحب کہنے لگے کہ اگر صبح ہونے سے پہلے ادا کرنے کا حکم صادر کرنا مناسب سمجھیں تو دے دیں؟ خلیفہ نے فی الفور ادائیگی کا حکم جاری کر دیا تو کسی نے کہا: انچی تو اب گھر جا چکا ہے۔ اور دروازے بند ہیں۔ تو قاضی صاحب فرمانے لگے! ہمیں جب بلایا گیا تھا تو اس وقت بھی دروازے بند تھے۔ میں بھی تو دروازہ کھول کر ہی یہاں آیا ہوں۔

(تاریخ الخلفاء ص 223)

شرعی احکام میں یہ حیلے بہانے محض خلیفہ کی خوشنودی اور غیر شرعی خواہشات کی تکمیل کے لیے تراشے گئے تھے۔ اسی طرح کبھی کبھار قاضی صاحب خلیفہ کی رضا جوئی اور تقرب کے لیے اپنے فقہی مسلک کو بھی قربان کر دیتے تھے۔ اختصار کے پیش نظر ایک مثال عرض ہے کہ

خلیفہ ہارون الرشید نماز عید بارہ تکبیروں کے ساتھ ادا کرتے تھے کیونکہ یہ ان کے دادا عبداللہ بن عباسؓ کا مؤقف تھا۔ ایک عید کے موقع پر قاضی ابو یوسفؒ کو بغداد ہی میں تشریف فرما تھے۔ انہوں نے نماز عید پڑھائی۔ خلیفہ بھی اس نماز میں شریک تھا تو قاضی صاحب نے اس نماز میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے موافق زوائد تکبیروں سے نماز عید پڑھائی۔

(حاشیہ ہدایہ ص 173 ج 1 و البحر الرائق ص 160 ج 2)

ابن عابدین نے تو یہی امام محمد سے بھی نقل کیا ہے۔

(فتاویٰ شامی ص 172 ج 2)

فقہ حنفی کے دو معتمد بزرگوں کا محض خلیفہ کی خوشامد و چاپلوسی کی غرض سے اپنے مؤقف کو بدل دینا۔ یہ ڈھیر سے مٹھی بھر بطور نمونہ عرض کیا گیا ہے۔ ورنہ کتب فقہ میں ایسی متعدد امثلہ موجود ہیں آج بھی حنفی علماء کا ایسا ہی کردار ہے۔ مثال کے طور پر ان کے نزدیک

غائبانہ نماز جناہ ناجائز اور حرام ہے۔ لیکن جب کوئی امراء سے یا حکمران پارٹی سے وفات پا جاتا ہے تو ان کے اکابرین ان کا باقاعدہ اہتمام کے ساتھ غائبانہ نماز جناہ ادا کرتے ہیں۔ جس کا زندہ ثبوت ضیاء الحق مرحوم کے سانحہ پر ان لوگوں نے باضابطہ اخبارات میں اشتہار دیکر لوگوں کو جمع کر کے غائبانہ نماز جناہ ادا کی۔

جرح و تعدیل :- قاضی ابو یوسف کی تعدیل اور ان پر جرح کرنے والے دونوں حضرات موجود ہیں۔ بعض اس کو ثقہ و صدوق اور بعض کاذب کہتے ہیں۔ تفصیل حسب ذیل ہے۔

امام نسائی ثقہ کہتے ہیں۔ امام عمرو صاحب سنت کہتے ہیں۔ ابو حاتم فرماتے ہیں کہ ان کی حدیث کو لکھا جائے۔ مزنی کہتے ہیں اپنے اصحاب میں سے حدیث کی سب سے زیادہ پیروی کرتے تھے۔ ابن معین فرماتے ہیں کہ اہل الرائی میں ان سے زیادہ اثبت کوئی نہیں امام یزید بن ہارون کہتے ہیں میں ان سے روایت لیتا ہوں۔ ابن عدی کہتے ہیں جب یہ ثقہ سے روایت کریں اور ان سے روایت کرنے والا بھی ثقہ ہو تو پھر ان کی روایت میں کوئی حرج نہیں۔

(میزان الاعتدال ص 447 ج 4)

جبکہ اس کے برعکس امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ ابو یوسف میری طرف وہ باتیں منسوب کرتا ہے جو میں نے نہیں کہی ہوتیں۔

(تاریخ صغیر للبخاری ص 210 ج 2 و ابن عدی ص 2603 ج 6)

ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ یہ مجھ پر جھوٹ باندھتا ہے۔

(الکامل لابن عدی ص 2603 ج 6)

امام ذریعہ فرماتے ہیں کہ صدوق ہیں مگر غلطیاں بہت زیادہ کرتے تھے۔

عبداللہ بن ادریس فرماتے ہیں کہ ابو یوسف فاسق ہے۔

(لسان المیزان ص 351 ج 6)

ابن معین فرماتے ہیں کہ یہ حدیث کو نہیں پہچانتے تھے۔

یزید بن ہارون فرماتے ہیں کہ اس سے حدیث نہ لی جائے۔

(عقیلی ص 439، 440 ج 4)

(ابن عدی ص 2602 ج 6)

امام ابن مبارک نے کذاب کہا ہے۔

رکنیت:- قاضی صاحب کی ولادت 113ھ کی ہے۔ ابتدا میں انہوں نے قاضی ابن ابی لیلیٰ سے اکتساب علم کیا بعد میں امام صاحب کے حلقہ درس میں شامل ہوئے۔ بقول احناف ان کی امام صاحب سے مصاحبت کا زمانہ سترہ سال ہے۔ تو اس حساب سے قاضی صاحب کا امام صاحب کی شاگردی میں آنا 133ھ میں بنتا ہے۔ جبکہ مجلس شوریٰ 120ھ میں قائم ہو چکی تھی۔ گویا مجلس شوریٰ قائم ہوئے تیرہ برس گزر چکے تھے۔ اب اس سے تعلیمی دور کو نکال دیا جائے تو باقی رفاقت تقریباً تین چار سال بنتی ہے۔ جس سے اس سارے افسانے کی حقیقت کھل جاتی ہے۔ قاضی صاحب کمیٹی کے اولین ممبران میں سے تھے بلکہ کمیٹی کے محرر اور ناظم بھی تھے۔

(۴۰) یوسف بن خالد سمتی ولادت 123 و وفات 190ھ ان کو بھی مجلس شوریٰ کا رکن کہا جاتا ہے۔

(انوار الباری ص 198 ج 1)

مذہب کے لحاظ سے جہمیت کے حامی و موید تھے۔ امام ابو حاتم فرماتے ہیں کہ میں نے اس کی ایک کتاب دیکھی ہے جو جہمیہ کی تائید میں اس نے لکھی تھی۔ اس میں یوسف بن خالد سمتی نے قیامت اور وزن اعمال کا انکار کیا ہے۔ (میزان ص 464 ج 4)

اسے آئمہ جرح و تعدیل نے کذاب و خبیث وغیرہ کہا ہے۔ چنانچہ امام عمرو بن علی

(تہذیب ص 411 ج 11)

امام ابو داؤد امام معمر نے کذاب کہا ہے۔

ابن معین فرماتے ہیں کہ یہ محدثین کے نزدیک کذاب ہے۔

(تاریخ صغیر للبخاری ص 224 ج 2)

ابن حبان فرماتے ہیں کہ یہ شیوخ کے نام پر روایات گھڑتا تھا۔

(کتاب الحج و حین ص 13 ج 3)

حک و اضافہ کے ساتھ منقول، از داستان حنفیہ، مؤلف حضرت استاذی المکتزم مولانا محمد بیگی گوندلوی حفظہ اللہ تعالیٰ، واللغات، مؤلفہ مولانا محمد رئیس ندوی حفظہ اللہ تعالیٰ۔

مجلس شوریٰ پر تبصرہ بلا تبصرہ

قارئین کرام یہ کیسی مجلس شوریٰ تھی جس کے تیرہ ممبر اور رکن دجال و کذاب وضع احادیث میں معروف عندالمحدثین متروک اور غیر ثقہ تھے۔ جیسا کہ 1,2,3,6,8,9,20,30,31,32,36,39,40 وغیرہ نمبروں میں تفصیل گزر چکی ہے اور اس کے بعض ارکان خفیت کے سخت مخالف تھے۔ اور بعض کا سال پیدائش ہی وہی ہے جس میں کمیٹی کی بنیاد رکھی گئی تھی۔ بلکہ بعض کی پیدائش اس کے کئی سال بعد ہوئی۔ ہر سب سے زیادہ قابل غور بات یہ ہے کہ ان چالیس افراد کا تیار کردہ مجموعہ فقہ کہاں غائب ہو گیا؟ کیا شیعہ کے غائب امام کی طرح اس مجموعہ کو بھی کوئی شوریٰ کارکن لے کر غار میں گھس گیا تھا۔ پھر سب سے اہم بات یہ کہ شوریٰ کے ان چالیس ارکان میں سے کسی رکن نے بھی اپنی کتب میں اس مجموعہ فقہ کا تذکرہ تک نہیں کیا۔ امام محمد اور قاضی ابویوسف کی کتب تو دستیاب ہیں انہوں نے بھی اس مجموعہ کا نام تک نہیں لکھا۔ یہ کیسے لوگ حافظ و ثقہ تھے کہ جن کو زبانی ایک مسئلہ بھی یاد نہ رہا کہ مجلس شوریٰ میں یہ مسئلہ بالاتفاق پاس ہو گیا تھا۔

پھر متاخرین کی کتب فقہ میں بھی ان کا ذکر نہیں ملتا کہ مجلس شوریٰ کا یہ اتحادی و اتفاقی طے شدہ مسئلہ ہے اس کی ایک مثال بھی پیش نہیں کی جاسکتی۔ حالانکہ احوال کا ذکر کرتے ہوئے مؤلف صراحت پر صراحت کرتا جاتا ہے کہ فلاں شہر والوں کا یہ فتویٰ ہے فلاں شہر کے فقہاء کا یہ قول ہے۔ مگر کسی ایک بھی فقہ کی کتاب میں اس چالیس رکنی کمیٹی کے مسائل کا تذکرہ تک نہیں کیا جاتا جس سے یہ حقیقت کھل جاتی ہے کہ فقہ حنفی کو شوریٰ کی فقہ کہنا محض یا لوگوں کی اختراع ہے۔ اس کا حقیقت سے کوئی تعلق و واسطہ نہیں۔

تقلید کے دلائل

لفظ امام اعظم کی حقیقت:-

فرماتے ہیں کہ ہم امام صاحب کو امام اعظم کہتے ہیں لیکن آئمہ کے مقابلے میں ہم تو امام صاحب کو صحابہ کرام کے مقابلے میں بھی امام اعظم نہیں کہتے چہ جائیکہ معاذ اللہ حضور علیہ السلام کے مقابلے میں امام اعظم کہا جائے۔

اگر امام اعظم صرف محمد ﷺ ہیں اور ان کے علاوہ کسی اور کے ساتھ اعظم کا لفظ لگانا گناہ ہے تو پھر فاروق اعظم بھی صرف حضرت محمد ﷺ ہوتے۔ بقول آپ کے حضرت عمر نہیں ہوتے۔ صدیق اکبر ابو بکر نہیں ہوتے بلکہ صدیق اکبر صرف نبی ﷺ ہوتے۔ قائد اعظم بھی محمد رسول اللہ ﷺ ہوتے۔ مناظر اعظم روپڑی صاحب نہیں ہوتے بلکہ مناظر اعظم حضرت محمد ﷺ ہوتے۔ خطیب اعظم شیخوپوری صاحب نہیں ہوتے بلکہ صرف محمد ﷺ ہوتے۔ پیران پیر شیخ عبدالقادر جیلانی نہیں ہوتے بلکہ پیران پیر حضرت محمد ﷺ ہوتے۔ شیخ الکل فی الکل نذیر دہلوی صاحب نہیں بلکہ شیخ الکل فی الکل حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ہوتے۔

خدا جب عقل لیتا ہے، حماقت آتی جاتی ہے آئمہ پر تمہارا سے ضلالت آتی جاتی ہے

(تحفہ اہل حدیث ص 81، 80)

الجواب:- اولاً:- لفظ "امام" ایک مشترک لفظ ہے جو انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور ہر متبوع پر بولا جاتا ہے۔ آئمہ لغت نے صراحت کی ہے کہ جس کی بھی پیروی واجتہاد کی جاتی ہو اسے امام کہتے ہیں۔ خواہ وہ قول میں ہو یا فعل میں۔

(لسان العرب ص 24 ج 12)

اللہ تعالیٰ نے امامت کے لفظ کو نبوت کے معنی میں بھی استعمال کیا ہے۔ ارشاد

ربانی ہے کہ

﴿انى جاعلك للناس اماما﴾

(البقرة: 124)

جمہور مفسرین کرام کے نزدیک یہاں امامت سے نبوت مراد ہے۔ جبکہ آپ حضرات امام ابو حنیفہ کو علی الاطلاق امام اعظم کہتے ہیں جس سے ظاہر ہوا کہ آپ ان کو انبیاء کرام اور صحابہ کرام سے معزز و برتر سمجھتے ہیں۔ کیونکہ اعظم اسم تفصیل ہے جس کا معنی ہوتا ہے معزز ترین یا بہت بڑا بزرگ۔ مگر آپ اس حقیقت کا انکار کرتے ہیں حالانکہ بعض غالی مقلدین کا یہی موقف و نظریہ ہے امام علی بن جریر فرماتے ہیں کہ

(ترکت بالکوفة قومایذعمون ان اباحنیفة اعلم من رسول اللہ ﷺ)

(تاریخ بغداد 413 ج 13)

یعنی میں نے اہل کوفہ کو اس لیے ترک کر دیا کہ ان میں سے بعض کا یہ عقیدہ تھا کہ امام ابو حنیفہ (نعوذ باللہ) خاتم المرسلین ﷺ سے بھی زیادہ علم و معرفت رکھتے تھے۔ یہ روایت سند کے لحاظ سے صحیح ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھئے (التکلیل ص 350 ج 1)

ثانیاً:- بالفرض آپ کی بات کو درست بھی تسلیم کر لیا جائے تو تب بھی غلط ہے۔ آپ مقلد اعمیٰ ہو کر آئمہ دین میں سے کسی کو امام اعظم اور باقی کو فروتر قرار دینے کا کیا حق رکھتے ہیں۔ اور آپ نے کس پیمانے سے ناپ لیا ہے کہ امام ابو حنیفہ دیگر آئمہ سے اعظم تھے۔ جبکہ حقیقت بالکل اس کے برعکس ہے۔ امام عبداللہ بن مبارک امام سفیان ثوری امام مالک امام شافعی امام احمد بن حنبل اور امام بخاری وغیرہ اور بہت سے دیگر آئمہ امام ابو حنیفہ سے علم و فضل میں بڑھ کر تھے۔ بقول امام یحییٰ بن آدم امام سفیان ثوری امام شریک بن عبداللہ اور حسن بن صالح۔

(ادرکننا اباحنیفة وما یعرف بشی من الفقه ما نعرفه الا بالخصومات)

یعنی ابو حنیفہ فقہ سے واقف و آشنا نہ تھے۔ ہم صرف یہ جانتے ہیں کہ وہ صرف خصومات سے واقف تھے۔

(تاریخ بغداد ص 406 ج 13)

پھر شاید آپ کو یاد ہو کہ نہ ہو کہ امام محمد نے امام شافعی رحمہ اللہ سے مناظرہ میں تسلیم کر لیا تھا کہ قرآن سنت اور آثار صحابہ کرام کے بڑے عالم امام ابو حنیفہ نہیں بلکہ امام مالک رحمہ اللہ ہیں۔

(مقدمہ الجرح والتعديل ص 4)

ملاحظہ:- لفظ امام اعظم جو تھی صدی ہجری کا ایجاد کردہ ہے۔ جو تھی صدی سے پہلے ابو حنیفہ پر کسی نے لفظ امام اعظم کا استعمال نہیں کیا اس کے خلاف ایک مثال بھی آپ پیش نہیں کر سکتے۔ پھر اس لقب کی پروپیگنڈہ کے ذریعے تشہیر کی گئی کہ بعد میں آنے والے غیر احناف بھی غیر شعوری طور پر اس کا استعمال کرنے لگے۔

رباعاً:- جبکہ لفظ مناظر اور خطیب امتی اور انبیاء کرام علیہم السلام کے درمیان مشترک نہیں کہ آپ ان کی امثلہ دے رہے ہیں کہ مناظر اعظم اور خطیب اعظم محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔ جبکہ اس کے برعکس لفظ امام مشترک ہے۔ علاوہ ازیں یہ بات ظاہر ہے کہ حافظ عبدالقادر رومی رحمہ اللہ اپنے وقت کے اہل حدیث کے مناظر اعظم اور شیخوپوری خطیب اعظم ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ شیخوپوری کے الفاظ ہی مقید ہونے کی دلیل ہیں۔ جس سے ثابت ہوا کہ ان بزرگوں کو ہم پوری امت مرحومہ کے بالمقابل مناظر اعظم اور خطیب نہیں کہتے۔ پھر ان کی وفات کے بعد تو اس لقب کا لاحقہ ہی ختم ہو جاتا ہے۔

خاصاً:- آپ تقلید کے نشے میں ایسے مست ہیں کہ آپ کو معلوم ہی نہیں ہو رہا کہ کیا کہہ رہا ہوں۔ حضرت ابو بکرؓ کا لقب صدیق تو واقعہ معراج کے بعد پوری امت مرحومہ میں مشہور ہو گیا تھا بلکہ خود آنحضرت ﷺ نے بھی اپنی زبان اقدس سے ان کے حق میں صدیق کا لفظ استعمال کیا ہے۔

(بخاری رقم الحدیث 3686)

صدیق کا لفظ مبالغہ کا صیغہ ہے۔ اس کے ساتھ اکبر کے لاحقہ کی ضرورت ہی نہیں۔ لیکن یہ علم و فہم کی باتیں آپ کو تقلید انہیں مل سکتیں۔ آپ کسی اہل حدیث کے مدرسہ میں داخلہ لے لیں۔ فاروق کا معنی ہوتا ہے حق و باطل کے درمیان فرق کرنے والا۔ جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمرؓ کے ایمان لانے کی دعا کی اور اللہ تعالیٰ نے اس دعا کو شرف قبولیت بخشا تو حضرت عمرؓ نے ہی مکہ میں علی الاعلان اسلام کا اظہار کیا جس سے کفر و اسلام میں تفریق ہو گئی۔ اسی وجہ سے آپ کو فاروق کہا جانے لگا۔

(لسان العرب ص 303 ج 10)

اس وجہ تسمیہ میں کسی کا اختلاف نہیں۔ اگر اس میں کوئی حرج و قباحت ہوتی تو قرآن میں اس کی ممانعت نازل ہوتی مگر ایسا نہیں ہوا۔ جس سے ثابت ہوا کہ آپ نے غلط بحث کی ہے۔ اصل جواب کی بجائے ادھر ادھر کی فضول بھرتی کر کے وقت کو ٹالنے کی کوشش کی ہے۔ اصل اعتراض اپنی جگہ پر بدستور قائم ہے کہ آپ حضرات امام ابو حنیفہ کو امام اعظم کہتے ہیں جس سے مسلمانوں کے دل مجروح ہوتے ہیں کہ اس سے توہین کا پہلو مترشح ہوتا ہے۔ بالخصوص جب امت کے ایک کثیر حصہ کو اس سے اختلاف ہے۔ ہمارا مخلصانہ مشورہ ہے کہ اس کو ترک کیجیے۔

امام ابو حنیفہ اور علم حدیث:-

قاضی ابو یوسف سے ایک طویل روایت مروی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ نے فرمایا کہ میں نے تحصیل علم کا ارادہ کیا تو دیکھا کہ فقہ کے علاوہ جتنے علوم ہیں سب کے حاصل کرنے میں بڑی زحمتیں ہیں اور انجام کے اعتبار سے بے فائدہ بھی۔ نیز تمام علوم میں عیوب بھی ہیں۔ حتیٰ کہ (نعوذ باللہ) تفسیر و حدیث کا بھی یہی حال ہے۔ اس لیے میں نے فیصلہ کیا کہ فقہ کے علاوہ کسی بھی علم کو حاصل نہیں کرونگا۔ حتیٰ کہ علم حدیث کی بابت فرمایا

(لا حاجة لی فی هذا)

مجھے علم حدیث حاصل کرنے کی کوئی بھی ضرورت نہیں۔ لہذا میں نے صرف علم فقہ حاصل کیا۔

(تاریخ بغداد ص 331 تا 332 ج 13 و عقود الجمان ص 163 تا 164 و اخبار ابی حنیفہ للصیری ص 5، 6 والخیرات الحسان ص 64)

امام صاحب کا یہ قول اس بات کی دلیل ہے کہ انہوں نے علم حدیث پڑھا ہی نہیں۔ بلکہ انہوں نے فقہ کی طرف توجہ دی اور اسی میں ہی انہوں نے کمال پیدا کیا۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ

(وكان ابوحنيفة الزهم بمذهب ابراهيم واقرانه لايجاوزه الا ماشاء الله وكان عظيم الشأن فى التخریج على مذهبه دقيق النظر فى وجوه التخریجات مقبلا على الفروع اتم اقبال وان شئت ان تعلم حقيقة ما قلنا فلخص اقوال ابراهيم واقرانه من كتاب الاثار لمحمد رحمه الله وجامع عبدالرزاق ومصنف ابى بكر بن ابى شيبة ثم قاسه بمذهبه تجده لايفارق تلك المحجة الا فى مواضع يسير فهو فى تلك اليسيرة ايضا لا يخرج عما ذهب اليه فقهاء الكوفة)

یعنی امام ابو حنیفہ ابراہیم نخعی اور ان کے ہم عصر علماء کے مذہب کو لازم پکڑتے تھے۔ اور بہت ہی کم ان سے تجاوز کرتے۔ ابراہیم نخعی کے مذہب کی تخریج میں بڑی شان رکھتے اور تخریج کی وجہ میں باریک بین تھے۔ فروع پر پوری توجہ اور انہماک تھا۔ اگر تجھے میری بات کی سچائی و تحقیق مطلوب ہے تو امام محمد کی کتاب الاثار عبدالرزاق کی جامع اور مصنف ابن ابی شیبہ میں ابراہیم نخعی اور ان کے معاصر علماء کے اقوال کو چن ڈال۔ پھر امام ابو حنیفہ کے مذہب سے مقابلہ کر لو تو اس طریقہ سے کہیں فرق نہیں پائے گا۔ مگر چند مقامات پر اور ان چند مقام پر بھی امام ابو حنیفہ دیگر فقہاء کوفہ کے مذہب سے باہر نہیں جاتے۔

(حجۃ اللہ البالغہ ص 146 ج 1)

اس عبارت پر کسی حاشیہ آرائی کی ضرورت نہیں بلکہ یہ اپنا مقصد واضح کرتی ہے کہ امام ابو حنیفہ نے اپنی پوری توجہ ابراہیم نخعی کے قواعد پر مسائل نکالنے پر لگائی۔ جس سے صریحاً ثابت ہوتا ہے کہ انہوں نے علم حدیث کی طرف توجہ نہ کی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ حدیث کی معروف کتب بالخصوص صحاح ستہ میں امام ابو حنیفہ سے کوئی روایت مروی نہیں۔ ہاں البتہ بعض روایات تیسرے اور چوتھے درجہ کی کتب میں پائی جاتی ہیں۔ لیکن ان میں بھی زیادہ مرسل، منقطع ضعیف ہیں۔ بلکہ اکثر جگہ پر تو امام صاحب کے استاذ کذاب راوی بھی ہیں۔ جن کی ضروری تفصیل خاکسار نے دین الحق ص 61, 62 ج 1 میں درج کر دی ہے۔

اور بعض جگہ پر امام صاحب مبہم راوی سے روایت کرتے ہیں مثلاً عن رجل یا عن حدیث کہہ کر روایت بیان کرتے ہیں مثلاً دیکھیے کتاب الاثار للامام ابو یوسف صفحہ 5, 6, 45, 46, 50, 63, 68, 92, 93, 80, 84, 91 پھر مرفوع روایات کی تعداد تو اس قدر کم ہے کہ وہ سندیں جیسی بھی ہیں کچھ زیادہ نہیں۔ امام ابن حبان فرماتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ کی دنیا بھر میں مسند روایات کی تعداد صرف ایک سو تیس ہے ان میں بھی ایک سو بیس میں غلطیاں کی ہیں۔ کسی کی سند بدل دی ہے اور کسی کا متن تبدیل کر دیا ہے۔

(کتاب الحجج و حین ص 63 ج 3)

آل سعود اور مبتدعین دیوبند

ہمارے معاصر نے تحفہ اہل حدیث ص 83 تا 84 میں یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ آل سعود بھی ہمارے موافق ہیں۔ پھر بعض جزوی و فروعی مسائل میں بزعم خود اختلاف ثابت کرنے کے بعد ارشاد فرماتے ہیں کہ اب بتاؤ تمہارے ہیں یا ہمارے۔ چلو ایک اور طریقے سے آڑمالو آپ بھی امام خانہ کعبہ کے پاس چلو میں بھی چلتا ہوں۔ میں کہوں گا کہ میں امام اعظم ابو حنیفہ کا مقلد ہوں۔ آپ کہیں چاروں آئمہ میں سے جو کسی کی تقلید کرے وہ

مشرک اور گمراہ ہے۔ آئمہ اربعہ میں سے کسی ایک کی تقلید سراسر گمراہی ہے۔ پھر دیکھیں گے کہ وہ امام کعبہ ہاتھ کس کے چومتا ہے اور جوتے کس کو مارتا ہے۔ پھر دیکھیں گے سعودیہ والے تمہارے ساتھ یا ہمارے ساتھ ہیں۔ انتہی بلفظ

الجواب :- اولاً:- آئیے چلتے ہیں خرچہ آپ کے ذمہ رہا کیونکہ دعوت آپ نے دی ہے۔ کعبہ کے امام کو منصف مان لیتے ہیں۔ خاکسار اکابر دیوبند کے عقائد فاسدہ اور نظریات باطلہ کی نشان دہی کرے گا۔ پھر قدرت الہی کا کرشمہ دیکھنا کہ وہ آپ کے بارے میں کیا فیصلہ صادر کرتے ہیں۔

ثانیاً:- تقلید کو صرف ہم نے ہی شرک نہیں کہا بلکہ متعدد اہل علم نے اس کے شرک ہونے کی صراحت کی ہے۔ اوروں کو جانے دیجیے آپ کے استاذ المکتزم مولانا محمد سرفراز خاں صفدر اور مولوی اشرف علی تھانوی وغیرہ نے بھی شرک کہا ہے۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے۔ ثالثاً:- مولوی احمد رضا خاں بریلوی نے 1324ھ میں علماء حرمین سے آپ کی تکفیر پر مشتمل فتویٰ حاصل کیا تھا جو حسام الحرمین کے نام سے شائع بھی ہو گیا تھا جو اب تک متعدد بار طبع ہو چکا ہے اور مارکیٹ سے دستیاب ہے۔ اس کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے۔ معتبر ہے یا غیر معتبر ہے۔ اگر غیر معتبر کہتے ہو تو ہم کس طرح مان لیں کہ آج کے فتویٰ کو مان کر اپنے عقائد فاسدہ سے آپ رجوع کر لیں گے۔

رابعاً:- بیت اللہ اور مسجد نبوی کے اماموں سے ہم یہ بھی عرض کریں گے کہ جتنی دیر سعودیہ والے غریب تھے تو دیوبندیوں کے اکابر آپ تمام حضرات پر فاسق و فاجر اور جاہل وغیرہ کا فتویٰ لگاتے تھے۔ اب چونکہ اللہ تعالیٰ نے ان پر کنوز الارض کھول دیئے ہیں جس کی وجہ سے آج کے دیباہ نے زکوٰۃ و عشر، فطرانہ و صدقات وصول کرنے کی غرض سے منافقت کا روپ دھار لیا ہے۔ ورنہ یہ لوگ درپردہ آپ کی تکفیر کے قائل ہیں۔

مولوی انور شاہ کاشمیری کہتا ہے کہ

(اما محمد بن عبدالوہاب النجدی فکانہ رجلا بليدا قليل العلم فکان

یتسارغ الی الحکم بالکفر)

محمد بن عبدالوہاب نجدی نہایت بے وقوف اور کم علم شخص تھا اور وہ مسلمانوں پر کفر کا حکم لگانے میں بہت تیز تھا۔

(فیض الباری ص 171)

مولوی حسین احمد مدنی لکھتا ہے کہ

(۱) صاحبو! محمد بن عبدالوہاب نجدی ابتداتیر ہویں صدی نجد عرب سے ظاہر ہوا اور چونکہ یہ خیالات باطلہ اور عقائد فاسدہ رکھتا تھا..... وہ ایک ظالم اور باغی خونخوار فاسق شخص تھا۔

(شہاب ثاقب ص 42)

(۲) نجدی اور اس کے اتباع کا اب تک یہی عقیدہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی حیات فقط اسی زمانہ تک ہے جب تک وہ دنیا میں تھے۔ بعد ازاں وہ اور دیگر مومنین موت میں برابر ہیں۔ اگر بعد وفات ان کی حیات ہے تو وہی حیات ان کو برزخی ہے اور احاد امت کو ثابت ہے بعض ان کے حفظ جسم نبی کے قائل ہیں مگر بلا علاقہ روح۔

(شہاب ثاقب ص 45)

(۳) زیارت رسول مقبول ﷺ و حضوری آستانہ شریف و ملاحظہ روضہ مطہرہ کو یہ طائفہ بدعت حرام و غیرہ لکھتا ہے اس نیت سے سفر کرنا محظور و ممنوع جانتا ہے۔

(لاتشدد االرحال الالی ثلثة مساجد)

ان کا استدلال ہے بعض ان میں سے سفر زیارت کو معاذ اللہ زنا کے درجہ کو پہنچاتے ہیں۔ اگر مسجد نبوی میں جاتے ہیں تو صلوة و سلام ذات اقدس نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نہیں پڑھتے اور نہ اس طرف متوجہ ہو کر دعا وغیرہ مانگتے ہیں۔

(شہاب ثاقب ص 45, 46)

(۴) وہابیہ اشغال باطنیہ و اعمال صوفیہ مراقبہ، ذکر و فکر و ارادت و مشیخت و ربط القلب

بالشیخ و فنا و بقا و خلوت و غیرہ اعمال کو فضول و لغو اور بدعت و ضلالت شمار کرتے ہیں۔ اور ان اکابر کے اقوال و افعال کو شرک و غیرہ کہتے ہیں اور ان سلاسل میں داخل ہونا بھی مکروہ و مستقہر بلکہ اس سے زائد شمار کرتے ہیں۔

(شہاب ثاقب ص 59)

(۵) وہابیہ کسی خاص امام کی تقلید کو شرک فی الرسالۃ جانتے ہیں اور آئمہ اربعہ اور ان کے مقلدین کی شان میں الفاظ واہیہ خبیثہ (جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ہو ابو صہیب) استعمال کرتے ہیں۔ اور اس کی وجہ سے مسائل میں وہ گروہ اہل سنت و الجماعت کے مخالف ہو گئے ہیں۔ چنانچہ غیر مقلدین ہند اسی طائفہ شنیعہ کے پیروکار ہیں۔ وہابیہ نجد و عرب اگرچہ بوقت اظہار دعویٰ حنبلی ہونے کا اقرار کرتے ہیں لیکن عمل درآمد ان کا ہرگز جملہ مسائل میں امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب پر نہیں ہے۔ بلکہ وہ بھی اپنے فہم کے مطابق جس حدیث کو مخالف فقہ خیال کرتے ہیں اس کی وجہ سے فقہ کو چھوڑ دیتے ہیں۔ ان کا بھی مثل غیر مقلدین کے اکابر امت کی شان میں الفاظ گستاخانہ بے ادبانہ استعمال کرنا معمول ہو گیا ہے۔

(شہاب ثاقب ص 62)

(۶) مثلاً علی العرش استویٰ وغیرہ آیات میں طائفہ وہابیہ استواظا ہری اور جہات وغیرہ ثابت کرتا ہے۔ جس کی وجہ سے ثبوت جسمیت وغیرہ لازم آتا ہے۔ (لعنۃ اللہ علی الکاذبین ابو صہیب).....

علیٰ ہذا القیاس مسئلہ نداء رسول اللہ ﷺ میں وہابیہ مطلق منع کرتے ہیں۔

(شہاب ثاقب ص 64)

الغرض اس طرح کی متعدد عبارات ہیں جس میں مدنی صاحب نے خشیت اللہی کو بالائے طاق رکھ کر دیار عرب کے لوگوں پر کذب و افترا کر کے ان کو فاسق و فاجر قرار دیا ہے۔ مولوی خلیل احمد امپٹھوی نے (التصدیقات لدفع التلبیسات ص 28، 29 میں

بھی اسی طرح کے گل کھلائے ہیں۔ اور یہ ماشاء اللہ وہ کتاب ہے جس کی تصدیق کرنے والوں میں مولوی محمود حسن خاں، مولوی احمد حسن امر وہی، مولوی عزیز الرحمن، مفتی کفایت اللہ دہلوی، مولوی اشرف علی تھانوی، مولوی شبیر احمد عثمانی اور حبیب الرحمن دیوبندی وغیرہ شامل ہیں۔ اور مبتدعین دیا نہ اس کتاب کو، عقائد اہل سنت والجماعۃ کے عام فہم نام سے شائع کرتے ہیں، مطبوعہ دارالاشاعت مقابل مولوی مسافر خانہ کراچی نمبر 1۔

مگر ہمارے معاصر کو غالباً وہاں سے صدقات وصول کرنے کا شوق دامن گیر ہے جس کی وجہ سے اپنے اکابرین کے برعکس ہم کو لگا رہا ہے کہ آئیے امام کعبہ سے انصاف کروا لیتے ہیں۔

بھائی جب ہم نے پوری حقیقت کھولی تو یقیناً جو تے منافقین کو لگیں گے۔ ہم اللہ کے فضل سے محفوظ رہیں گے۔ (ان شاء اللہ)

تفسیر عثمانی کی اشاعت :-

فرماتے ہیں کہ تفسیر عثمانی مولانا علامہ شبیر احمد عثمانی دیوبندی کی تفسیر ہے۔ شاہ فہد نے چھاپ کر پوری دنیا میں تقسیم کی ہے۔ اگر تمہارے ہیں تو تمہاری تفسیر تقسیم کرتے۔ دیوبندی کی تفسیر کبھی تقسیم نہ کرتے۔

(تحفہ اہل حدیث ص 84)

الجواب :- اولاً :- علماء اہل حدیث کی متعدد کتب کو آل سعود نے شائع کیا اور لاکھوں کی تعداد میں مفت تقسیم بھی کیا اگر ان کی فہرست بنائی جائے تو بات لمبی ہو جائے گی۔ صرف اتنا عرض کئے دیتے ہیں کہ حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ تعالیٰ کی تفسیر احسن البیان کو سعودی عرب والوں نے لکھوا کر لاکھوں کی تعداد میں مفت تقسیم کیا ہے۔

ثانیاً :- بلاشبہ سعودی عرب والوں نے تفسیر عثمانی کو شائع کیا۔ مگر جب علماء اہل حدیث کی طرف سے وضاحت کی گئی کہ اس تفسیر میں بعض شدید قسم کے غلط و باطل عقائد ہیں بالخصوص صفات باری تعالیٰ میں تاویل و تحریف کی گئی ہے اور اس کے شروع میں ہی لکھا ہے کہ

”اس آیت شریفہ سے معلوم ہوا کہ اس کی ذات پاک کے سوا کسی سے حقیقت میں مدد مانگنی بالکل ناجائز ہے ہاں اگر کسی مقبول بندہ کو محض واسطہ رحمت الہی اور غیر مستقل سمجھ کر استعانت ظاہری اس سے کرے تو یہ جائز ہے کہ یہ استعانت در حقیقت حق تعالیٰ ہی سے استعانت ہے۔“

(تفسیر عثمانی ص 2)

اس عبارت میں غیر اللہ سے استعانت کو جائز و صحیح کہا گیا ہے جو شرک کا چور دروازہ ہے۔ الغرض اس وضاحت کے بعد سعودی عرب والوں نے تفسیر عثمانی کی تقسیم بند کر دی۔ اب اگر اس کی اشاعت سعودیہ والوں سے کرادو تو ہم مان جائیں گے۔ مگر یہ کبھی بھی ممکن نہیں۔ ان شاء اللہ

تقلید کی دلیل اول:-

قرآن پاک میں ہے

﴿فاسئلو اهل الذکر ان کنتم لاتعلمون﴾

اگر تم نہیں جانتے تو اہل علم سے پوچھ لو۔

(تحفہ اہل حدیث ص 85)

پوچھ کر مان لینے کا نام ہی تو تقلید ہے۔

الجواب:- اولاً:- آپ ماشاء اللہ خطیب و امام ہیں لوگ آپ سے مسائل دریافت کرتے ہیں۔ کیا وہ آپ کے مقلد ہیں؟ اگر آپ کہہ دیں کہ چونکہ میں فقہ حنفی کے موافق فتویٰ دیتا ہوں لہذا وہ امام ابوحنیفہ کے مقلد ہوئے۔ تو جواباً عرض ہے کہ اس کی دلیل دیجیے کہ مؤول امام ابوحنیفہ کے قول پر فتویٰ دے۔ کیونکہ زیر بحث آیت میں کوئی ایسا لفظ نہیں جس کا یہ معنی ہو کہ مفتی قول امام ابوحنیفہ پر فتویٰ دے۔

ثانیاً:- عامی آپ سے سوال کرتا ہے کہ حضرت مولانا اللہ ایک ہے یا متعدد۔ آپ اس کا جواب دیتے ہیں کہ اللہ صرف ایک ہی ہے۔ یا عامی آپ سے پوچھتا ہے کہ عبادت صرف اللہ کی ہی کرنی چاہیے یا اس کے علاوہ بھی کسی کی کی جاسکتی ہے یا نہیں؟ آپ جواب دیتے ہیں

کہ عبادت خاص اللہ کی ہی کی جاتی ہے۔ وہ آپ کی بات مان لیتا ہے۔ بتائیے کہ یہ تقلید ہے کہ نہیں؟ اگر آپ کہہ دیں کہ یہ تقلید ہی ہے تو جواباً عرض ہے کہ یہ خالص جھوٹ ہے کیونکہ عقائد میں آپ بھی تقلید کے قائل نہیں۔ آپ کے استاذ المکرم فرماتے ہیں کہ اصول دین، عقائد اور منصوص احکام میں نہ تو اجتہاد جائز ہے اور نہ صرف تقلید آئمہ کرام پر اکتفاء درست ہے۔

(الکلام المفید ص 182)

جاء:۔ مفتی سے جب مستفتی حکم شریعت دریافت کرے گا تو مفتی استفتاء میں قرآن و سنت سے جواب دے گا جو دلیل شرعی ہیں۔ اور ہادلیل بات کو ماننا تقلید نہیں جیسا کہ پہلے ہم عرض کر چکے ہیں کہ تقلید کہتے ہیں کسی کے قول کو بلا دلیل قبول کرنا۔ مگر مفتی تو دلیل شرعی نقل کر رہا ہے اور مستفتی اس سے مطمئن ہو کر عمل کرتا ہے تو یہ دلیل کی پیروی ہوئی نہ کہ تقلید۔ لیکن تھنکوئی صاحب اس کا نام تقلید رکھتے ہیں حالانکہ آئمہ اصول نے صراحت کی ہے کہ عامی کا کوئی مذہب نہیں ہوتا۔ اور یہ کہ مفتی کی طرف رجوع تقلید نہیں۔

(فالرجوع الی النبی والی الاجماع لیس منه وكذاالعامی الی المفتی والقاضی الی العدول)

(مسلم الثبوت ص 350 و 27)

یعنی نبی ﷺ کی بات ماننا اجماع پر عمل کرنا یا بے علم کا عالم کی طرف رجوع کرنا یا قاضی کا گواہوں کے قول پر اعتماد کرنا تقلید نہیں ہے۔

رابعاً:۔ ارشاد ربانی ہے کہ

﴿فَسئَلُ الَّذِينَ يُقْرَأُونَ الْكُتُبَ مِنْ قَبْلِكَ﴾

(یونس: 94)

(یعنی اے محمد ﷺ) جو لوگ تم سے پہلے کی (اتری ہوئی) کتابیں پڑھتے ہیں ان سے پوچھ لو۔

تو کیا معاذ اللہ رسول اللہ ﷺ کو بھی اہل کتاب کی تقلید کا حکم ہے۔ حاشا وکلا معلوم ہوا کہ سوال کرنے کو تقلید کہنا ہی غلط ہے۔

خاصاً:- آئیے ہم آپ کو مذکورہ آیت کا معنی و مفہوم سمجھاتے ہیں۔

﴿وما ارسلنا من قبلك الا رجالا نوحى اليهم فستلوا اهل الذکر ان کنتم لاتعلمون ☆ بالبینت والذبر وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس ما نزل الیهم ولعلمهم یتفکرون ☆﴾

(النحل: 44-43)

اور ہم نے تجھ سے پہلے مردوں ہی کو رسول کر کے بھیجا ہے جن کو ہم وحی کیا کرتے تھے۔ تمہیں اگر علم نہ ہو تو علم داروں سے پوچھ لو۔ کھلے کھلے نشان اور واضح مسائل لے کر آتے رہے اور ہم نے تیری طرف نصیحت کی بات اس لیے اتاری ہے تاکہ جو کچھ لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں سے اترا ہے تو اس کو واضح کر کے بیان کر دے کہ وہ اس میں فکر کریں۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ اس آیت کے مخاطب منکرین نبوت محمدیہ ہیں اور اہل الذکر سے مراد اہل کتاب ہیں۔ اور منکرین کو دعوت فکر دی جا رہی ہے کہ اگر تم اس حقیقت سے ناواقف ہو کہ رسول بشر ہوتا ہے تو اہل کتاب سے دریافت کر لو۔ کیونکہ وہ بوجہ آپ کو بتادیں گے کہ نبی آدمی و بشر ہی ہوتا ہے۔ پھر اگلی آیت میں رسول اللہ ﷺ کا منصب بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ہم نے تیری طرف کتاب کو نازل کیا تاکہ آپ لوگوں کو سمجھادیں اور جن کی طرف نازل ہوا ہے وہ اس میں فکر و تدبر کریں۔

بھائیوں کا دعویٰ ہے کہ ان آیات میں تقلید علماء کا ذکر ہے حالانکہ غور و فکر اور تدبر کا حکم دیا گیا ہے جبکہ تقلید محض حسن ظن اور اندھی عقیدت کا نام ہے جس میں غور و فکر اور تدبر کو یکسر دخل ہی نہیں۔

تقلید کی دوسری دلیل:-

دوسری جگہ فرمایا کہ

﴿يا ايها الذين امنوا اطيعوا الله واطيعوا الرسول واولى الامر منكم﴾
اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی اور اس کے رسول کی اور مجتہدین کی۔

(تحفہ اہل حدیث ص 85)

ہمارے مہربان نے اولی الامر کا معنی مجتہدین کیا ہے جس پر دلیل یہ قائم کی ہے کہ قرآن پاک میں اولی الامر سے مراد اہل استنباط ہیں۔

(النساء: 83) (بلفظ تحفہ اہل حدیث ص 85)

الجواب:- اولاً:- ”اولی الامر“ ولی الامر کی جمع ہے ولی بمعنی کسی کو کسی علاقہ کا حاکم والی یا بادشاہ بنانا۔ مگر ہمارا معاصر اس سے منکر ہے۔ پھر صریحاً جھوٹ بولا کہ قرآن میں انہیں معنوں میں مستعمل ہوا ہے۔ حالانکہ سورہ النساء کی آیت 83 میں اولی الامر کا معنی شاہ عبدالقادر نے حاکم سردار شاہ رفیع الدین نے صاحب حکم، مولوی محمود حسن دیوبندی نے حاکموں کیا ہے۔ مگر جھٹکوی صاحب اتنے بے شرم ہیں کہ قرآن میں معنوی تحریف کرتے ہوئے بھی شرم نہیں آتی۔

ثانیاً:- آپ نے پوری آیت نقل نہیں کی۔ آگے الفاظ ربانی ہیں

﴿فان تنازعتم فی شیء فردوه الی اللہ والرسول﴾

(النساء: 59)

اگر کسی بات میں تم میں اختلاف واقع ہو تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف رجوع کرو۔

(4-59)

ان الفاظ کا مفاد یہ ہے کہ حکمران کی بھی معصیت میں اطاعت نہیں ہوتی۔ بلکہ صرف امر معروف میں ہی اس کی اتباع کی جائے گی جو دراصل اللہ ورسول کی اطاعت ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ

(ومن یطع الامیر فقد اطاعنی)

یعنی جس نے امیر کی اطاعت کی اس نے میری ہی اطاعت کی۔

(المحدث بخاری ص 415 ج 1 و مسلم ص 124 ج 2)

معصیت اور معروف میں امتیاز کے لیے نصوص کی طرف رجوع کے بغیر چارہ نہیں۔ اور یہ اجتہاد ہے ناکہ تقلید۔ الغرض اس آیت سے اگر کچھ ثابت ہوتا ہے تو وہ تقلید کا بطلان اور اجتہاد کی تلقین

کیا تقلید کا لفظ قرآن میں ہے؟ :-

پہلے اعتراض نقل کرتے ہیں کہ تقلید کا لفظ قرآن میں نہیں۔ پھر جواب تحریر کرتے ہیں کہ جنازہ کا لفظ قرآن پاک میں نہیں ہے۔ لہذا جنازے کا کوئی فائدہ نہ ہوا آپ کو بغیر جنازہ کے دفن کر دیں گے فکر مت کریں۔

(تحفہ اہل حدیث ص 86)

الجواب :- اولاً :- سوال تو بڑا معقول تھا کہ اگر واقعی اللہ تعالیٰ نے امام ابو حنیفہ کی تقلید کو فرض و واجب کہا ہے تو کیا تقلید کا لفظ قرآن میں ہے یا کہ نہیں۔
جھٹکوی صاحب اصل جواب دینے کی بجائے فضول بحث لے کر بیٹھ گئے ہیں کہ جنازہ کا لفظ بھی قرآن میں نہیں۔ حالانکہ ارشاد ربانی ہے کہ ﴿وَلاتصل علی أحد منهم مات أبدا﴾

(التوبہ: 84)

تصل سے مراد نماز جنازہ ہے۔ جملہ مترجمین نے اس کا یہی معنی کیا ہے۔ کسی مفسر و محدث و فقہی کا اس میں اختلاف نہیں۔ گویا اس پر امت مرحومہ کا اجماع ہے انکار ہے تو صرف جھٹکوی صاحب کو۔

پھر متعدد احادیث میں جنازہ کا لفظ موجود ہے۔ (بخاری۔ مسلم) مگر تقلید کا لفظ تو کسی حدیث میں بھی نہیں۔

حاشا :- بحث باطن دیکھتے کہتے ہیں آپ کو بغیر جنازہ دفن کر دیں گے فکر مت کریں۔ اتا اللہ

وانالیہ راجعون

معلوم ہوتا ہے کہ ہمارا معاصر جیسے متعصب ہے اس سے ہزار گنا زیادہ جاہل بھی ہے۔ اسے یہ معلوم نہیں کہ مومن کی نماز جنازہ فرض ہے۔ اس کے انکار کو فقہاء احناف نے بھی کفر لکھا ہے۔ کیونکہ یہ اجماع کا انکار ہے۔

(در مختار مع رد المحتار ص 207 ج 2)

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جنازہ کی فرضیت پر امت کا اجماع ہے۔ اگر بالفرض اور کوئی دلیل نہ بھی ہوتی تو اجماع ہی کافی تھا۔ مگر یہاں تو نص موجود ہے جیسا کہ ہم پہلے نقل کر چکے ہیں مگر جھٹکوی صاحب کو اہل حدیث سے اتنا شدید بغض ہے کہ وہ اس کا انکار کرتے ہیں۔

تقلید اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی

حضرت شاہ صاحب کی زندگی کے مختلف دور ہیں۔ جن میں انہوں نے متعدد تصانیف تحریر فرمائی ہیں۔ جو حصہ تصوف کے متعلق ہے اس میں ایسا مواد ملتا ہے کہ جس سے بریلویت کی خاصی تائید ہوتی ہے جو آج کل کے بریلوی علماء دیوبندی مکتب فکر پر حجت کی غرض سے نقل بھی کرتے ہیں۔

بلاشبہ شاہ صاحب کا رجحان بعض جگہ احناف کی طرف ہے۔ لیکن وہ جمود کے سختی کے ساتھ مخالف ہیں۔ آج جو بیداری کی تحریک حدیث فکر موجود ہے اس کی ابتداء حضرت شاہ صاحب سے ہوئی۔ جن کو حضرت میاں نذیر حسین محدث دہلوی اور ان کے تلامذہ نے پروان چڑھایا۔

جس دور میں حضرت شاہ صاحب نے تقلید کے خلاف آواز کو بلند کیا اور جس انداز اور فکر سے اس کو سامنے لائے وہ ایک خنیمت ہے۔ وہ تقلید و جمود کی بعض جگہ کھل کر تردید کرتے ہیں۔ جیسا کہ ہم مقلدین کا طرز عمل کے زیر عنوان حضرت شاہ صاحب کا فوز الکبیر سے کلام نقل کر چکے ہیں۔ یہ حقیقت بھی اپنی جگہ مسلم ہے کہ وہ تقلید میں تقسیم

کے قائل تھے۔ مگر یہ زمانہ کی مجبوی اور حالات کا تقاضا تھا۔ ورنہ شاہ صاحب جمود کے زبردست مخالف تھے۔ حجۃ اللہ البالغہ میں الکلام علی الفرق بین اہل الحدیث و اہل الرای اور الکلام علی حال الناس قبل المائۃ الرابعۃ کے ابواب کی اسماٹ قابل دید ہیں جو ہمارے موقف کی مؤید ہیں۔

شیخ عبدالقادر جیلانی

حضرت شاہ صاحب ایمان میں زیادتی اور کمی کے قائل ہیں۔ وہ اعمال کو ایمان کا حصہ نہتے ہیں۔

(غنیۃ الطالبین ص 143 مترجم طبع مکتبہ رحمانیہ لاہور 1394ھ)

اسی طرح وہ صفات باری تعالیٰ میں تاویل کے قائل نہیں بلکہ تاویل کے قائلین کو انہوں نے گمراہ فرقوں میں شمار کیا ہے۔ غنیۃ ص 192 اہل بدعت کی وہ یہ پہچان بتاتے ہیں کہ وہ اہل حدیث کو جھوٹا کہتے ہیں اور ان کی غیبت کرتے ہیں۔

(غنیۃ ص 175)

سب سے اہم بات یہ ہے کہ انہوں نے حنفیہ کو گمراہ فرقوں کے ضمن میں شمار کرتے ہوئے انہیں مرجیہ و جہمیہ قرار دیا ہے۔

(غنیۃ ص 193, 192)

مگر ہمارے جھنگوی صاحب بعض جزوی مسائل کا ذکر کرتے ہوئے آخر اپنے راگ کی تان اس پر توڑتے ہیں کہ باقی اگر صرف رفع الیدین سے آدمی غیر مقلد بن جاتا ہے تو شیعہ رافضی سارے اہل حدیث غیر مقلد ہیں۔

(تحفہ اہل حدیث ص 87)

بالالکہ شیعہ تقلید کے قائل ہیں اور اس کو وہ لازم و ضروری اور واجب کا درجہ دیتے ہیں۔
(توضیح المسائل ص 4-1 مؤلفہ ثمنی)

رہارفع الیدین کا معاملہ تو وہ متعدد مقامات پر مزید بھی کرتے ہیں۔ لہذا اشتراک نہ رہا۔ جبکہ شیخ عبدالقادر اور ہماری نماز میں رفع الیدین کے مسنون طریقہ میں اشتراک ہے۔ جبکہ مکحول نسفی نے امام ابوحنیفہ سے نقل کیا ہے کہ جو رکوع کرتے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع الیدین کرے تو اس کی نماز فاسد ہو جاتی ہے۔

(الجواہر المضمیۃ ص 180 ج 2)

گو بعض حنفیہ نے اس کی صحت سے انکار کیا ہے۔

(الفوائد السببیہ ص 217)

مگر ان کا عمل اسی پر ہی ہے کہ مبتدعین دیا نہ کو جتنی چیز اس سنت سے ہے شاید ہی کسی دوسری سے ہو۔ حالانکہ یہ رسول اللہ ﷺ کی سنت متواترہ ہے۔ (الازہار الممتاثرہ)

صحابہ کی تقلید

فرماتے ہیں کہ بعض صحابہ مجتہد تھے اور بعض غیر مجتہد۔ تو دوسرے صحابہ کرام مجتہد صحابہ کرام کی تقلید کرتے تھے۔ نبی ﷺ کے زمانہ میں یمن میں حضرت معاذ کی تقلید شخصی ہوتی رہی۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اپنی کتاب الانصاف میں فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام مختلف شہروں میں پھیل گئے۔ ہر شہر میں کسی نہ کسی صحابی کی تقلید ہوتی تھی۔ حضرت ابن عباسؓ کی مکہ میں، حضرت زید بن ثابت کی مدینہ میں، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی کوفہ میں اور بصرہ میں حضرت انسؓ کی تقلید ہوتی تھی۔

(تحفہ اہل حدیث ص 90)

الجواب :- اولاً :- یہ سب کذب وافترا اور مؤلف کی خود ساختہ کہانی ہے۔ ہمارا چیلنج ہے کہ وہ کسی صحیح و معتبر سند سے ان صحابہ کرام کی تقلید ثابت نہیں کر سکتا۔ راقم حیران ہے کہ یہ شخص خدا اور رسول پر افترا کرنے میں اور صحابہ پر بہتان باندھنے میں اس قدر جری و دلیر کیوں ہے؟

ثانیاً:- حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے صحیح سند کے ساتھ مروی ہے کہ

((لا یقلدن احدکم دینہ رجلاً))

یعنی دین میں کوئی شخص کسی کی تقلید نہ کرے۔

(طبرانی کبیر ص 152 ج 9)

ہیشمی فرماتے ہیں اس کے راوی صحیح کے راوی ہیں۔

(مجمع الزوائد ص 185، ونی نمۃ الاخری ص 182 ج 1)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ

(وقد صح اجماع الصحابة کلهم اولهم عن اخرهم واجماع التابعین اولهم
عن اخرهم واجماع تبع التابعین اولهم عن اخرهم علی الامتناع والمنع من
ان یقصد احد الی قول انسان منهم او ممن قبلهم فی اخذہ کلہ)

(عقد الجید ص 40)

یعنی بلاشبہ تمام صحابہ کرام، تابعین عظام اور تبع تابعین کا اول تا آخر اس بات پر اجماع
ہو چکا ہے کہ کوئی شخص اپنے میں سے یا سابقین میں سے کسی عالم کے سب اقوال پر عمل نہ
کرے۔

لیکن اس حقیقت کے برعکس جھنگوی صاحب کہتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ ایک دوسرے کی تقلید
کرتے تھے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

ثالثاً:- اگر لوگ ان صحابہ کرام کی تقلید کرتے تھے تو کیا وجہ ہے کہ آپ حضرات صحابہ کرام
کی تقلید کی بجائے امام ابوحنیفہ کی تقلید کرتے ہیں۔ اور صحابہ کرام کی تقلید سے منع کرتے
ہیں۔ جیسا کہ ابن ہمام نے ”التحریر“ میں صراحت کی ہے۔

(بحوالہ مجموعہ فتاویٰ عبدالحمی ص 193 ج 3)

کتنے ستم کی بات ہے کہ آپ کہتے ہیں کہ حضرت انسؓ کی بصرہ میں تقلید ہوتی
تھی۔ مگر آپ کا جید عالم اور خبیث اللسان کوثری حضرت انسؓ کے بارے میں بکواس کرتے

ہوئے تحریر کرتا ہے کہ

(وقدانفرد بروایة الرضخ انسؓ فی عهد هرمة كانفراده بروایة شرب ابوال
الابل فی روایة قتادة.....ومن رای ابی حنیفة ان الصحابة رضی الله عنهم
مع كونهم عدولا لیسوا بمعصومین من مثل قلة الضبط الناشئة من لامية
اوکبر السن)

(تانیب الخطیب ص 117 طبع مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ)

یعنی اس روایت کو نقل کرنے میں حضرت انسؓ منفرد ہیں جو بڑھاپے اور ان پڑھ ہونے کی
وجہ سے قلیل الضبط تھے۔ اسی طرح وہ اونٹ کا پیشاب پینے والی روایت میں بھی منفرد ہیں
۔ اور ابو حنیفہ کا اصول یہ ہے کہ صحابہ معصوم نہیں ان پڑھ یا بڑھاپے کی وجہ سے قلت ضبط کی
بنا پر ان سے روایت حدیث میں غلطی ہو سکتی ہے۔ نیز انسؓ غیر فقیہ بھی تھے اور غیر فقیہ سنی
الحفظ صحابہ کی روایت فقیہ کے مقابلہ میں مرجوح ہے۔

دیکھیے کوثری نے حضرت انسؓ سے مروی مرفوع احادیث کو رد کرنے کے لیے ان کے
بڑھاپے اور ان پڑھ ہونے کا عذر کیا ہے۔ اور ان کو غیر فقہی کہہ کر اپنے خبث باطن کا اظہار
کیا ہے۔

گزارشات کا مقصد یہ ہے کہ جھنگوی صاحب اپنے اکابرین کی تقلید کی وجہ سے
درپردہ عقیدہ تو یہی رکھتے ہیں کہ حضرت انسؓ غیر فقہی، ان پڑھ، اور بڑھاپے کے سبب
سترے بترے گئے تھے۔ (معاذ اللہ) لیکن یہاں صرف مطلب برآری کے لیے ان کو بصرہ
کا فقہی کہہ کر ان کی تقلید ثابت کر رہے ہیں۔

اہل حدیث کے تقلیدی مسائل

ہمارے فاضل بھائی کو یہ بھی شکوہ ہے کہ اہل حدیث بعض غیر منصوص مسائل میں تقلید
کرتے ہیں لیکن مانتے نہیں ہیں۔ پھر جذباتی انداز میں فرماتے ہیں کہ غیر منصوص مسائل ہم

جن بزرگوں سے لیتے ہیں ان کو دعائیں دیتے ہیں، غیر مقلدین جن بزرگوں سے مسائل لیتے ہیں ان کو گالیاں دیتے ہیں بس فرق اتنا ہے، اس کے بعد انہوں نے تقریباً بیس مسائل کی نشاندہی کی ہے۔

(تحفہ اہل حدیث ص 92-90)

الجواب:- اولاً:- حاشاء وکلاہم کسی بزرگ کو گالیاں نہیں دیتے یہ آپ کا خالص افتراء ہے۔
ثانیاً:- یار آپ بڑے خود غرض ہیں کہ صرف جن سے مسائل اخذ کرتے ہیں صرف ان کے حق میں ہی دعائے مغفرت کرتے ہیں۔ حالانکہ قرآن تو فوت شدہ جملہ مومنین کے حق میں مغفرت کی دعا کی تلقین کرتا ہے۔

ثالثاً:- اگر اخذ و استفادہ تقلید ہے تو امام ابو حنیفہ بھی ابراہیم نخعی کے مقلد تھے۔ جیسا کہ ہم حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا کلام نقل کر چکے ہیں کہ امام ابو حنیفہ ابراہیم نخعی کے اصول و قواعد پر مسائل کا استخراج کرتے تھے اور ان کے اقوال سے باہر نہیں جاتے تھے۔

رابعاً:- یہ بھی غلط بیانی ہے کہ ہم جن سے مسائل لیتے ہیں ان کو دعا خیر سے ہی یاد کرتے ہیں امام ابو حنیفہ نے جابر جعفی سے کسب فیض کیا تھا ان سے ان کی روایات بھی ہیں دیکھئے جامع المسانید ص 304 ج 1

مگر اسی جابر کے متعلق خود ہی فرماتے ہیں کہ میں نے اس سے بڑھ کر کسی کو جھوٹا نہیں دیکھا۔
(میزان ص 380 ج 1 و کتاب القراءۃ ص 34)

جب آپ کے مقتدا کی یہ حالت ہے تو آپ کی بہر حال فروتر ہوگی۔

اس سے بھی بڑھ کر سنئے کہ امت مرحومہ کے سب سے زیادہ محسن صحابہ کرام ہیں۔ مگر ان میں سے بعض کو غیر فقہی (بے وقوف) کہا گیا ہے۔

خامساً:- ہمارے نزدیک اصل دلائل تو قرآن و حدیث ہی ہیں لیکن قرآن و سنت کے مفہوم اور معانی میں ہم سلف صالحین سے خروج کو جائز نہیں جانتے۔ حضرت حافظ عبد اللہ روبروی مرحوم فرماتے ہیں کہ

جو شخص سلف کی رائے پر اپنی رائے کو ترجیح دے وہ اہل حدیث نہیں۔

(فتاویٰ اہل حدیث ص 646 ج 2)

الغرض ہم اصول و فروع میں صحابہ کرام کے منہج پر گامزن ہیں۔ جو چیز قرآن و سنت سے نہ ملتی ہو اسے ہم آثار صحابہ سے لیتے ہیں۔ غیر منصوص مسائل میں ہم اولہ اربعہ کے قائل ہیں۔ لیکن جمود کے منکر ہیں۔ پوری امت مرحومہ کے فقہاء کے اقوال کو پیش نظر رکھ کر کوئی فیصلہ کرتے ہیں۔ ہمارا اور آپ کا فرق یہ ہے کہ آپ امام ابو حنیفہ کے قواعد پر مسائل کا استنباط کرتے ہیں اور نظیر پر نظیر کو محمول کر کے مسئلہ کا حل تلاش کرتے ہیں مگر ہم پوری امت مرحومہ کا امام ابو حنیفہ کو وارث نہیں مانتے۔ بہر حال آئیے آپ کے پیش کردہ مسائل کا ترتیب وار جواب تحریر کرتے ہیں ان کو ملاحظہ کیجیے۔

بھینس کی حلت :-

ہمارے بھائی کو یہ شکوہ ہے کہ بھینس کو نام لے کر قرآن و حدیث میں حلال نہیں ٹھہرایا گیا اس میں غیر مقلد تقلید کرتے ہیں مگر مانتے نہیں؟

(تحفہ اہل حدیث ص 90)

الجواب :- اولاً :- حاشا وکلا ہم حلت و حرمت میں کسی کی تقلید کریں یہ آپ کا ہم پر خالص افتراء ہے۔ ہمت ہے تو اس کا ثبوت دیں کہ اہل حدیث بھینس کو فلاں امام کی تقلید میں حلال جانتے ہیں۔ حوالہ کسی اہل حدیث محقق کا ہو اور صحیح ہو۔ کیونکہ آپ کو جھوٹ بولنے کی کثرت سے عادت ہے۔

ثانیاً :- شریعت میں حلت و حرمت کے متعلق قاعدہ یہ ہے کہ حرام کو بیان کر دیا گیا ہے اور حلال کی وضاحت نہیں کی گئی۔ ارشاد بانی ہے کہ

﴿وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ﴾

(الانعام: 119)

اور جو حرام ٹھہرا دی ہیں ان کی تفصیل بیان کر دی ہے۔

(119-6)

جانوروں کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے یہ اصول بتایا ہے کہ

((کل ذی ناب من السباع فاکلہ حرام))

(صحیح مسلم ص 147 ج 2، و مشکوٰۃ ص 359)

ہر چکی والا درندہ کھانا حرام ہے۔

حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ

((نہی رسول اللہ ﷺ عن کل ذی ناب من السباع و کل ذی مخلب من الطیر))

(صحیح مسلم ص 147 ج 2، و مشکوٰۃ ص 359)

رسول اللہ ﷺ نے ہر چکی والے درندے اور پنچے کے ساتھ شکار کرنے والے پرندے کے کھانے سے منع کیا ہے۔

اس ارشاد نبویؐ کی روشنی میں ہر عاقل و سمجھدار دیکھ سکتا ہے کہ بھینس ذی ناب درندہ ہے کہ نہیں۔ اگر چکی والی درندہ نہیں۔ یقیناً نہیں تو فرمان نبوی اور دستور سے یہ حلال ثابت ہوئی۔ اس میں بھلا تقلید کی کونسی بات ہے۔

علاء: ابن عباس فرماتے ہیں فما احل هو حلال مما حرم فهو حرام وما سکت عنه فهو عفو (ابوداؤد کتاب الاطعمۃ باب ما لم یدکر تحریرہ حدیث نمبر 3800)

اللہ تعالیٰ نے جس کو حلال قرار دیا ہے وہ حلال ہے اور جس کو حرام قرار دیا ہے وہ حرام ہے اور جس سے خاموشی اختیار کی ہے وہ قابل عفو ہے ترمذی اور ابن ماجہ میں حضرت سلمان فارسی سے مرفوع حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وما سکت عنه فهو مما عفا عنه شیخ البانی اور گوندلوی نے اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے جس سے واضح ہے کہ شریعت نے جس چیز سے خاموشی اختیار کی ہے وہ دراصل حلت کے حکم میں ہے۔ بھینس کے بارہ میں شریعت نے کہیں حرام ہونے کا حکم نہیں لگایا جس سے ظاہر ہے کہ بھینس حلال ہے۔ مگر

تھنکوی اس اصول سے ناواقف ہے اس لئے اہل حدیث پر تقلید کا الزام لگاتا ہے۔
 رابعاً۔ کیا آپ امام ابوحنیفہ سے صحیح سند کے ساتھ ثابت کر سکتے ہیں کہ انہوں نے بھیئس
 کا نام لے کر اس کی حلت کی وضاحت کی ہو۔ دیدہ باید

سنن و فرائض کی تقسیم:-

اس کے تحت وہی پرانی رام کہانی پیش کرتے ہیں کہ سنن و فرائض کی حدیث سے
 تقسیم ثابت نہیں جبکہ فقہ سے ثابت ہے۔ اور یہ تقلید ہے۔

(تحفہ اہل حدیث ص 91)

اس کا جواب راقم تفصیل سے عرض کر چکا ہے اور احادیث صحیحہ سے ثبوت دے چکا ہے۔

قنوت میں ہاتھ اٹھانا:-

فرماتے ہیں کہ اہل حدیث و تروں میں ہاتھ اٹھا کر دعا کرتے ہیں۔ یہ امام شافعی کی
 تقلید کرتے ہیں یہ مسئلہ حدیث میں نہیں ہے۔

(تحفہ اہل حدیث ص 91)

الجواب:- اولاً:- آپ نے حدیث پڑھی نہیں صرف آپ کو ایک سال دورہ پڑا تھا اور نہ اس
 پر حدیث موجود ہے۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ

((فلقد رايت رسول الله ﷺ في صلاة الغداة رفع يديه فدعا عليهم)) (الحدیث)

(مسند احمد ص 137 ج 3)

میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ صبح کی نماز میں آپ نے ہاتھ اٹھا کر دشمنان اسلام پر
 بددعا کی۔

علامہ البانی نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

(ارواء الغلیل ص 181 ج 2)

یہ حدیث گو قنوت نازلہ کے بارے میں ہے لیکن قنوت وتر کو بھی یہ شامل ہے۔

سیدنا عمر فاروقؓ، ابن عباسؓ، عبداللہ بن مسعودؓ اور ابو ہریرہؓ قنوت وتر میں ہاتھ اٹھاتے تھے۔
(قیام اللیل ص 230 و مرعاۃ ص 300 ج 4)

ثانیاً:- اس سنت مصطفیٰ ﷺ کے منکرو اور تعامل صحابہ سے بغاوت کرنے والو ذرا اس کی بھی وضاحت کیجیے تکبیر کہہ کر رفع الیدین کرتے ہوئے دوبارہ ہاتھ باندھ کر دعا قنوت مانگنے کا آپ کے پاس کیا ثبوت ہے۔ یہاں حدیث مرفوعہ درکار ہے کیونکہ ہم نے مرفوع متصل اور صحیح حدیث پیش کی ہے۔

مسئلہ طلاق ثلاثہ:-

فرماتے ہیں کہ مسئلہ طلاق میں ابن تیمیہ کی تقلید کرتے ہیں۔

(تحفہ اہل حدیث ص 91)

الجواب:- اولاً:- جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ہو۔

ثانیاً:- ایک دم دی گئی طلاق ثلاثہ کے ایک ہونے پر قرآن و حدیث کے دلائل ہمارے ساتھ ہیں۔ تفصیل دین الحق حصہ دوم میں راقم نے بیان کر دی ہے۔ یہاں اختصار کی بنا پر عرض ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی پوری زندگی مبارک، حضرت ابو بکر صدیقؓ کی پوری مدت خلافت میں اور ابتداء خلافت فاروقی کے دو سالوں تک (ایک مجلس میں دی گئی) تین طلاقوں کو ایک رجعی طلاق شمار کیا جاتا تھا۔ جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی صحیح مرفوع متصل حدیث اس پر گواہ ہے۔

(صحیح مسلم ص 477 ج 1)

حضرت رکانہؓ نے ایک مجلس میں اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں تو رسول اللہ

ﷺ نے اسے ایک ہی رجعی طلاق قرار دیا تھا۔

(مسند احمد ص 265 ج 1 و بیہقی ص 339 ج 7 و ابویعلیٰ ص 64 ج 2)

ثانیاً:- آپ بھی ذرا وضاحت کریں کہ حلالہ میں آپ کن لوگوں کے مقلد ہیں۔ اگر آپ

غور کریں تو اس رسم بد میں آپ کفار عرب کی تقلید کرتے ہیں۔ حضرت عقبہ بن عامرؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں تم کو ادھار لیا گیا ساڈنہ بتاؤں؟ صحابہ نے عرض کیا کیوں نہیں یا رسول اللہ ﷺ، تو آپ ﷺ نے فرمایا

((هو المحلل لعن الله المحلل والمحلل له))

وہ حلالہ کرنے والا ہے اللہ کی لعنت ہو جس نے حلالہ کیا اور جس نے کروایا۔

(ابن ماجہ (1936) مستدرک حاکم ص 198 ج 2 و بیہقی ص 208 ج 7)

اس ارشاد نبوی کے برعکس حنفیہ کا موقف یہ ہے کہ حلالہ اگر اس غرض سے کیا جائے کہ حلالہ کرنے والا یہ قصد کر لے کہ یہ عورت میرے پہلے بھائی کے لیے حلال ہو جائے تو اس کی اس نیت پر اسے اجر ملے گا۔

(فتح القدیر ص 34 ج 4 والبحر الرائق ص 58 ج 4)

ثناء و تعوذ کا آہستہ پڑھنا:-

فرماتے ہیں نماز میں ثناء، تعوذ آہستہ پڑھنا چاہیے۔ فقہ کا مسئلہ ہے اس میں غیر مقلدین اہل فقہ کی تقلید کرتے ہیں۔

(تحفہ اہل حدیث ص 91)

الجواب:- اولاً:- ہمیں آپ سے ایک شکوہ ہے وہ یہ کہ آپ خود مطالعہ کر کے اعتراض نہیں کرتے بلکہ ماسٹر محمد امین صفدر کی قے خوری کرتے ہیں۔ لیکن نام نہیں لیتے۔

ثانیاً:- اگر آپ کتب فقہ کی بجائے سنت سے محبت کے جذبہ سے کتب حدیث اور اسوۂ رسول ﷺ کو پڑھتے تو یقیناً آپ ایسا فضول دعویٰ نہ کرتے۔ حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ

((كان رسول الله ﷺ يسكت بين التكبير وبين القراءة اسكاته، قال، احسبه قال، هنية

فقلت بابي وامى يا رسول الله ﷺ اسكاتك بين التكبير وبين القراءة ماتقول قال اقول،

اللهم باعد بينى وبين خطاياى كما باعدت بين المشرق والمغرب اللهم نقنى من

الخطایا کما ینقی الثوب الابيض من الدنس اللهم اغسل خطایای بالماء والثلج
والبرد))

رسول اللہ ﷺ تکبیر تحریمہ اور قرأت کے درمیان تھوڑی دیر خاموش رہتے (ابوزرعہ کہتے
ہیں کہ میں سمجھتا ہوں کہ ابوہریرہؓ نے یوں کہا کہ

یا رسول اللہ ﷺ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں آپ تکبیر تحریمہ
اور قرأت کے درمیان کی خاموشی میں کیا پڑھتے ہیں؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں
پڑھتا ہوں

((اللهم باعد بینی وبين خطایای کما باعدت بین المشرق والمغرب اللهم نقنی من
الخطایا کما ینقی الثوب الابيض من الدنس اللهم اغسل خطایای بالماء والثلج
والبرد))

(بخاری ص 103 ج 1 و مسلم ص 219 ج 1)

ایک دوسری حدیث میں آتا ہے کہ حضرت انسؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نماز میں
قرأت کو الحمد للہ رب العلمین سے شروع کرتے۔

(بخاری ص 103 ج 1 و مسلم ص 172 ج 1)

ان دونوں احادیث صحیحہ مرفوعہ سے ثابت ہوا کہ قرأت سے پہلے ثناء تعویذ جبر سے نہیں بلکہ
آہستہ پڑھنا مسنون ہے۔

حالیہ:- حنفی مقلدین جو ثناء پڑھتے ہیں اس کا کیا ثبوت ہے کیا آپ اس پر کوئی مرفوع حدیث
پیش کر سکتے ہیں؟ یقیناً نہیں ہم آپ کو سنت مصطفیٰ پر عمل کی دعوت دیتے ہیں۔ اللہ آپ
کو توفیق دے۔

امام کی تکبیرات انتقال کو مقتدی بلند کیوں نہیں کہتا؟:-

اس سلسلہ میں جھنگوی صاحب نے تکبیر تحریمہ اور سلام کا ذکر کیا ہے کہ اس کی

تقسیم حدیث سے ثابت نہیں کہ امام بلند کہے اور مقتدی آہستہ۔ بلکہ یہ فقہ کا مسئلہ ہے۔

(تحفہ اہل حدیث ص 91)

الجواب :- اولاً:- نماز ذکر ہے۔

﴿واقم الصلوٰۃ لذکری﴾ (طہ: 14)

اور میرے ذکر کے لیے نماز پڑھا کرو (20-14) اور ذکر میں اصل اٹھنا ہے۔ ارشاد بانی ہے

﴿ادعوا ربکم تضرعاً وخفیۃ﴾

(الاعراف: 55)

اپنے رب کو عاجزی اور چپکے چپکے سے پکارو۔

نماز تو بالخصوص ذکر ہے اور اس میں شرعی طور پر اٹھنا ہے، اور اس پر صحیح، صریح، حدیث موجود ہے۔ تفصیل کے لئے کتاب ہذا کا حصہ اول فصل چہارم میں (16) عداوت اہل حدیث میں حدیث رسول ﷺ کا انکار کے زیر عنوان ملاحظہ کریں۔

قارئین کرام جب آپ نے اس بات کو بخوبی سمجھ لیا ہے، تو اب جہاں اور جس جگہ کے لیے جبر ثابت ہو گا وہ تو بلند آواز سے کہے گا باقی اصل حالت اٹھنا میں رہیں گے۔ امام کا تکبیر تحریمہ، سلام پھیرنا اور دیگر تکبیرات انتقال کا بلند آواز سے کہنا احادیث متواترہ سے ثابت ہے۔ اس کا انکار محض ضد اور تعصب کی وجہ سے کیا جا رہا ہے۔ اور یہ لاعلاج مرض ہے۔ الغرض حدیث میں امام کی تکبیرات و تحمید کے بلند آواز سے کہنے کا ذکر موجود ہے۔

(بخاری ص 114 ج 1 و بیہقی ص 18 ج 2)

جبکہ مقتدی کا تکبیرات وغیرہ کا بلند کہنا ثابت نہیں پوری امت محمدیہ کا نسل در نسل تواتر سے مقتدی کا آہستہ کہنا ہی عمل ہے۔ نبی کریم ﷺ نے مرضی الموت میں سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امامت کرنے کا حکم فرمایا، جماعت کھڑی ہو گئی، تو خود رسول اللہ ﷺ بھی تشریف لے آئے، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بازو میں بیٹھ کر امامت کروائی، مگر رسول اللہ کی آواز بوجہ بلند نہ تھی، جس کی وجہ سے مکہ کی ضرورت پیش آئی اور

حضرت ابو بکر مکرم بن کر تکبیرات انتقال بلند آواز سے کہنے لگے، بخاری میں ہے کہ
 و ابو بکر یسمع الناس التکبیر، رقم الحدیث (712) باب من اسمع الناس تکبیر الامام،
 یعنی حضرت ابو بکر لوگوں کو نبی ﷺ کی تکبیر سنا رہے تھے،
 اگر امام اور مقتدی دونوں ہی بلند آواز سے تکبیرات کہنے کے مکلف ہوتے تو سیدنا ابو بکر کو
 مکرم بننے کی ضرورت نہ تھی۔

ثانیاً:- امام تو تکبیرات وغیرہ کو بلند آواز سے مقتدی کے لیے کہتا ہے تاکہ وہ متابعت کرے
 جیسا کہ حدیث ہے کہ امام اس لیے بنایا جاتا ہے کہ اس کی پوری پوری اقتدا کی جائے جب وہ
 تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو۔

(الحدیث مسلم ص 177 ج 1)

یہ حدیث برہان ہے کہ امام کو تکبیرات بلند کہنی چاہئیں جبکہ مقتدی کے بلند کہنے کا ثبوت
 آپ دیجیے۔

ثالثاً:- جب مقتدی تکبیرات و تحمید اور باقی اذکار نماز کو جہر سے ادا کرے گا تو منازعت کی
 صورت پیدا ہوگی۔ اور یہ بالاتفاق ناجائز ہے۔

حضرت عمران بن حصینؓ راوی ہیں کہ

رسول اللہ ﷺ نے ظہر کی نماز پڑھائی (پھر نماز کے بعد) فرمایا کہ تم میں سے کس
 نے میرے پیچھے سبح اسم ربك الاعلیٰ پڑھا تھا۔ ایک شخص نے عرض کیا میں نے پڑھا تھا
 ۔ اور میرا ارادہ اس سے صرف ثواب تھا۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ

((قد علمت ان بعضکم حالخنیہا))

میں سمجھا کہ تم میں سے کوئی مجھ سے قرآن چھین رہا ہے۔

(صحیح مسلم ص 172 ج 1؛ نسائی ص 111 ج 1؛ ابوعوانہ ص 132 ج 2؛ مسند احمد

ص 431 ج 4)

اس فرمان میں اللہ کے رسول ﷺ نے مقتدی کو بلند آواز سے پڑھنے سے منع کیا ہے۔

جیسا کہ امام نووی نے (شرح صحیح مسلم) میں 'علامہ ابن عبدالبر نے (التمہید ص 52 ج 11) میں اور علامہ شوکانی نے (نیل الاوطار ص 229 ج 1) میں صراحت کی ہے۔

علامہ محمد طاہر فتنی مرحوم حنفی المتونی 986ھ فرماتے ہیں کہ

(خَلَجُ جَهْرٍ خَلْفَهُ قَارِي فَقَالَ: خَالَجْنِيهَا أَي نَازَعْنِيهَا كَأَنَّهُ يَنْزِعُهَا مِنْ لِسَانِهِ وَلَا يَدِلُّ عَلَى مَنَعِ الْقِرَاءَةِ لِأَنَّهُ إِنَّمَا نَكَرَ الْجَهْرَ بَلْ فِيهِ أَنَّهُمْ كَانُوا يَقْرَأُونَهَا خَلْفَهُ)

یعنی خَلَجُ کا مفاد یہ ہے کہ پڑھنے والے نے آپ کے پیچھے بلند آواز سے پڑھا تھا۔ تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ

(خَالَجْنِيهَا) یعنی مجھ سے جھگڑا کر رہا تھا جیسا کہ وہ میری زبان سے الفاظ قرآن کو چھین رہا ہے۔ تو یہ الفاظ نبوی قرآن خلف الامام کی ممانعت پر دلالت نہیں کرتے۔ کیونکہ آپ علیہ السلام نے اس شخص پر انکار بلند آواز کے پڑھنے پر کیا ہے جس سے ثابت ہوا کہ صحابہ کرام آپ علیہ السلام کے پیچھے قرآن کرتے تھے۔

(مجمع بحار الانوار ص 83 ج 2)

لیجیے جناب اس حدیث سے ثابت ہوا کہ مقتدی کا وظیفہ یہ ہے کہ وہ اذکار نماز کو آہستہ پڑھے لیکن کسی خاص ذکر کا بلند کرنا ثابت ہو تو وہ جدا ہے۔

رابعاً:- فقہ سے آپ کی کیا مراد ہے؟ اگر فقہ فی الدین ہے تو اس کے ہم منکر نہیں بلکہ اصل امت کے فقہا ہی محدثین ہیں۔ اگر فقہ سے آپ کی مراد اقوال الرجال اور فقہ حنفی کے متون و شروح ہیں تو بتائیے کہ یہ فقہ پہلے مرتب ہوئی یا نماز کی فرضیت؟ اور ان کے اذکار و اکران کی کما حقہ رسول اللہ ﷺ نے توضیح و تشریح کی تھی یا کہ نہیں؟

اگر آپ کہہ دیں کہ نماز بعد میں فرض ہوئی اور اس کی پوری تفصیل اللہ کے حبیب ﷺ نے بیان نہیں کی اور فقہ حنفی کے متون و شروح اس سے پہلے کے ہیں تو یہ اتنا ہے۔ جھوٹ ہے جو تمہارے کے سوا شیطان بھی بولتے ہوئے شرمائے۔ اگر آپ اس بات کا اقرار

کر لیں کہ واقعی نماز کی فرضیت پہلے ہوئی اور اس کی پوری وضاحت رسول اللہ ﷺ نے بیان کر دی تھی تو اس اعتراف سے آپ کے سارے دعوے باطل و مردود ہو گئے۔ کیونکہ آپ نے صاف اقرار کر لیا کہ امام ابو حنیفہ کی پیدائش 80ھ سے پہلے بھی امت مرحومہ نماز ادا کرتی تھی اور یہ طریقہ نماز پوری امت مرحومہ میں معروف تھا۔ تیج تابعین نے تابعین کرام سے اخذ کیا اور تابعین نے صحابہ کرام سے اس طریقہ نماز کو سیکھا۔ یہ اب آپ کی صواب دید پر ہے کہ بتائیں کہ صحابہ کرام نے نماز کس سے سیکھی؟ حضرت محمد ﷺ سے یا آپ کے فقہاء سے؟ اگر آپ کہتے ہیں کہ ان مسائل کا حدیث سے ثبوت نہیں تو اس کا معنی یہ ہوگا کہ فقہ حنفی کی تدوین تک دین ناقص تھا اس کی تکمیل فقہ حنفی کی تدوین کے بعد ہوئی ہے۔

خامساً:- آپ حنفی ہیں کہ امام ابو حنیفہ کے مقلد ہیں۔ آپ اس کی صراحت کریں کہ امام ابو حنیفہ نے ان مسائل کو کہاں بیان کیا ہے؟ یہاں بعد کے فقہاء کا نام نہ لینا بلکہ صریحاً امام ابو حنیفہ کا قول پیش کرنا۔ اگر آپ صحیح سند سے امام ابو حنیفہ کا قول پیش کر دیں تو ہم آپ کو حق محنت کے عوض یک صد روپیہ انعام دیں گے۔ اگر آپ پیش نہ کر سکے یقیناً پیش نہیں کر سکیں گے تو پھر کس منہ سے فقہ کا نام لیتے ہو؟

امام کا سلام بلند اور مقتدی کا آہستہ :-

فرماتے ہیں کہ امام سلام با آواز بلند کہتا ہے۔ مقتدی آہستہ آواز سے یہ مسئلہ فقہ کا ہے حدیث کا نہیں۔

(تحفہ اہل حدیث ص 91)

الجواب :- اولاً:- آپ غلط بیانی کرنے کے عادی ہیں ورنہ یہ مسئلہ فقہ کی بجائے۔ حدیث سے ثابت ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے نماز سے فارغ ہونے کو لوگوں کے بلند آواز سے اللہ اکبر کہنے سے جان لیتا تھا۔ (بخاری کتاب

الصلوة باب الذکر بعد الصلوة) حضرت ابن عباس نے سچے تھے اور آخری صف میں کھڑے ہوتے تھے، جنہیں نبی ﷺ کے سلام کی آواز نہ پہنچ پاتی، سلام کے بعد جب صحابہ کرام مل کر اللہ اکبر کہتے تو وہ جان لیتے کہ رسول اللہ ﷺ نے سلام پھیر دیا، (فتح الباری) اس سے ثابت ہوا کہ صحابہ کرام آنحضرت ﷺ کی اقتداء میں سلام کو آہستہ کہتے تھے۔ الغرض یہ مسئلہ حدیث اور امت مرحومہ کے تواتر عمل جو نسل در نسل چلا آرہا ہے سے ثابت ہے۔ گویا اس پر امت کا اجماع ہے۔ الغرض یہ مسئلہ توفیقہ حنفی کے مرتب ہونے سے پہلے بلکہ امام ابوحنیفہ کی پیدائش سے بھی قبل امت مرحومہ کا معمول بہ تھا۔ لہذا آپ یہ ثابت کریں کہ فقہ حنفی کے مرتب ہونے سے قبل مسلمانوں میں آج کے عمل کے برعکس تعامل تھا۔ اگر آپ ثابت نہیں کر سکتے یقیناً ثابت نہیں کر سکتے تو پھر کس منہ سے فقہ کا نام لیتے ہو؟

ثانیاً:- امام کے تکبیرات انتقال بلند آواز سے کہنے پر حدیث موجود ہے۔ (بخاری ص 114 ج 1) اس کی حکمت یہی ہے کہ مقتدی امام کی متابعت کرتے ہوئے اس کی اقتداء کرے اگر امام سلام کو آہستہ کہے گا تو مقتدی کو کیسے پتہ چلے گا کہ امام نے سلام پھیر دیا ہے۔ خصوصاً جبکہ نمازی نے اسوۂ رسول اللہ ﷺ کی پیروی میں تشہد میں اپنی نگاہ کو دائیں ہاتھ کی انگلی پر مرکوز رکھا۔

(ابوداؤد مع عون ص 376 ج 1 و نسائی ص و ابن خزیمہ (718) و ابوعوانہ ص 226 ج 2 و بیہقی ص 132 ج 2)

اس سے واضح ہے کہ مقتدی کو تشہد کی حالت میں پیش امام کی طرف دیکھنے کی بجائے رفع سبابہ کرتے ہوئے انگلی پر نگاہ رکھنا مسنون ہے۔ جبکہ سلام کے متعلق شرعی حکم ہے کہ جب امام سلام کہے تو تم بھی سلام پھیر دو۔ جیسا کہ عتبان بن مالک بیان کرتے ہیں کہ

((صلینا مع النبی ﷺ فسلمنا حين سلم)) (بخاری رقم الحدیث 838)

یعنی ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز ادا کی اور ہم نے اس وقت سلام پھیرا جب آپ علیہ السلام نے سلام پھیرا تھا۔

اگر رسول اللہ ﷺ نے پوشیدہ و آہستہ سلام پھیرا تھا تو صحابہ کرام (جن میں حضرت ابو بکر صدیقؓ جیسے متقی و عابد بھی تھے) کو کیسے پتہ لگ گیا کہ آنحضرت ﷺ نے سلام پھیر دیا ہے۔ جس سے واضح ہوا کہ امام سلام کو بلند آواز سے ہی کہے گا اور یہ مسنون طریقہ ہے۔ ہاں البتہ مقتدی آہستہ ہی سلام کہے گا کہ اس کے بلند کرنے پر کوئی شرعی دلیل موجود نہیں۔

ملاحظہ:- یہ طریقہ تو امت مرحومہ میں اجماع کے ساتھ تو اتر سے نسل در نسل چلا آ رہا ہے آپ اس میں اختلاف ثابت کریں اور پھر تقلید ابو حنیفہ کی وجہ سے اتفاق ثابت کریں تو ایک بات ہے، خالی آپ کے دعویٰ کو کون سنتا ہے۔

راجعاً:- آپ کے نزدیک تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد اگر نمازی نے سلام پھیرنے کی بجائے کوئی فعل منافی نماز کے جان بوجھ کر کر دیا مثلاً کلام کر دیا یا ہوا خارج کر دی تو اس کی نماز ہو جائے گی۔ (مستملی ص 298) اس کا ثبوت دیجیے۔

رکوع کی تسبیحات:-

فرماتے ہیں کہ رکوع و سجدہ کی تسبیحات آہستہ پڑھنی چاہئیں یہ مسئلہ فقہ کا ہے حدیث کا نہیں۔

(تحفہ اہل حدیث ص 91)

الجواب:- اولاً:- حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے بعد جن لوگوں کے پیچھے نمازیں ادا کی ہیں ان میں سے سب سے زیادہ رسول اللہ ﷺ کی نماز کے مشابہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی نماز تھی اور ہم نے آپ کی رکوع و سجدات کی تسبیحات کا اندازہ دس تسبیحات لگایا۔

(ابوداؤد ص 331 ج 1 و بیہقی ص 110 ج 2)

جس سے ثابت ہوا کہ رسول اللہ ﷺ رکوع و سجدہ کی تسبیحات کو آہستہ کہتے تھے

اور خیر القرون میں اسی پر عمل تھا۔ اگر بلند آواز سے کہی جانی تھیں تو حضرت انس اندرہ کی بجائے فرماتے ہم نے دس تسبیحات کو شمار کیا۔

ثانیاً:- آپ یہ ثابت کریں کہ اس پر تو اتر سے امت مرحومہ میں تعامل نہیں ہے۔ اگر آپ یہ ثابت نہ کر سکیں تو پھر فقہ کا نام کس منہ سے لیتے ہو؟

ثالثاً:- یہ تو بتائیے کہ آپ کے نزدیک رکوع و سجدہ کی تسبیحات کے بغیر نماز ہو جاتی ہے اس کا کیا ثبوت ہے؟

جماعت سنن کی ہوتی ہے کہ فرائض کی:-

فرماتے ہیں کہ سنتیں اکیلی پڑھی جاتی ہیں۔ جماعت صرف فرضوں کی ہوتی ہے۔ یہ مسئلہ فقہ کا ہے حدیث کا نہیں ہے۔

(تحفہ اہل حدیث ص 91)

الجواب:- اولاً:- اس پر اس قدر احادیث ہیں کہ اگر ان کو ہم لکھنا شروع کر دیں تو بات لمبی ہو جائے گی۔ مگر جھنگنوی صاحب دوپہر کے وقت سورج کا انکار کرنے کی قسم کھائے بیٹھے ہیں۔ بہر حال مختصر عرض ہے کہ

ہم جو دن میں پانچ نمازوں کے ساتھ بارہ سنن پڑھتے ہیں یہ دراصل نوافل ہیں۔ جیسا کہ صحیح حدیث میں اس کی وضاحت ہے۔

(مسلم ص 250)

ان کے متعلق آنحضرت ﷺ کا معمول یہ تھا کہ انہیں گھر میں ادا کرتے تھے۔ ام

المؤمنین صدیقہ کائنات حضرت عائشہؓ راویہ ہیں کہ

((كان يصلي في بيتي قبل الظهر اربعاً ثم يخرج فيصلی بالناس ثم يدخل فيصلی ركعتين وكان يصلي بالمغرب ثم يدخل فيصلی ركعتين ويصلی بالناس العشاء ويدخل بيتي فيصلی ركعتين وكان يصلي من الليل تسع ركعات فيهن الوتر

وكان بصلی لیلاطویلاقائما ویلاطویلاقاعدواوکان اذا قرا وهو قائم رکع
وسجدوهوقائم ونا قرا قاعدا رکع وسجدوهوقاعدوکان اذاطلع الفجر صلی
رکعتین))

(مسلم ص 252 ج 1)

یعنی آپ علیہ السلام میرے گھر میں ظہر سے پہلے چار رکعت (نفل) پڑھتے تھے، پھر باہر
تشریف لے جاتے اور لوگوں کے ساتھ فرض نماز پڑھتے تھے اور پھر گھر میں آکر دو رکعت
(نفل) پڑھتے تھے اور لوگوں کے ساتھ مغرب پڑھتے پھر گھر آکر دو رکعت (نفل) پڑھتے
اور لوگوں کے ساتھ عشاء پڑھتے اور پھر میرے گھر تشریف لا کر دو رکعت (نفل) پڑھتے
اور رات کو نور کعت پڑھتے انہیں میں وتر ہوتا اور لمبی رات تک کھڑے کھڑے پڑھتے تھے
اور لمبی رات تک بیٹھ کر پڑھتے اور کھڑے ہو کر قرأت فرماتے تو رکوع و سجود بھی کھڑے
ہو کر کرتے تھے۔ اور جب قرأت بیٹھ کر کرتے تو رکوع و سجود بھی بیٹھ کر کرتے تھے
۔ اور جب طلوع فجر ہو جاتی تو دو رکعت (نفل) پڑھتے۔

(ترجمہ صحیح مسلم ص 616 ج 1، مترجم مولوی عبدالرحمن صدیقی کاندھلوی دیوبندی طبع
قرآن محل کراچی)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ آنحضرت ﷺ جماعت کراتے وقت فرض
ادا کرتے تھے اور سنن گھر میں منفرد پڑھتے تھے۔

ثانیاً:- متعدد احادیث میں جماعت کی نماز پر، 'صلوٰۃ فجر'، 'صلوٰۃ ظہر'، 'صلوٰۃ عصر'، 'صلوٰۃ مغرب'،
'صلوٰۃ عشاء' کے الفاظ بولے گئے ہیں۔ مثلاً امامت جبریل کے واقعہ کو ہی دیکھ لیجیے۔
ہمارا یہ دعویٰ ہے کہ یہ فقط فرائض پر ہی بولا جاتا ہے جس کا قرینہ متعدد احادیث میں

((صلی قبل الظہر اربعاً))

کے الفاظ ہیں اور امامت جبریل میں بھی

((صلی بی الظہر))

وغیرہ کے الفاظ ہیں۔ (مسند احمد ص 17333 و ابوداؤد ص 1762 وغیرہ

لہذا آپ کسی دلیل شرعی سے ثابت کریں کہ یہ الفاظ نوافل و فرائض کے درمیان مشترک ہیں مثلاً اگر کسی نے ظہر کے وقت میں چار رکعت نوافل ادا کئے تو ان نوافل پر بھی قرآن و سنت میں ((صلوٰۃ الظهر)) وغیرہ کے الفاظ بولے گئے ہیں۔ اگر آپ یہ ثابت کر دیں تو آپ کو منہ مانگا انعام دیا جائے۔ یہ بات الگ ہے کہ تھنگوی صاحب انعام سے محروم رہے۔ آپ کیا اگر قاسم نانوتوی اور رشید احمد گنگوہی اور محمود حسن خاں بھی زندہ ہو کر آجائیں تو اس کا ثبوت پیش نہیں کر سکتے۔ جب یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ گئی تو اب سنئے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت مالک بن حویرثؓ کو حکم دیا تھا کہ

((فاذا حضرت الصلوٰۃ فلیوذن احدکم ثم لیومکم اکبر کم))

یعنی جب نماز کا وقت آئے تو تم میں سے کوئی ایک اذان کہے اور سب سے بڑا امامت کرائے۔

(صحیح مسلم ص 236 ج 1)

حافظ:۔ حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ کی حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ فرض نماز کے لیے اذان کے ساتھ جماعت کروائی جائے۔ جبکہ آپ یہ ثابت کریں کہ اذان کے ساتھ نوافل کی جماعت کروانا بھی جائز ہے۔ دیدہ باید

آمین کو بلند آواز سے کہنے کا ثبوت:-

فرماتے ہیں کہ صبح، مغرب، عشاء میں مقتدی کا آمین بلند کہنا اور ظہر اور عصر کی نماز میں نہ کہنا یہ حدیث کا مسئلہ نہیں ہے۔

(تحفہ اہل حدیث ص 91)

الجواب:- اولاً:- یہاں مؤلف نے اس دعویٰ کو ترک کر دیا ہے کہ یہ فقہ کا مسئلہ ہے حالانکہ ثابت تو یہ کر رہے ہیں کہ اہل حدیث بھی مقلد ہیں مگر تقلید کی دلیل دینے کی بجائے عمل اہل حدیث کا ثبوت مانگ رہے ہیں۔

ثانیاً:- آمین کے عمل کو بیان کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب امام آمین کہے تو تم بھی آمین کہو۔

(بخاری ص 108 ج 1 و مسلم ص 176 ج 1)

جس سے ثابت ہوا کہ جہری نمازوں میں آمین جہر سے اور سری میں سری کہی جائے گی۔ وجہ یہ کہ اگر امام نے آمین ہی آہستہ کہی تو مقتدی کو کیسے پتا چلے گا کہ امام نے آمین کہی ہے ظاہر ہے کہ یہ صورت صرف جہری نمازوں میں ہی پیش آسکتی ہے۔

ثالثاً:- امام محمد نقل کرتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ کا قول ہے کہ امام آمین بلند یا آہستہ کہے ہی نہ (اف لکم) (موطا امام محمد ص 103) یہی قول علامہ خوارزمی حنفی نے علامہ سرخسی کی مبسوط سے نقل کیا ہے۔

(کفایہ شرح ہدایہ ص 256 ج 1)

تفصیل دین الحق ص 314 ج 1 میں دیکھئے اس کا ثبوت دیجیے۔

اگر تعوذ و ثناء رہ جائے:-

فرماتے ہیں کہ ایک آدمی کی تعوذ یا ثناء رہ جاتی ہے اس کی نماز ہوگی یا نہیں ہوگی۔ یہ مسئلہ فقہ کا ہے حدیث کا نہیں ہے۔

(تحفہ اہل حدیث ص 92)

الجواب:- اولاً:- ایک طویل حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابی سے دریافت کیا کہ اے میرے بھتیجے جب تو نماز ادا کرتا ہے تو تو کیسے قرأت کرتا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ

((اقرأ بفاتحة الكتاب واسأل الله الجنة واعوذ به من النار وانی لا ادري ما دندنتك

ولادندنة معاذ فقال النبي ﷺ انی ومعاذ حول هاتین))

میں سورہ فاتحہ پڑھتا ہوں، اللہ سے جنت کا سوال کرتا ہوں اور دوزخ سے پناہ مانگتا ہوں۔ مجھے

نہیں معلوم کہ آپ علیہ السلام کیا قرأت کرتے ہیں اور معاذ کیا کرتا رہتا ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں اور معاذ بھی جنت اور دوزخ کے ارد گرد گھومتے رہتے ہیں۔

(سنن ابی داؤد مع عون ص 292 ج 1)

اس کی سند صحیح ہے۔ (اور ایک ضعیف روایت ابن عباسؓ میں بھی سورہ فاتحہ پر اقتصار کی صراحت ہے۔

(مسند احمد ص 282 ج 1 و بیہقی ص 62 ج 2)

یہ حدیث اس بات پر گواہ ہے کہ اگر شمارہ جائے تو نماز ہو جاتی ہے۔
 ہائیا:۔ حنفیہ کا مؤقف ہے کہ مسبوق جب باقی نماز کو ادا کرنے کے لیے کھڑا ہو تو وہ ثنا و تعوذ کو پڑھے۔

(فتاویٰ عالمگیری ص 91 ج 1)

اس عمل پر آپ کے پاس کیا ثبوت ہے کہ مقتدی باقی ماندہ رکعات میں ثنا پڑھے۔ دیدہ باید
سجدوں کے درمیان بیٹھنے کی کیفیت:-

فرماتے ہیں کہ دو سجدوں کے درمیان ہاتھ کہاں رکھنے چاہئیں۔ یہ مسئلہ حدیث سے ثابت نہیں ہے۔ فقہ سے ثابت ہے۔

(تحفہ اہل حدیث ص 92)

الجواب:- اولاً:- کیا رسول اللہ ﷺ نے نماز میں بیٹھنے کا طریقہ نہیں بتایا؟ اگر بتایا ہے یقیناً بتایا ہے تو پھر یہ اعتراض لغو ہے۔

ہائیا:۔ آپ کا دعویٰ ہے کہ فقہ حنفی قرآن و سنت کا نچوڑ ہے تو اس میں کہا گیا ہے کہ تشہد کی طرح بیٹھے۔

(مستملی ص 322)

سوال یہ ہے کہ آیا یہ قرآن و سنت کے موافق ہے یا مخالف؟ اگر آپ کہہ دیں کہ یہ قرآن و سنت کے موافق ہے تو خود آپ کی زبانی ہی اعتراض لغو ثابت ہوا اور اگر یہ کہہ دیں کہ یہ قرآن و سنت سے ماخوذ نہیں، تو آپ کا دعویٰ کہ فقہ حنفی قرآن و سنت کا نچوڑ ہے، باطل ہوا۔

تالیق:- جس صحابی نے جلدی جلدی، ازاد کی تھی اس کو آپ ﷺ نے دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھنے کی کیفیت بتاتے ہوئے کہا تھا کہ

((فأقعد على فخذك اليسرى))

یعنی دونوں سجدوں کے درمیان ہائیں ران پر بیٹھ

(ابوداؤد مع عون ص 17321)

اس فرمان نبوی کے برخلاف حنفیہ ہائے موقف ہے کہ

دونوں پاؤں دائیں طرف بچھا کر سرین پر بیٹھیں (مستملی ص 333 و نماز مسنون ص 371)

اس پر آپ قرآن و سنت سے کوئی واضح دلیل پیش کریں

رابعاً:- یہ دعویٰ آپ کے مسلمات کے خلاف ہے کیونکہ فریقین کے نزدیک اس میں ہاتھ رکھنے کی کیفیت تشہد کی طرح ہے اور اس شخص سے زیادہ نادان و جاہل کون ہے جو خصم پر ایسا اعتراض کرتا ہے جس کی زد میں وہ خود آتا ہو۔ رہا یہ اعتراض کہ یہ تقلید ہے بھائی یہ تقلید نہیں اجماعی مسائل میں موافقت ہے۔ آپ تصنیف و تالیف کی بجائے پہلے علوم رسمہ میں تبحر حاصل کریں۔

رکوع کے بعد ہاتھوں کو کھولنا:-

فرماتے ہیں کہ قومہ میں ہاتھ چھوڑ دیتے ہیں یہ مسئلہ حدیث کا نہیں اس میں غیر مقلدین اہل فقہ کی تقلید کرتے ہیں۔

(تحفہ اہل حدیث ص 92)

الجواب:- اولاً:- ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ موافقت اور تقلید میں فرق ہے۔ کسی اصول میں موافقت کا نام تقلید نہیں رکھا۔ حضرت عمر فاروقؓ کی رائے کے موافق متعدد آیات قرآن میں نازل ہوئیں تو کیا اللہ تعالیٰ بھی عمر فاروقؓ کی تقلید کرتا تھا۔ لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلیٰ العظیم۔ آپ تصنیف کی بجائے کسی اچھے طبیب سے اپنا علاج کروائیں اور ساتھ ساتھ لا حول کا وظیفہ بھی کریں اور زیادتی علم کی دعا بھی کریں ان شاء اللہ اس اکسیر سے شفاء ہوگی۔

ثانیاً:- حالت قیام سے جب اللہ کے رسول اللہ ﷺ رکوع میں جاتے تو باندھے ہوئے ہاتھ کو کھول کر رفع الیدین کرتے پھر رکوع میں جاتے جیسا کہ ابن عمرؓ کی حدیث۔

(بخاری ص 102 ج 1 و مسلم ص 165 ج 1 اور حضرت وائل بن حجرؓ کی حدیث، مسلم ص 173 ج 1 سے ثابت ہوتا ہے، اب حالت قیام میں ہاتھوں کو کھولنا تو ثابت ہوا۔ رکوع کے بعد کے قیام میں باندھنا کسی حدیث سے ثابت نہیں۔ لہذا ثابت ہوا کہ رکوع کے بعد قومہ میں ہاتھوں کو لٹکا کر رکھنا ہی مسنون ہے۔

شرائط نماز:-

فرماتے ہیں کہ غیر مقلدین کی نماز کی شرائط حدیث سے نہیں ملتیں۔ شرائط نماز میں احناف کی تقلید کرتے ہیں۔

(تحفہ اہل حدیث ص 92)

الجواب:- اولاً:- شرائط نماز سے آپ کی کیا مراد ہے؟ اگر وہی ہے جو حنفی بیان کرتے ہیں تو آپ پہلی فرصت میں اپنے استاذ المکرم صوفی عبدالحمید سواتی کی تالیف نماز مسنون ص 264 تا 274 تک مطالعہ کریں جہاں انہوں نے قرآن اور احادیث سے شرائط نماز کو بیان کیا ہے اگر ان کے دلائل صحیح ہیں تو آپ کا اعتراض لغو ہے۔

ثانیاً:- شرائط نماز میں احناف نے تطہیر بدن، تطہیر ثیاب، تطہیر مکان، ستر عورت، قبلہ کی طرف رخ، اور نیت کو شمار کیا ہے۔ اب آپ صراحت سے بیان کریں کہ ان میں سے کس

چیز کا قرآن و حدیث میں ذکر نہیں؟ مگر مجھے یقین کامل ہے کہ آپ کسی چیز کے متعلق دعویٰ نہیں کر سکتے۔ ہاں البتہ آپ نے آگے نمبر 16 میں نماز کی نیت کا ذکر ضرور کیا ہے۔ حالانکہ اسلام کا دستور و قانون ہے کہ اعمال کا دار و مدار نیت پر موقوف ہے جیسا کہ حدیث میں ہے۔
(انما الاعمال بالنیات))

(بخاری ص 217 و مسلم ص 140 ج 2)

اگر آپ کی نیت سے مراد عوام الناس میں معروف طریقہ زبان سے نیت کرنے کا ہے تو اس کا کوئی بھی اہل حدیث قائل نہیں بلکہ تمام ہی اسے بدعت سیئہ کہتے ہیں۔ کیونکہ نماز کی ابتداء نبی ﷺ اللہ اکبر سے کرتے تھے۔ اور تمہارے خود ساختہ الفاظ ادا نہیں فرماتے تھے۔
حالیہ:- جس طرح اللہ کے پیارے رسول حضرت محمد ﷺ نے نماز ادا کی ہے وہ تمام طریقہ ہی دراصل ارکان نماز سے ہے۔ حضرت بالک بن حورثؓ کو رسول اللہ ﷺ نے نماز کے معاملہ میں تاکید کرتے ہوئے فرمایا کہ
(صلوا کما راہتمونی اصلی))

تم نماز اس طرح پڑھو جس طرح تم نے مجھ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔

(بخاری باب الاذان للمسافرین الحمد ص 63)

اس سے واضح ہوا کہ جو شخص جان بوجھ کر نبی ﷺ کے طریقہ کے مطابق نماز نہیں پڑھتا اس کی نماز نہیں ہوتی۔ مثلاً نبی ﷺ نماز کا سلام کے ساتھ اختتام کرتے تھے اب اگر کوئی شخص سلام کی جگہ پر جان بوجھ کر ہوا خارج کر دے تو اس کی نماز بے کار ہے۔

کیا اہل حدیث ابن حجر کے مقلد ہیں؟:-

فرماتے ہیں کہ اسماء الرجال میں غیر مقلدین امام ابن حجر کی تقلید کرتے ہیں۔

(تحفہ اہل حدیث ص 92)

الجواب:- اولاً:- اس کا جواب صرف لعنت اللہ علی الکاذبین کافی ہے۔

ثانیاً:- آپ نے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی کتب رجال کا غالباً مطالعہ نہیں کیا ورنہ ایسا دعویٰ نہ کرتے۔ بھائی انہوں نے تہذیب اور لسان میں آئمہ جرح و تعدیل کے اقوال کو جمع کیا ہے۔ اور راوی کے ثقہ و ضعف پر دلائل نقل کیے ہیں ان کو قبول کرنا گواہی کے زمرے میں آتا ہے۔ تقلید کی تعریف اس پر فٹ نہیں ہوتی۔

ثالثاً:- جرح و تعدیل کی بنیاد امور محسوسہ یعنی مسوعات و مشاہدات پر ہے نہ کہ قیاس و اجتہاد یا ظن و تخمین پر

رابعاً:- تقریباً تمام مقلدین حضرات اہل حدیث، کو غیر مقلد کے نام سے مخاطب کرتے ہیں۔ جھنگوی صاحب وضاحت کریں کہ اہل حدیث کو غیر مقلد کہنے میں اکابرین دیوبند کاذب ہیں یا پھر آپ؟

روزہ و قربانی کی فرضیت:-

فرماتے ہیں کہ روزہ فرض ہے، قربانی فرض ہے، یہ حدیث میں لفظ نہیں ہیں۔ احناف کی تقلید کرتے ہیں۔

(تحفہ اہل حدیث ص 92)

الجواب :- اولاً:- روزے کی فرضیت کا تو قرآن کریم میں واضح بیان ہے۔ یا ایہا الذین آمنوا کتب علیکم الصیام اور کتب کا یہاں معنی صرف اور صرف فرض ہے۔ بھلا بتاؤ قرآن چھوڑ کر فقہ حنفی کی تقلید کوئی اہل حدیث کر سکتا ہے؟

ثانیاً:- غالباً آپ نے مشکوٰۃ بھی نہیں پڑھی ورنہ حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ رمضان المبارک کا مہینہ آگیا ہے۔

((فرض اللہ علیکم صیامه))

اللہ تعالیٰ نے اس کے روزے تم پر فرض کیے ہیں۔

(مسند احمد و نسائی بحوالہ مشکوٰۃ ص 173)

علاوہ ازیں روزے کی فرضیت تو قرآن سے ثابت ہے آپ کسی اہل حدیث مدرسہ میں داخلہ لے کر پہلے قرآن پاک کا ترجمہ ضرور پڑھیں۔

تالیف:- اہل حدیث اور جمہور امت کے نزدیک قربانی سنت ہے۔ یہی امام محمد اور طحاوی کا قول ہے تفصیل کے لیے دیکھئے (مرعاۃ ص 71 ج 5)

لہذا آپ کا قربانی کی فرضیت کو اہل حدیث کی طرف منسوب کرنا ہی غلط بیانی ہے اور اسے احناف کی تقلید میں باور کرنا ذلیل جھوٹ ہے۔

نماز جنازہ کی ترتیب:-

فرماتے ہیں کہ، غیر مقلدین جنازے میں جو ترتیب رکھتے ہیں یہ ترتیب حدیث پاک میں نہیں ہے۔ یعنی پہلی تکبیر کے بعد ثناء، تعوذ، تسمیہ، فاتحہ، اگلی سورت، دوسری تکبیر کے بعد درود ابراہیمی، تیسری تکبیر کے بعد بارہ تیرہ دعائیں اکٹھی کرنا، یہ طریقہ جنازہ کا کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں۔

(تحفہ اہل حدیث ص 92)

الجواب:- اولاً:- صرف قرآۃ فاتحہ میں اختلاف ہے باقی تمام چیزوں میں اشتراک ہے۔ ایک سے زیادہ دعاؤں کا پڑھنا، احناف کو بھی مسلم ہے۔ (نماز مسنون ص 732)

اسی طرح ترتیب بھی فریقین کے نزدیک اختلافی نہیں کیونکہ اس کی حدیث سے تائید ہوتی ہے۔ حضرت ابوامامہ سہل بن حنیفؓ بیان کرتے ہیں کہ نماز جنازہ میں سنت طریقہ یہ ہے کہ پہلے تکبیر کہی جائے، اس کے بعد سورہ فاتحہ پڑھی جائے، پھر نبی ﷺ پر درود بھیجا جائے اور درود کے بعد خلوص نیت سے میت کے حق میں مغفرت کی دعا کی جائے پھر پست آواز سے دائیں جانب سلام پھیرا جائے اور قرآۃ صرف پہلی تکبیر کے بعد کی جائے۔ (مصنف عبدالرزاق ص 489، 490 ج 3، ابن ابی شیبہ ص 296 ج 3، المحلی

لابن حزم ص 353 ج 3)

یہ حدیث سنن نسائی ص 228 ج 1 میں بھی مختصر مروی ہے جس میں ہے کہ سنت یہ ہے کہ سورہ فاتحہ کو سر اُڑھے پھر تین تکبیریں کہے اور آخری تکبیر کے ساتھ سلام پھیرا جائے۔ اس حدیث کی سند صحیح ہے اور اس سے ترتیب نماز جنازہ ثابت ہے۔ رہا یہ کہ سورہ فاتحہ کے ساتھ کوئی اور سورۃ ملانا تو یہ بھی سنت سے ثابت ہے۔
جیسا کہ حضرت ابن عباسؓ کی صحیح حدیث میں ہے۔

(نسائی ص 228 ج 1 و بیہقی ص 38 ج 4 و ابن حبان ص 69 ج 6)

ثانیاً:- آپ اس امر کی وضاحت کریں کہ حنفیہ کا جو یہ مؤقف ہے کہ جس میت پر نماز جنازہ نہ پڑھا گیا اس پر جتنی دیر تک یہ گمان ہو کہ لاش پھٹ نہ گئی ہوگی تب تک اس کا جنازہ پڑھنا مشروع ہے۔ اس کے بعد نہیں۔ اس پر آپ کے پاس قرآن و سنت سے کیا دلیل ہے؟
علاوہ ازیں آپ جس مسجد کے خطیب ہیں اس کے بانی محترم حافظ عبدالشکور رحمہ اللہ کو دیوبندی حضرات نے مسجد کے صحن میں دفن کر رکھا ہے اور ان کی قبر کے ارد گرد پکی دیوار بنا رکھی ہے اور سنگ مرمر کا کتبہ لگا کر ان کا نام اور سن وفات وغیرہ درج ہے۔ اس کی دلیل آپ کے پاس کیا ہے؟ قرآن و سنت سے نہ سہی اپنے امام ابو حنیفہ سے ہی اس کے جواز پر کوئی قول پیش کر دیں۔ معلوم ہوا کہ آپ مقلد بھی نہیں صرف عوام کو مغالطہ دے رکھا ہے۔

ثالثاً:- نماز جنازہ میں ثناء کا پڑھنا کسی اہل حدیث کا مؤقف نہیں، الغرض آپ کا اس مسئلہ کو اہل حدیث کی طرف منسوب کرنا جھوٹ ہے۔ پھر اسے تقلید اکہنا ذلیل جھوٹ ہے۔
اللہ تعالیٰ آپ کو جھوٹ بولنے اور لکھنے کی بری عادت سے توبہ کی توفیق دے۔

رابعاً: جھنگوی صاحب کے اعتراض کا اصل مقصود نماز جنازہ میں کثرت سے دعائیں کرنے پر ہے حالانکہ یہ حدیث سے ثابت ہے حضرت یزید بن رکانہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب جنازہ پڑھتے تو یہ دعا کرتے (آگے دعا کا ذکر ہے) ثم یدعو ما شاء اللہ ان یدعو، پھر رسول اللہ ﷺ جو اللہ کو منظور ہوتا وہ جنازے میں دعائیں کرتے۔ (طبرانی کبیر

249/22 (647) وابن قانع بحوالہ الاصابہ 515/6 رقم الترجمہ (9279) علامہ البانی نے اس حدیث کو صحیح تسلیم کیا ہے۔ (احکام الجنائز ص 159)

اس حدیث کے علاوہ حضرت عوف رضی اللہ عنہ کی روایت بھی اس کی دلیل ہے، جس میں وہ یہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کی اقتداء میں جنازہ پڑھا اور آپ کی دعا سے یہ دعا یاد کی۔ فحفظت من دعائه (صحیح مسلم) یہ حدیث بالکل اسی طرح ہے جس طرح جھنگوی صاحب کا یہ فقرہ ہے، غیر ملقہین نماز کے بعد دعا کو بدعت کہتے ہیں، (تحفۃ اللمحذ ص 66) حالانکہ مبتدعین فرض نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر ڈھیروں دعائیں کرتے ہیں، مگر اسے تمام ہی ”دعا“ سے ماسوم کرتے ہیں ”دعائیں“ کوئی جاہل بھی نہیں کہتا، کیوں؟ لفظ دعا مصدر ہے جو جمع پر بھی بولا جاتا ہے اور حضرت عوف رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ’من دعائہ‘ کے الفاظ سے جمع ہی مراد ہے۔ اگر جھنگوی صاحب کا دل اس حقیقت کو نہیں مانتا، تو بہانے ہزار ہیں۔

فصل یازدہم

علماء اہل حدیث کے کذبات یا جھنگوی کے مغالطے

جھوٹ کی تعریف :- مؤلف تحفہ اہل حدیث نے حکیم محمد صادق سیالکوٹی مرحوم اور مولانا محمد یوسف جیپوری مرحوم کے حوالے سے انیس کذبات کا ذکر کیا ہے (جن کی حقیقت آگے تفصیل سے آرہی ہے) کہ یہ انہوں نے جھوٹ بولا ہے۔ بات کو مختصر کرنے کے لیے ضروری ہے کہ پہلے جھوٹ کی تعریف کر لی جائے۔ تاکہ تفہیم میں آسانی رہے۔ واضح رہے کہ کذب کی تعریف میں علم شرط ہے۔ یعنی جان بوجھ کر غلط بیانی یا غلط خبر دینے کو جھوٹ کہتے ہیں۔ لغت کی معروف کتاب المنجد میں ہے۔

(کذب اخبر عن الشی بخلاف ما هو مع العلم به)

(المنجد الابدی ص 834)

اس تعریف کی رو سے اگر زید نے جھنگوی کو مسجد میں دیکھا اور پانچ منٹ بعد زید سے عمر نے جھنگوی صاحب کا پتا پوچھا اور زید نے مسجد بتایا حالانکہ جھنگوی صاحب پہلے منٹ میں ہی مسجد سے نکل کر بازار چلے گئے تھے، تو زید جھوٹا نہیں۔ کیونکہ اسے جھنگوی صاحب کے مسجد سے چلے جانے کا علم نہیں۔ ایسا ہی اگر کوئی سہو یا غلطی سے خلاف واقعہ بات کہہ دے تو وہ جھوٹ نہیں کہلائے گا۔ ورنہ سہو و غلطی وغیرہ کے الفاظ لغو و فضول اور بے کار محض ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے ایک بار نماز پڑھائی اور چار کی بجائے دو رکعت پڑھ کر سلام پھیر دیا۔ حضرت ذوالمیدینؓ نے عرض کی کہ یا رسول اللہ ﷺ

((انسیت ام قصرت الصلوٰۃ))

یعنی آپ علیہ السلام بھول گئے ہیں یا نماز کم ہو گئی ہے۔

تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

((لم انس ولم تقصر))

یعنی نہ ہی میں بھولا ہوں اور نہ ہی نماز کم ہوئی ہے۔ تب حضرت ذوالمیدین نے کہا کہ

((بلی قد نسبت))

نہیں بلکہ آپ بھول گئے ہیں۔ جس پر رسول اللہ ﷺ نے دوسرے صحابہ سے دریافت فرمایا۔ انہوں نے ذوالمیدین کی بات کی تصدیق کر دی۔ اس پر آپ ﷺ نے مزید دو رکعت نماز پڑھائیں۔

(بخاری ص 164 ج 1)

اب جھنگوی صاحب غالباً اس پر بھی واویلہ چمادیں گے کہ (نعوذ باللہ) رسول اللہ ﷺ نے

((لم انسی ولم تقصر))

(نہ میں بھولا ہوں اور نہ نماز کم ہوئی ہے)

میں جھوٹ بولا ہے۔ مگر ہم اس جاہل کو کہیں گے یہ کذب نہیں سہو ہے۔

حقیقت میں خود تھنگوی جھوٹا و کذاب ہے۔

تھنگوی صاحب نے مؤلف حقیقۃ الفقہ کے دس عدد جھوٹ بتائے ہیں۔

ان کی تفصیل میں جانے سے پہلے آئیے ”حقیقۃ الفقہ“ کا مختصر تعارف ہو جائے۔ حضرت مولانا محمد یوسف جیپوری مرحوم نے حقیقت کے رد میں ایک مبسوط کتاب تالیف کی ہے جو ایک مقدمہ رد تقلید وغیرہ اہم مباحث پر مشتمل ہے۔ آگے اس کے دو حصے (یعنی ابواب) ہیں۔ ایک میں فقہ حنفی کے مردود مسائل کا بیان ہے تو دوسرے میں قرآن و حدیث کے موافق بعض فتاویٰ کا ذکر ہے۔ حصہ اول و دوم کے مراجع کا مصنف نے ”حقیقۃ الفقہ ص 137 میں مطبع ان کا سنہ طبع باقاعدہ درج کیا ہے یہ مراجع تمام کے تمام فقہ حنفی کے تراجم ہیں“ مزید مصنف نے یہ التزام کیا ہے کہ کتاب کے ہر صفحہ کے حاشیہ پر لکھا ہے کہ کتب مندرجہ فقہ سے مراد ان کے تراجم ہیں۔

اس حقیقت سے خود تھنگوی صاحب بخوبی واقف ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ یہ سب جھوٹ ہیں۔ کتاب کے متن کی اصل عبارت پیش کی جائے۔ غیر مقلد علماء ہر گز اصل عبارت پیش نہیں کر سکیں گے۔

(تحفہ اہل حدیث ص 96)

دیکھیے مصنف (حقیقۃ الفقہ) تو اپنے پیش کردہ حوالہ جات کو فقہ حنفی کی کتب کے تراجم کی طرف نسبت کرتا ہے۔ مگر تھنگوی صاحب کتاب کے متن کا مطالبہ کرتے ہیں۔ جس سے یہ بات کھل جاتی ہے کہ تھنگوی صاحب بھی اس حقیقت سے بخوبی واقف ہیں کہ مصنف نے کتب فقہ کے تراجم سے عبارات نقل کی ہیں۔

الغرض یہ تھنگوی صاحب کی عیاری و مکاری اور فریب کاری ہے کہ مصنف کے پیش کردہ حوالہ جات کی بجائے متن کتاب کا مطالبہ کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ دعویٰ مصنف حقیقۃ الفقہ نے کیا ہی نہیں، تو مطالبہ کیسا۔ اگر ان تراجم میں گڑبڑ کی گئی ہے تو اس کے ذمہ دار

مولانا جیپوری مرحوم نہیں بلکہ فقہ حنفی کے حنفی ترجمہ کرنے والے ہیں۔ بہر حال آئیے اب ترتیب وار ان عبارات کا حال ملاحظہ کریں جن پر تھنگوی صاحب کو اعتراض ہے۔

مؤلف حقیقت الفقہ کے جھوٹ یا جھنگوی کے مغالطے

(۱) ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے والی حدیث ضعیف ہے۔ حوالہ ہدایہ کا دیا ہے۔

(تحفہ اہل حدیث ص 95)

بھائی مولانا جے پوری نے اس کا حوالہ عین الہدایہ کا دیا ہے جیسا کہ حقیقۃ الفقہ کے اس صفحہ میں اس کی تفصیل موجود ہے اور یہ عبادت عین الہدایہ ترجمہ ہدایہ صفحہ 350 جلد اول طبع نول کشور 1896ء میں موجود ہے۔ علاوہ ازیں ابن ہمام، فتح القدر ص 249 ج 1 میں اور علامہ حلبي (مستملی ص 301) میں علامہ نووی کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ

(اتفقوا علی تضعیفه)

یعنی ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کی روایت کے ضعیف ہونے پر محدثین متفق ہیں۔

(۲) سینے پر ہاتھ باندھنے والی روایت صحیح ہے۔ حوالہ ہدایہ کا دیا ہے۔

(تحفہ اہل حدیث ص 95)

بھائی یہ حوالہ بھی عین الہدایہ کا ہی ہے اور یہ عبارت عین الہدایہ ص 350 ج 1 طبع ایضاً اور نور الہدایہ ترجمہ شرح و قایہ ص 93 طبع مجیدی کانپور 1914ء میں موجود ہے۔

(۳) بجائے (سبحانک اللہم) کے (اللہم باعدیني) زیادہ صحیح ہے۔ حوالہ شرح

وقایہ کا دیا ہے۔

(تحفہ اہل حدیث ص 95)

بھائی یہ عبارت ”حقیقۃ الفقہ ص 193 میں نور الہدایہ ترجمہ شرح و قایہ ص 94 طبع مجیدی کانپور 1914ء کے حوالے سے ابن ہمام کا قول نقل کیا ہے جو بلاشبہ ترجمہ

شرح وقایہ کے مذکورہ صفحہ پر موجود ہے۔ علاوہ ازیں ابن ہمام سے یہ نقل بھی درست ہے چنانچہ وہ ہدایہ کی شرح میں فرماتے ہیں کہ
(وهو اصح الكل لانه متفق عليه)
یعنی اللہم باعد بینی کی حدیث اس بارہ میں تمام سے صحیح ہے۔ کیونکہ یہ بخاری و مسلم کی حدیث ہے۔

(فتح القدیر ص 253 ج 1)

(۴) امام کے پیچھے فاتحہ چھوڑنے کی روایات ضعیف ہیں۔ حوالہ شرح وقایہ کا دیا ہے۔

(تحفہ اہل حدیث ص 95)

بھائی یہ حوالہ نور الہدایہ ترجمہ شرح وقایہ ص 108, 109 طبع مجیدی کانپور 1914ء میں موجود ہے۔ علاوہ ازیں مولانا عبدالحی لکھنوی حنفی مرحوم نے التعلیق المجدد ص 99 میں اور امام الکلام ص 212 میں لکھا ہے کہ فاتحہ خلف الامام کی ممانعت پر جس قدر روایات بیان کی جاتی ہیں وہ تمام کی تمام بے اصل اور غیر صحیح ہیں۔ اچھا آپ اس بارہ میں کوئی ایک حدیث پیش کر دیں۔

(۵) ((اذا کبر الامام فکبروا)) یہ حدیث ضعیف ہے۔ حوالہ شرح وقایہ کا دیا ہے۔

(تحفہ اہل حدیث ص 95)

بھائی یہ حوالہ نور الہدایہ ترجمہ شرح وقایہ کا ہے اور یہ عبارت اس کے ص 110 طبع ایضاً میں موجود ہے۔

(۶) آمین مہر قبولیت ہے۔ حوالہ ہدایہ کا دیا ہے۔

(تحفہ اہل حدیث ص 95)

عزیز بھائی یہ حوالہ بھی عین الہدایہ ترجمہ ہدایہ کا ہے اور یہ عبارت اس کے ص 364 ج 1 طبع نول کشور 1896ء میں موجود ہے۔ علاوہ ازیں یہ تو حدیث نبوی کا مفہوم

ہے جو سنن ابی داؤد ص 135 ج 1 میں حضرت ابو زہیرؓ سے مروی ہے۔

(۷) مقتدی امام کی آئین سن کر آئین کہے۔ حوالہ در مختار کا دیا ہے۔

(تحفہ اہل حدیث ص 95)

بھائی یہ حوالہ غایۃ الاوطار ترجمہ در مختار کا ہے اور یہ عبارت اس کے ص 229 ج 1 طبع نول کشور 1900ء بار چہارم میں موجود ہے۔

(۸) رفع الیدین کی احادیث بہ نسبت نہ کرنے کے قوی ہیں۔ بحوالہ ہدایہ۔

(تحفہ اہل حدیث ص 95)

بھائی یہ حوالہ عین الہدایہ ترجمہ ہدایہ کا ہے اور یہ عبارت اس کے ص 389 ج 1 طبع نول کشور 1896ء میں موجود ہے۔

(۹) رفع الیدین چھوڑنے کی احادیث ضعیف ہیں۔ حوالہ شرح وقایہ کا دیا ہے۔

(تحفہ اہل حدیث ص 96)

بھائی یہ حوالہ نور الہدایہ ترجمہ شرح وقایہ کا ہے اور یہ عبارت اس کے ص 102 طبع مجیدی کانپور 1914ء میں موجود ہے۔

(۱۰) جو رفع الیدین کرے اس سے مناقشہ (جھگڑا) حلال نہیں۔ بحوالہ ہدایہ

(تحفہ اہل حدیث ص 96)

بھائی یہ حوالہ عین الہدایہ ترجمہ ہدایہ کا ہے اور یہ عبارت اس کے ص 389 ج 1 طبع نول کشور 1896ء میں موجود ہے۔

تلك عشرة كاملة :- یہ دس عدد کذبات ہیں جو مولف تحفہ اہل حدیث نے جان بوجھ

کر بولے ہیں۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ حضرت مولانا حافظ محمد یوسف مرحوم کے بیان کردہ حوالہ جات درست و صحیح ہیں۔ اور جھٹکوی صاحب کالان سے انکار محض دفع الوقتی اور حقیقت

پر مٹی ڈالنے کی فضول و بے کار کوشش ہے۔

صلوٰۃ الرسول میں اوہام :-

ہمارے جھنگوی صاحب نے حضرت مولانا حکیم محمد صادق سیالکوٹی مرحوم کی کتب پر بھی نظر عنایت کی ہے اور ان کے چند حوالہ جات کو نشانہ بنا کر انہیں کوسنے کی کوشش کی ہے۔ حضرت حکیم صاحب مرحوم متعدد کتب کے مصنف تھے۔ مگر کسی جگہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ پر افترا نہیں کیا۔ جبکہ جھنگوی صاحب کی صرف یہی کتاب تصنیف کردہ ہے جو چھوٹے سائز کے 98 صفحات پر مشتمل ہے۔ جن میں انہوں نے دو احادیث اپنی طرف سے وضع کی ہیں۔ اور متعدد جھوٹ بولے ہیں۔ انہیں اپنی آنکھ کا شہتیر تو نظر نہیں آتا مگر غیر کی آنکھ کا تنکا بھی انہیں کھٹکتا ہے۔ بہر حال آئیے جھنگوی صاحب نے جن جن حوالہ جات کی صحت پر اعتراض کیا ہے ان کی حقیقت ملاحظہ کریں۔

(1) ص 131 پر اذان لکھ کے بخاری و مسلم کا حوالہ دیا ہے۔ حالانکہ یہ روایت بخاری میں نہیں ہے۔ یہ بخاری پر تہمت ہے۔

(تحفہ اہل ہدیت ص 94)

الجواب :- اولاً:- بات یہ ہے کہ حضرت حکیم صاحب نے کلمات اذان کی صراحت کی ہے۔ روایت بیان کرنا مقصود نہیں۔ غالباً کتابت کی غلطی سے آخر میں بخاری و مسلم لکھا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ محققہ نسخہ میں صرف کلمات اذان ہی ہیں۔ حوالہ نہیں ہے۔ اگر حکیم صاحب کا مقصود احادیث کی روشنی میں کلمات اذان لکھنا مقصود ہوتا تو پہلے راوی حدیث کی صراحت کرتے حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

ثانیاً:- اگر اسے کتابت کی غلطی تسلیم نہ بھی کیا جائے تب بھی مضائقہ نہیں کیونکہ یہ کلمات اذان بخاری سے معنا ثابت ہیں۔ حضرت انسؓ راوی ہیں کہ

حضرت بلالؓ کو اذان کے کلمات دو دو بار اور اقامت کے ایک ایک بار کہنے کا حکم ہوا تھا۔

(بخاری ص 1785 ج 1 و مسلم ص 164 ج 1)

اس حدیث کی روشنی میں کلمات اذان وہی بنتے ہیں جو حضرت حکیم صاحب نے درج کیے ہیں۔

(۲) صفحہ 161- پر دونوں ہاتھ کندھوں تک اٹھائے جائیں یا کانوں تک حوالہ بخاری و مسلم کا دیا ہے۔ یہ لفظ بخاری میں نہیں ہیں۔

(تحفہ اہل حدیث ص 94)

الجواب :- اولاً:- کندھوں تک ہاتھ اٹھانے کی حدیث حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت سے بخاری ص 102 ج 1 و مسلم ص 168 ج 1 میں موجود ہے۔ اور کانوں تک ہاتھ اٹھانے کی حدیث حضرت مالک بن حویرثؓ سے مسلم ص 168 ج 1 و ابو عوانہ ص 94 ج 2 میں موجود ہے۔

ثانیاً:- اگر آپ کا مقصود یہ ہے کہ کانوں تک ہاتھ اٹھانے کی روایت بخاری میں نہیں۔ تو بھائی عرض ہے کہ یہ تصور حکیم صاحب کا نہیں بلکہ صاحب مشکوٰۃ نے مشکوٰۃ ص 75 میں حضرت مالک بن حویرثؓ کی حدیث کو نقل کیا ہے۔ اور الفاظ (حتی یحاذی بہما فروع اذنیہ) کو بخاری و مسلم کی طرف منسوب کیا ہے۔ اور غالباً حکیم صاحب نے مشکوٰۃ پر اعتماد کرتے ہوئے بخاری کا حوالہ دیا ہے۔ اگر یہ جھوٹ ہے تو اس کو بولنے والے (معاذ اللہ) صاحب مشکوٰۃ ہیں۔ مگر ہم تو اسے وہم سے تعبیر کریں گے۔

(۳) صفحہ 179- پر ایک روایت لکھی ہے قرآۃ مسنون کے تحت حوالہ موطا امام مالک کا دیا ہے یہ بھی جھوٹ ہے۔

(تحفہ اہل حدیث ص 94)

الجواب :- اولاً:- یہ حدیث سنن ابوداؤد (814) و بیہقی ص 388 ج 2 میں موجود ہے۔ اور طبرانی کبیر ص 365 ج 12 میں ابن عمر سے اس کی شاہد روایت بھی موجود ہے۔

ثانیاً:- بھائی اگر یہ جھوٹ ہے تو اس کا ذمہ دار صاحب مشکوٰۃ ہے۔ کیونکہ انہوں نے ہی مشکوٰۃ ص 82 میں اس پر موطا امام مالک کا حوالہ دیا ہے بلکہ ملا علی القاری نے مرقاۃ ص 308 ج 2 میں اسے موطا امام مالک کی طرف منسوب کیا ہے۔ حکیم صاحب کو جھوٹا کہنے سے پہلے ان دو بزرگوں پر مذکورہ فتویٰ لگائیں۔ کیونکہ حکیم صاحب نے تو انہیں پر اعتماد کیا ہے۔ مگر ہم کسی کو بھی جھوٹا نہیں کہتے بلکہ بشری کمزوریوں کی بنا پر اسے سہو و نسیان اور وہم سے تعبیر کرتے ہیں۔

(۴) صفحہ 135- پر چار دفعہ اللہ اکبر والی اذان لکھ کر مسلم کا حوالہ دیا ہے۔ حالانکہ یہ جھوٹ ہے۔

(تحفہ اہل حدیث ص 94)

الجواب:- اولاً:- بلاشبہ صحیح مسلم میں چار بار اللہ اکبر کا ذکر نہیں ہے لیکن سنن ابوداؤد مع عون ص 191 ج 1 میں چار بار اللہ اکبر کا ذکر ہے۔
ثانیاً:- اگر یہ جھوٹ ہے تو صاحب مشکوٰۃ کا ہے کیونکہ انہوں نے ہی مشکوٰۃ ص 63 میں صحیح مسلم کے حوالے سے چار بار اللہ اکبر نقل کیا ہے۔ مگر ہم کہتے ہیں کہ اسے جھوٹ کہنے والا خود جھوٹا ہے۔ کیونکہ یہ صاحب مشکوٰۃ کا وہم ہے اور حکیم صاحب کو مشکوٰۃ پر اعتماد کی وجہ سے غلطی لگی ہے۔

(۵) صفحہ 134- پر لایہ بعد رک کے لفظ لکھ کر بخاری مسلم کا حوالہ دیا ہے۔ حالانکہ دونوں کتابوں پر جھوٹ ہے۔

(تحفہ اہل حدیث ص 94)

الجواب:- اولاً:- یہ روایت ابوداؤد مع عون ص 205 ج 1 و بیہقی ص 395 ج 1 میں موجود ہے۔ یہ سہو ہے جھوٹ نہیں اور غالباً انہیں یہ وہم حافظ ابن حجر کی تالیف بلوغ المرام ص 14 سے ہوا ہے۔ جہاں انہوں نے اس روایت کو ابوداؤد سے نقل کر کے کہا ہے کہ (واصلہ فی الصحیحین) یعنی اس روایت کی اصل بخاری و مسلم میں ہے۔ بلاشبہ یہ روایت

اصل کے لحاظ سے بخاری ص 188 ج 1 و مسلم ص 196 ج 1 میں موجود ہے۔

ثانیاً:- حضرت حکیم صاحب نے لایستبدر کے الفاظ کا یہ مفہوم بیان کیا ہے کہ اذان میں (حی علی الصلوٰۃ) اور (حی علی الفلاح) کے وقت دائیں بائیں گردن کو موڑیں گھوم نہیں جانا چاہیے۔

(صلوٰۃ الرسول ص 156)

جبکہ بخاری و مسلم کی روایت میں دائیں بائیں منہ کرنے کا ذکر ہے اور ابوداؤد کی روایت میں نفی ہے۔ حافظ ابن حجر نے ان میں موافقت کرتے ہوئے کہا ہے کہ گھومنے سے مراد سر اور گردن کا گھمانا ہے اور نفی پورے بدن کے گھمانے کی ہے۔

(فتح الباری ص 291 ج 2)

الغرض حکیم صاحب نے جو مفہوم بیان کیا ہے وہ بخاری و مسلم کی روایات میں پایا جاتا ہے ہاں البتہ (لا یستبدر) کے الفاظ نقل کرنا ان کا سہو ہے۔ ان جیسے اوہام کو جھوٹ کہنا آپ جیسے علامہ وفہامہ کا ہی فعل ہو سکتا ہے کوئی دانا و عاقل اسے جھوٹ نہیں کہہ سکتا۔ اگر یہ جھوٹ ہے تو صاحب ہدایہ اس جیسے سینکڑوں جھوٹ بولے ہیں ان کے بچاؤ کی کوئی تدبیر سوچیں۔ آپ نے ابوداؤد ص 97 ج 1 کے حوالے سے حدیث نبوی کے الفاظ (قاربوا بینہما) نقل کیے ہیں۔

(تحفہ اہل حدیث ص 24)

حالانکہ ابوداؤد میں (بینہما) کے الفاظ ہیں۔ تو کیا یہ آپ کا جھوٹ ہے؟
نہیں میرے بھائی یہ آپ کا سہو ہے۔ ایسے ہی صاحب صلوٰۃ الرسول کا بھی یہ وہم ہے جھوٹ نہیں۔

سبیل الرسول میں اوہام

(1) حدیث یوں نقل کرتے ہیں کہ

((افضل الاعمال الصلوٰۃ فی اول وقتها))

حوالہ بخاری کا ہے نراجھوٹ ہے۔ (تحفہ اہل حدیث ص 94)

الجواب:- اولاً:- یہ حدیث حضرت ام فروہ کی روایت سے مسند احمد ص 374 ج 6 و ابوداؤد مع عون ص 163 ج 1 و ترمذی مع تحفہ ص 154 ج 1 و دارقطنی ص 247 ج 1) میں صحیح سند سے مروی ہے حاکم و ذہبی اور علامہ البانی نے اسے صحیح کہا ہے۔

(تحقیق مشکوٰۃ ص 193 ج 1)

ثانیاً:- معنایہ حدیث بخاری و مسلم میں موجود ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ

((سالت رسول اللہ ﷺ ای العمل افضل قال الصلوٰۃ لوقتها))

یعنی میں نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ سب سے افضل عمل کونسا ہے۔ تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ نماز کو اس کے وقت پر پڑھنا۔

الحدیث بخاری ص 76 ج 1 و ص 882 ج 2 و ص 1124 و مسلم ص 62 ج 2)

لوقتہا کا معنی اول وقت ہے۔ جیسا کہ اسی حدیث میں اول وقتہا کے الفاظ بھی آتے ہیں۔ مستدرک حاکم ص 188 ج 1 صحیح ابن خزیمہ ص 169 ج 1 و صحیح ابن حبان

ص 19 ج 4 رقم الحدیث 1477 و بیہقی ص 434 ج 1)

اس روایت کو حاکم و ذہبی نے صحیح کہا ہے۔

ثالثاً:- ”لوقتہا“ کی بجائے ”فی اول وقتہا“ مصنف کا سہو ہے یا کتابت کی غلطی ہے۔ مگر اسے کوئی جھوٹ نہیں کہہ سکتا۔ کہ اسی حدیث کے طرق میں ”فی اول وقتہا“ کے الفاظ بھی موجود ہیں اور ”لوقتہا“ کا معنی بھی پہلا وقت ہے۔ فلا اعتراض

(۲) طلاق ثلاثہ کے متعلق روایت لکھ کر حوالہ بخاری کا دیا ہے جو بخاری میں

(تحفہ اہل حدیث ص 94)

نہیں ہے۔

الجواب:- اولاً:- یہ حدیث صحیح مسلم میں سیدنا ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ

ﷺ کے زمانہ اور ابو بکر صدیق کے دور خلافت اور عمر فاروقؓ کی خلافت میں بھی دو سال تک تین طلاقیں (ایک دم دی ہوئیں) ایک رجعی طلاق ہوتی تھی۔

(صحیح مسلم ص 477 ج 1)

ثانیاً:- صحیح مسلم کی بجائے صحیح بخاری لکھا جانا سہو ہے۔ خواہ مصنف کا ہے یا کتابت کی غلطی ہے۔ آپ کے استاذ المکرم مولانا سرفراز خاں صفدر نے سماع الموتی ص 69 طبع 1984 میں سورہ الاعراف کی آیت 188 کو نقل کر کے سورہ الانفال کی آیت 23 کا حوالہ دیا ہے تو کیا یہ جھوٹ ہے یا سہو؟ جو بھی صورت اختیار کریں وہی مولانا سیالکوٹی مرحوم کی طرف سے ہمارا جواب ہے۔

(۳) اسی طرح طلاق ثلاثہ والی روایت کے ترجمے میں ایک بارگی کا لفظ بڑھایا ہے جو سیاہ یا سفید جھوٹ ہے۔

(تحفہ اہل حدیث ص 95)

الجواب:- اولاً:- مولانا سیالکوٹی مرحوم نے مشکوٰۃ سے حدیث کو نقل کرتے ہوئے صرف ترجمہ درج کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اسی لیے یکبارگی تین طلاقیں دینے کو قرآن کے ساتھ استہزا فرمایا ہے۔ اور اس کام پر غضبناک ہوئے ہیں۔

(سبیل الرسول ص 267)

ہمارے بھائی کو اعتراض ہے کہ یکبارگی کا لفظ اپنی طرف سے اضافہ ہے اور سیاہ و سفید جھوٹ ہے۔ حالانکہ یہ اعتراض ہی کو راجح جھوٹ ہے۔ کیونکہ مولانا کی عبارت کا سیاق و سباق اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ انہوں نے اس لفظ کو بیک وقت کے معنی میں استعمال کیا ہے اور حدیث میں ایسے الفاظ موجود ہیں

((طلق امراتہ ثلاث تطلیقات جمع))

مولانا قطب الدین حنفی اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں کہ

طلاق دی اپنی بی بی کو تین طلاقیں اکٹھی۔ (مظاہر حق ص 188 ج 3 طبع نول

(کشور 1936ء)

مولانا عبدالحق محدث دہلوی ان الفاظ کا معنی کرتے ہیں کہ

سہ طلاقیں یکبارگی۔ (اشعۃ اللمعات ص 165 ج 3)

ملا علی القاری اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں کہ

((ولذا انکر علی المطلق بالثلاث دفعة واحدة))

(مرقاۃ ص 293 ج 6)

یعنی اسی وجہ سے ہی رسول اللہ ﷺ نے یک دم دی گئی تین طلاق پر انکار کیا ہے۔ (انتہی)
الغرض اگر یہ سیاہ و سفید جھوٹ ہے تو اس کو بولنے والے فقط مولانا ناسیا لکوٹی ہی نہیں بلکہ آپ کے اکابر مولوی قطب الدین شیخ عبدالحق محدث دہلوی اور ملا علی القاری جیسے شارحین حدیث بھی ہیں۔ مگر ہم عرض کرتے ہیں کہ یہ نہ مولانا ناسیا لکوٹی کا جھوٹ ہے اور نہ ہی کسی اور کا۔ بلکہ آپ بغض و تعصب کی بنا پر غلط بیانی اور جھوٹ کے مرتکب ہوئے ہیں۔ اللہ آپ کو توبہ کی توفیق دے آمین

ثانیاً:- ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ آپ نے تحفہ اہل حدیث کے صفحہ 24 پر حاذوا بین المناکب اور حاذوا بالاعناق اور قاربوا بینہا وغیرہ کے الفاظ میں معنوی تحریف کی ہے اس پر ہم آئمہ لغت اور شارحین حدیث کے اقوال کو بھی آپ کے رد میں نقل کیا تھا لہذا اس بے ایمانی اور سیاہ جھوٹ کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے۔

(۴) فرماتے ہیں کہ امام کے پیچھے قرأت فاتحہ جو واقعہ فجر کا ذکر ہے اس میں حوالہ ابن ماجہ اور موطا امام مالک کا بھی دیا ہے حالانکہ جھوٹ ہے۔ ان کتابوں میں یہ حدیث نہیں ہے۔

(تحفہ اہل حدیث ص 95)

الجواب:- اولاً:- یہ حدیث حضرت عبادہ بن صامتؓ سے مروی ہے کہ ایک دن نبی ﷺ نے فجر کی نماز پڑھائی فارغ ہو کر پوچھا کہ کیا تم امام کے پیچھے پڑھتے ہو؟ مقتدیوں نے عرض کیا ہاں حضور! ہم پڑھا کرتے ہیں۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ

سورہ فاتحہ کے علاوہ اور کچھ نہ پڑھا کرو۔ (الحدیث)

ابوداؤد ص 119 و ترمذی مع تحفہ ص 253 ج 1 و نسائی ص 111 ج 1 و مستدرک حاکم
ص 38 ج 2 و بیہقی ص 46 ج 1 و ابن حبان ص 37 ج 4 و ابن خزیمہ
ص 36 ج 3 و مسند احمد ص 136 ج 1)

مگر معترض کو اعتراض ہے کہ اس حدیث کا ابن ماجہ اور موطا کا حوالہ بھی
دیا گیا ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ بھائی یہ سہو ہے جھوٹ نہیں۔ ہم پہلے جھوٹ کی تعریف
بیان کر چکے ہیں کہ جان بوجھ کر غلط بیانی کو کذب کہا جاتا ہے وہم کا نام جھوٹ نہیں۔ جب
ایک درجن سے زائد کتب حدیث میں یہ حدیث نبوی موجود تھی تو مولانا کو کیا ضرورت تھی
کہ وہ جھوٹ بول کر ابن ماجہ اور موطا کا نام درج کرتے۔ لامحالہ ان سے سہو ہوا ہے۔

ثانیاً:- آپ جناب نے خود توجہی بھر کر کتاب میں کذبات تحریر کیے ہیں۔ حقیقت الفقہ
پر آپ کے جس قدر اعتراضات ہیں وہ تمام کے تمام کذب و افتراء اور جھوٹ ہیں۔ اس طرح
آپ نے علامہ وحید الزمان کی جملہ عبارات میں غلط بیانی کی ہے۔ تفصیل گذر چکی ہے کہیے
ان کے متعلق آپ کا کیا ارشاد ہے۔

مولانا محمد حسین بٹالوی مرحوم کی ایک عبارت

فرماتے ہیں کہ مولوی محمد حسین بٹالوی کا ترک تقلید پر تاسف اور گذشتہ زندگی پر
افسوس ہی افسوس اس کے بعد جھنگوی صاحب نے اشاعت السنۃ 1888ء کی فائل سے ایک
عبارت نقل کی ہے کہ پچیس برس کے تجربے سے ہم کو یہ بات معلوم ہوئی ہے جو لوگ بے
علمی کے ساتھ مجتہد اور مطلق تقلید کے تارک بن جاتے ہیں وہ بلا آخر اسلام کو سلام کر بیٹھتے
ہیں ان میں سے بعض عیسائی ہو جاتے ہیں، بعض لاندہب جو کسی دین و مذہب کے بغیر نہیں
رہتے اور احکام شریعت سے فسق و خروج تو اس آزادی کا ادنیٰ کرشمہ ہے۔ آگے چل کر لکھتے
ہیں کہ مگر دینداروں کے بے دین ہونے کے لیے بے علمی کے ساتھ ترک تقلید بڑا بھاری

سب سے آگے لکھتے ہیں کہ ترک تقلید سے ڈرنا چاہیے۔

(تحفہ اہل حدیث صفحہ آخر)

الجواب :- اولاً:- یہ تحریر 1888ء کی ہے مولانا مرحوم کی وفات 1920ء میں ہوئی تھی۔
- نزہۃ الخواطر ص 28 ج 4 اس تحریر کے بعد مولانا مرحوم تقریباً 32 سال زندہ رہے۔ اور پورے جزم و یقین کے ساتھ حنفیت کی تردید کرتے رہے۔ اور تقلید کے رد میں متعدد مقالات تحریر کیے۔ جس پر اشاعت السنۃ کی فائلیں گواہ ہیں۔ مگر جھنگوی صاحب الٹی گنگا بہاتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ انہوں نے گذشتہ زندگی پر افسوس کا اظہار کیا۔ حالانکہ وہ آخری لمحات تک بفضلہ تعالیٰ مسلک محدثین کی نشر و اشاعت میں گامزن رہے اور ایک منٹ کے لیے بھی حنفیت یا تقلید کو قبول نہیں کیا۔ الغرض ان کی زندگی کے تعامل سے ہی جھنگوی صاحب کا کذب واضح ہو جاتا ہے کہ مؤلف تحفہ اہل حدیث نے ان کی عبارات کو غلط رنگ دیکر کانٹ چھانٹ اور بددیانتی کر کے نقل کیا ہے۔

ثانیاً:- آئیے ہم آپ کو مولانا بنا لوی رحمہ اللہ کی پوری عبارت اس کا مطلب اور پس منظر سمجھا دیتے ہیں۔

مولانا بنا لوی مرحوم کو ایک شخص نے خط لکھا جس میں یہ نصیحت کی کہ موجودہ تورات و انجیل مسلمانوں کے لیے ویسے ہی واجب العمل ہے جیسا کہ قرآن حکیم اور مسلمانوں کو اس قید کو کہ عمل صرف قرآن و حدیث اور اسلامی کتب پر چاہیے توڑ کر ترک تقلید و اجتہاد کو ایسی وسعت دیں کہ اس میں قرآن و حدیث کی پابندی نہ رہے۔

(اشاعت السنۃ ص 52 ج 11 شمارہ نمبر 2 مطبوعہ 1888ء)

اس مراسلے کے جواب میں مولانا بنا لوی مرحوم نے بڑی تفصیل سے تورات و انجیل کی شرعی حیثیت بیان کی ہے۔ اور اس میں تغیر و تحریف کا اور صرف قرآن و حدیث کی مشروعیت و وجہیت کا اثبات پیش کیا ہے۔ بڑا مدلل اور محققانہ علمی مقالہ ہے جوڑھائی سو (250) صفحات پر مشتمل اور قابل مطالعہ ہے اس کے اول و آخر میں مذکورہ مراسلہ نگار جیسے

ناکندہ تراش مجتہدوں کے بارے جو ترک تقلید کے مدعی ہیں مولانا بنا لوی نے اس انداز کی بات کی ہے جس کو جھنگوی صاحب نے نقل فرمایا ہے اور اسے بلاوجہ اہل حدیث پر چسپاں کر ڈالا ہے اور درمیان سے اور آگے پیچھے سے بہت سے فقرے حذف کر دیئے ہیں۔

مولانا بنا لوی مرحوم نے مذکورہ اقتباس سے پہلے یہ فرمایا کہ

اس مقام میں ہم سے اس قدر بیان کرنے سے رہا نہیں جانا کہ اس قسم کے اجتہادات و خیالات بے قید و آزاد جو اس مراسلت میں ظاہر کیے ہیں اس ترک تقلید کا نتیجہ ہے جو باوجود لاعلمی کے وقوع میں آتی ہے۔ اور بے علموں یا نہایت کم علموں بہ مصداق نیم ملاحظہ ایمان سے سرزد ہوتی ہے۔

اس عبارت میں مولانا بنا لوی مرحوم کا روئے سخن ظاہر ہے کہ اہل حدیث کی طرف نہیں ہے۔ اہل حدیث تو ترک تقلید کی دعوت قرآن و حدیث کی بالاتری کے لیے دیتے ہیں نہ کہ سرے سے ان کی حجیت ہی کے انکار کے لیے۔ جیسا کہ مذکورہ مراسلہ نگار نے ایسی ہی گمراہی کا مشورہ دیا تھا اور ایسے ہی گم کردہ راہ جاہل مجتہدوں کے بارے میں مولانا مرحوم نے وہ طرز تخاطب اختیار کیا ہے مطلق ترک تقلید کے حامیوں کے لیے نہیں۔ کیونکہ ترک تقلید کی تبلیغ و تائید تو خود مولانا بنا لوی مرحوم ہمیشہ کرتے رہے ہیں اور بڑے شد و مد اور نہایت پر زور انداز سے کرتے رہے ہیں۔ چنانچہ اس مقام پر بھی ہمارے نقل کردہ اقتباس کے بعد اور جھنگوی صاحب کے نقل کردہ اقتباس سے پہلے فرماتے ہیں کہ ترک تقلید کا مسئلہ صحیح ہے اور سلف و خلف کی تالیفات میں اس کی ترغیب بکثرت پائی جاتی ہے..... مگر اس مسئلے کے محل صدق وہی لوگ ہیں جو بصیرت رکھتے ہوں۔ ان ہی لوگوں کے لیے خاص ان ہی مسائل میں جن میں ان کو بصیرت حاصل ہو ترک تقلید جائز بلکہ ضروری ہے۔ لیکن جو لوگ قرآن و حدیث سے خبر نہ رکھتے ہوں۔ علوم عربیہ ادبیہ (جو خادم قرآن و حدیث ہیں) سے محض نا آشنا ہوں۔ صرف اردو فارسی تراجم پڑھ کر یا لوگوں سے سن کر یا ٹوٹی پھوٹی عربی جان کر مجتہد اور ہر بات میں تارک التقلید بن بیٹھیں ان کے حق میں ترک

تقلید سے بجز ضلالت کسی ثمرے کی توقع نہیں ہو سکتی۔

اس عبارت سے بھی واضح ہے کہ مولانا مرحوم کے سامنے اہل حدیث نہیں جن کے علماء بفضلہ تعالیٰ قرآن و حدیث اور علوم عربیہ میں پورا اदार رکھتے ہیں اور قرآن و حدیث کے فہم و تعبیر میں وہ آزاد روی کی بجائے صحابہ و تابعین کے منہج اور مسلک فقہائے محدثین کی پابندی کو ضروری خیال کرتے ہیں اور ان کے غوام بھی خود مجتہد نہیں بن بیٹھتے بلکہ اپنے علماء سے قرآن و حدیث کی رہنمائی حاصل کرتے ہیں۔ تاہم یہ ضرور ہے کہ اس قسم کی نصیحت کے مواقع پر وہ مسلک اہل حدیث کے حاملین کو بھی متنبہ فرماتے تھے کہ دیکھو تمہارے اندر ترک تقلید کی وجہ سے قرآن و حدیث اور علوم سلف سے وہ بے اعتنائی نہ آجائے جو بہت سے نام نہاد مدعیان علم و تحقیق میں آئی ہے اور جس نے انہیں بالکل بے عمل گمراہ اور قرآن و حدیث سے بے بہرہ بنا دیا ہے۔ اس تشبیہ کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ترک تقلید کی آڑ میں وہ گمراہ ہو گئے ہیں اور دین سے بے پروا بنی ان کے اندر آگئی ہے جیسا کہ جھنگوی صاحب باور کرانا چاہتے ہیں حالانکہ ان کی نقل کردہ عبارت کا آخری حصہ قابل غور ہے۔

گر وہ اہل حدیث میں جو بے علم یا کم علم ہو کر ترک مطلق تقلید کے مدعی ہیں وہ ان نتائج سے ڈریں اور جن مسائل میں وہ قرآن و حدیث سے کچھ علم و خبر نہ رکھتے ہوں ان میں اجتہاد نہ کیا کریں بے علمی کا علاج سوال اور اہل علم کی پیروی ہے۔ ان کے لیے آزادی و خود اجتہادی ہرگز جائز نہیں ہے۔ (اشاعت السنہ ص 1888ء)

بتلائیے! اس میں ترک تقلید کا ماتم کب اور کہاں ہے؟ اس میں جو بات کہی گئی ہے وہ صرف یہ ہے کہ جو شخص براہ راست قرآن و حدیث کا علم نہیں رکھتا اسے چاہیے کہ مستند علمائے کرام سے رجوع کرے اور ان سے دینی رہنمائی حاصل کرے۔ خود اجتہاد نہ کرے۔ ایک شخص جاہل مطلق ہونے کے باوجود علمائے کرام سے دینی رہنمائی حاصل کرنے کو عبث اور فضول سمجھے تو یہ ہے بقول مولانا بناالوی ترک مطلق تقلید جس سے مولانا بناالوی مرحوم اہل حدیث کو ڈرا رہے ہیں۔ ترک تقلید اور چیز ہے اور ترک مطلق تقلید اور چیز ترک تقلید کا تو مولانا نے پر زور اثبات کیا ہے البتہ ترک مطلق تقلید سے ڈرایا ہے۔

(منقول از صراط مستقیم اور اختلاف امت ص 36)

Scanned By: Muhammad Shakir

For comments, contact: truemaslak@inbox.com

فصل دوازدہم

حنفیت اور مرزائیت

چند تمہیدی باتیں :- مبتدعین دینہ کے ہیرو اور مقتدا اعظم مولوی سرفراز خاں صاحب صفدر نے الکلام المفید ص 186 میں یہ گپ ماری تھی کہ مرزا غلام احمد قادیانی غیر مقلد اہل حدیث تھا۔ جس کی قے خوری کرتے ہوئے ان کے لخت جگر مولوی عبدالحق بشیر نے، فتویٰ امام ربانی کے عنوان سے کتاب تحریر کی جس میں مکرر اس غلط بیانی کو دہرایا گیا تو خاکسار نے اس کے ازالہ کے لیے ہفت روزہ الاعتصام مورخہ 30 جنوری 1987ء کو ایک مختصر و مدلل مقالہ سپرد قلم کیا تھا۔ اور دلائل و براہین سے مرزا غلام احمد قادیانی کا حنفی مقلد ہونا ثابت کر دیا۔

اس کے بعد متعدد سلفی اہل علم نے اس پر مفصل کتب تحریر کیں۔ جس میں معروف ہمارے شیخ کی کتاب ”مطرحۃ الحدید“ اور مولانا عبدالغفور اثری کی ’حنفیت اور مرزائیت‘ ہیں جن کا مولوی عبدالحق نے ’قادیانی بنا لوی گٹھ جوڑ‘ کے عنوان سے جواب لکھا۔ اس پر بھی راقم نے ’اشاعت السنۃ‘ فاروق آباد میں آج سے دس برس قبل 1990ء میں متعدد اقساط میں جواب تحریر کیا تھا جس کا جواب الجواب پوری ذریت دینہ پر ادھا رہے۔ مگر مؤلف تحفہ اہل حدیث حقائق سے اس قدر بے خبر ہے یا جان بوجھ کر ان کو نظر انداز کر کے یہ دعویٰ کر رہا ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی غیر مقلد اہل حدیث تھا۔

(تحفہ اہل حدیث ص 88)

یہ تعلیم یافتہ جہلا :- کسی تحریک سے چند افراد کا یا کسی فرد کا مرتد ہو جانا کیا اس تحریک کے باطل و مردود ہونے کی دلیل بن سکتی ہے؟

یہ ایک بہترین سوال ہے جس سے موضوع بحث میں قدرے علمی رنگ بھی آجاتا ہے اور بات کو سمجھنے میں بھی آسانی رہے گی۔ اس سوال کے جواب میں ہم سب سے پہلے کتاب اللہ کو پیش کرتے ہیں جو تعلیم محمدی کا بنیادی ماخذ ہے۔ چنانچہ تعلیم قرآن کی رو سے ہدایت من جانب باللہ ہے۔ یعنی اللہ کی توفیق سے ہی کوئی شخص ہدایت کو قبول کرتا ہے اور قبول کرنے کے بعد اس پر قائم رہتا ہے۔ گویا کوئی فرقہ یا گروہ کسی کو ہدایت یافتہ بنا سکتا ہے نہ ہی اسے ہدایت پر قائم رکھ سکتا ہے یہی راز ہے کہ انسان دن میں کم از کم سترہ بار نماز میں صراط مستقیم کی دعا کرتا ہے۔

تعلیم قرآن پر ایک طائرانہ نظر ڈالیے تو یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا اور حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی کا فر تھے۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ کسی کو یہ کہنے کا حق مل گیا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام برائیوں کی جڑ تھے۔

نعوذ باللہ من ذلک اس سے نیچے آئیے تو حضرت محمد ﷺ کے صحابہ کرام کے مقدس گروہ کی امثلہ ہمارے سامنے موجود ہیں۔ کہ ان کے ایمان کی گواہی اللہ نے بار بار قرآن میں دی ہے۔ مگر اسی گروہ میں بعض نام کے مسلمان بھی تھے جو منافقین کے نام سے یاد کیے جاتے ہیں۔ بلکہ ایک کاتب وحی مرتد ہو گیا تھا۔

(بخاری ص 511 ج 17)

مال غنیمت کو تقسیم کرتے ہوئے جس شخص نے کہا تھا اے محمد ﷺ انصاف

کیجیے۔

(بخاری ص 509 ج 17)

وہ بھی تو خود کو مسلمان ہی سمجھتا تھا۔ اب اگر کوئی کافر و بت پرست ان باتوں کو لے کر یہ اعتراض کر دے کہ صحابہ میں سے منافقین کا وجود اور آنحضرت ﷺ پر بنے انصافی کا اعتراض اور کاتب وحی کا مرتد ہونا درحقیقت تعلیم اسلام کا نقص ہے اور مرتد

ہونا وحی کی کتابت کا نتیجہ ہے۔ تو کیا کوئی عقل مند اس اعتراض میں وزن محسوس کرے گا؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ ایسے معترض کو ہر باشعور انسان علم و فہم سے کورا تعصب سے لبریز اور پڑھا لکھا جاہل کہے گا۔

دیوبندیوں! اپنے حال پہ غور کرو اپنے اعتراض کو تاریخ کے آئینہ میں دیکھو۔ معروف مدعی نبوت مختار بن عبید اللہ جس کا دعویٰ تھا کہ میرے پاس وحی آتی ہے اور میں اللہ کا نبی ہوں۔

(مسند طیالسی وغیرہ بحوالہ فتح الباری ص 484 ج 6)

یہ خبیث معروف صحابی حضرت عبید اللہ ثقفی کا بیٹا تھا۔ کیا کوئی دانا یہ بات تسلیم کرنے کو تیار ہے کہ مختار کا دعویٰ نبوت صحابی رسول کا بیٹا ہونے کا نتیجہ ہے۔ میرے عزیز بھائی فقہ حنفی کے ابواب الجلیل کی بجائے آپ حضرات قرآن و سنت کا بھی مطالعہ کیا کریں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ ((سیکون فی امتی کذابون ثلثون کلہم یذعم انہ نبی للہ))

(مشکوٰۃ ص 465)

یعنی عنقریب میری امت سے تیس جھوٹے کذاب پیدا ہونگے جو تمام کے تمام نبی ہونے کا دعویٰ کریں گے۔

اس حدیث کو غور سے پڑھیے جو آپ جیسے متعصب لوگوں کے منہ پر طمانچہ ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ اپنی امت سے ان لوگوں کی پیدائش کا فرما رہے ہیں۔

امرا و قہ میں بھی یہ پیش گوئی پوری ہوئی اور اسلام سے ایسے لوگ پیدا ہوئے جنہوں نے نبوت کا دعویٰ کیا مگر آج تک کسی جاہل سے جاہل اور متعصب سے متعصب نے بھی اسلام پر یہ اعتراض نہیں کیا کہ مسلمانوں سے جھوٹے مدعی نبوت پیدا ہوئے ہیں۔ لہذا اسلام کی تعلیم میں کوئی بنیادی نقص ضرور ہے۔

مگر دنیا میں صرف ایک دیوبندی ہی ایسا ٹولہ ہے جو ان تمام حقائق کے برعکس یہ

کہتے ہوئے ذرا بھرجیا محسوس نہیں کرتا کہ مرزا کا دعویٰ نبوت ترک تقلید کا نتیجہ ہے۔ مزید دکھ کی بات یہ ہے کہ اس اعتراض کو کرنے والے ایسے افراد بھی ہیں جن کے نام کے ساتھ ماشاء اللہ شیخ الحدیث والتفسیر کا بھی لاحقہ و اضافہ ہے۔

پھر جہاں یہ اعتراض اپنے اندر کوئی معقولیت نہیں رکھتا ویسے ہی یہ جھوٹ بھی ہے۔ کیونکہ مرزا غلام احمد قادیانی حنفی تھا۔ اور آخر دم تک وہ اپنے آپ کو حنفیت میں شمار کرتا رہا۔ حنفیہ کی طرح وہ صفات باری تعالیٰ میں تاویل کا قائل تھا۔ عقائد میں ماتریدی اور فروع میں حنفی تھا۔ البتہ مرزائیت کے بعض مخصوص عقائد اس کے ذاتی اختراع تھے جس کی وجہ سے وہ امت مرحومہ سے خارج ہو کر کافر و مرتد ہو گیا تھا۔ آئیے اس کی تفصیل قادیانی لٹریچر سے ملاحظہ کریں۔

مرزا غلام قادیانی کا اپنا اعتراف

حضرت مولانا ابوسعید محمد حسین بٹالوی مرحوم کو مخاطب کرتے ہوئے مرزا غلام

احمد قادیانی لکھتا ہے کہ

امام بزرگ ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے بعض تابعین کو بھی دیکھا تھا اور فانی فی سبیل اللہ تھا۔ اے حضرت مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب آپ ناراض نہ ہوں آپ (اہل حدیث) صاحبوں کو امام بزرگ ابو حنیفہ سے اگر ایک ذرہ بھی حسن ظن ہوتا تو آپ اس قدر سبکی اور استخفاف کے الفاظ استعمال نہ کرتے۔ آپ کو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ کی شان معلوم نہیں۔ وہ ایک بحر اعظم اور دوسرے سب اس کی شانیں ہیں۔ اس کا نام اہل الرأی رکھنا ایک بھاری خیانت ہے۔ امام بزرگ حضرت ابو حنیفہ رحمۃ اللہ کو علاوہ کمالات علم آثار نبویہ کے استخراج مسائل قرآن میں ید طولیٰ تھا۔ خدا تعالیٰ حضرت مجدد الف ثانی پر رحمت کرے انہوں نے اپنی مکتوبات ص 307 میں فرمایا کہ

امام اعظم صاحب کی آنے والے مسیح کے ساتھ استخراج مسائل قرآن میں ایک

روحانی مناسبت ہے۔

(الحق مباحثہ لدھیانہ ص 99 و روحانی خزائن ص 101 ج 4)

امام صاحب موصوف اپنی قوت اجتہادی اور اپنے علم اور روایت اور فہم و فراست میں آئمہ ثلاثہ باقیہ (امام مالک، امام شافعی، اور امام احمد بن حنبل) سے افضل و اعلیٰ تھے۔ اور ان کی خداداد قوت فیصلہ ایسی بڑھی ہوئی تھی کہ وہ ثبوت عدم ثبوت میں بخوبی فرق کرنا جانتے تھے۔ اور ان کی قوت مدرکہ کو قرآن شریف کے سمجھنے میں ایک خاص دستگاہ تھی اور ان کی فطرت کو کلام الہی سے ایک خاص مناسبت تھی۔ اور عرفان کے اعلیٰ درجہ تک پہنچ چکے تھے۔ اسی وجہ سے اجتہاد و استنباط میں ان کے لیے وہ درجہ علیا مسلم تھا جس تک پہنچنے سے دوسرے سب لوگ قاصر تھے۔ (ازالہ اوہام ص 531 و روحانی خزائن ص 385 ج 3)

غور کیجیے کہ کیا یہ انداز فکر و نظر کسی اہل حدیث کا ہو سکتا ہے کہ وہ امام ابو حنیفہ کے اہل الرای ہونے کی نفی کرے اور آئمہ ثلاثہ کے بالمقابل امام ابو حنیفہ کو علم و فضل اور آثار نبویہ اور قوت اجتہادیہ میں بڑھ کر قرار دے اور استخراج مسائل میں اپنی روحانی مناسبت امام ابو حنیفہ سے جوڑے۔ نہیں ہرگز نہیں۔

مرزا غلام احمد قادیانی کہتا ہے کہ

ہمارا مذہب وہابیوں کے برخلاف ہے ہمارے نزدیک تقلید کو چھوڑنا ایک اباحت

ہے (کتابت کی غلطی ہے اصل میں لفظ قباحت ہے)

کیونکہ ہر ایک شخص مجتہد نہیں ہے۔ ذرا سا علم ہونے سے کوئی متابعت کے لائق نہیں ہو جاتا۔ کیا وہ اس لائق ہے کہ سارے متقی اور تزکیہ کرنے والوں کی تابعداری سے آزاد ہو جائے۔ قرآن شریف کے اسرار سوائے مطہر اور پاک لوگوں کے اور کسی پر نہیں کھولے جاتے۔ ہمارے ہاں جو (اہل حدیث) آتا ہے اسے پہلے حنفیت کا رنگ چڑھانا پڑتا ہے۔ میرے خیال میں یہ چاروں مذہب اللہ تعالیٰ کا فضل ہیں اور اسلام کے واسطے ایک چار دیواری۔ اللہ تعالیٰ نے اسلام کی حمایت کے واسطے ایسے اعلیٰ لوگ پیدا کیے جو نہایت متقی اور صاحب تذکیہ

تھے۔ آج کل کے لوگ جو بگڑے ہیں اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ اماموں کی متابعت چھوڑ دی گئی ہے۔

خدا تعالیٰ کو دو قسم کے لوگ پیارے ہیں۔ اول وہ جن کو اللہ تعالیٰ نے خود پاک کیا اور علم دیا ہے۔ دوم وہ جو ان کی تابعداری کرتے ہیں، ہمارے نزدیک ان لوگوں کی تابعداری کرنے والے بہت اچھے ہیں۔ کیونکہ ان کو تزکیہ نفس عطا کیا گیا تھا اور رسول اللہ ﷺ کے زمانہ کے قریب تر کے ہیں۔ میں نے خود سنا ہے کہ بعض لوگ امام ابو حنیفہؒ کے حق میں سخت کلامی کرتے ہیں یہ ان لوگوں کی غلطی ہے۔

(ملفوظات مرزا ص 534 ج 1 (طبع جدید بدون تاریخ) و ذکر حبیب ص 277)

اس تحریر کو مکرر پڑھیے یہ کسی حاشیہ آرائی کی محتاج نہیں۔ بلکہ اپنی تفسیر آپ ہے کہ مرزا تقلید کے فوائد بیان کرتے ہوئے تھکتا نظر نہیں آتا۔ بلکہ آج کل عوام میں ہوائے نفس کا جو مرض ہے اس کی بنیادی وجہ مرزا ترک تقلید بتاتا ہے۔۔ جس کی وجہ سے وہ اپنے پاس آنے والے اہل حدیث حضرات کو پہلے حنفی اور اس کے بعد مرزائی بناتا ہے۔

حکیم نور الدین جانشین اول مرزا کی گواہی :- حضرت مرزا صاحب اہل سنت والجماعت خاص کر حنفی المذہب تھے۔ اس طائفہ ظاہرین علی الحق میں سے تھے والحمد للہ رب العالمین نور الدین 29 اگست 1912ء

(کلام امیر المعروف ملفوظات نور حصہ اول ص 54)

مولوی محمد علی لاہوری مرزائی کی گواہی :- حضرت مرزا صاحب ابتداء سے آخر زندگی تک علی الاعلان حنفی المذہب رہے ہیں۔

(تحریک احمدیت ص 1 حصہ اول)

مرزا بشیر احمد کی گواہی :- اصولاً آپ ہمیشہ اپنے آپ کو حنفی ظاہر فرماتے تھے۔ آپ نے اپنے لیے کسی زمانہ میں بھی اہل حدیث کا نام پسند نہیں فرمایا۔

(سیرت الہدی ص 249 ج 2)

مرزائیوں کی فقہ حنفی ہے۔

معروف مرزائی مصنف مرتضیٰ خاں حسن بی اے لکھتا ہے کہ ہم فقہ کو بھی مانتے ہیں اور فقہائے عظام کی دل سے قدر کرتے ہیں اور ان کے اجتہاد اور تفقہ کی قدر کرتے ہیں۔ ہم بالخصوص حضرت امام ابو حنیفہ کی فقہ پر عمل پیرا ہیں۔ اسی کی ہدایت ہمارے امام حضرت مرزا صاحب نے فرمائی ہے۔

(مجدد زمان بجواب دونبی ص 217)

سنئے ہم لوگ فقہ کی عزت کرتے ہیں فقہ کو خود مانتے ہیں اور فقہاء کو تعظیم اور قدر کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔ فقہاء جنہوں نے قرآن و حدیث سے مسائل کا استنباط کیا ہے ہمارے شکر یہ کے مستحق ہیں۔ حضرت امام ابو حنیفہ کو ہم امام اعظم مانتے ہیں اور ان کی فقہ پر عموماً عمل کرتے ہیں۔

(مجدد زمان بجواب دونبی ص 123)

مرزا غلام احمد قادیانی کی اہل حدیث سے نفرت

میرادل ان لوگوں سے کبھی راضی نہیں ہوا اور مجھے کبھی یہ خواہش نہیں ہوتی کہ مجھے وہابی کہا جائے اور میرا نام کسی (قادیانی مورخ کی) کتاب میں وہابی نہ نکلے گا۔ میں ان (اہل حدیث) کی مجلسوں میں بیٹھتا رہا ہوں ہمیشہ لفاظی کی بو آتی رہی۔ یہی معلوم ہوا کہ ان میں نرا چھلکا ہے مغز بالکل نہیں۔

(ملفوظات مرزا ص 515 ج 2)

وہابی آنحضرت ﷺ کی عظمت نہیں سمجھتا۔ وہ بھی خدا سے دور ہے۔ انہوں نے بھی دین کو خراب کر دیا ہے۔ جب کسی نبی یا ولی کا ذکر آ جاوے تو چلا اٹھتے ہیں کہ ان کو ہم پر کیا فضیلت ہے؟

(ملفوظات مرزا ص 160 ج 3)

مشرک بھی سچی محبت آنحضرت ﷺ سے نہیں رکھ سکتا اور ایسا ہی وہابی بھی

نہیں کر سکتا۔ یہ مسلمانوں کے آریہ ہیں۔ ان میں روحانیت نہیں ہے۔ خدا تعالیٰ اور اس کے سچے رسول سے سچی محبت نہیں ہے۔

(حاشیہ ملفوظات مرزا ص 161 ج 3)

اس جگہ ان لوگوں پر سخت افسوس آتا ہے جو کہتے ہیں کہ ہم اہل حدیث ہیں۔

(تحفہ گولڑویہ ص 78)

حنفی علماء کی شہادتیں کہ مرزا حنفی تھا

ہندو مذہب کو ترک کر کے اسلام میں داخل ہونے والے مولانا غازی احمد صاحب نے اپنی سوانح حیات لکھی ہے۔ بڑی دلچسپ اور معلوماتی کتاب ہے۔ جس میں انہوں نے اپنے اسلام قبول کرنے کا واقعہ اور پھر اس راہ میں حائل رکاوٹوں کا ذکر تفصیل سے کیا ہے۔ اپنی استقامت اور مصائب و آلام کا ذکر بھی کیا ہے۔ اچھے پڑھے لکھے اور درس نظامی کے فارغ التحصیل اور گورنمنٹ کالج بوجھال کلاں ضلع چکوال کے پرنسپل بھی رہے ہیں۔ اور آج کل فیصل یونیورسٹی اسلام آباد کے وائس چانسلر بھی ہیں۔

اسی (۸۰) کے عشرہ کے لگ بھگ پنجاب یونیورسٹی لاہور نے بی اے کے امتحانات کے سلسلہ میں انہیں تعلیم الاسلام کالج ربوہ کا ناظم امتحان مقرر کیا۔ وہاں ان کی مرزا ناصر احمد (مرزا غلام احمد قادیانی کا پوتا اور اس دور کا مرزائیوں کا خلیفہ) سے بھی ملاقات ہوئی۔ جس میں مذہبی تبادلہ خیال بھی ہوا غازی صاحب فرماتے ہیں کہ

تقریباً نصف گھنٹہ اسی گفتگو میں گزر گیا تو میں نے کہا جناب کافی وقت گزر چکا ہے نیچے بہت سے ملاقاتی آپ کے انتظار میں بیٹھے ہیں میں رخصت چاہتا ہوں البتہ اگر آپ مناسب خیال کریں اور گستاخی نہ سمجھیں تو ایک طالب علم کی حیثیت سے ایک سوال دریافت کرنا چاہتا ہوں۔ ناصر صاحب نے خوش دلی سے اجازت دے دی میں نے عرض کیا میں نے مرزا صاحب کی تحریر پڑھی ہے کہ میں اور میری جماعت کے افراد فقہی

مسلمک میں امام ابوحنیفہ کے پیروکار ہیں۔ ناصر صاحب میں بھی حنفی مسلمک سے تعلق رکھتا ہوں ناصر صاحب نے اظہار مسرت فرمایا۔ میں نے عرض کیا کہ مرزا صاحب تو آپ کے خیال کے مطابق منصب نبوت پر سر فراز تھے کیا یہ امر منصب نبوت کے شایان شان ہے کہ ایک نبی ایک امتی کے فقہی مسلمک کا پیروکار اور مقلد ہو کیا یہ مقام نبوت کی توہین نہیں؟ ناصر صاحب نے فرمایا اس سوال کا جواب بھی کسی دوسری مجلس میں تفصیل کے ساتھ دوں گا۔

(کفر کے اندھیروں سے نور اسلام تک ص 93 طبع مطبعہ المکتبۃ العلمیہ س 1985ء)
غازی صاحب کے سوال میں واقعی معقولیت ہے۔ راقم نے بھی متعدد قادیانیوں سے یہ سوال کیا ہے بغلیں جھانکنے لگتے ہیں۔

پیر مہر علی شاہ گولڑوی کے مرید محمد حیات وغیرہ لکھتے ہیں کہ ان کے آباؤ اجداد حنفی المذہب مسلمان تھے اور خود مرزا صاحب بھی اپنی اوائل زندگی میں انہی کے قدم بقدم چلتے رہے۔ اس وقت تک مرزا صاحب کے عقائد وہی تھے جو ایک صحیح العقیدہ سنی مسلمان کے ہونے چاہئیں۔

(پیش لفظ سیف چشتیائی صفحہ 4 طبع چہارم 1981ء)

حاجی نواب دین گولڑوی لکھتا ہے کہ جہاں تک معلوم ہو سکا ہے ان کے آباؤ اجداد حنفی المذہب مسلمان تھے اور خود مرزا صاحب بھی اپنی اوائل زندگی میں انہی کے قدم بقدم چلتے رہے۔

(آفتاب گولڑہ اور فتنہ مرزائیت ص 150)

مؤلف تحفہ اہل حدیث کا اعتراض

حنفی ہوتا تو نبوت کا دعویٰ نہ کرتا۔ امام صاحب کی فقہ میں کہاں لکھا ہے کہ نبوت کا دعویٰ کرو۔ یقیناً اس کا دعویٰ نبوت فقہ حنفی اور تقلید سے بغاوت کا نتیجہ ہے۔ اگر امام

صاحب کی تقلید کا ہارا اپنے گلے میں سجالیتا تو دعویٰ نبوت ہرگز نہ کرتا۔

(تحفہ اہل حدیث ص 88)

الجواب :- اولاً:- بلاشبہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک دعویٰ نبوت کفر ہے۔ مگر بھائی عقیدہ ختم نبوت کا تعلق عقائد سے ہے۔ فروع سے نہیں۔ جو آپ درمیان میں تقلید کو گھسیٹ لائے ہیں اور ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ عقائد میں آپ بھی تقلید کے قائل نہیں۔ ہمارا تو یہ دعویٰ ہے کہ فروع میں وہ آپ کا پیر بھائی ہے۔

ثانیاً:- لیکن یہ بات بھی اپنی جگہ پہ مسلم حقیقت ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی نے جو راستہ اپنایا ہے اس کو ہموار کرنے والے آپ کے فقہاء اور ہائی دارالعلوم دیوبند تھے۔

ملا علی القاری حنفی حدیث لانی بعدی کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

(قلت ومع هذا لو عاش ابراهيم وصار نبيا وكذا لو صار عمر نبيا لكانا من اتباعه عليه السلام كعيسى والخضر والياس عليهم السلام فلا يناقض قوله تعالى خاتم النبيين اذا المعنى انه لا ياتي نبى بعده ينسخ ملته ولم يكن من امته)

میں کہتا ہوں کہ اس کے ساتھ آنحضرت ﷺ کا فرمانا کہ اگر میرا بیٹا زندہ رہتا تو نبی ہوتا اور اسی طرح آپ علیہ السلام کا یہ ارشاد کہ میں نبی نہ ہوتا تو عمر نبی ہوتا کے معنی ہیں کہ آپ کی اتباع میں نبی ہوتا اور یہ آیت خاتم النبيين کے منافی نہیں کیونکہ آیت کا معنی ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد کوئی ایسا نبی نہیں آسکتا جو آپ کی شریعت کو منسوخ کر دے اور آپ علیہ السلام کی امت سے نہ ہو۔

(موضوعات کبیر ص 100)

یہی بات فقہ حنفی کی معروف کتاب درمختار کے حاشیہ طحاوی ص 41 ج 1 میں کہی

گئی ہے۔

مؤلفہ مولوی احمد رضا خاں بریلوی طبع 1982ء مطبوعہ مرکزی مجلس رضالاہور۔
 آل دیوبند کے مقتدا اعظم اور بانی دارالعلوم دیوبندی مولوی قاسم علی نانوتوی لکھتا ہے کہ
 سو عوام کے خیال میں تو رسول اللہ ﷺ کا خاتم ہونا بایں معنی ہے کہ آپ کا زمانہ
 انبیاء سابق کے زمانہ کے بعد اور آپ سب میں آخر ہیں مگر اہل فہم پر روشن ہو گا کہ تقدم
 و تاخر زمانی میں بالذات کچھ فضیلت نہیں۔ پھر مقام مدح ہے (ولکن رسول اللہ و خاتم
 النبیین) فرمانا اس صورت میں کیونکر ہو سکتا ہے۔

(تحذیر الناس ص 3)

اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی ﷺ بھی کوئی نبی پیدا ہو تو بھی خاتمیت محمدی میں کچھ
 فرق نہ آئے گا۔

(ایضاً ص 28)

ان حوالہ جات سے معلوم ہوا کہ جس سیرھی پر مرزا غلام احمد قادیانی چڑھا ہے
 اس کو تیار کرنے والے حقیقت کے نام نہاد فقہاء اور آل دیوبند کے بزرگ تھے۔ جو غالباً دعویٰ
 نبوت کرنا چاہتے تھے مگر مناسب ماحول میسر نہ ہو نیکی وجہ سے ہمت نہ کر سکے جسے بعد میں
 ایک حنفی مولوی مرزا غلام احمد نے پایہ تکمیل تک پہنچایا۔
 ابھی یوسف نامی ایک کاذب نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے جو حنفی ہے وہ ابھی زندہ ہے اس سے
 پوچھو؟ کیا تم فقہ حنفی کے پیروکار نہیں ہو۔

کیا مرزا غلام احمد قادیانی کا نکاح میاں صاحب مرحوم نے پڑھایا

مولوی اسمعیل کہتا ہے کہ اس (مرزا) کا نکاح سید نذیر حسین دہلوی غیر مقلد عالم

نے پڑھایا تھا۔

(تحفہ اہل حدیث ص 89)

الجواب :- اولاً:- اس بات کے راوی قادیانی ہیں۔ کسی مسلمان مؤرخ نے اس بات کو بیان

نہیں کیا۔ اگر اسماعیل میں ہمت ہے تو اس کا ثبوت دے ورنہ قادیانی گروہ پر اعتماد نہ کرے۔ کہ فاسق کی خبر کی تحقیق کرنا حکم قرآنی ہے۔

ثانیاً:- مرزا غلام احمد کی دو شادیاں ہوئیں تھیں۔ پہلی بیوی ایک معروف حنفی گھرانے کی چشم و چراغ تھی۔ رئیس قادیان باب 60 میں تفصیل موجود ہے۔ دوسری شادی دہلی میں ہوئی تھی۔ اس کے بارے میں قادیانی مؤرخین متفق ہیں کہ یہ اہل حدیث کی لڑکی تھی اور انہوں نے میاں صاحب سے نکاح پڑھوایا۔ مگر اس کی تصدیق کسی مسلمان مؤرخ سے ثابت نہیں۔ صرف قادیانی ماخذ ہے۔ بالفرض اگر تسلیم بھی کر لیا جائے تو یہ نکاح مرزا غلام احمد قادیانی کے مرتد ہونے سے قبل ہوا تھا۔ مولانا رفیق دلاوی نے ڈنکے کی چوٹ سے لکھا ہے کہ ہنوز مرزا پر کسی نے کفر کا فتویٰ نہیں لگایا تھا۔

(رئیس قادیان ص 86 ج 1 باب 22)

علاوہ ازیں کسی کا نکاح پڑھانے سے یہ کب لازم آتا ہے کہ دولہا اور نکاح خواں دونوں ایک ہی فرقے اور گروہ سے تعلق رکھتے ہیں اور ان کے درمیان فکر و نظر کی ہم آہنگی ہے۔ کیا رسول اللہ ﷺ کا نکاح حضرت خدیجہؓ کے ساتھ ابوطالب نے نہیں پڑھایا؟ تو کیا اس سے ابوطالب کا مسلمان ہونا ثابت ہو جائے گا۔

آپ سے قسماً پوچھا جاتا ہے کہ آپ نے جس قدر نکاح پڑھائے ہیں ان میں کوئی غیر دیوبندی نہ تھا۔ آیا آپ نکاح پڑھانے سے پہلے پوچھ لیتے ہیں کہ بھائی آپ دیوبندی ہیں یا بریلوی وغیرہ

دیگر مسائل

ان کے علاوہ حسب ذیل مسائل کی بھی نشان دہی انہوں نے کی ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی، آٹھ تراویح، جرابوں پر مسح، جمع بین الصلوٰتین گو کی حلت، سینہ پر ہاتھ باندھنے کا قائل تھا۔ (تحفہ اہل حدیث ص 89)

الجواب:- اولاً:- گویا ان کے علاوہ باقی ہزاروں مسائل میں وہ پکا حنفی تھا۔ آپ نے ان چند مسائل کی نشاندہی کر کے عوام کو مغالطہ دیا ہے ورنہ مرزائی تو صاف کہتے ہیں کہ فقہ احمدیہ میں عام مدون فقہ حنفی سے بعض امور میں اختلاف کیا گیا ہے۔ یہ اختلاف فقہ حنفی کے اصولوں سے باہر نہیں، پس جس طرح حضرت امام ابو حنیفہؒ سے آپ کے بعض شاگردوں مثلاً حضرت امام ابو یوسفؒ یا حضرت امام محمدؒ کا اختلاف فقہ حنفی کے دائرہ سے ان کو باہر نہیں لے جاتا اور ان کے اس اختلاف کو فقہ حنفی کی مخالفت نہیں سمجھا جاتا اسی طرح فقہ احمدیہ کا بعض امور میں اختلاف فقہ حنفی کے مخالف قرار نہیں دیا جاسکتا۔ خصوصاً جبکہ یہ اختلاف انہی اصولوں پر مبنی ہے جنہیں فقہاء حنفی تسلیم کرتے ہیں کیونکہ فقہ احمدیہ کے وہی ماخذ ہیں جو فقہ حنفی کے ہیں۔

(فقہ احمدیہ ص 15 حصہ اول مشتمل بر احکام فحشیہ)

لیجیے جناب قصہ ہی سارا صاف ہو گیا مرزائیوں اور حنفیوں کا اصول پر اتفاق و اتحاد ثابت ہو گیا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

انور شاہ کشمیری کا اعتراف

کہ میں نے خدمت اسلام کی بجائے تنفیت کی تائید
میں عمر ضائع کر دی

مفتی محمد شفیع دیوبندی، انور شاہ کشمیری کے بارے میں لکھتے ہیں:

ایک صبح نماز فجر کے وقت اندھیرے میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ
حضرت سر پکڑے ہوئے بہت مغموم بیٹھے ہیں، میں نے پوچھا حضرت
کیسا مزاج ہے؟ کہا ہاں ٹھیک ہی ہے، میاں مزاج کیا پوچھتے ہو، عمر ضائع
کر دی! میں نے عرض کیا حضرت! آپ کی ساری عمر علم کی خدمت میں
دین کی اشاعت میں گزری ہے،..... آپ کی عمر اگر ضائع ہوئی تو پھر کس
کی عمر کام میں لگی، فرمایا تمہیں صحیح کہتا ہوں، عمر ضائع کر دی میں نے
عرض کیا، حضرت بات کیا ہے؟ فرمایا ہمارا عمر کا ہماری تقریروں کا ہماری
ساری کدو کاوش کا خلاصہ یہ رہا کہ دوسرے مسلکوں پر خفیت کو ترجیح قائم
کر دیں۔ امام ابو حنیفہ کے مسائل کے دلائل تلاش کریں۔ (وحدت
امت ص 15 واللفظ لہ، مولانا انور شاہ کشمیری کے علوم و معارف 35
اکابر دیوبند کیا تھے؟ 46۔ حیات انور 141 تا 143)

اتمام حجت

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
عَمَدًا وَ نَصَلِّ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ

ایک غلط فہمی کا ازالہ

از۔ سیکرٹری احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور

سری نگر کشمیر میں آج کل ایک مقدمہ بائین متقدمین وغیر مقلدین عدالت میں دائر ہے جس میں غیر مقلدین اہلحدیث کی طرف سے مولوی محمد عبداللہ صاحب وکیل ہائیکورٹ پیروی کر رہے ہیں۔ چونکہ مولوی صاحب موصوف حضرت میرزا غلام احمد صاحب قادیانی رح کے معتقد ہیں۔ اسلئے بعض ناواقف مسلمان بھائی خیال کرتے ہیں۔ کہ حضرت میرزا صاحب اور آپ کے معتقد بھی غیر مقلد یا اہلحدیث ہیں۔ جن کو عام طور پر وہابی بھی کہا جاتا ہے۔ چونکہ یہ بات غلط ہے۔ اس لئے اصل حقیقت واضح کر دینی ضروری ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ اس وقت حضرت میرزا غلام احمد صاحب رح کے معتقدین کے دو گروہ ہیں۔

(۱) ایک تو وہ ہیں جو میاں محمود احمد صاحب گدی نشین قاریان کے پیرو ہیں۔ اہلجو۔ حضرت میرزا صاحب کے مذہب کے خلاف یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ حضرت نبی کریم محمد رسول اللہ خاتم النبیین کے بعد نبی آسکتے ہیں۔ اور کہ حضرت میرزا صاحب ہم حقیقی نبی تھے۔ اور جملہ مسلمانان عالم خواہ انہوں نے حضرت میرزا صاحب کا نام بھی نہ سنا ہو۔ کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔ صرف چند محمودی ہی مسلمان ہیں۔ (راہینہ صداقت مصنف میاں محمود احمد صاحب) نحوذ باللہ من ذلک

(۲) دوسرا گروہ وہ ہے۔ جو احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کی صورت میں حضرت مولانا مولوی محمد علی صاحب ایم اے مترجم و مفسر قرآن کریم انگریزی وارد کی زیر ہدایت

اہل سنت والجماعت تھے۔

برادران، اسلام کی غلط فہمی کو دور کرنے کے لئے ہم کلمہ شہادت اَشْهَدُ اَنْ
 لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ وَنَشْهَدُ اَنْ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ پڑھ کر ذیل کی گواہی دیتے ہیں۔
 کہ حضرت میرزا صاحب رحمہ کا مذہب جو ہم نے آپ کی صحبت میں ایک عرصہ دراز تک
 یہ کر سیکھا۔ تھا کہ قرآن کریم۔ احادیث صحیحہ۔ فقہ حنفیہ۔ اور افادات صوفیہ کرام
 و مشائخ عظام کے مطابق جو مذہب ہے وہ سچا ہے۔ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم
 حقیقی طور پر انہیں تھے۔ آپ کے بعد ہرگز ہرگز کوئی نبی نہیں آ سکتا۔ معراج
 نبوی، سبجز ان انبیاء و کرامات اولیاء برحق ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حیات
 النبی میں جن کی برکت و فیض سے اس امت میں کروڑوں اولیاء ہو چکے ہیں۔ اور قیامت
 تک ہوتے رہیں گے۔ حضرت میرزا صاحب کا خاص مقصد جماعت بنانے سے یہ تھا کہ
 اشاعت و تبلیغ و حفاظت اسلام کے لئے مسلمانوں کی ایک جماعت پیدا ہو جائے
 جو دلائل اور نایت امن و محبت سے باہمی مسلمانوں میں و نیز دیگر اقوام کے ساتھ
 وحدت اور خاد کی بنیاد رکھے۔ دنیا سے فتنہ و فساد مٹائے۔ اور قانون و وقت
 کی محافظت کرے۔ اسلئے اس بات کو خاص طور پر مد نظر رکھ لینا چاہیے۔ کہ ہماری جماعت
 کا تعلق نہ انہی سے ہے اور نہ محمودیوں سے جو حضرت میرزا صاحب کو نبی
 مانتے اور کلمہ گووں کو کافر کہتے ہیں۔

ذیل میں ہم حضرت میرزا صاحب کا مذہب خود آپ کی کتابوں کے لکھ کر برادران کشمیر سے برادران
 ہتھاکرتے ہیں۔ کہ وہ ہمارے ساتھ شامل ہو کر اشاعت و تبلیغ و حفاظت اسلام میں حصہ لیں
 تاکہ دنیا میں اسلام کا بول بالا ہو۔ اور ساری دنیا حضرت نبی کریم کے جھنڈے کے نیچے
 آجائے۔ خود غرض لوگوں کے بہکانے سے نیکی اور ثواب دہین سے محروم نہ رہیں۔

(۱) امام اعظم رضی اللہ عنہ اپنی قوت اجتہادی اور اپنے علم اور دہایت اور فہم و فرہنگ میں
 آئمہ ثلاثہ باقیہ راہم مالک ۲۔ شافعی ۴۔ حنبلی ۱ سے افضل و اعلیٰ تھے۔ اور
 ان کی خداوادیات فیصلہ ایسی بڑھی ہوئی تھی کہ وہ ثبوت اور عدم ثبوت میں سبوی فرق
 کڑ جانتے۔ تھے۔ اوصان کی قوت ملکہ کو قرآن کے سمجھنے میں ایک خاص دستگاہ تھی اور

چکے تھے۔ اسی وجہ سے اجنباد۔ اور استنباط میں ان کے لئے وہ درجہ علیا مسلم تھا۔ جبرئیل
 پہنچنے سے دوسرے سب لوگ قاصر تھے۔ سبحان اللہ!۔ اس زبیر کو زبیر بن ابی امام نے
 کیسی ایک آیت کے ائمہ کی عزت اعلیٰ و ارفع سمجھ کر بہت سی حدیثوں کو جو اسکے مخالف
 تھیں۔ زدی کی طرح سمجھ کر چھوڑ دیا۔ اور جہلا کے طعن کا کچھ اذیت نہ کیا (ازالہ الازہام جلد ۱ ص ۱۲۰)
 (۲) امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ علیہ نے بعض تابعین کو بھی دیکھا ہے۔ اور وہ فانی فی سبیل اللہ
 تھا۔ اسے حضرت مولوی محمد حسین شاہی (امجدیہ) صاحب آپ ناراض نہ ہوں آپ مجھوں (یعنی
 امجدیوں) کو امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے اگر ایک ذرہ بھی حسن ظن ہوتا۔ تو آپ سے
 نسبی اور استحقاق کے الفاظ استعمال نہ کرتے۔ آپ کو (یعنی امجدیوں کو) امام صاحب ہم کی شان
 معلوم نہیں۔ وہ ایک بجر اعظم تھا۔ اور دوسرے سب اس کی شاخیں ہیں۔ اسکا نام اہل اللہ
 رکھنا ایک بھاری خیانت ہے۔ امام اعظم حضرت ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو علاوہ کمالات
 آثار نبویہ ص کے استخراج مسائل قرآنی میں بیہ طولے تھا۔ (از مباحثہ لودھیانہ باجمعیات)

(۳) ہماری جماعت کا یہ فرض ہونا چاہیے۔ کہ اگر کوئی حدیث معارض اور مخالف قرآن و سنت
 نہ ہو۔ تو خواہ کیسی ہی اڈنے درجہ کی حدیث ہو۔ اُس پر عمل کریں۔ اور انسان کی بنیادی
 فقہ پر اس کو ترجیح دیں۔ اور اگر حدیث میں کوئی مسئلہ نہ ملے۔ اور نہ سنت میں اور نہ
 قرآن میں مل سکے۔ تو اس صورت میں فقہ حنفی پر عمل کریں۔ کیونکہ اس فرقہ کی کثرت
 خدا کے ندادہ پر دلالت کرتی ہے۔ اور اگر بعض موجودہ تغیرات کی وجہ سے فقہ حنفی کوئی
 صحیح فتوے نہ دے سکے۔ تو اس صورت میں علماء اس سلسلہ کے اپنے خدا واد اجتہاد سے
 کام لیں۔ لیکن ہوشیار رہیں۔ کہ مولوی عبد اللہ چکرا الوی کی طرح بے وجہ احادیث
 سے انکار نہ کریں۔ ہاں جہاں قرآن و سنت سے کسی حدیث کو معارض پاویں۔ تو اس
 حدیث کو چھوڑ دیں۔ (از ریو بو رہا حثہ شاہی و چکرا الوی)

(۴) بالآخر ہمارے جتنے ہمارے مخالف علماء لوگوں کو ہم سے نفرت بلا کر ہمیں کافر اور بے
 شہر لیتے ہیں۔ اور عام مسلمانوں کو یقین دلانا چاہتے ہیں کہ یہ شخص (یعنی حضرت میرزا غلام
 صاحب) مع اس کی جماعت کے عقائد اسلام اور اصول دین سے برگشتہ ہے۔ یہ ان علماء

کے کلام یعنی قرآن کو پنجہ مارنا حکم ہے۔ ہم اس کو پنجہ مار رہے ہیں۔ اور فاروق رضی اللہ عنہ عنہ کبیر ح
 ہماری زبان پر **حَسْبُنَا اللَّهُ** ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرح اختلاف اور
 تباہی کے وقت جب حدیث اور قرآن میں پیدا ہو۔ قرآن کو ہم ترجیح دیتے ہیں۔ بالخصوص
 قصوں میں جو بالاتفاق صحیح کے لائق بھی نہیں ہیں۔ اور ہم کہتے ہیں کہ
 خدا سے تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اور یہنا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اسکے رسول
 اور خاتم الانبیاء ہیں۔ اور ہم ایمان لاتے ہیں کہ جو کچھ اللہ جل شانہ نے قرآن شریف میں فرمایا ہے اور
 جو کچھ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ وہ سب بلحاظ بیان مذکورہ بالا حق ہے۔ اور
 ہم ایمان لاتے ہیں۔ کہ جو شخص اس شہدیت اسلام میں سے ایک ذرہ کم کرے۔ یا ایک ذرہ زیادہ
 کرے۔ یا ترک فرمائیے اور اباحت کی بنیاد ڈالے۔ وہ بے ایمان اور اسلام سے برگشتہ ہے۔ اور
 ہم اپنی جماعت کو نصیحت کرتے ہیں کہ وہ سچے دل سے اس کلمہ طیبہ پر ایمان رکھیں۔ کہ **لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ**۔ اور اسی پر مریں۔ اور تمام انبیاء اور تمام کتابیں جن کی سچائی
 قرآن شریف سے ثابت ہے۔ ان سب پر ایمان لادیں اور صوم اور صلوة اور زکوٰۃ اور حج اور خدائے
 اور اسکے رسول کے مقرر کردہ تمام فریضوں کو فریض سمجھ کر اور تمام منہیات کو منہیات سمجھ کر ٹھیک
 ٹھیک اسلام پر کار بند ہوں۔ عرض وہ تمام امور جن پر سلف صالح کو اعتقاد ہی اور عملی طور پر
 اور وہ امور جو اہل سنت کی اجماعی رائے سے اسلام کہلاتے ہیں۔ ان سب کا ماننا فرض ہے۔ اور
 ہم آسمان اور زمین کو اسماء پر گواہ کرتے ہیں کہ یہی ہمارا مذہب ہے۔ اور جو شخص مخالف اس
 مذہب کے کوئی الزام ہم پر لگاتا ہے۔ وہ نعوذ اور دیانت کو چھوڑ کر ہم پر افسر کرتا ہے۔ اللہ قیامت
 میں ہمارا اُس پر یہ دعویٰ ہے کہ کب اُس نے ہمارا سینہ چاک کر کے دیکھا۔ کہ ہم باوجود اس
 قول کے دل سے ان اقوال کے مخالف ہیں۔ **إِنَّا لَنَعْتَدُ اللَّهُ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُفْرِيْنَ**
 (از کتاب ایام الصلح)

اگر ہماری جماعت کے ہمارے مزید حالات دریافت کرنے ہوں تو براہ رسالت حضرت مولوی محمد علی صاحب

ایم ہے۔ امیر جماعت احمدیہ۔ احمدیہ بلڈنگس لاہور سے خط و کتابت کی جائے۔

truemaslak@inbox.com

تحفہ حنفیہ بجواب تحفہ اہل حدیث

مقلدین اپنے اکابر کی نظر میں

اکثر مقلدین عوام بلکہ خواص اس قدر جاہل ہوتے ہیں کہ اگر قول مجتہد کے خلاف کوئی آیت یا حدیث کان میں پڑتی ہے ان کے قلب میں اشراغ اٹھتا ہوا نہیں رہتا بلکہ اول استزکا قلب میں پیدا ہوتا ہے پھر تاویل کی فکر ہوتی ہے خواہ کتنی ہی بعید ہو اور خواہ دوسری دلیل قوی اس کے معارض ہو بلکہ مجتہد کی دلیل اس مسئلہ میں بجز قیاس کے کچھ بھی نہ ہو بلکہ خود اپنے دل میں اس تاویل کی وقعت نہ ہو مگر نصرت مذہب کے لیے تاویل ضروری سمجھتے ہیں۔ دل یہ نہیں مانتا کہ قول مجتہد کو چھوڑ کر حدیث صحیحہ صریحہ پر عمل کر لیں۔ (تذکرہ ارشد 137/1)

ایک مقام پر لکھتے ہیں:

”بعض مقلدین نے اپنے ائمہ کو معصوم عن الطاء و مصیب و جوباء و مفروض الاطاعت تصور کر کے عزم بالجزم کیا کہ خواہ کیسی ہی حدیث صحیح مخالف قول امام کے ہو اور مستند قول امام کا بجز قیاس کے امر دیگر نہ ہو پھر بھی بہت سی مٹل و ضلل حدیث میں پیدا کر کے یا اس کی تاویل بعید کر کے حدیث کو رد کریں گے اور قول امام کو نہ چھوڑیں گے۔ ایسی تقلید حرام اور مصداق قولہ تعالیٰ ”اتخذوا احبارہم و رهبانہم اربابا الایۃ اور خلاف وصیت ائمہ مرہومین کے ہے۔ (امداد التامی 297/5)

ملنے کے پتے

مکتبہ اسلامیہ طرزی سٹریٹ اردو بازار لاہور

نعمانی کتب خانہ حق سٹریٹ اردو بازار لاہور

عبدالوالی کتب گھر اردو بازار کوہراوالہ

اسلامی اکیڈمی الفضل مارکیٹ اردو بازار لاہور

فاران اکیڈمی الفضل مارکیٹ اردو بازار لاہور

مکتبہ نعمانیہ اردو بازار کوہراوالہ